سیرت سید المرسلین

مصنف

الحاج مولانا حافظ عبدالمجید شاکر چغتائی

کہروڑ پکا

بلغ العلیٰ بکمالہ
کشف الدجیٰ بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ
صلوا علیہ وآلہ
www.KitaboSunnat.com
سیرت
سید المرسلین ﷺ
مصنف
الحاج مولانا حافظ عبدالمجید شاکر چغتائی
گلستان کتابت سرگودھا

ختم نبوت صلی اللہ علیہ وسلم زندہ باد　　　　عظمت صحابہ زندہ باد

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ:

معزز ممبران: آپ کا وٹس ایپ گروپ ایڈمن "**اردو بکس**" آپ سے مخاطب ہے۔

آپ تمام ممبران سے گزارش ہے کہ:

- گروپ میں صرف PDF کتب پوسٹ کی جاتی ہیں لہذا کتب کے متعلق اپنے کمنٹس / ریویوز ضرور دیں۔ گروپ میں بغیر ایڈمن کی اجازت کے کسی بھی قسم کی (اسلامی وغیر اسلامی، اخلاقی، تحریری) پوسٹ کرنا سختی سے منع ہے۔
- گروپ میں معزز، پڑھے لکھے، سلجھے ہوئے ممبرز موجود ہیں اخلاقیات کی پابندی کریں اور گروپ رولز کو فالو کریں بصورت دیگر معزز ممبرز کی بہتری کی خاطر ریمو و کر دیا جائے گا۔
- کوئی بھی ممبر کسی بھی ممبر کو انباکس میں میسیج، مس کال، کال نہیں کرے گا۔ رپورٹ پر فوری ریمو و کر کے کاروائی عمل میں لائے جائے گی۔
- ہمارے کسی بھی گروپ میں سیاسی و فرقہ واریت کی بحث کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں ہے۔
- اگر کسی کو بھی گروپ کے متعلق کسی قسم کی شکایت یا تجویز کی صورت میں ایڈمن سے رابطہ کیجئے۔
- سب سے اہم بات:

گروپ میں کسی بھی قادیانی، مرزائی، احمدی، گستاخِ رسول، گستاخِ امہات المؤمنین، گستاخِ صحابہ و خلفائے راشدین حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، حضرت علی المرتضیٰ، حضرت حسنین کریمین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین، گستاخ اہلبیت یا ایسے غیر مسلم جو اسلام اور پاکستان کے خلاف پراپیگنڈا میں مصروف ہیں یا ان کے روحانی و ذہنی سپورٹرز کے لئے کوئی گنجائش نہیں ہے لہذا ایسے اشخاص بالکل بھی گروپ جوائن کرنے کی زحمت نہ کریں۔ معلوم ہونے پر فوراً ریمو و کر دیا جائے گا۔

- تمام کتب انٹرنیٹ سے تلاش / ڈاؤنلوڈ کر کے **فری آف کاسٹ** وٹس ایپ گروپ میں شیئر کی جاتی ہیں۔ جو کتاب نہیں ملتی اس کے لئے معذرت کر لی جاتی ہے۔ جس میں محنت بھی صَرف ہوتی ہے لیکن ہمیں آپ سے صرف دعاؤں کی درخواست ہے۔
- عمران سیریز کے شوقین کیلئے علیحدہ سے عمران سیریز گروپ موجود ہے۔
- **لیڈیز کے لئے الگ گروپ کی سہولت موجود ہے جس کے لئے ویریفکیشن ضروری ہے۔**
- اردو کتب / عمران سیریز یا سٹڈی گروپ میں ایڈ ہونے کے لئے ایڈمن سے وٹس ایپ پر بذریعہ میسیج رابطہ کریں اور جواب کا انتظار فرمائیں۔ برائے مہربانی اخلاقیات کا خیال رکھتے ہوئے موبائل پر کال یا ایم ایس کرنے کی کوشش ہر گز نہ کریں۔ ورنہ گروپس سے تو ریمو و کیا ہی جائے گا بلاک بھی کیا جائے گا۔

نوٹ: ہمارے کسی گروپ کی کوئی فیس نہیں ہے۔ سب فی سبیل اللہ ہے

0306-7163117	0343-7008883	0333-8033313
محمد سلمان سلیم	پاکستان زندہ باد	راؤ ایاز

پاکستان زندہ باد　　　　پاکستان پائندہ باد

اللہ تبارک تعالیٰ ہم سب کا حامی و ناصر ہو

نام کتاب : ــــــــ سیرۃ سید المرسلین ؐ
موضوع کتاب : ــــــــ سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم
مصنف کتاب : ــــــــ مولانا الحاج ڈاکٹر حافظ عبدالمجید شاکر چغتائی کہروڑپکا
نظر ثانی و ترتیب : ــــــــ مولانا نور محمد خطیب شہری مسجد کالے منڈی ملتان شہر
معاون تصحیح و ترتیب : ــــــــ احمد سلیم مظہر چغتائی
باہتمام : ــــــــ جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کہروڑپکا
خطاطی : ــــــــ گلستان کتابت جناح مارکیٹ سرگودھا
پازیٹو و بلاک : ــــــــ واسطی بلاک میکرز جناح مارکیٹ سرگودھا
طبع باہتمام : ــــــــ سید احمد حسن واسطی
مطبوعہ : ــــــــ عمانی پرنٹرز فون نمبر ۴۳۰-۳۵-۷
ضخامت : ــــــــ ۴۷۶ صفحات
ناظم طباعت : ــــــــ احمد سلیم مظہر چغتائی
ناشران : ــــــــ چغتائی جنرل سٹور اینڈ بکڈپو کہروڑپکا۔
طبع اول ــــــــ ایک ہزار ۔ مئی ۱۹۸۰ء
قیمت : ــــــــ
طبع بار دوم ــــــــ ایک ہزار ۔ نومبر ۱۹۸۲ء
طبع بار سوم ــــــــ ایک ہزار ۔ مارچ ۱۹۸۸ء

ملنے کے پتہ

- چغتائی جنرل سٹور اینڈ بک ڈپو کہروڑپکا
- المکتبۃ الحسینیہ جامعہ ضیاء العلوم بلاک نمبر ۱۸ سرگودھا
- صابر میڈیکل سٹور کہروڑپکا
- کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
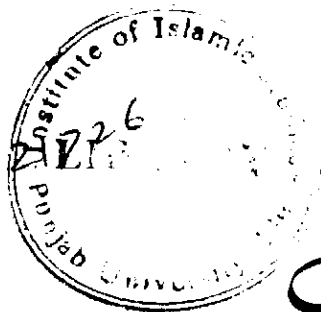
فہرست

اِنتساب

اُن نفوس قدسیہ کے نام جنہیں اصحاب رسول ہونے کا شرف واعزاز حاصل ہُوا۔ جنہوں نے سیرتِ طیّبہؐ کو اپنا کر دو جہان میں سرخروئی حاصل کی اور جو رہتی دنیا تک اہلِ ایمان کے لیے مینارۂ نور اور معیارِ حق ہیں۔

رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ

فاضل مصنف کی مایہ ناز کتب

- توحید الٰہ العالمین
- اعجاز قرآنی
- اوراد سبحانی
- دُرِ یزدانی (شرح اسماء رحمانی)
- اسرار قرآنی (سورتوں کے خواص وظائف)
- اخبار امت سرۃ اصحابؓ سید المرسلین ﷺ
- حقوق والدین مع مقام استاد
- دعا بعد نماز جنازہ
- مرقع کہروڑ از احمد سلیم مظہر چغتائی
- مشاہیر کے خطوط " "

تعارفِ مصنّف

الحاج مولانا ڈاکٹر حافظ عبد المجید شاکرؔ مؤلف "سیّد المرسلین"
علمی دنیا کی معروف شخصیت ہیں۔ آپ کی ذاتِ گرامی کسی تعارف کی محتاج
تو نہیں۔ تاہم تعارفی طور پر کچھ لکھنا اس احقر کے لئے باعث سعادت ضرور ہے
دستور یہ ہے کہ کسی علمی کاوش یا علمی شخصیت کا تعارف بھی کسی متعارف
علمی شخصیت سے کرایا جاتا ہے۔ مگر مؤلف کے دل میں احقر کے علمی خاندان اور
بزرگوں کے علمی مرتبہ کے لئے جو جذبۂ تکریم ہے یہ محض اسی کا مظہر ہے کہ انہوں
نے اس تعارفی نوٹ کی ذمہ داری اس احقر کو سونپی اور احقر نے بھی اپنی تمام تر
کم مائیگی کے باوجود بزرگوں کے حوالہ سے ہی یہ جسارت کی ہے۔ ورنہ

من آنم کہ من دانم

مولانا شاکر کا خاندانی اور علمی تعارف تاریخ کی روشنی میں بالتفصیل
ان کے برادرِ عزیز جناب احمد سلیم مظہر کی تالیف "آئینۂ کھر ڈر" میں موجود

ہے۔ میں یہاں زیرِ نظر کتاب اور مؤلف کی دیگر تصانیف کی روشنی میں ان کی علمی کاوشوں اور دینی و روحانی وابستگی کے پہلو سے ان کی شخصیت پر مختصراً عرض کر دوں گا۔

آپ کا تعلق ایک صحیح العقیدہ موحّد علمی خاندان سے ہے۔ آپ کے والد محترم جناب الحاج حافظ محمد یار صاحب کھروڑ پکا کے انتہائی متبحر عالم دین مولانا معین الدین کے ہمعصر ہیں۔ اور خود بھی متقی، موحّد، زاہد، شب بیدار اور درحقیقت قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں کا صحیح نمونہ ہیں۔ اور بحمداللہ ان کی پوری اولاد اپنے والد بزرگوار کی تربیت کے فیض سے راسخ العقیدہ اور نیکی کی خوگر ہے۔ مؤلف کے برادر بزرگ الحاج حافظ محمد عبدالصمد صابر ہمہ تن خدمتِ دین کو اپنا شعار بنائے ہوئے ہیں۔ کھروڑ پکا میں تبلیغی جماعت کے امیر ہیں۔ جن کی وجہ سے علاقہ میں تبلیغی کام بھرپور انداز میں ہو رہا ہے۔ یہاں کی ممتاز دینی درس گاہ مدرسہ عربیہ حفظ القرآن کا تمام تر اہتمام دانصرام آپ کے ہاتھ میں تھا[ص] اور قدیمی عیدگاہ کی تعمیر و توسیع کا عظیم کارنامہ ان کی دینی دنیوی اور اخروی سرخروئی کا ذریعہ ہے۔

مولانا شاکر کے ایک چھوٹے بھائی محمد حنیف اظہر انجمن شبان المسلمین کے بانی تھے۔ جن کی جوان مرگی مؤلف کے لئے ایک سانحۂ عظیمہ کی حیثیت رکھتی ہے

مؤلف کے دوسرے چھوٹے بھائی احمد سلیم مظہر کھروڑ پکا کے علمی اور ادبی حلقوں میں ایک بے لاگ صحافی کی حیثیت سے معروف ہیں جن کا تعلق ملک کے موقر روزنامہ "امروز" سے ہے انہوں نے "آئینۂ کھروڑ" کے نام سے

ص ۲۵ سال تک مدرسہ حفظ القرآن کی خدمات سرانجام دیکر اب جامعہ اشاعت القرآن کے مہتمم ہیں۔

ایک تاریخی تالیف بھی شائع کی ہے جو اس قدیم اور تاریخی قصبہ کی مبسوط اور مستند تاریخ کا درجہ رکھتی ہے۔ مارکیٹ کمیٹی کہروڑ پکا کے چیئرمین بھی ہیں۔

مولانا شاکر کے سب سے چھوٹے بھائی مجاہد یحییٰ اصغر اپنی کم سنی میں ہی اتقاء اور زہد کا نمونہ ہیں۔

مولانا حافظ عبدالمجید شاکر کی علمی اور روحانی جلامیں اپنے والد محترم کی تربیت کے علاوہ ان علمائے کرام سے کسب فیض کا بھی بہت بڑا حصہ ہے جنہوں نے اشاعت توحید و سنت کے لئے اپنی زندگی وقف کی ہوئی ہے۔ آپ مجاہد ملت بطل حریت جناب امیر شریعت **سید عطاء اللہ شاہ بخاری** رح سے بعیت ہیں۔ اور اکتساب علم جن بزرگان دین سے انہوں نے کیا ان میں حافظ الحدیث مولانا محمد عبداللہ درخواستی قاطع شرک و بدعت حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری اور شیخ القرآن حضرت مولانا غلام اللہ خان صاحب کے اسماء گرامی خصوصًا قابل ذکر ہیں۔ ان اکابرین و زعماء سے کسب علم و فیض کے بعد اُن کو جس مقام پہ فائز ہونا چاہیئے تھا فی الحقیقت جناب شاکر اسی مقام پہ نظر آتے ہیں۔ اس پورے علاقہ میں آپ شرک و بدعت کے لئے "برہان قاطع" کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔ اور اپنے بزرگوں کے نقش قدم پہ چلتے ہوئے آپ نے اپنی پوری زندگی اشاعت توحید و سنت کے لئے وقف کر رکھی ہے۔ تقریبًا ربع صدی سے نماز فجر کے بعد درس قرآن حکیم آپ کا معمول ہے جس کی برکات سے ہزاروں تشنگان علم فیض یاب ہوتے ہیں اور اپنے عقائد درست کرتے ہیں۔

مولانا موصوف توحید کے متوالے، سچے عاشق رسول، سنت کے

پروانے، علمی و عملی کمالات کا مجموعہ، زہد و تقویٰ کی تصویر، اخلاص و للّٰہیت کا پیکر، اور شرافت و دیانت کا نادر نمونہ ہیں۔ سیرت و صورت اور لباس و طعام میں روایتی سادگی سنتِ رسول کا آئینہ دار ہے۔ رفتار و گفتار میں انکساری اور خوش خلقی سے متصف ہیں۔ معاشی طور پر کسبِ حلال اور دینی و ملی خدمات کے بے پناہ جذبہ و ایثار نے آپ کو زمرۂ علماء میں ممتاز کر دیا ہے۔

بہرکیف مولینا شاکر اس احقر کی رائے میں عالم باعمل، حق گو مبلغِ دین حق و صداقت کا مظہر اور روحانی پیشوا ہیں۔ راہِ طریقت میں مولینا شاکر پیرِ طریقت حضرت سید شمس الحق شاہ صاحب (صادق آباد) کے خلیفۂ مجاز ہیں۔ اور علاقہ میں بے شمار لوگ آپ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہیں۔

توحید و رسالت کے متوالوں اور حق گو علماء و اکابرین کو عقیدۂ توحید کی اشاعت کے ضمن میں جس طرح جھوٹے عاشقانِ رسول اور بدعت کے اسیر لوگوں نے بے ادب اور گستاخِ رسول جیسے خطابات سے نوازا وہ سعادت دیگر مجاہدینِ حق کی طرح مولانا شاکر کے حصہ میں بھی آئی۔ اور انہیں بھی شرک و بدعت کے اسیر لوگوں نے ان خطابات سے نوازا اور برا بھلا کہا اور یہ سعادت انبیاء کرام سے لے کر تمام اولیائے کرام اور مجاہدینِ حق کے حصہ میں آتی رہی ہے

این سعادت بزورِ بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

مولانا شاکر کی زیرِ نظر تالیف "سیرِ سید المرسلین" کے مطالعہ سے قارئین کو اندازہ ہوگا کہ مؤلف نے کس قدر صحیح جذبۂ حبِّ رسول سے سرشار ہو کر یہ کتاب لکھی ہے۔

کتاب پر تبصرہ میرا موضوع نہیں تاہم اتنا عرض کرنا مناسب سمجھتا ہوں کہ سیرۃ الرسول کے موضوع پر لکھی جانے والی پہلی کتابوں (جن کا درجہ و مقام بہرحال مسلم ہے) سے یہ کتاب اس لحاظ سے ضرور ممتاز ہے کہ مؤلف نے کتاب کو مختلف ابواب میں تقسیم کر کے آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کرنے کی کامیاب سعی فرمائی ہے۔ کتاب اپنی افادیت اور علمی مقام کی خود مُنہ بولتی تصویر ہے۔ اس کے لئے اتنا عرض کرنا کافی ہے۔

مشک آن است کہ خود ببوید۔ نہ کہ عطار بگوید

مولانا عبدالمجید شاکرؒ کی اس سے قبل دین متین کے مختلف موضوعات پر متعدد تصانیف منظر عام پر آچکی ہیں۔ جو اِن شاءَ اللہ رہتی دنیا تک "باقیات الصالحات" کی حیثیت سے تابندہ رہیں گی۔ جن میں "اعجاز قرآنی" "صراط مستقیم" "توحید الٰہ العالمین" "حقوق و الدین" "ذرّیۃ دالی شرح اسماءِ ربانی" اور "اضاءۃ الملۃ فی ردّ البدعۃ" خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

جی تو چاہتا ہے کہ تمام کتب کا تفصیلی تعارف پیش کروں۔ لیکن نہ تو اس مختصر تحریر میں اس کی گنجائش ہے اور نہ ہی موضوعِ سخن۔

لیکن یہ کہنا بے جا نہ ہو گا کہ مولانا شاکرؒ کا حقیقی تعارف متذکرہ بالا کتب کے مطالعہ سے ہی ہو سکتا ہے

بہرکیف حضرت مولانا شاکر اور اُن کے خاندان کی دینی و دنیوی ترقی اور عظمت کے اظہار کے لئے اتنا کہا جا سکتا ہے۔

اپنا زمانہ آپ بناتے ہیں اہلِ دل
یہ وُہ نہیں کہ جن کو زمانہ بنا گیا

مولانا شاکر کی علمی خدمات کو اَللّٰھُمَّ زِدْ فَزِدْ کی دعاء کے ساتھ
خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں۔
وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ

احقر محمد احمد شاہد (دہلوی) مستند طبیّہ کالج دہلی
نبیرۂ حضرت مولانا محمد حسن صاحبؒ خلیفۂ مجاز حضرت
مولانا حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ

علمدار حسین بخاری

وَرَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ

شب و روز کے تسلسل کے جبر میں جب آنکھ ارد گرد کے کریہہ اور قبیح منظروں سے پناہ مانگتی ہے، لگتا ہے وجود کے اندر کسی رزمگاہ کے در کھل گئے ہیں اور مسموم ہواؤں میں زہریلی سوئیاں ناچ رہی ہیں، جہل کا عمیق اندھیرا ہماری پلکوں پر اپنے لشکر اتار رہا ہے علم حقیقی کی صدائیں الفاظ کے ٹھٹھرتے وجودوں میں زخم کھا کر منتشر ہو رہی ہیں اور پھر اندھیرا پلکوں کی سیڑھیوں سے اُتر کر سینے کے پاتال میں اُترنے لگتا ہے اور یقین کی حالتوں سے وہم و گمان کا جالا لپٹنے لگا ہے لیکن ہم اپنے عجز آمیز حوصلے سے یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ ہم اس سے بے خبر ہیں کہ عرصہ انجماد و شبِ تاریک ایسا ہمارا عہد ہمیں کس کربلا کی جانب گرا رہا ہے .... ہم کڑے امتحان میں ہیں اور نتیجے کے بارے میں تشکیک اور بے یقینی ہمارے ہمراہ ہے ایسے میں فقط حبیبؐ ربِ عظیم کے نام کی ضو ہمیں جہل کی تاریکی اور تشکیک کی دُھند سے نکال سکتی ہے اور اس کا نام شب کے حصار میں سحر کا باب بن سکتا ہے اس لئے مولانا عبدالمجید شاکر چغتائی "سیرت سید المرسلین" لکھتے ہیں تو میرے وجود کے نہاں خانوں میں حبیبؐ ربِ عظیم کے نام کی ضُو سے تشکیک اور بے یقینی کی دُھند چھٹنے لگتی ہے، میں حبیبِ خداؐ سے محبت کے فرض کی ادائیگی کیلئے خود کو تیار پاتا ہوں اور اس ذات پاک کا نام میری زبان پر آجاتا ہے جس کے بارے میں خود اللہ نے اعلان فرمایا وَرَفَعۡنَا لَکَ ذِکۡرَکَ اور پھر میں دیکھتا ہوں کہ انسانوں میں سب سے برتر انسان کا ذکر سب سے بلند ہے۔ حبیب خداؐ کی سیرت پر سینکڑوں بلکہ ہزاروں کتابیں لکھی گئیں جن کا اقرار غیروں نے بھی کیا پروفیسر مارگولیتھ لکھتے ہیں

THE BIOGRAPHIES OF PROPHET MOHAMMED FROM A LONG SERIES WHICH IS IMPOSSIBLE TO END BUT IN WHICH IT WOULD BE HONOURABLE TO FIND A PLACE. (MORGOLOITH:- MOHAMMED, PREFACE)

یعنی رسول خداؐ کی سیرت نگاری کا سلسلہ غیر مختتم ہے لیکن جس میں جگہ بنانا بلاشبہ ایک بڑا اعزاز ہے

اردو میں شبلی نعمانی کی سیرۃ النبیؐ ایک ایسا علمی کارنامہ ہے جس کی مثال عربی، فارسی زبانوں میں بھی کم ہی ملتی ہے، شبلی نے جس عشق رسولؐ، خلوص، محنت اور تحقیق سے یہ کتاب لکھی اس نے اسے زندہ جاوید بنا دیا۔ بعد میں سید سلیمان ندوی اور کئی دوسرے علماء نے بھی سیرت نگاری کا حق ادا کرنے کی کوشش کی۔ حافظ عبدالمجید شاکر کی سیرت سید المرسلین بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔ مصنف "سیرت سید المرسلین" کی تصنیف کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں

"اس موضوع پر قلم اُٹھانا بڑی علمی بصیرت کا متقاضی تھا۔ ان تمام کمزوریوں اور رکاوٹوں کے باوجود عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا سمندر دل میں برابر ٹھاٹھیں مارتا رہا اور اس کی لہریں اور موجیں بار بار اُبھرتی اور خیالات سے ٹکراتی رہیں" اور یوں سیرت کے موضوع پر ایک اہم تصنیف وجود میں آئی جسے سرکاری سطح پر بھی پذیرائی حاصل ہوئی اور اسے سیرت النبیؐ کے موضوع پر صدارتی ایوارڈ کی مستحق تصنیف قرار دیا گیا۔

حافظ عبدالمجید شاکر چغتائی کہروڑ پکا کی ایک اہم علمی شخصیت ہیں جو لگ بھگ تیس برس سے تدریس و تبلیغ دین کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ ان کے کام میں اس لئے بھی خلوص اور خود اختیاری کا رنگ گہرا ہے کہ وہ اپنی روزی دن بھر محنت کرکے کماتے ہیں اس لئے ان پر اس کٹھ ملا کی پھبتی نہیں کہی جا سکتی جو اپنے تاریک حجرے میں مقید ہو کر اپنے ماحول سے آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ وہ کھلی آنکھوں سے اپنے اردگرد بسنے والے لوگوں کو دیکھتے ہیں اور انہی کی اصلاح کا جذبہ "سیرت سید المرسلینؐ" کی تصنیف کے صبر آزما کام میں انہیں حوصلہ دیتا ہے

میں نے سیرت نگاری کے سلسلے میں شبلی نعمانی کا نام لیا تھا شبلی نے سیرت نگاری کے کچھ فنی اصول مرتب کیے تھے، وہ سوانح نگاری (BIOGRAPHY) کے جدید فنی اصولوں سے آگاہ تھے لیکن وہ یہ بھی جانتے تھے کہ نبی کی ذات معصوم ہوتی ہے اور عام

آدمی کی سوانح لکھنے اور نبیؐ کی سوانح لکھنے میں ایک بنیادی فرق ہے۔ شبلی کے نزدیک حضورؐ کی ذات کو "جامعیت کبریٰ"، کا درجہ حاصل ہے ان کا اخلاق مجسم قرآن ہے لیکن شبلی نبوت اور الوہیت کو باہم خلط ملط نہیں کرتے۔ انھوں نے حضورؐ کو ایک انسان کامل تصور کرکے آپؐ کی خلوت اور جلوت کی باریک ترین جزئیات تک پیش کر دی ہیں۔ شاکر صاحب کا بھی بنیادی THESIS یہی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک انسان ایک بشر ہوتے ہوئے سب انسانوں سے برتر اور برگزیدہ کیونکر تھے! شاکر صاحب نے قرآنی آیات اور احادیثِ نبویؐ کے لاتعداد حوالوں کی مدد سے ضرورتِ رسالت منصبِ رسالت، بشریت و رسالت وحی اور علم غیب، دعوت و تبلیغ، معجزاتِ نبیؐ، معمولاتِ نبیؐ، اور وفات النبیؐ کے موضوعات کو واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ وہ ایک مخصوص مکتبِ فکر سے تعلق رکھتے ہیں اور سچی بات یہ ہے کہ انھوں نے اس مکتبِ فکر سے ہٹ کر سوچنے کی کوئی کوشش روا نہیں سمجھی لیکن انھوں نے اپنے زیر مطالعہ موضوعات پر جس محنت اور دقیقہ رسی کا ثبوت دیا ہے اسکا ثبوت کتاب میں آنے والے سینکڑوں قرآن و حدیث کے حوالوں سے مل جاتا ہے۔ وہ ایک مشاق مناظر کی طرح اپنے موضوع کے حق میں حوالہ جات پیش کرنے میں بے پناہ مہارت اور علمیت کا ثبوت دیتے ہیں اور ان کا طرزِ استدلال متاثر کرتا ہے

مصنف نے کتاب لکھتے ہوئے جن موضوعات کا تعین کیا ہے اس میں اس بات کی بہت کم گنجائش تھی کہ سیرت نگاری کے جدید فنی اصولوں کو پیشِ نظر رکھا جاتا، انھوں نے حضور اکرمؐ کی ذاتی زندگی کی تفصیل پر توجہ دینے کی بجائے علمی موضوعات کو چھیڑا ہے، اور اپنے نقطۂ نظر کے مطابق قرآن اور حدیث کے حوالوں سے چند فکری اور مذہبی غلط فہمیاں رفع کرنے کی کوشش کی ہے اس اعتبار سے مولانا عبدالمجید شاکر چغتائی کی یہ کتاب "سیرت المرسلینؐ"، ایک اہم علمی تصنیف ہے اور اسے اسی نقطۂ نظر سے دیکھا جانا چاہیئے کہ قرآن اور حدیث کے حوالوں کی روشنی میں شاکر صاحب انسانِ کامل کے خدوخال اجاگر کرنے میں کس حد تک کامیاب رہے ہیں

مقدمہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ ○ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ الطَّیِّبِیْنَ ○

اَمَّا بَعْدُ : حضرات گرامی! بندۂ خاکسار، عاجز وگنہ گار آپ سے ایک دیرینہ تعلق رکھتا ہے۔ پہلے کئی بار آپ سے تحریری ملاقات ہوتی رہتی ہے۔ اب پھر اسی پرانے قلمی رشتہ کو جوڑ رہا ہوں۔

اس سے قبل بندہ کی چند کتابیں جو بعض نہایت اہم موضوعات پر شائع ہو چکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا بڑا فضل ہے کہ بندہ کے وہم وگمان سے بھی زیادہ مقبول ہوئیں۔ خاص طور پر کتاب "توحید ربّ العٰلمین" کو بہت ہی زیادہ شہرت اور مقبولیت حاصل ہوئی، تحدیثِ نعمت کے طور پر اس کے اظہار کو بہتر سمجھتا ہوں کہ ملک کے اکناف واطراف سے بہت سے قدردانوں نے حد سے زیادہ اس کی مدح سرائی فرمائی۔ حقیقتہً یہ اس محسنِ ابدی اور منعمِ حقیقی ربّ ذوالجلال کا خاص فضل وکرم ہے اور اس ذاتِ کبریا جلّ وعلاشانہٗ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے محض اپنے فضل ورحمت سے اپنے ایک حقیر وپُرتقصیر ناچیز بندے کی۔ اس ادنیٰ سی سعی اور خدمت کو عام مسلمانوں اور مخصوص اہلِ علم کی نگاہوں میں اس قدر مقبولیت کی نعمت عطا فرمائی۔

وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْھَا (قرآن پاک)

اللہ کی نعمتوں کو کون شمار میں لا سکتا ہے۔

بندہ کو رب کریم کے اس انعام و احسان پر بے حد مسرت اور انتہائی خوشی ہے

قُلْ بِفَضْلِ اللّٰہِ وَبِرَحْمَتِہٖ فَبِذٰلِكَ فَلْیَفْرَحُوْا (قرآن پاک)

اللہ کے فضل و احسان اور اس کی نعمت و مہربانی پر بندوں کو خوش ہونا چاہیئے۔ کاش! میں اس عظیم نعمت کا کچھ شکر ادا کر سکتا۔ اے رحیم و کریم پروردگار مجھے شکر کی توفیق عنایت فرما۔

رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْكُرَ نِعْمَتَكَ الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىہُ وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِكَ فِیْ عِبَادِكَ الصّٰلِحِیْنَ○

اے میرے رب میری قسمت میں کر دے کہ شکر کروں تیرے احسان کا جو کیا تونے مجھ پر اور میرے ماں باپ پر اور یہ کہ کروں میں نیک کام جو تو پسند کرے۔ اور ملا لے مجھ کو اپنی رحمت سے اپنے نیک بندوں میں۔

جناب قارئین! کافی عرصے سے دلی آرزو اور تمنا تھی۔ کہ "منصب رسالت" پر کچھ لکھوں۔ لیکن حالات و واقعات کے عجیب چکر میں مجبوراً اور مصروفیات کی دلدل میں پھنس کر معذوراً التوا ہوتی رہی۔ مزید برآں اپنی کم ہمتی اور کم علمی بھی مانع رہی۔ کیونکہ خالق کائنات رب العالمین کے سب انعامات میں سے سب سے بڑا اور اونچا انعام "منصب رسالت" ہے۔ خصوصاً ہماری تحریر کا تعلق اس ذات اقدس صلے اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے متعلق ہے۔ جو ازل سے ابد تک اسلام کی تاریخ میں کائنات کی سب سے بڑی ہستی ہے۔ اس موضوع پر قلم اٹھانا بڑی علمی بصیرت کا متقاضی تھا۔ ان تمام کمزوریوں اور رکاوٹوں کے باوجود عشق رسول صلے اللہ علیہ وسلم کا سمندر دل میں برابر ٹھاٹھیں مارتا رہا اور اس کی لہریں اور موجیں بار بار ابھرتی اور خیالات سے ٹکراتی رہیں۔

بالآخر سرور دو عالم حبیب کبریا محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی عظمت و محبت

کے ایمانی جذبہ کا تلاطم اس جوش سے اُبھرا کہ حضورؐ کی عقیدت کے طوفانی ولولے کے سامنے سب رکاوٹیں پسپا ہو کر مات کھا گئیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب رکاوٹوں کو ایسا دور کر دیا کہ پس پشت ہو گئیں فللہ الحمدُ:

نیز رسالت کے موضوع پر لکھنا اس لئے بھی بہت ضروری تھا کہ کئی مہربان شریفوں اور یار لوگوں کے لئے عوام الناس کو توحید سے بہکانے کا حربہ اور گمراہی پھیلانے کا بہانہ اور دھوکہ دینے کے لئے یہ ہوا اڑانے کا موقعہ نہ ملے کہ یہ لوگ صرف توحید توحید کی رٹ لگاتے ہیں۔ رسالت کو نہیں مانتے، منصب رسالت اور مقام مصطفےٰ کو نہیں جانتے۔ اور خصوصاً ایک مخلص و مشفق ساتھی جناب مسیح الزمان صاحب ریٹائرڈ ڈپٹی کمشنر بی۔سی۔ایس (جو آج کل اسلام آباد میں مقیم ہیں تبلیغی جماعت کے مخلص اور محنتی بھائی اور بہت خوبیوں کے حامل ہیں) دورہ سندھ میں جماعت کے امیر کی حیثیت میں بندہ کی تحریریں دیکھ کر بہت متاثر ہوئے۔ اور انہوں نے پوری ترغیب دی کہ آپ ضرور بالضرور "سیرت طیبہ" پر ایک جامع کتاب لکھیں۔ میں ان کے مشورہ اور حوصلہ افزائی کا بہت بہت مشکور ہوں۔

عظمت رسالت مصطفےٰ کی ایمانی عقیدت کے پیش نظر اور اس خصوصی اہمیت کی وجہ سے مدت سے دل میں جو تمنا اور آرزو چلی آرہی تھی کہ یہ خدمت بھی اللہ تعالیٰ اپنے اس ناکارۂ خلائق بندے سے لے لے۔ اور میرے نامۂ اعمال میں درج ہو کر میرے لئے باعث افتخار ہو۔

مجھ سیاہ کار و گنہ گار کو اپنے رب کریم کی رحمت سے اس کی بھی پوری امید ہے کہ ان شاء اللہ و بفضل اللہ یہ کتاب "سیرت سید المرسلین" منفرد حیثیت کی حامل اور لاجواب ہوگی۔ جب نجات اور داخلۂ جنت کا دارومدار ایمان کامل اور سرور کائنات فخر موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور اتباع پر ہے جنت کے آٹھ دروازے ہیں۔ تو اسی نسبت سے یہ مختصر کتاب بھی

آٹھ ابواب پر مشتمل ہو گی۔

باب اول	———	ضرورتِ رسالت
باب دوم	———	منصبِ رسالت
باب سوم	———	بشریت و رسالت
باب چہارم	———	وحی اور علم غیب
باب پنجم	———	دعوت و تبلیغ
باب ششم	———	معجزات النبی ﷺ
باب ہفتم	———	معمولات النبی ﷺ
باب ہشتم	———	وفات النبی ﷺ

رحیم کریم محض اپنے فضل و رحمت سے میرے اور تمام پڑھنے اور سننے والوں کے لئے دنیا میں اس کتاب کو ذریعۂ ہدایت فرمائے۔ اور آخرت میں باعث نجات اور اپنی رحمت و مغفرت کا وسیلہ بنائے۔

اِنَّ رَبِّیْ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ○ حَسْبِیَ اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ ○ وَمَا تَوْفِیْقِیْ اِلَّا بِاللّٰہِ ۔ عَلَیْہِ تَوَکَّلْتُ وَاِلَیْہِ اُنِیْبُ ○ اٰمِیْنَ یَا اِلٰہَ الْعَالَمِیْنَ ○

بندۂ ناصر

عبدالمجید شاکر عفا اللہ عنہ

باب اوّل

ضرورتِ رسالت

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ رُسُلًا مُّبَشِّرِیْنَ وَ مُنْذِرِیْنَ لِئَلَّا یَکُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَی اللّٰہِ حُجَّۃٌ بَعْدَ الرُّسُلِ (القرآن)

وقال تعالیٰ وَمَا کَانَ رَبُّکَ مُهْلِکَ الْقُرٰی حَتّٰی یَبْعَثَ فِیْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا (القرآن)

وقال تعالیٰ لَقَالُوْا رَبَّنَا لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَیْنَا رَسُوْلًا (القرآن)

اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک لہٗ نے اپنے بندوں پر جو بے حد وحساب انعامات واحسانات فرمائے ہیں، ان میں سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ ان کی اصلاح وفلاح کے لئے رسالت ونبوت کا مقدس ومبارک سلسلہ جاری فرمایا اور جب کبھی انسانوں کو آسمانی ہدایت وراہنمائی کی ضرورت ہوئی تو محسنِ حقیقی نے ان ہی میں سے کسی بندہ کو اپنا نبیؑ اور ان کے لئے اپنا پیغامبر اور رسولؑ بنا کر بھیج دیا۔ انبیاء ومرسلین علیہم السلام کی آمد کا یہ سلسلہ صدیوں نہیں ہزاروں سال جاری رہا۔ اس دھرتی پر اللہ تعالیٰ نے کئی ہزار بلکہ لاکھ سے بھی زیادہ نبیؑ اور رسول بھیجے یہاں تک کہ حضرت خاتم النبیین سید المرسلین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس سلسلہ کو ختم فرمایا اور آپؐ کے ذریعے وہ آخری اور مکمل تعلیم وہدایت بھیج دی جو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے کافی ووافی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو باقی سب رسولوں اور نبیوں کی طرح اپنی طبعی عمر گزار کر اللہ تعالیٰ کے فیصلہ کے مطابق اس دُنیاء فانی سے رحلت فرما گئے۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ (القرآن)
اور حضرت محمدؐ بھی ایک رسول ہیں۔ آپؐ سے پہلے بھی کئی رسول گزر چکے ہیں۔
لیکن خاتم النبین صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ کی راہنمائی کے لئے خداوندی تعلیم وہدایت کا سرمایہ اور کامل ومکمل ضابطۂ حیات، کتاب وسُنّت کی شکل میں پیچھے چھوڑ گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے۔

تَرَكْتُ فِيْكُمْ اَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوْا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كتاب الله وسنة رسوله (مشکوٰۃ ص۳۱)
میں تم میں دو حکم چھوڑ کر جارہا ہوں جب تک ان دونوں کو مضبوطی سے پکڑو گے اور ان پر عمل پیرا رہوگے تو کبھی گمراہ نہ ہوگے۔ ایک اللہ کی کتاب (قرآن) دوسری اس کے نبیؐ کی سُنّت (حدیث)۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ "حجۃ الوداع" آخری حج کے موقع پر سید دو عالم صلے اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا
يَا اَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ قَدْ تَرَكْتُ فِيْكُمْ مَا اِنِ اعْتَصَمْتُمْ بِهٖ فَلَنْ تَضِلُّوا اَبَدًا كِتَابُ اللّٰهِ وَسُنَّةُ نَبِيِّهٖ (مستدرک بحوالہ منہاج الواضح ص۲۳)
اے لوگو! میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں اگر تم نے ان کو مضبوطی سے پکڑا تو گمراہ کبھی نہ ہوگے۔ ایک اللہ کی کتاب (قرآن مجید) دوسری سُنّت رسول اللہ (حدیث پاک)

الغرض انبیاء علیہم السلام کی بعثت وآمد کی سب سے بڑی اور پہلی غرض وغایت اور اصلی ضرورت انسانوں کو اس روز الست کے بھولے ہوئے ازلی یعنی ابتدائی عہد وپیمان اقرار بندگی کی وفا کی یاددہانی کرانی ہے۔ جس کا پورا کرنا ان کی زندگی کا پہلا فرض ہے

اَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ (قرآن) اللہ کا عہد پورا کرو۔
وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ (قرآن مجید)
اور اللہ کے ساتھ اقرار کو پورا کرو یہ اس نے تم کو نصیحت کی ہے تاکہ تم

دھیان رکھو

اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ (قرآن مجید) پ۲۳ ع ۳

کیا میں نے تم سے اقرار نہیں لیا اے اولادِ آدمؑ

وُہ عہد و اقرار کیا تھا ؟

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّيَّتَهُمْ وَاَشْهَدَهُمْ عَلٰٓي اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ قَالُوْا بَلٰي شَهِدْنَا اَنْ تَقُوْلُوْا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غٰفِلِيْنَ ○ (قرآن مجید پ۹ ع ۱۱)

اور جب نکالا تیرے پروردگار نے بنی آدمؑ کی پیٹھوں سے ان کی اولاد کو اور اقرار کرایا ان سے ان کی جانوں پر "کیا میں نہیں ہوں تمہارا رب" بولے "ہاں ہے" ہم اقرار کرتے ہیں۔ یاد رکھو کبھی قیامت کے دن یہ کہنے لگو ہم کو تو اس کی خبر نہ تھی۔

عین ممکن تھا کہ آدمؑ کے فرزند عام انسان یہ عذر بجا طور پر کریں

مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ (قرآن مجید)

کہ اے اللہ! ہمارے پاس خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا ہی نہیں آیا۔

اگر اللہ تعالیٰ دنیا میں رسولوںؑ اور پیغمبروںؑ کو نہ بھیجتا تو بندوں کو یہ کہنے کا موقع مل سکتا تھا۔

لَوْلَآ اَرْسَلْتَ اِلَيْنَا رَسُوْلًا فَنَتَّبِعَ اٰيٰتِكَ (قرآن مجید) پ۱۶ آخری رکوع

اے ہمارے رب! کیوں نہ بھیجا تو نے ہماری طرف رسول ہم تیرے حکم مانتے ۔

گویا اللہ رب العزت نے رسولوں کو یہ حجت تمام کرنے کیلئے بھیجا تاکہ کسی کو کوئی عذر و معذرت کرنے کی قطعاً گنجائش ہی باقی نہ رہے

رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ پ۶ ع۲ (قرآن)

اللہ نے رسول بھیجے خوشخبری اور ڈر سنانے والے تاکہ لوگوں کی کوئی حجت باقی نہ رہے رسولوں کے بعد۔

اللہ پاک نے انبیاء اور رسول بھیج کر دنیا کے ہر کونے میں زمین کے ہر خطے میں

یہاں تک کہ دشت وجبل میں خالص کلمۂ توحید کی ایسی گونج پیدا کر دی کہ شقاوت ابدی اور انکار و استکبار کے سوا کسی بھی غلط فہمی اور غلط روی کا امکان ہی باقی نہ رہا۔

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ (قرآن مجید پ۱۰ ع)

تاکہ جو لوگ برباد و ہلاک ہوں وہ دلیل و برہان اور اتمام حجت کے بعد ہلاک ہوں۔ اور جو جئے تو وہ دلیل کی روشنی میں جئے۔

یہ تھی اصلی رسالت و نبوت کی ضرورت

وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتَّىٰ نَبْعَثَ رَسُولًا ○ (قرآن مجید پ۱۵ ع ۲)

اور ہم عذاب نہیں دیتے جب تک کوئی رسول نہ بھیجیں۔

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرَىٰ حَتَّىٰ يَبْعَثَ فِي أُمِّهَا رَسُولًا يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِنَا

(قرآن مجید پ۲۰ ع ۹)

اور تیرا رب کسی بستی کو اتنے تک ہلاک و برباد نہیں کرتا جب تک اس کے مرکز میں کوئی اللہ کی آیات و احکامات سنانے والا رسول نہ بھیج دے۔

اتمام حجت کا حیرت انگیز منظر جو خدا کے نافرمانوں مشرکوں دوزخیوں کو دوزخ میں داخل ہوتے وقت اس کے دروازے پہ پیش آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس عجیب وغریب حسرتناک منظر کو نصیحت اور عبرت کیلئے پہلے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا ہے۔

وَسِيقَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِلَىٰ جَهَنَّمَ زُمَرًا ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوهَا فُتِحَتْ أَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَتْلُونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِ رَبِّكُمْ وَيُنذِرُونَكُمْ لِقَاءَ يَوْمِكُمْ هَٰذَا ۚ قَالُوا بَلَىٰ وَلَٰكِنْ حَقَّتْ كَلِمَةُ الْعَذَابِ عَلَى الْكَافِرِينَ ○ (قرآن مجید پ۲۴ ع ۴)

اور ہانکے جائیں گے کافر لوگ دوزخ کی طرف گروہ گروہ یہاں تک کہ جب پہنچ جائیں گے قریب اس کے کھولے جائیں گے اس کے دروازے اور کہیں گے ان کو دربان اس کے کیا تمہارے پاس تم ہی میں سے رسول نہیں آئے تھے جو تم کو رب کی باتیں سناتے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ڈراتے۔ کافر کہیں گے ہاں رسول تو آئے۔

مگر ثابت ہوا حکم عذاب کا کافروں پر۔

ایک دوسرے مقام پر ہے کہ

كُلَّمَا أُلْقِيَ فِيهَا فَوْجٌ سَأَلَهُمْ خَزَنَتُهَا أَلَمْ يَأْتِكُمْ نَذِيرٌ ○ قَالُوا بَلَىٰ قَدْ جَاءَنَا نَذِيرٌ فَكَذَّبْنَا وَقُلْنَا مَا نَزَّلَ اللَّهُ مِن شَيْءٍ إِنْ أَنتُمْ إِلَّا فِي ضَلَالٍ كَبِيرٍ ○

(قرآن مجید پ ۲۹ ع ۱)

جب دوزخ میں کافروں کی جماعت کو ڈالا جائے گا تو دوزخ کے دربان ان سے پوچھیں گے کہ تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا۔ وہ کہیں گے۔ ہاں ضرور ڈرانے والا آیا تھا۔ لیکن ہم نے ان کی بات نہیں مانی۔ اور کہہ دیا کہ اللہ نے کچھ بھی نازل نہیں کیا۔ تم خود بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو۔

ایک اور مقام پر اس افسوسناک منظر کو اس طرح بیان فرمایا گیا ہے کہ مشرک اپنی دنیا والی سابقہ عادت کے مطابق کہ ہماری تمہارے آگے اور تمہاری خدا کے آگے۔ دوزخ کے اندر سے دربانوں کو آواز دیں گے کہ ہماری خدا سے سفارش کرو۔

وَقَالَ الَّذِينَ فِي النَّارِ لِخَزَنَةِ جَهَنَّمَ ادْعُوا رَبَّكُمْ يُخَفِّفْ عَنَّا يَوْمًا مِّنَ الْعَذَابِ ○ قَالُوا أَوَلَمْ تَكُ تَأْتِيكُمْ رُسُلُكُم بِالْبَيِّنَاتِ ۖ قَالُوا بَلَىٰ ۚ قَالُوا فَادْعُوا ○ وَمَا دُعَاءُ الْكَافِرِينَ إِلَّا فِي ضَلَالٍ ○ (قرآن مجید پ ۲۴ ع ۹)

اور جو مشرکین دوزخ میں ہوں گے اس کے دربانوں سے کہیں گے کہ ہمارے لئے اپنے رب سے سفارش کی دعا کرو کہ ایک دن کے لئے تھوڑا سا عذاب ہلکا کر دے۔ دربان جواب دیں گے کیا تمہارے پاس رسول روشن دلائل لے کر نہیں آئے تھے؟ مشرک کہیں گے کہ ہاں رسول تو آئے تھے! دربان کہیں گے کہ پھر تم خود ہی پکارو مگر مشرکوں کافروں کا پکارنا بے کار ہے۔

ایک اور مقام پر فرمایا کہ مشرک دوزخ میں چیخیں چلائیں گے کہ اے اللہ ایک بار دوزخ سے نکال دے ہم توحید والے عمل کریں گے۔ شرک و بدعات والے کام جن کو دنیا میں بھلائی اور نیکیاں سمجھتے تھے وہ چھوڑ دیں گے۔ نہیں کریں گے

وَهُمْ يَصْطَرِخُونَ فِيهَا رَبَّنَا أَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِي كُنَّا نَعْمَلُ ۚ

اَوَلَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَجَآءَكُمُ النَّذِيْرُ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ○ (قرآن مجید پ۲۲ ع ۱۵)

اور وہ چلائیں گے دوزخ میں اے ہمارے رب نکال ہم کو کہ ہم کچھ نیک کام کرلیں وہ نہیں جو کرتے رہے۔ جواب ملے گا کہ کیا ہم نے عمر نہیں دی تھی تم کو اتنی کہ جس میں سوچ لے جس کو سوچنا ہو۔ اور پہنچا تمہارے پاس ڈر سنانے والا اب ذرا چکھو پس مشرکوں کا کوئی مددگار نہیں۔

ان سب آیات قرآنی کا مختصر خلاصہ جو مزید کسی تشریح وتفصیل کا محتاج نہیں یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت اللہ تعالیٰ کی ایسی قطعی حجت ہے جس کے آگے سب حجتیں ختم ہو جاتی ہے۔ اور مشرک و کافر کھلے لفظوں میں اس بات کا اعتراف اور اقرار کریں گے کہ اللہ کے رسولؐ اور نبیؑ تو آئے انہوں نے خدا کا پیغام پہنچایا اور سنایا مگر ہماری ہی بدقسمتی اور بدبختی تھی کہ ہم نے ان کی بات نہیں مانی۔

انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا خاص مقصد یہ ہے کہ وہ بندوں کو ان کے مالک و پروردگار سے وابستہ کریں اور مخلوق کو خالق سے ملائیں۔ اور عبد کا رشتہ معبود سے جوڑیں تاکہ بندے خالص اپنے رب کے عبادت گزار بنیں جو کہ ان کی تخلیق کا اصل مقصد ہے کہ

کہ ہے ذاتِ واحد عبادت کے لائق — زبان اور دل کی شہادت کے لائق
اسی کے ہیں فرمان طاعت کے لائق — اسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق
لگاؤ تو لو اس سے اپنی لگاؤ — جھکاؤ تو سر اس کے آگے جھکاؤ

حضرات محترم! اگر آپ کارخانۂ ہستی کا بغور مطالعہ فرمائیں تو آپ پر واضح ہوجائیگا۔ کہ قدرت کاملہ نے تخلیقِ کائنات کا اتنا وسیع وعریض سلسلہ جو قائم فرمایا ہے۔ اتنا بڑا آسمان۔ یہ سورج اور چاند ستارے۔ اتنی کھلی زمین اور ہوا کا نظارہ۔ یہ دریا اور سمندر فلک بوس پہاڑ۔ قسم قسم کے درخت اور بوٹیاں۔ مختلف انواع کے جانور اور چرند و پرند یعنی سب نباتات و جمادات و حیوانات میں اعلیٰ فضیلت اور بزرگی "انسان" کو

عطا فرمائی ہے۔ ارشاد ربانی ہے

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيْ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَرَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّيِّبٰتِ وَفَضَّلْنٰهُمْ عَلٰى كَثِيْرٍ مِّمَّنْ خَلَقْنَا تَفْضِيْلًا ○ (قرآن مجید پ۱۵ ع ۶)

اور ہم نے عزت دی ہے آدمؑ کی اولاد کو اور سواری دی ان کو جنگل اور دریا میں اور روزی دی ہم نے ان کو پاکیزہ ستھری چیزوں سے اور بزرگی کی فضیلت دی۔ ہم نے ان کو بہتوں پر جن کو ہم نے پیدا کیا بڑائی دے کر۔

اس آیت کریمہ سے واضح ہوجاتا ہے کہ خشکی اور تری کو انسان کے تابع کر دیا ہے اور سارا نظام عالم انسان کے فائدے اور نفع کے لئے پیدا کیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا (قرآن مجید پ۱ ع ۳)

اے انسانو! اللہ تعالیٰ نے جو کچھ زمین میں ہے سب تمہارے لئے پیدا کیا ہے

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ (قرآن مجید پ۱۷ ع ۱۵)

اے انسان! کیا تو غور نہیں کرتا کہ اللہ تعالیٰ نے زمین میں جو کچھ ہے۔ اس کو تمہارے کام میں لگا رکھا ہے۔

وَسَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَآئِبَيْنِ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ (قرآن پ۱۳ ع ۱۶)

اور تمہارے لئے سورج اور چاند کو ایک دستور پر برابر کام میں لگا دیا۔ اور تمہارے لئے رات دن کو مسخر کیا

وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ (قرآن مجید پ۲ ع ۳)

اور جو کشتیاں دریا میں چلتی ہیں لوگوں کے فائدہ کے لئے ہیں۔ اس کی تفصیل سے قرآن مجید لبریز ہے۔ ایک مقام پر قرآن مجید میں رب کائنات نے اس طویل تفصیل کو بڑے مختصر، دلچسپ اور عجیب لذیذ انداز میں سمیٹ کر بیان فرمایا ہے۔

وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ○ وَلَكُمْ فِيْهَا جَمَالٌ حِيْنَ تُرِيْحُوْنَ وَحِيْنَ تَسْرَحُوْنَ ○ وَتَحْمِلُ اَثْقَالَكُمْ اِلٰى بَلَدٍ لَّمْ تَكُوْنُوْا بٰلِغِيْهِ اِلَّا بِشِقِّ الْاَنْفُسِ اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ○ وَالْخَيْلَ وَالْبِغَالَ وَالْحَمِيْرَ لِتَرْكَبُوْهَا وَزِيْنَةً وَيَخْلُقُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ

وَعَلَى اللّٰهِ قَصْدُ السَّبِيْلِ وَمِنْهَا جَائِرٌ ۚ وَلَوْ شَاءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ
وَالَّذِيْ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّمِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ
يُنْۢبِتُ لَكُمْ بِهِ الزَّرْعَ وَالزَّيْتُوْنَ وَالنَّخِيْلَ وَالْاَعْنَابَ وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرَاتِ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ ○ وَسَخَّرَ لَكُمُ الَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَ
الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ وَالنُّجُوْمُ مُسَخَّرَاتٌ بِاَمْرِهٖ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ
يَّعْقِلُوْنَ ○ وَمَا ذَرَاَ لَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُخْتَلِفًا اَلْوَانُهٗ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً
لِّقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ○ وَهُوَ الَّذِيْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا وَّ
تَسْتَخْرِجُوْا مِنْهُ حِلْيَةً تَلْبَسُوْنَهَا وَتَرَى الْفُلْكَ مَوَاخِرَ فِيْهِ وَلِتَبْتَغُوْا
مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ○ وَاَلْقٰى فِي الْاَرْضِ رَوَاسِيَ اَنْ تَمِيْدَ
بِكُمْ وَاَنْهَارًا وَّسُبُلًا لَّعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ○ وَعَلَامَاتٍ وَبِالنَّجْمِ هُمْ
يَهْتَدُوْنَ ○ اَفَمَنْ يَّخْلُقُ كَمَنْ لَّا يَخْلُقُ اَفَلَا تَذَكَّرُوْنَ ○ وَاِنْ
تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ اللّٰهَ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (سورۃ النحل پ ۱۴ ع ۱و ۲)

اور چوپاؤں کو پیدا کیا واسطے تمہارے۔ ان میں اسباب گرمی کا اور فائدے ہیں۔ اور ان میں سے کھاتے ہو۔ اور تمہارے لئے ان میں خوبصورتی ہے شام کو جب چگا لاتے ہیں اور جب صبح چگانے کو نکالتے ہو۔ اور اٹھالے جاتے ہیں بوجھ تمہارے طرف کسی شہر کے کہ نہ تھے تم پہنچنے والے اس کے مگر ساتھ آدھی جان کے۔ تحقیق پروردگار تمہارا البتہ شفقت کرنے والا مہربان ہے۔ اور پیدا کئے گھوڑے اور خچر اور گدھے تاکہ چڑھو اُن پر اور واسطے زینت کے اور پیدا کرتا ہے جو کچھ کہ نہیں جانتے تم۔ اور اللہ پر ہی پہنچتی ہے سیدھی راہ اور بعضے ان میں سے کج ہے۔ اور اگر چاہتا اللہ تعالیٰ البتہ ہدایت کرتا تم سب کو۔ وہی ہے جس نے اتارا آسمان سے پانی تمہارے واسطے اس میں سے پینا ہے اور اس میں سے درخت ہیں کہ بیچ اس کے چگاتے ہو۔ اگاتا ہے واسطے تمہارے ساتھ اس کے کھیتی اور زیتون اور کھجور اور انگور۔ اور ہر ایک میووں سے۔ تحقیق بیچ اس کے البتہ نشانی ہے واسطے قوم فکر کرنے والی کے

اور مسخر کیا واسطے تمہارے رات اور دن اور سورج اور چاند اور ستارے تابع ہیں اسکے حکم کے۔ اس میں نشانیاں ہیں قوم عقل والی کیلئے اور جو کچھ پھیلا دیا ہے واسطے تمہارے بیچ زمین کے جو مختلف رنگ ہیں اس کے۔ اس میں بھی نشانیاں ہیں نصیحت پکڑنے والی قوم کے لئے اور وہی ہے جس نے مسخر کیا دریا کو تاکہ کھاؤ اس میں سے تازہ گوشت۔ اور نکالو اس میں سے زیورات کہ پہنتے ہو اس کو۔ اور دیکھتا ہے تو کشتیوں کو پھاڑ چلتی ہیں دریا میں۔ تاکہ اس کے فضل سے روزی تلاش کرو۔ اور تاکہ تم شکر کرو اور ڈالے زمین میں پہاڑ تاکہ نہ ہل جائے تمہارے ساتھ۔ اور نکالی زمین میں نہریں اور راستے تاکہ راہ پاؤ اور نشانیاں راہ کی اور ساتھ ستاروں کے وہ راہ پاتے ہیں۔ کیا پس جو پیدا کرتا ہے اس جیسا ہے جو نہیں پیدا کر سکتا۔ کیا نہیں سوچتے تم۔ اور اگر اللہ کی نعمتوں کو گنو تو تم پوری نہیں گن سکتے۔ تحقیق اللہ البتہ بخشنے والا بڑا مہربان ہے

غرضیکہ کارخانۂ قدرت کا ایک ایک پرزہ دنیا کا ذرہ ذرہ ایک خدمت میں لگا ہوا ہے۔ اور اس خدمت کو مسبب الاسباب، رب العالمین نے انسانی وجود اور اس کی زندگی کی بقا، کا سبب بنا دیا ہے۔ کیونکہ انسان کا گذارہ کسی ایک چیز کے بغیر مشکل ہی نہیں بلکہ ناممکن ہے۔

فرض کر لیجئے کہ انسان کی پوری ہستی اگر کائنات کے صفحہ سے مٹ جائے۔ تو بھی آفتاب اسی طرح چمکتا رہیگا۔ سمندر اسی طرح ابلتے رہیں گے۔ ہوائیں اسی طرح چلتی رہیں گی۔ پانی اسی طرح برستا رہے گا۔ سبزے اسی طرح اُگتے رہیں گے اور درخت اسی طرح پھلتے پھولتے رہیں گے۔ لیکن اس کے برعکس اگر درخت نہ پھلیں تو انسان کی ہستی خطرہ میں پڑ جائے سبزیاں نہ اگیں، غلے اور میوہ جات پیدا نہ ہوں تو انسان بھوکا مر جائے۔ پانی نہ برسے چشمے نہ اُبلیں تو انسان پیاسا تڑپ جائے۔ اگر ہوا نہ چلے تو انسان گھٹ کر مر جائے۔ اگر زمین کا فرش نہ ہو تو انسان کو کھڑا ہونے کی جگہ نہ ملے۔ اگر آفتاب نہ چمکے تو انسان کی ہستی کا چراغ فوراً بجھ جائے۔
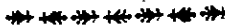
الحاصل : دنیا کی کتنی ہستیاں ایسی ہیں کہ اپنے وجود کے لئے انسان کی محتاج نہیں۔ لیکن انسان اپنے وجود اور زندگی کے لئے کارخانۂ ہستی کی ادنیٰ سے ادنیٰ چیز کا بھی محتاج ہے۔ گویا جہانِ دنیا کی ہر چیز کی غرض و غایت انسان کا وجود اور اس کی بقا ہے۔ لیکن خود انسان کے وجود کی غرض اور کوئی ہے جو نہایت اہم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بظاہر وہ بھی کھاتا پیتا چلتا پھرتا اُٹھتا بیٹھتا سوتا جاگتا زندگی کے لمحات گزارتا ہے اور پھر مر جاتا ہے۔ کیا اس کی زندگی کا بس اسی قدر مقصد ہے ؟ اگر یہی ہے تو پھر انسان اور حیوان میں کیا پہچان ہے۔ اور صاحبِ عقل اور بے عقل میں مابہ الامتیاز فرق کیا ہے۔ قرآن حکیم نے بھی اس معقول اور اصولی سوال کے متعلق جواب طلبی کی ہے۔

اَفَحَسِبْتُمْ اَنَّمَا خَلَقْنٰكُمْ عَبَثًا (قرآن مجید پ ۱۸ ع ۹)

کیا تم سمجھتے ہو کہ ہم نے تم کو فضول و بیکار پیدا کیا ہے۔

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى (قرآن مجید پ ۲۹ ع ۱۸)

کیا انسان یہ سمجھتا ہے کہ وہ بیکار چھوڑ دیا جائے گا۔

یعنی انسان کو فضول و بیکار بے غرض و بے مقصد پیدا نہیں کیا۔ بلکہ وہ بھی کسی غرض اور مقصد کے لئے پیدا ہوا ہے۔ وہ غرض اعلیٰ ترین اور مقصد مہتم بالشان ہے۔ کیونکہ کائنات انسان کے لئے اور انسان ربِ کائنات کے لئے ہے ۔ جیسا کہ رب العزت کا ارشاد گرامی ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ (قرآن مجید پ ۲۷ ع ۲)

اور میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت و بندگی کے لئے پیدا کیا ہے۔

قرآن پاک میں ارشادِ ربانی سے معلوم ہوا کہ انسانی پیدائش کا خاص الخاص مقصد اللہ کی عبادت ہے کہ وہ اپنے رب کے خالص عبادت گزار ہوں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ انسان اس مقصد کو کہاں تک پورا کر رہا ہے۔ غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ دنیا کا ذرّہ ذرّہ جس غرض و مقصد کے لئے پیدا ہوا ہے وہ فطرت

کے مطابق خود بخود اس کو پورا کر رہا ہے۔اور اس کے خالق و مالک نے اس کے روز پیدائش سے اس کو جو حکم دے دیا ہے اس کی تعمیل سے وہ سرِمو انحراف و انصراف نہیں کرتا۔ آسمان سے لے کر زمین تک ہر چیز اپنے اپنے کام میں لگی ہوئی ہے آفتاب و مہتاب دنیا کو روشنی اور گرمی دینے پر مامور ہیں۔

وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ دَائِبَيْنَ (قرآن مجید سورۂ ابراھیم ع۵)

کہ وہ ہر وقت ہر آن اور ہر لحظہ مصروف اور سرگرداں ہیں۔ تھکتے نہیں۔اور نہ ہی کبھی رفتار میں کوئی کمی آئی نہ ان میں کبھی ٹکراؤ ہوا۔زمین کو سرسبزی اور شادابی کا کام سپرد ہے۔ وہ اس کو بخوبی انجام دے رہی ہے۔ابر کو سیرابی اور گوہر باری کا حکم ہے۔ وہ اس کی پوری طرح تعمیل کر رہا ہے، درخت پھل دینے پر مقرر ہیں وہ اس کام میں فطری انہماک و لگن سے لگے ہوئے ہیں۔اسی طرح حیوانات جن کاموں پر مامور ہیں وہ بخوشی اس کو کر رہے ہیں۔مگر انسان جس کام کے لئے دنیا میں آیا ہے اس سے صرف سرتابی اور غفلت ہی نہیں کی بلکہ اس مقصد کو نسیًا منسیًا بالکل بھلا دیا ہے رتبہ حضرت انسان کا کتنا بڑا تھا کہ ہر چیز دنیا کی اس کے لئے بنائی گئی۔مگر خود غرض کتنا نکلا۔کہ سب کچھ استعمال کرتا ہے اور سب سے فائدہ اٹھا رہا ہے اور خود اپنے فرض منصبی سے روگردانی کرتا ہے۔چنانچہ روئے زمین کی ہر آبادی میں ہر قوم میں اور ہر زبان میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو ان کی غفلت پر خبردار کرنے اور صحیح راہ دکھانے اور بتانے کے لئے انبیاء اور رسول بھیجے

فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيِّيْنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ (قرآن مجید پ۲)

پس بھیجے اللہ نے پیغمبر خوشخبری دینے والے اور ڈر سنانے والے۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ (قرآن پ۱۱ ع۱۰) اور ہر قوم کے لئے رسول ہے

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا (قرآن) اور یقیناً ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجا

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ رُسُلًا اِلٰى قَوْمِهِمْ (قرآن مجید پ۲۱ ع۸)

اور بیشک ہم نے آپ سے پہلے کتنے رسول ان کی قوم میں بھیجے۔

وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (قرآن پ۱۳) ع۷ اور ہر قوم کے لئے راہنما آیا

وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ (قرآن) اور کوئی قوم ایسی نہیں جس میں خبردار کرنیوالا نہ آیا ہو

وَكَمْ اَرْسَلْنَا مِنْ نَّبِيٍّ فِي الْاَوَّلِيْنَ (قرآن مجید پ۲۵) ع۷

اور ہم نے پہلی قوموں میں کتنے پیغمبرؑ بھیجے۔

اور مَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (قرآن مجید پ۱۳) ع۱۲

اور ہم نے ہر پیغمبرؑ کو اسکی قوم کی بولی میں بھیجا تاکہ ان پر بات واضح کر کے کھول کر بیان کرے

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ ہر زمانے میں جو پیغمبر آئے سب کا ایک ہی اعلان تھا۔ کہ لوگو! عبادت صرف ایک اللہ کی کرو۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِيْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (قرآن مجید پ۱۷ ع ۲)

اور ہم نے تجھ سے پہلے کسی نبی کو نہیں بھیجا مگر اس کو یہی وحی بھیجی کہ میرے سو کوئی الٰہ کارساز نہیں۔ پس عبادت صرف میری ہی کرو۔

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِيْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (قرآن مجید پ۱۴ ع ۱۱)

اور بے شک ہم نے ہر قوم میں رسول بھیجا تاکہ اعلان کردے کہ لوگو عبادت (بندگی) صرف ایک اللہ کی کرو۔ اور طاغوتوں سے بچو۔

قرآن مجید میں اس کی بڑی تفصیل ہے۔ کئی مقامات پر حضرت نوحؑ۔ہودؑ۔ صالحؑ۔شعیبؑ۔ لوطؑ۔وغیرہ انبیاء علیہم السلام نے خدا کا جو حکم اپنی اپنی قوموں کو پہنچایا۔ اس کے الفاظ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اے میری قوم عبادت صرف خدا کی کرو۔ اس کے سوا تمہارا کوئی حاجت روا مشکل کشا کارساز نہیں ہے

یہاں تک جو بیان کیا گیا ہے اس کا مدعا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر اپنی اتمام حجت قائم کرنے کے لئے نبیؑ اور رسولؑ بھیجے تاکہ اللہ تعالیٰ کا حکم ان کو سنائیں۔ اور

اس کا پیغام پہنچائیں ۔ اور لوگوں کو صراط مستقیم بتائیں ۔ اور وہ ہادی ۔ راہنما مبشّر بشیر ۔ خوش خبری سنانے والے ۔ منذر نذیر ڈرانے والے ۔ خبردار کرنے والے داعی خدا کی طرف بلانے والے ۔ معلّم سکھانے والے ۔ مبلغ خدا کا پیغام پہنچانے والے تھے

آخری نبی

نبوت و رسالت کے اس مقدس و مبارک سلسلہ کی آخری کڑی ۔ باغ نبوت کا نمایاں اور سب سے اونچا پھول ۔ عمارت نبوت کی آخری اینٹ ۔ سید المرسلین ۔ رحمۃ للعٰلمین ۔ خاتم النبیین ۔ جناب سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ برگزیدہ پسندیدہ ہستی ہے ۔ آپ کی نبوت و رسالت کا اہم اور خصوصی پہلو اور نمایاں کارنامے کا اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ پہلے انبیاء کی طرح آپ بھی پیغام الٰہی کو پہنچانے اور اصلاحی انقلاب کیلئے مبعوث ہوئے ۔ تو

اس وقت دنیا کتنی گمراہی میں مبتلا اور اصلاح کی کتنی محتاج تھی ؟

ذرا اس داستان کو غور و فکر تذکر و تدبر فہم و تفہیم کے لئے ملاحظہ فرمائیں ۔
اس وقت ظلم و ستم کی انتہا ہو چکی تھی ۔ فسق و فجور ، کفر و الحاد ، شرک و بدعات کے اندھیرے بادلوں کی طرح چھا گئے تھے

ظُلُمٰتٌ بَعْضُهَا فَوْقَ بَعْضٍ اِذَا اَخْرَجَ يَدَهٗ لَمْ يَكَدْ يَرٰهَا (قرآن مجید پ ۱۸)

اندھیرے ہیں بعض ان کے اوپر بعض کے اس وقت نکالے ہاتھ اپنا نہیں نزدیک کہ دیکھے اس کو

ہر طرف مسخ و تحریف ، جہالت و ناداری ، جاہلیت و وثنیت ۔ اوہام و خرافات ، اور دجل و تلبیس کا دور دورہ تھا ۔ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات و کمالات میں خدا کی مخلوق کو شریک کر کے بت پرستی ، قبر پرستی جیسے کھلے شرک کو مذہب سمجھا جاتا تھا ۔ رسومات جاہلیت اور بدعات کو نیکی کا درجہ دے دیا تھا ۔ یہاں تک کہ جہالت و گمراہی کے گھٹاؤں کے توبر تو پردوں سے عقل و فہم کا جنازہ نکل چکا تھا ۔ خداوند قدوس وحدہٗ لاشریک لہٗ کی خالص توحید کے صفات و کمالات کا سننا کانوں پر بھاری بوجھ اور دلوں میں نفرت کی چڑ لگتی تھی ۔ اور اللہ کے ماسوا دوسری ہستیوں کے لئے ان

صفات و کمالات کے ذکر پہ بڑی مسرت و خوشی اور ایمان کی تازگی کا دارومدار سمجھا جاتا تھا۔

وَاِذَا ذَکَرْتَ رَبَّکَ فِی الْقُرْاٰنِ وَحْدَہٗ وَلَّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِھِمْ نُفُوْرًا ۝
قرآن مجید پ ۱۵ ع ۵)

اور جب اے پیغمبرؐ تو قرآن میں صرف اکیلے رب کی توحید کا ذکر سناتا ہے تو پیٹھ پھیر بھاگ جاتے ہیں۔

وَاِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَحْدَہُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ وَاِذَا ذُکِرَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِہٖٓ اِذَا ھُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ ۝ (قرآن مجید پ ۲۴ ع ۲)

اور جس وقت بیان کیا جاتا خالص ایک خدا کی توحید کا تو نفرت کرتے ہیں دل ان لوگوں کے کہ نہیں ایمان لائے آخرت پر اور جس وقت بیان کیا جاتا ہے اللہ کے سوا اوروں کا تو بہت خوش ہوتے ہیں۔

اور صرف ایک اللہ کو حاجات مشکلات مصائب و شدائد میں مشکل کشا حاجت روا سمجھنا اور اسی کو پکارنا اتنا بھاری اور مشکل تھا جیسا کہ کسی کو آسمان پر چڑھنا ہو

کَاَنَّمَا یَصَّعَّدُ فِی السَّمَآءِ (قرآن پ ۸ ع ۲) گویا ان کو آسمان پر چڑھنا ہے

اس کے برعکس نیک بندوں اور برگزیدہ ہستیوں کو حاجت روا مشکل کشا سمجھ کر پکارنا، ان کے نام کی منتیں وغیرہ دینا، خدا کا بڑا قرب بہترین وسیلہ اور شفاعت و سفارش کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ مشرک کہتے تھے۔

ھٰٓؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنْدَ اللّٰہِ (قرآن مجید پ ۱۱ ع ۶)

یہ لوگ ہمارے اللہ کے ہاں سفارشی ہیں۔

مَا نَعْبُدُھُمْ اِلَّا لِیُقَرِّبُوْنَآ اِلَی اللّٰہِ زُلْفٰی (قرآن مجید پ ۲۳ ع ۱۴)

ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں تاکہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔

غرضیکہ یہ کہنا غلط نہیں ہوگا بلکہ بالکل سچ اور بجا ہوگا کہ اس وقت دنیا میں سچے اور صحیح عقیدہ کا کہیں وجود نہیں تھا۔ توحید کی روشنی سے دنیا کا ذرہ ذرہ

محروم تھا۔

مولانا الطاف حسین حالی اُس وقت کی کیفیت کا اندازہ ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں

قبیلے قبیلے کا بت اِک جُدا تھا　　کسی کا ہبل تھا کسی کا صفا تھا
یہ عُزّیٰ پہ وہ نائلہ پر فدا تھا　　اسی طرح گھر گھر نیا اِک خدا تھا

چلن ان کے جتنے تھے سب وحشیانہ　　ہر اک لوٹ مار میں تھا یگانہ
فسادوں میں کٹتا تھا اُن کا زمانہ　　نہ تھا کوئی قانون کا تازیانہ

کہیں تھا مویشی چرانے پہ جھگڑا　　کہیں پہلے گھوڑا بڑھانے پہ جھگڑا
لبِ جُو کہیں آنے جانے پہ جھگڑا　　کہیں پانی پینے پلانے پہ جھگڑا
یونہی روز ہوتی تھی تکرار اُن میں　　یونہی چلتی رہتی تھی تلوار ان میں

جُوا اُن کی دن رات کی دل لگی تھی　　شراب اُن کی گھٹی میں گویا پڑی تھی
تعیّش تھا غفلت تھی دیوانگی تھی　　غرض ہر طرح ان کی حالت بُری تھی

جو ہوتی تھی پیدا کسی گھر میں دختر　　تو خوفِ شماتت سے بے رحم مادر
پھرے دیکھتی جب تھی شوہر کے تیور　　کہیں زندہ گاڑ آتی تھی اس کو جا کر
وہ گود ایسی نفرت سے کرتی تھی خالی　　جنے سانپ جیسے کوئی جننے والی

بعثت محمدیہ کی خصوصی ضرورت

ضلالت وگمراہی اور ان تمام مفاسد اور برائیوں کے باوجود دنیا کی مشہور ومعروف قومیں بڑی مغرور تھیں۔ جیسے اہلِ کتاب (یہود اور نصاریٰ) جو اپنے آپ کو بڑے عالم و فاضل کہتے ہیں اور بڑے ناز ونخرے سے یہ دعویٰ کرتے تھے کہ

نَحْنُ اَبْنَآءُ اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ (قرآن مجید پ۶ع ۷)

ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے بہت ہی پیارے ہیں۔

اور چیلنج کے ساتھ کہتے تھے کہ

كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا (قرآن مجید پ۱ ع ۱۵)

یعنی نَحْنُ عَلَى الْهُدٰى کہتے تھے کہ ہم ہی ہدایت یافتہ ہیں۔ لوگو! تم بھی یہودی، نصرانی بن کر ہدایت حاصل کرو۔ حالانکہ یہ دونوں قومیں انتہائی گمراہ اور مشرک و کافر تھیں۔ ان کے شرکیہ عقیدہ کا بیان قرآن مجید میں واضح الفاظ میں موجود ہے

وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ِۨ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ (قرآن پ۱۰ ع)

یہودیوں نے کہا عزیر اللہ کا بیٹا ہے۔ عیسائیوں نے کہا عیسیٰ خدا کا بیٹا ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ (قرآن مجید پ۶ ع ۱۳)

بخدا یقیناً کافر ہو چکے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کہا ہے۔ اللہ وہی ہے مسیح بیٹا مریم کا

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ (قرآن مجید پ۶ ع ۱۳)

بخدا یقیناً کافر ہو چکے ہیں وہ لوگ جنہوں نے کہا کہ تحقیق اللہ تیسرا ہے تینوں میں کا۔

اللہ نے ان کے کافر ومشرک ہونے پر مہر تصدیق ثبت فرما دی۔ اب ایک ایسے رسول کی ضرورت تھی کہ ان کے غرور کو توڑ کر خاک میں ملائے اور اعلان فرمائے کہ تم خدا کے پیارے اور بیٹے نہیں ہو۔

بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ (قرآن مجید پ۶ ع ۷)

بلکہ تم بھی باقی آدمیوں کی طرح معمولی انسان ہو۔

اور ان کو من جانب اللہ تبلیغ کرے اور ان کے مصنوعی مذہبی لبادے کو اتار کر پھاڑ دے اور تار تار کر دے اور اُن کے مذہب کی حقیقی قلعی کھول دے اور ان کے شرکیہ عقائد و اعمال کی تردید کر کے ان کی اصلاح کرے۔

اسی طرح مشرکین مکہ بھی اپنی ممتاز خصوصیات پر بڑے مغرور تھے۔ حسب و نسب اور دوسرے کئی اہم خصوصیات کے علاوہ بیت اللہ شریف کے محافظ و خادم و مجاور ہونے اور حاجیوں کی خدمت ان کو پانی اور ستو وغیرہ پلانے کی خصوصیت پوری دنیا میں کسی قوم کو نہیں ہوئی۔ تمام قوموں میں صرف ان کے ساتھ ہی مخصوص تھی۔ اس پر ان کو بڑا فخر اور ناز تھا۔ ان کے اس غرور کو توڑنے کے لئے ایک عظیم القدر رسولؐ کی ضرورت تھی جو اعلان فرما کر اُن کے اتنے بڑے قابلِ ستائش اور نیک عمل کو یوں خاک میں ملا دے کہ **توحید خالص** کے بغیر کعبۃ اللہ شریف کی تعمیر و خدمت اور حجاج کرام کو پانی وغیرہ پلانے پر کوئی ثواب نہیں

أَجَعَلْتُمْ سِقَايَةَ الْحَاجِّ وَعِمَارَةَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ كَمَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَجَاهَدَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ (قرآن مجید پ۱۰ ع ۸)

کیا تم نے حاجیوں کو پانی پلانا اور بیت اللہ کی تعمیر کرنا ایمان والے کے برابر کر دیا ہے۔

اسی ضرورت کے پیشِ نظر عظیم المرتبہ جلیل القدر رفیع الشان نبیؐ سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے۔ اسی کے متعلق قرآن مجید میں واضح بیان ہے

لَمْ يَكُنِ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَالْمُشْرِكِينَ مُنفَكِّينَ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ رَسُولٌ مِّنَ اللَّهِ (قرآن مجید پ۳۰ سورۃ البیّنۃ آیۃ ۱)

نہ تھے کافر لوگ اہلِ کتاب اور مشرک باز آنے والے یہاں تک کہ پہنچے ان کے پاس کھلی حجت رسول اللہ کا۔

عالم گیر نبیؐ

حضرات! روز روشن کی طرح یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو نبیؑ مبعوث ہوئے۔ وہ ایک ایک قوم اور ایک ایک علاقہ اور کسی بستی میں اپنی قوم اور اپنے وقت کے رسولؑ اور پیغمبرؑ تھے۔ اسی بنا پر انبیاء کرام علیہم السلام کے تذکرے اور واقعات ان کی زندگی کے سوانح میں ان کی دعوت و تبلیغ کی روئیداد کے پہلے الفاظ قرآن پاک اس طرح نقل فرماتا ہے۔

فقال یٰقَوْمِ، یٰقَوْمِ، یٰقَوْمِ، یٰبَنِیٓ اِسْرَآئِیْلَ، یَا اَبَتِ وغیرہ

ہر پیغمبر نے فرمایا اے میری قوم! موسیٰؑ نے آواز دی اے بنی اسرائیل۔ سیدنا ابراہیمؑ کے وعظ و نصیحت میں قوم کے ساتھ ابا جان کو بھی خطاب ہے۔ معلوم ہوا کہ وہ رسول اور پیغمبر قوم والے اور علاقے والے تھے۔ لیکن حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت عالمگیر نبوت تھی۔ آپؐ تمام مذاہب عالم اور تمام اقوام عالم کی اصلاح کے لئے مبعوث ہوئے۔ اسی نسبت سے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صدائے دعوت یٰاَیُّھَا النَّاسُ اے لوگو! دنیا میں رہنے والو! کی خصوصی شان سے بالکل نرالی اور علیحدہ ہی گونج تھی وَاَرْسَلْنٰکَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا (قرآن پ۵ ع ۷) خاتم الانبیاءؐ کو اللہ تعالیٰ نے سب دنیا والوں کے لئے بھیجا وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ (قرآن پ۲۲ ع ۸)

ترجمہ آپؐ کو ہم نے سب لوگوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا۔

حکم خداوندی ہوتا ہے کہ میرے محبوبؐ آپؐ یہ بالکل واضح اعلان فرما دیں کہ میں تمام انسانوں کے لئے بھیجا گیا ہوں۔

قُلْ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا (قرآن مجید پ۹ ع ۹)

فرما دیجئے کہ اے لوگو! میں اللہ کا رسول ہوں تم سب کی طرف۔

اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کی نبوّت و رسالت کو سب کائنات کے لئے رحمت بنایا ہے

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ (قرآن مجید پ۱۷ ع ۷)

ترجمہ ہم نے آپ کو جہان والوں کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

یہ اٹل اور طے شدہ حقیقت ایک عقیدہ کی حیثیت رکھتی ہے کہ جناب رسالت مآب خاتم النبیین محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلے اللہ علیہ وسلم تمام انبیاء اور رسولوں میں اعلیٰ و افضل شان والے ہیں۔ خود قرآن کریم میں انبیاء میں فضیلت و درجات کی بلندی کا ذکر موجود ہے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ مِنْهُمْ مَنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ (قرآن مجید پ ۳ آیت ۱)

ان رسولوں میں سے ہم نے بعض کو بعض پہ فضیلت دی ہے۔ ان میں کسی سے اللہ تعالیٰ نے کلام فرمایا اور کسی کے بہت درجے بلند کر دئے۔

عصمتِ انبیاء

سید دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت اور علو مرتبت و درجات کا عقیدہ محکمہ رکھنے کے باوجود ایک صحیح حقیقت کا اظہار اور اصولی بحث کا تذکرہ فائدہ سے خالی نہیں ہوگا۔ دراصل وہ حقیقت اسلام کی نگاہ میں عقیدۂ نبوت میں ایمان کی جزو اور روح کی حیثیت رکھتی ہے۔ کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے جتنے خدا کے انبیاء مبعوث ہو چکے ہیں سب کی عزت و عظمت، سب کے ساتھ عقیدت و محبت اور سب انبیاء و مرسلین کو یکساں صداقت کے ساتھ تسلیم کیا جائے۔ ورنہ ایمان کی تکمیل نہیں ہوتی۔ اور شریعت اسلامی کا مدعا اور منشاء پورا نہیں ہوتا۔ مذہب اسلام نے اس چیز کو کفر بتا کر ناممکن کر دیا کہ کوئی شخص حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے اور ان کی پیروی کا دعوٰی کر کے ان سے پہلے کسی پیغمبر کا انکار کرے وہ یقیناً مسلمان نہیں، کافر ہے۔ کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک تمام پیغمبروں کی یکساں صداقت و حقانیت پہ ایمان نہ لائے اور ان کی راست بازی اور معصومیت کا اقرار نہ لائے اور یہ یقین نہ کرے کہ سب نبی برحق تھے اور حضرت محمدؐ بھی برحق ہے۔

اس حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے اپنی لاریب کتاب ہدایت قرآن مجید میں واشگاف بیان فرمایا ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْفُرُوْنَ بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیُرِیْدُوْنَ اَنْ یُّفَرِّقُوْا بَیْنَ اللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَیَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَکْفُرُ بِبَعْضٍ وَّیُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّتَّخِذُوْا بَیْنَ ذٰلِکَ سَبِیْلًا ○ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْکٰفِرُوْنَ حَقًّا وَاَعْتَدْنَا لِلْکٰفِرِیْنَ عَذَابًا مُّھِیْنًا ○ (قرآن مجید پ۶ ع ۱)

بے شک جو لوگ اللہ اور اس کے رسولوں کا انکار کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانیں گے۔ اور بعض کو نہیں مانیں گے۔ اور چاہتے ہیں کہ اس کے بیچ میں کوئی راستہ نکالیں وہی تو حقیقت میں پکے کافر ہیں اور کافروں کے لئے ہم نے ذلت والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

وَمَنْ یَّکْفُرْ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًا بَعِیْدًا (قرآن مجید پ۵ ع ۱۶)

اور جس نے انکار کیا خدا کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا۔ وہ سخت گمراہ ہے۔ تمام پیغمبروں کو ماننا ہی ایمان ہے

وَالْمَلٰٓئِکَۃِ وَالْکِتٰبِ وَالنَّبِیّٖنَ (قرآن مجید پ۲ ع ۵)

اور سب فرشتوں پر کتاب پر اور سب نبیوں پر۔ ایمان لانا نیکی ہے۔

مومن وہ ہیں جو سب رسولوں کو مانتے ہیں۔

کُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِہٖ (قرآن مجید پ۳ ع ۷) سب ایمان لائے اللہ پر اور اس کے فرشتوں پر اور اس کی کتابوں پر اور اس کے رسولوں پر ہم خدا کے رسولوں میں تفریق نہیں کرتے۔

ایمان مقبول اور اجر و ثواب اور بخشش و مغفرت انہی لوگوں کی ہوگی جو سب رسولوں کو مانتے ہیں۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖ وَلَمْ یُفَرِّقُوْا بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ اُولٰٓئِکَ سَوْفَ

يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ○ (قرآن مجید پ۶ ع۱)

اور جو لوگ کہ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے اور رسولوں میں سے کسی کے درمیان فرق نہیں کیا تو انہی لوگوں کو خدا ان کے اجر دے گا۔ اور اللہ بخشنے والا رحمت والا ہے۔

اسی طرح کامل الایمان والوں کو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ اپنے ایمان کا اس طرح اظہار کرو کہ ہم سب پیغمبروں کو مانتے ہیں اور کسی کے درمیان فرق نہیں کرتے۔

لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ○ (قرآن پ۱ ع۱۵ و پ۳ ع۱۶)

ہم ان پیغمبروں میں سے کسی کی تفریق نہیں کرتے اور ہم اللہ کے اس حکم (کہ سب رسولوں پر ایمان لاؤ) کو ماننے والے ہیں

قرآن حکیم کی تصریح کے مطابق پیغمبروں میں تفریق کرنے کے یہ معنی ہیں کہ انہیں سے بعض کو مانیں اور بعض کو نہ مانیں اسی مطلب میں اسلام نے اس کی ممانعت کی اور عام حکم دیا کہ تمام پیغمبروں اور رسولوں کو یکساں خدا کا رسول صادق اور کامل رہنما تسلیم کیا جائے

افراط و تفریط

یہود و نصاریٰ میں یہ مرض عام پھیلا ہوا تھا کہ اپنے پیغمبر کو تو مانتے اور اس طرح مانتے کہ تعریفیں کرتے کرتے نبوت و رسالت کے درجہ اور حد سے بڑھا کر خدا کی شانِ اقدس کے ساتھ ملا دیا اور اس کی خاص صفات و کمالات میں شریک بنا دیا اور دوسرے پیغمبر کو نعوذ باللہ جھوٹا اور کاذب بتا کر طرح طرح کی تہمتیں لگا کر اسکی نہ صرف معصومیت و تقدس کو ہی پامال کیا بلکہ شرافت تک حملے کئے۔

یہ حال تھا اس وقت کے یہود و نصاریٰ کے پڑھے لکھے عالموں فاضلوں احبار و رہبان مولویوں اور پیروں پوپ اور پادریوں کا ۔ ہما شما کی تو بات ہی کیا ہے۔

اسی کے متعلق قرآن پاک کا ارشاد ہے کہ نصاریٰ نے حضرت عیسیٰؑ کی شان نبوت

سے بڑھاکر خدا سے ملادی (العیاذ باللہ)

وَقَالَتِ النَّصَارٰی الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰہِ (قرآن مجید پ۱۰ ع ۱۱)

نصاریٰ نے کہا کہ حضرت مسیح علیہ السلام خدا کا بیٹا ہے۔

بلکہ یہاں تک کہہ دیا کہ مسیحؑ خود (نعوذ باللہ) خدا ہے۔ یعنی خدا کے ایک پیارے اور عاجز بندے کو خدا کا درجہ دے کر کفر کی انتہا کر دی

دوسری طرف یہودیوں نے حضرت عیسیٰؑ اور ان کی والدہ محترمہ مریم صدیقہؑ پر جھوٹی تہمتیں اور بہتان گھڑ گھڑ کر کفر کی انتہا کر دی

وَبِکُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰی مَرْیَمَ بُهْتَانًا عَظِیْمًا (قرآن مجید پ۶ ع ۲)

اور یہودیوں کا کھلا کفر اور حضرت مریم صدیقہ پر بہت بڑا طوفان اور بہتان باندھنا۔

اسلام میں اس چیز کی گنجائش قطعاً نہیں۔ بلکہ اس افراط و تفریط کو کفر کا درجہ دیا گیا۔ اور معلّم صادق خیر الوریٰ محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم نے تو دوسرے انبیاء علیہم السلام کی جائز تعظیم و تکریم کی اس قدر تعلیم دی ہے جس سے تمام پیغمبروں کے ساتھ عقیدت و محبت بڑھتی ہے ان کے ساتھ ادب و احترام کے جذبات ابھرتے ہیں اور ان کی نبوت کی تصدیق و اعتراف ایمانی جزو کی حیثیت سے سینوں میں سما جاتی ہے۔ اور مسلمان کے لئے لازم ہو جاتا ہے کہ جب بھی کسی پیغمبر کا نام نامی اسم گرامی لے تو ادب سے لے اور ان پر درود و سلام پڑھے علیٰ نبینا و علیہم الصلوٰۃ و والسلام

انبیاء علیہم السلام کی عظمت و ادب کے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں تک تاکید فرما دی کہ لَا تُفَضِّلُوْا بَیْنَ اَنْبِیَاءِ اللّٰہِ (صحیح بخاری شریف) انبیاء کے درمیان تفضیل نہ کیا کرو۔ یعنی سختی سے یہ فرما دیا کہ انبیاء کے بارے میں بہت احتیاط کرو۔ اپنی ہستی کے متعلق بھی فرما دیا کہ مجھے بھی ایسی فضیلت مت دو جس سے اللہ کے کسی دوسرے نبی کی شان میں گستاخی یا تنقیص ہوتی ہو۔

اللہ اللہ کہاں محبوب خدا کا اپنے متعلق دوسرے انبیاء کے مقابلہ میں ایسی فضیلت سے منع فرمانے کا حکم اور کہاں یار لوگوں کا حال جو حضورؐ کی شان بڑھاتے بڑھاتے خدا سے بھی آگے لے گئے۔ مولانا حالی فرماتے ہیں۔

مگر مؤمنوں پر کشادہ ہیں راہیں پرستش کریں شوق سے جس کی چاہیں
نبیؐ کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ ارشاد فرمایا اس کا نتیجہ اور مختصر خلاصہ یہ ہے۔ کہ جس پیغام الٰہی کے لئے نبیؐ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں تشریف لائے باقی انبیاءؑ علیہم السلام بھی اسی ازلی پیغام کے لئے مبعوث کئے گئے تھے۔ گویا سب کے دین و مذہب کا محور و جوہر ایک ہی تھا

هٰذَا ذِكْرُ مَنْ مَّعِيَ وَذِكْرُ مَنْ قَبْلِيْ (قرآن مجید پ۱۷ ع ۲)

یہی بات ہے میرے ساتھ والوں کی اور یہی بات ہے مجھ سے پہلوں کی

اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً (قرآن مجید پ۱۷ ع ۶)

یہ سب انبیاء کی جماعت تمہارے دین کی جماعت ایک ہی دین کی تھی۔
یہ سب انبیاء کرام ایک ہی باغ کے پھول اور ایک ہی لڑی کے موتی ہیں۔

اسی حقیقت کی مزید تشریح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنے الفاظ میں بیان فرمائی ہے اور اسی فرمانِ رسول پر ہم اس کتاب کے پہلے باب کو ختم کرتے ہیں۔

اَلْاَنْبِيَاءُ اِخْوَةٌ مِّنْ عِلَّاتٍ اُمَّهَاتُهُمْ شَتّٰى وَدِيْنُهُمْ وَاحِدٌ (صحیح بخاری ومسلم بحوالہ مشکوٰۃ ص۵۰۹)

تمام انبیاء ایسے بھائی ہیں جن کا باپ ایک ہے اور مائیں مختلف ہیں یعنی ان کا دین ایک ہے۔

الحمد للہ کہ باب اول ختم ہوا۔

وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ○

باب دوم

مَنصَبِ رِسالت

قال اللّٰہ تعالیٰ اَللّٰہُ اَعْلَمُ حَیْثُ یَجْعَلُ رِسَالَتَہٗ (قرآن مجید پ۸ ع ۲)
وقال تعالیٰ اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ (قرآن پ۱۷ ع اخیر)
وقال تعالیٰ ذٰلِکَ فَضْلُ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ (قرآن پ۲۸ ع ۱۱)

حضراتِ محترم! باب اوّل میں "ضرورتِ رسالت" کی تفصیل وتشریح آپ نے ملاحظہ فرمالی۔ اب باب دوم میں "منصبِ رسالت" پہ تفصیلی گفتگو کی جائے گی۔ کہ منصبِ رسالت ونبوت کی اصل حقیقت کیا ہے۔ اور اس منصب کے اہم لوازمات اور خصوصیات کیا ہیں۔ تاکہ اس منصب کے متعلق بہت سی غلط فہمیوں کا سدِ باب ہو سکے۔ اور اسی کے ساتھ بہت سی غلط الزام تراشیوں کا ازالہ بھی ہو جائے

حقیقتِ منصبِ رسالت

آئیے! پورے غور وخوض سے توجہ کریں کہ اس مقدس منصب (یعنی منصب نبوت ورسالت) کی حقیقت کیا ہے جو کہ انسانوں میں سے ہی ایک انسان کو اتنے اعلیٰ درجہ پہ فائز کر کے تمام انسانوں سے ممتاز بنا دیتی ہے

اگرچہ اس حقیقت سے کسی کو قطعاً انکار نہیں ہو سکتا کہ قادرِ مطلق خلاق فطرت نے مختلف انسانوں کو مختلف قسم کی فطری صلاحیتیں اور قابلیتیں عطا فرمائی ہیں۔ اور جس انسان کو جس قسم کی فطری صلاحیت اور اہلیت عطا کی جاتی ہے اس کا میلانِ طبع بھی اسی طرف ہوتا ہے اور جس قدر اس کا تجربہ اپنے میدان عمل میں بڑھتا جاتا ہے اسی قدر استعداد اور میدانِ طبع کا جوہر بھی برگ و بار پیدا کرنے لگتا ہے حتیٰ کہ وہ اس فن میں مہارتِ تامّہ حاصل کر کے بامِ عروج تک پہنچ جاتا ہے مثلاً شاعری، زبان دانی، فلسفہ، خطابت، ریاضی، صناعی مصوری، باغبانی، بہادری و جوانمردی، غرضیکہ دنیا میں ہزاروں اقسام پر مشتمل انسانی خصوصیات و قابلیتیں ہیں جن میں سے کسی خصوصیت کا حامل دوسرے شخص سے قطعی طور پر مختلف ہوتا ہے۔ مثلاً ایک تخیل پسند شاعر اور ایک حقیقت پسند ریاضی دان دونوں میں عظیم الشان فرق ہوتا ہے۔ اسی طرح ادب و انشاء کے خیالی بلند پرواز، تخیلات کے تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہو کر ہوا سے باتیں کرنے والے اور خطابت کے ماہر عموماً ریاضی اور دیگر حقیقی علوم سے قطعی طور پر نابلد اور کورے ہوتے ہیں۔ جب کہ ریاضی اور تاریخ وغیرہ جیسے ٹھوس علوم کے ماہر ادب و شاعری سے بیگانہ ہوتے ہیں۔ پہلوانی کے کرتب اور جوہر باغبانی سے بالکل مختلف ہوتے ہیں۔ ایک صنّاع کی طبیعت فلسفی سے کس قدر متضاد ہوتی ہے۔ حرب و سپاہ کا فن ہی الگ ہوتا ہے۔

بہرکیف ان استعدادہائے کی الگ الگ مخصوص صفات ہیں جو اپنی اپنی صنف میں نمایاں طور پر نظر آتی ہیں۔ اور اُن کو معلوم کرنے کے لئے کسی خاص پیمانہ محسوسات یا وجد و ذوق کی ضرورت نہیں بلکہ صفات کا اختلاف امتیاز خود بخود ظاہر ہو جاتا ہے۔ جیسے شعراء میں خاص دماغی قابلیت کا نفاذ ہوتا ہے۔ نظم کی قوت، تخیل کی بلندی، زورِ الفاظ، جوشِ معانی و

مطالب ، یہ تمام شعراء کی مخصوص صفات ہیں۔ اسی طرح تمام فلسفیوں کی ایک خاص دماغی کیفیت ہوتی ہے۔ خاموشی ، غور و فکر ، دقّتِ نظر، خارجی عالم سے بے پرواہی و بے نیازی ، تصوّر میں انہماک ، خلوت گزینی ، خشکیِ اخلاق ۔

الغرض یہ مختلف قسم کی جسمانی ، دماغی، قلبی و روحانی صلاحیتیں سب مالک الملک احسن الخالقین خلّاقِ فطرت کی طرف سے عطا کردہ اور ودیعت کردہ ہیں۔ مگر ان سب صفات و صلاحیتوں میں انسانی کوشش ریاضت اور جد و جہد کا پورا پورا دخل ہوتا ہے ۔

مثلاً اگر پہلوان ورزش کا معمول ترک کر دے تو اُسے اپنے فن میں نقصان کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اسی طرح دیگر فنون و علوم میں بھی محنت وسعی اور جدّ و جہد کے بغیر عروج حاصل کرنا ناممکن ہے ۔

لیکن منصبِ نبوّت ہی واحد مقام و منصب ہے جس میں انسان کی اپنی محنت ، کاوشں ، کوشش اور جدّ و جہد کا قطعاً کوئی دخل نہیں ہوتا۔ یہ منصب اللہ ربّ العزّت کا ایسا عظیم الشان انعام ہے کہ وُہ جسے چاہتا ہے اس اعلیٰ و ارفع منصب پر فائز فرماتا ہے اور سمیع و بصیر خدا جس بندے پر یہ انعامِ عظیم فرما کر انسانوں کی تعلیم و ہدایت کے لئے خاص فرماتے ہیں اسے کسی شخص کے سامنے زانوئے ادب بھی نہیں جھکاتے دیتے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعے خود پیغمبر کو تعلیم دیتے ہیں۔ اگر نبوّت کسی استاذ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرتی تو یقیناً اس استاذ اور معلّم کو یہ کہنے کا حق حاصل ہوتا کہ نبوت کی تکمیل و تعلیم میں اس کی ذہنی صلاحیّت و استعداد کا دخل ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے نبوت کو شاگردی سے مبرّا کر کے یہ واضح فرما دیا کہ نبوت میں اس قدر بھی انسانی جدّ و جُہد کا دخل نہیں ہے۔

عطیۂ الٰہی

کیا ہر انسان اس نمایاں اور عظیم القدر منصب کو کسی خاص عبادت و ریاضت یا کسی محنت و کوشش یا کسی اور جد و جہد کے ذریعہ حاصل کر سکتا ہے ؟

اس سوال کا جواب بالکل نفی میں ہے کہ ہر انسان کوشش سے نبی نہیں ہو سکتا. بلکہ وہی ہو سکتا ہے جس کو خدا نے نبی بنایا ہو۔ تھوڑا سا بھی غور و فکر سے سوچا جائے اور تفکر و تدبر کیا جائے تو یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ تمام مخلوقات اور اس کی مختلف جنسیں نوری۔ ناری۔ خاکی۔ اور مختلف انواع نباتات۔ جمادات۔ حیوانات۔ غرضیکہ کائنات کے ایک دن سے لیکر انسان کے ہر بچہ تک اپنے وجودِ ہستی میں اپنی کسی ذاتی محنت و کوشش کا محتاج نہیں بلکہ خلاق العلیم کے علم و قدرت کا مرہون منت ہے جس طرح نوع انسان کا انسان اور فرشتوں کا فرشتہ بن جانا ان کے افراد کی سعی و محنت سے ممکن نہیں بلکہ فیاضِ عالم اپنی قدرتِ کاملہ اور علم واسعہ سے ملکیت و انسانیت کا مرتبہ عطا فرماتا ہے۔ اسی طرح انبیاء کا نبی بن جانا ان کے افراد کی کوشش و محنت سے متعلق نہیں بلکہ علیم خبیر اللہ تعالیٰ کی حکمت و مصلحت جسے چاہتی ہے۔ یہ منصب خاص عطا فرما دیتی ہے۔ خداوند تعالیٰ خود نبی کا انتخاب فرماتا ہے۔ اس میں کسی کی ہمت و سعی ریاضت و عبادت کا کوئی دخل نہیں

اس کا مختصر اور جامع خلاصہ دو لفظوں میں سمجھ لیجئے کہ منصب نبوت محض اتفاقی اور اکتسابی نہیں۔ بلکہ وہبی ہے۔ یعنی نبوت سعی و محنت اور کسب و تلاش سے نہیں ملتی بلکہ وہ عطیہ الٰہی اور بخشش ربانی ہے۔ اسی نکتہ اور حقیقت کی وضاحت قرآن پاک میں مختلف انداز سے بیان کی گئی ہے۔

اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ (قرآن مجید پ ع ۲)

اللہ بہت بہتر جانتا ہے جہاں اپنی پیغمبری کا منصب بنائے۔

قُلْ رَّبِّیْٓ اَعْلَمُ مَنْ جَآءَ بِالْهُدٰی (قرآن مجید پ۲۰ ع ۱۲)

کہہ میرا رب خوب جانتا ہے کون آیا ہے ہدایت کے ساتھ

بعض مقامات پر قرآن مجید میں نبوت کو اللہ تعالیٰ کا خاص الخاص فضل فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے جسے چاہے دے

قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ الخ (قرآن مجید پ۳ ع ۱۵)

کہہ دیجئے کہ بے شک (یہ نبوت کا) فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے وہ جس کو چاہتا ہے اس کو دیتا ہے۔ اور اللہ بڑے وسعت والے علم جاننے والے ہیں۔

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ (قرآن مجید پ۲۸ ع ۱۰)

یہ نبوت خدا کا فضل ہے وہ جس کو چاہے دے

فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكَ (قرآن مجید پ۱۵ ع ۱۵)

تیرے رب کا فضل ہے

اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا (قرآن مجید پ۱۵ ع ۹)

بے شک اس رب کا تجھ پر بہت بڑا فضل ہے

قرآن مجید کے بعض مقامات پر نبوت کے منصب کی حقیقت کو اللہ تعالیٰ کی رحمت خاص فرمایا کہ جس کو وہ اس رحمت سے نواز دے

يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (قرآن پ۳ ع ۱۵)

جس کو چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ مخصوص کرتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا

وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ (قرآن پ۱ ع

اور اللہ اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہتا ہے مخصوص کرتا ہے اور اللہ بڑے فضل

رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ (قرآن پ۲۵ ع ۱۳)

رحمت ہے تیرے رب کی۔ وہی ہے سننے جاننے والا۔

اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ ؕ اِنَّ فَضْلَهٗ كَانَ عَلَيْكَ كَبِيْرًا (قرآن پ۱۵ ع ۹)

مگر رحمت ہے تیرے رب کی۔ بے شک اس کی بخشش تجھ پر بڑی ہے۔

وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ اِلَّا رَحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ (قرآن پ۲۰ ع۱۱)

اور تو توقع نہ رکھتا تھا کہ اتاری جائے تجھ پر کتاب مگر رحمت ہے تیرے رب کی

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ (قرآن پ۲۰ ع۷)

اور تو نہ تھا طور کے کنارے جب ہم نے آواز دی۔ لیکن یہ رحمت ہے تیرے رب کی

کہیں کہیں قرآن حکیم میں مقام نبوت اور منصب رسالت کی حقیقت کو احسانِ الٰہی فرما کر اس اشکال اور استبعاد کو ہی بالکل رفع کر دیا کہ رسول بشر اور آدمیوں میں سے کیسے ہو سکتا ہے۔ فرما دیا کہ رسالت اللہ تعالیٰ کا خصوصی احسان ہے وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس سے سرفراز فرماتا ہے۔

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَمُنُّ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ (قرآن پ۱۳ ع۱۳)

کفار و مشرکین کے جواب میں ان کے رسولوں نے کہا کہ ہم تو اسی طرح آدمی ہیں جیسے تم۔ لیکن اللہ (نبوت کا) احسان کرتا ہے اپنے بندوں میں سے جس پر چاہے۔

سیدنا حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ایک موقعہ پر رسالت کی اس حقیقت کو بالکل سیدھے سادھے صاف اور صریح الفاظ میں اس طرح واضح فرمایا

اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَيْهِ (قرآن مجید پ۲۵ ع۱۱)

نہیں وہ اور کچھ مگر ایک بندہ ہے جس پر ہم نے انعام و احسان کیا۔

انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے بار بار قرآن نے "چن کر پسند کرنے" کا لفظ استعمال کیا ہے جس سے نبوت و رسالت کی حقیقت پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ یہ انعام و احسان اور فضل و رحمت (منصب رسالت) محض اللہ تعالیٰ کے چناؤ سے نصیب ہوتا ہے جسے وہ پسند فرمائے۔

انبیائے کرام اور رسل عظام علیہم الصلوٰت والسلام کی رسالت کے عمومی

قانونِ الٰہی کا ذکر

اَللّٰہُ یَصْطَفِیْ مِنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ رُسُلًا وَّمِنَ النَّاسِ (قرآن پ۱۷ رکوع آخری)

اللہ تعالیٰ جن کو پسند فرماتا ہے فرشتوں اور آدمیوں میں سے رسول بناتا ہے

چند مخصوص پیغمبروں کے تذکرے میں حقیقت نبوت کی توضیح

اِنَّ اللّٰہَ اصْطَفٰٓی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰھِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ (قرآن پ۳ ع۱۱)

اللہ تعالیٰ نے چن کر پسند کر لیا آدمؑ نوحؑ آل ابراہیم اور آلِ عمران کو اہل دنیا پر

ایک آیت میں نہایت دلپذیر اور پُر تاثیر انداز میں حقیقتِ رسالت کی تشریح اس طرح کی گئی ہے۔

وَاذْکُرْ عِبٰدَنَآ اِبْرٰھِیْمَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ اُولِی الْاَیْدِیْ وَالْاَبْصَارِ اِنَّآ اَخْلَصْنٰھُمْ بِخَالِصَۃٍ ذِکْرَی الدَّارِ وَاِنَّھُمْ عِنْدَنَا لَمِنَ الْمُصْطَفَیْنَ الْاَخْیَارِ (پ۲۳ ع۲)

یاد کر ہمارے خاص بندوں ابراہیمؑ اسحاقؑ اور یعقوبؑ کو کام کے ہاتھوں والے بصیرت کی آنکھوں والے۔ ہم نے ان کو خاص کیا آخرت کی خالص نصیحت کے لئے اور وہ سب ہماری طرف سے چنے ہوئے نیک لوگوں میں سے تھے۔

سیّدنا ابراہیمؑ کے بارے ارشاد ربّانی

وَلَقَدِ اصْطَفَیْنٰہُ فِی الدُّنْیَا (قرآن مجید پ۱ ع۱۶)

ہم نے اس کو دنیا میں چن کر پسند کیا۔

اللہ تعالیٰ نے سیّدنا موسیٰؑ کے متعلق ذکر میں حقیقت نبوّت و رسالت کو بالکل روز روشن کی طرح اُجاگر کر دیا کہ اس اعلیٰ ذی قدر منصب کے لئے ہم نے اس کو منتخب کیا اور پسند کیا۔ قَالَ یٰمُوْسٰٓی اِنِّی اصْطَفَیْتُکَ عَلَی النَّاسِ بِرِسٰلٰتِیْ وَبِکَلَامِیْ[1]

فرمایا اے موسیٰؑ! میں نے تجھے لوگوں سے اپنے پیغاموں اور کلام کے لئے چن کر پسند کیا۔

کلیم اللہ کے کانوں میں پہلی بار جو ربّانی آواز گونجی۔ قرآن پاک نے بایں الفاظ ادا کیا

اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّکَ ، وَاَنَا اخْتَرْتُکَ[2] ،

مَیں ہوں تیرا رب ، اور میں نے تجھے چن کر پسند کیا ہے۔

---

[1] پارہ ۹ رکوع ۶ [2] پارہ ۱۶ رکوع ۹ ۔

منصب رسالت کے لوازم وخصوصیات

قرآن پاک کی ان تمام آیات بیّنات محکمات سے "منصب رسالت" کی اصل حقیقت پوری طرح واضح ہوگئی ہے کہ یہ منصب کسی کوشش ومحنت سے نہیں بلکہ خداوند قدوس کی مرضی اور انتخاب سے ملتا ہے۔ یہ حقیقت ہی دراصل اس منصب کی رُوح ہے۔
اب ہمیں یہ دیکھنا ہے کہ اس کا ڈھانچہ کونسا ہے۔ جس ڈھانچے میں یہ رُوح داخل کی جاتی ہے۔ یعنی منصبِ رسالت کی حقیقت کے بعد اس کے اہم لوازمات اور خصوصیات کیا ہیں؟ اس کی وضاحت نہایت ہی ضروری ہے۔ کیونکہ لوازمات اور خصوصیات کے صحیح سمجھے بغیر نبوت کی صحیح پہچان نہیں ہوسکتی اور اس کا حقیقی نشا پورا نہیں ہوتا۔ اور اس کا صحیح تصوّر تک نہیں کیا جاسکتا۔ اس مختصر توضیح وتشریح کے بعد یہ اندازہ لگانا قطعاً مشکل نہیں رہیگا کہ ہر شعلہ بیان مقرر، اور ہر شیریں نوا واعظ، ہر مؤثر البیان خطیب، ہر دقیقہ رس مُقنّن، ہر کشور کشا فاتح، اور ہر نکتہ داں حکیم اس لائق کیوں نہیں کہ نبوت ورسالت کا اہم اور بلند اور مقدس اور اعلیٰ ترین منصب ان سے منسوب کیا جائے۔ اس منصب کے لئے کچھ ایسے شروط، لوازم، اور خصوصیات بھی وابستہ ہیں جو اس کے ضروری اجزاء اور عناصر ہیں۔ اگرچہ قرآن حکیم اور تاریخی حقائق میں انبیاء کرام کے حالات وواقعات کے تذکروں سے نبوت ورسالت کے شرائط ولوازم اور خصوصیات وکمالات کی طویل فہرست ہے۔ اور اگر غور سے سوچا جائے تو درحقیقت ان سب کمالات واوصاف کا مجموعی خلاصہ صرف دو لوازم واوصاف میں نکالا جاسکتا ہے۔
(۱) عصمت (۲) وحی۔ یہ دو نبوت ورسالت کے وہ اوصاف ولوازم ہیں کہ دنیا کے تمام پیغمبروں میں یکساں پائے جاتے ہیں۔ اور سیکڑوں خصوصیات وکمالات کے جامع ہیں۔ اس کے علاوہ اگر کائنات کے صفحہ پر انسان کی ہستی کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت منکشف ہوکر آشکارا ہوجاتی ہے کہ انسان میں دو قسم کی قوتیں ہیں بہیمی وملکوتی ان دونو قوتوں کو جسمانی اور روحانی کہہ دیں کیونکہ انسان دو ہی چیزوں سے عبارت ہے

ایک جسم اور دوسرا روح۔ دونوں کے خصائص ولوازم اور آثار بھی جدا جدا ہیں۔ کھانا پینا۔ سونا۔ شہوت وغیرہ تمام قوت بہیمیہ کے آثار ہیں۔ اور علم و معرفت۔ غور و فکر یہ ملکوتیت کے ثمرات ہیں۔ جسمانی طور پہ بشریت وانسانیت کے اوصاف و کمالات کی سرحد معصومیت ہے۔ یہ بشریت کے کمال کی آخری حد ہے اس کے آگے ایک قدم کی بھی گنجائش نہیں۔ اور بشریت کا یہ کمال صرف انبیاء کرام علیہم السلام کو نصیب ہوتا ہے کہ وُہ معصوم اور گناہوں سے پاک اور بے داغ ہوتے ہیں۔ قانونِ الٰہی شریعت اسلام کی اصطلاح میں نبی و رسول کے سوا کسی انسان کو اس عصمت و بے گناہی کا درجہ و رتبہ حاصل نہیں ہوتا۔ گویا معصومیت کا سرٹیفکیٹ صرف انبیاء کے لئے رجسٹری ہو چکا ہے

دوسری ملکوتیت یعنی روحانیت کے درجات علم و معرفت کی انتہاء آخری سٹیج "وحی" ہے۔ اس کے لئے مخلوقات کے علم کا کوئی گوشہ نہیں۔ یہ علم یقین کی سب سے بلند اور اعلیٰ قسم ہے جو صرف انبیاءؑ کے ساتھ مخصوص ہے۔

عصمت اور وحی یہ دونو خاصۂ نبوت بلکہ رسالت و نبوت کی جزء ہیں۔ ان دونو کی قدرے الگ الگ تفصیل وتشریح کی ضرورت ہے تاکہ اس سوال کا جواب بھی خود بخود حل ہو جائے کہ بَشر یعنی آدمی کیسے رسول ہو سکتا ہے؟

عصمت انبیاءؑ

عصمتِ انبیاء علیہم السلام کا صحیح مفہوم اور صحیح حقیقت سمجھنے کے لئے ایک اصولی فرق کو سمجھنا نہایت ضروری ہے کہ نیکی اور بدی کا فطری اور قدرتی فرق اس قدر واضح ہے کہ اس کے اثرات سے گنہگار اور نیکوکار اور شقی اور سعید دونو کی سیرتوں اور زندگیوں کا فرق اتنا نمایاں ہوتا ہے کہ ان میں اشتباہ والتباس ممکن نہیں۔ تاریخ و سِیَر کی خاموش حقیقتیں اور خلق کی گویا زبانیں چیخ چیخ کر اس فرق و امتیاز کی منادی کرتی رہتی ہیں۔ اس اصول کو قرآن پاک نے اِن الفاظ میں ادا کیا ہے۔

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّئَاتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا

الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ○ (قرآن حکیم پ۲۵ ع)
کیا جو لوگ گناہوں کے مرتکب ہیں وہ یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم ان کو ایمان والوں اور نیک اعمال والوں جیسا بنائیں گے ان دونوں کی موت وحیات ایک جیسی ہے؟ یہ ان کا فیصلہ کتنا برا ہے۔

اس پاک آیت سے بالکل اس بات کی تصریح ہو جاتی ہے کہ صالح اور بدکار دونوں آدمیوں کا جینا اور مرنا ایک جیسا نہیں بلکہ نیک آدمی کی زندگی نہایت صاف اور ممتاز ہوتی ہے۔ اسی لئے گناہ سے گندے اور پلید آدمیوں اور نیکی سے پاک اور ستھرے آدمیوں میں خصوصی روابط و تعلقات ذہنی و مذہبی خصوصاً ازدواجی تعلقات کو رب العزۃ پسند نہیں فرماتے۔ ارشاد ربّانی ہے۔

اَلْخَبِيْثٰتُ لِلْخَبِيْثِيْنَ وَالْخَبِيْثُوْنَ لِلْخَبِيْثٰتِ ○ وَالطَّيِّبَاتُ لِلطَّيِّبِيْنَ وَالطَّيِّبُوْنَ لِلطَّيِّبَاتِ ○ (قرآن مجید پ۱۸ ع ۹)

گندی عورتیں گندے مردوں کے واسطے اور گندے گندیوں کے لئے اور ستھریاں ستھروں کے واسطے اور ستھرے ستھریوں کے واسطے۔

آیت شریفہ سے معلوم ہوا کہ نیکی کی طہارت و شرافت سے مزیّن انسان خواہ وہ عورت ہے یا مرد اللہ تعالیٰ گناہ کی بدی اور نجاست سے ملوّث انسان کی طرف نسبت کو بھی ناپسند فرماتے ہیں کہ پلید پلیدوں کے لئے اور پاکیزہ پاکیزوں کے لئے مناسب ہیں۔ پلیدوں کی نیکوں کے ساتھ قطعاً مناسبت نہیں۔ کیونکہ دونوں کی زندگی میں دن اور رات کا اندھیرے اور اجالے جیسا فرق ہے۔

یہ تو عام انسانوں کی نیکی اور بدی کی زندگی کا عظیم فرق ہے پھر انبیاء علیہم السلام کی پاکیزہ اور مطہّر زندگی کا کیا کہنا؟ ۔ یہ کہنا بالکل بجا ہوگا کہ نبیؑ طہارت و پاکیزگی کے اس بلند ترین مقام پر ہوتا ہے جہاں بشریّت و انسانیت ناز کر سکتی ہے۔

نبیؑ کے لئے ضروری ہے کہ حسنِ اعمال اور فضائل اخلاق کے پھولوں سے اس کا دامن بھرا ہوا ہو۔ اور ہر قسم کے گناہوں کے خس و خاشاک سے بالکل مبرا پاک اور صاف

ہو کہ گندے ہاتھوں سے میلے کپڑے پاک وصاف نہیں ہو سکتے۔
انبیاء کرام اور رُسُلِ عظام درحقیقت اس دنیا میں لوگوں کے لئے مقتدا، پیشوا اور نمونہ بنا کر بھیجے جاتے ہیں۔ اس لئے انبیاء کی پوری کتاب زندگی کا جامع خلاصہ عصمت کا باب ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (قرآن پ۲۱ ع)

تمہارے لئے خدا کے رسول کی پیروی میں بہترین نمونہ ہے۔
رسول کی آمد کا مقصد ہی گندی زندگیوں کو خدا کے حکم کے مطابق پاکیزہ بنانا ہے اس لئے ان کی معصومانہ زندگی کی اطاعت و اتباع واجب ہے

وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن رَّسُولٍ إِلَّا لِيُطَاعَ بِإِذْنِ اللّٰهِ (قرآن مجید پ۵ ع ۶)

ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ خدا کے حکم سے اس کی پیروی کی جائے۔
نبیؐ کی معصومیت و پاکدامنی سے اونچا خدائے تعالیٰ نے اپنی رضامندی کا کوئی معیار، ترازو اور پیمانہ ہی نہیں بنایا۔

مَنْ يُطِعِ الرَّسُولَ فَقَدْ أَطَاعَ اللّٰهَ (قرآن مجید پ۵ ع ۸)

جس نے رسول کی پیروی کی بے شک اس نے خدائے تعالیٰ کی پیروی کی۔
اور خاص طور پر آن حضرت نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی نسبت تو تصریح فرما دی کہ خدا کا محبوب بننے کے لئے آپؐ کی اتباع و پیروی ضروری ہے بغیر خاتم الرسل کی اتباع کے محبِ خدا اور عاشقِ رسول ہونے کا دعویٰ محض ڈھونگ اور نری خوش فہمی ہے۔

قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ۝ (قرآن مجید پ۳ ع ۱۲)

فرما دیجئے اگر تم اللہ کے محبوب ہونا چاہتے ہو تو میری پیروی کرو۔ اللہ تم سے محبت فرمائے گا اور تمہارے گناہ بھی بخش دے گا۔ اور اللہ بڑا غفور رحیم ہے۔
یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ آنحضرتؐ کی پاکیزہ زندگی کی پیروی جہاں خدا کا محبوب ہونے کا مستحق ٹھیراتی ہے وہاں آپؐ کی معصومانہ زندگی کی پیروی سے سابقہ

گناہ بھی معاف ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے مہربان ہیں۔

ذرا دماغ پر زور دیتے ہوئے اس بات کو سوچیں اور غور کریں کہ کیا کسی بدکار و گنہ گار عصیاں کار اور سیاہ کار کی زندگی اتباع و پیروی اور نمونہ بننے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ کیا برائیوں اور گنہ گاریوں کے سر چشموں اور منبعوں کو خدا کی اطاعت و محبت اور اس کی رضامندی کی شرط قرار دیا جا سکتا ہے؟ کیا گنہ گاروں کی دعوت سے کبھی نیکوکاری پھیلی ہے۔ کیا تاریکی سے کبھی روشنی نکلی اور کبھی گندگی سے پاکی پیدا ہوئی۔ کیا اندھا بھی بھولے بھٹکے کو راستہ بتانے کے قابل ہو سکتا ہے؟

جب ایسا نہیں ہو سکتا تو لامحالہ عقلاً و نقلاً یہ ماننا پڑے گا کہ انبیاء علیہم السلام کی معصومانہ زندگی گناہوں سے پاک اور بے داغ اتنی صاف اور شفاف اور روشن ترین ہوتی ہے کہ چاند اور سورج کی روشنی بھی ہیچ ہے اور ماند پڑ جاتی ہے جس کی روشنی سے جہان میں اجالا ہوتا ہے۔

نبوت کے متعلق عقلی حیثیت سے بھی جب تک عصمت کا اصول مان نہ لیا جائے نبی اور غیر نبی میں نمایاں فرق نہیں ہو سکتا۔ اور نہ ہی نبیوں اور رسولوں کی کامل صداقت اور صحت پر اعتبار کیا جا سکتا ہے

نبوت و رسالت کے لئے ضروری ہے کہ اس کے حامل طہارتِ نسب، حسنِ صورت حسنِ سیرت، حسنِ تربیت، حسنِ طینت، حسنِ اعمال، حسنِ کردار، حسنِ اخلاق، حسنِ معاملات ہر لحاظ سے حسن و جمال کا آئینہ اور نمونہ ہو۔

نبی اعلیٰ خاندان سے نسب میں پاکیزہ اور صورت و سیرت کے لحاظ سے نہایت احسن تربیت اور نشو و نما میں بالکل پاک معتدل مزاج اعلیٰ اخلاق اور بلند کردار کا مالک ہوتا ہے۔ نیک طینت متانت سنجیدہ دوستانِ الٰہی کے ساتھ نرم خوئی اور تواضع اور دشمنانِ حق کے شدت قوت ظالموں کے خلاف مظلوموں کی اعانت، رشتہ داروں قرابت مندوں اور ہمسایوں کے ساتھ احسان اور بے کسوں اور محتاجوں کمزوروں کے ساتھ حسنِ سلوک اس کی خاص صفات و عادات ہوتی ہیں،

علاوہ بریں نبیؑ راستباز، راست گفتار، امانت دار، تمام فضائل و محاسن سے آراستہ اور تمام بُرائیوں سے پاک اور ذلیل باتوں سے بالکل مُبرّا ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ نیکی سے محبت اور بدی سے نفرت اس کی فطرت ہوتی ہے۔ یہ عصمت و پاکدامنی پیدائش سے لے کر پوری زندگی تک نبیؑ کی خاص الخاص امتیازی شان اور سرمایۂ افتخار ہوتی ہے۔ گویا نبیؑ کی ذات کے لئے عصمت کی عمارت پہلے تیار ہوتی ہے۔ اس پر نبوّت کے مقدس اور اعلیٰ ترین منصب کا چھت ڈال کر مکمل کر دی جاتی ہے۔

عصمت وہ ڈھانچہ ہے جس میں نبوّت کی رُوح ڈالی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام کی پاکیزہ سیرتوں کا بغور مطالعہ کیا جائے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ جب سے وُہ عرصۂ وجود میں قدم رکھتے ہیں اسی زمانہ سے آنے والے وقت اور ملنے والے منصب تک وُہ حسب و نسب اور صورت و سیرت میں ممتاز ہوتے ہیں۔ شرک و کفر و فسق و فجور کے ماحول میں ہونے کے باوجود اس کی گندگی اور نجاست سے بچائے جاتے ہیں۔ اخلاقِ حسنہ سے آراستہ ہیں ان کی دیانت امانت صداقت راست گفتاری اور سچائی مسلم ہوتی ہے۔ اور یہ ساری تمہیدیں اس لئے ہوتی ہیں تاکہ منصب ملنے کے بعد ان کے دعوائے نبوت کی تصدیق اور لوگوں کے میلانِ خاطر کا سامان پہلے ہی سے موجود رہے

حضرت ابراہیمؑ حضرت اسماعیل۔ حضرت اسحٰقؑ۔ حضرت یوسف حضرت موسیٰ حضرت سلیمان حضرت یحییٰ حضرت عیسیٰ اور حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ علیہم کے قبل نبوت کے حالات و واقعات آپ پڑھیں تو ہمارے اس دعوے کی سچائی تم کو نظر آئے گی۔

حضرت صالحؑ کے متعلق ان کی قوم کا ان کی پاکیزہ اور شاندار ماضی کا کتنے صاف اور واضح الفاظ میں کیا ان کی عصمت کا اقرار اور شہادت نہیں۔

قَالُوْا یٰصٰلِحُ قَدْ كُنْتَ فِيْنَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هٰذَا (قرآن پ۱۲ ع ۶)

قوم نے کہا اے صالحؑ اس سے پہلے ہم کو تجھ پر بڑی امید تھی۔

حضرت شعیبؑ کی عبادت اور نیکی کے متعلق ان کی قوم کا کھلے لفظوں اظہار کیا۔ ان کی پاکیزہ اور معصومانہ زندگی کا ثبوت نہیں؟

قَالُوْا یٰشُعَیْبُ اَصَلٰوتُكَ تَاْمُرُكَ (قرآن مجید پ۱۲ ع ۸)
قوم نے کہا اے شعیب! تیری نماز تجھے کیا کہتی ہے۔
حضرت ابراہیمؑ کا شرک و کفر کے خلاف نفرت کا شدید ترین جذبہ اور صفتِ صداقت سے متصف ہونا کس بات کی شہادت ہے؟
وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ اِبْرٰهِیْمَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّیْقًا نَّبِیًّا ۝ (قرآن پ۱۶ ع ۶)
اور ذکر سنا کتاب میں ابراہیمؑ کا بے شک وہ سچا نبی تھا۔
حضرت اسمٰعیلؑ کا بچپن میں بے آب و گیاہ میدان میں پرورش پانا۔ چاہ زمزم کا ظہور اور کم سنی میں اپنے محترم و مقدس باپ کے خواب کو عملی جامہ پہنانے کے لئے پوری آمادگی اور تسلیم و رضا اور صبر و شکر کا اظہار کس روشن مستقبل کی خبر دیتا ہے
فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِیْمٍ ۝ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْیَ قَالَ یٰبُنَیَّ اِنِّیْۤ اَرٰى فِی الْمَنَامِ اَنِّیْۤ اَذْبَحُكَ فَانْظُرْ مَاذَا تَرٰى قَالَ یٰۤاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِیْۤ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِیْنَ ۝ (قرآن مجید پ۲۳ ع ۷)
پس ہم نے ابراہیمؑ کو ایک بردبار لڑکے کی بشارت دی۔ جب وہ اس کی ساتھ دوڑنے کی عمر کو پہنچا تو اس نے کہا اے میرے بیٹے! میں خواب میں دیکھتا ہوں کہ تجھے ذبح کر رہا ہوں۔ پس تیری کیا مرضی و منشائے ہے۔ اس نے جواب دیا اے ابا جان! کر ڈال جو تجھے کہا گیا۔ مجھے خدا نے چاہا تو صبر کرنے والوں میں پائے گا۔
وَاذْكُرْ فِی الْكِتٰبِ اِسْمٰعِیْلَ اِنَّهٗ كَانَ صَادِقَ الْوَعْدِ وَكَانَ رَسُوْلًا نَّبِیًّا
اور ذکر کر کتاب میں اسماعیلؑ کا بے شک وہ وعدہ کا سچا کرنے والا اور رسول نبی تھا
حضرت اسحٰقؑ کا فرشتوں کی بشارت سے پیدا ہونا اور پیدائش سے پہلے ہی صاحب علم ہونے کا خطاب پانا کس مقصود کا دیباچہ ہے۔
قَالُوْا لَا تَوْجَلْ اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلٰمٍ عَلِیْمٍ ۝ (قرآن مجید پ۱۴ ع ۴)
فرشتے کہنے لگے ابراہیم! ڈر نہیں۔ ہم تو تجھے صاحب علم لڑکے کی خوشخبری دینے آئے ہیں۔

حضرت یوسفؑ کا بچپن میں رؤیائے صادقہ اور والد گرامی سے جدائی غریب الوطنی ومسافرت کے مصائب میں صبر وشکر اور بھرپور جوانی میں پاکدامنی کھلی بے حیائی اور گناہ سے بچا یا جانا کس بات کی شہادت اور گواہی دیتی ہے؟

اِذْ قَالَ یُوْسُفُ یٰاَبَتِ اِنِّیْ رَاَیْتُ اَحَدَ عَشَرَ کَوْکَبًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ رَاَیْتُهُمْ لِیْ سٰجِدِیْنَ ○ (قرآن مجید پ ۱۲ ع ۱۱)

جس وقت کہا یوسفؑ نے اپنے باپ سے اے باپ! میں نے دیکھا خواب میں گیارہ ستارے اور سورج اور چاند میرے لئے سجدہ کرتے ہوئے

وَاَوْحَیْنَآ اِلَیْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ ○ پ ۱۲ ع ۱۲

اور ہم نے اشارہ کر دیا کہ تو جتائے گا ان کو یہ کام اور وہ تجھ کو نہ جانیں گے۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗٓ اٰتَیْنٰهُ حُکْمًا وَّعِلْمًا (قرآن مجید پ ۱۲ ع ۱۲)

اور جب پہنچ گیا اپنی جوانی کو، دیا ہم نے اس کو حکم اور سمجھ۔

کَذٰلِکَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ (قرآن مجید پ ۱۲ ع ۱۲)

اسی طرح ہم نے پھیر دیا اس سے برائی اور بے حیائی کو

حضرت موسیٰؑ کی ظالم فرعون کی ظلم کی تلواروں کے عین خطرہ میں پیدائش پھر دریا کے تلاطم اور موجوں میں حفاظت اور دشمنِ خدا و دشمنِ موسیٰؑ کے گھر میں پرورش اور نبوت سے پہلے ہی فرعونیوں سے تن تنہا مجاہدانہ آویزش اور مصر سے بھاگ کر مدین کے کوئیں کے پاس سایہ دار درخت کے نیچے آرام کے لئے بیٹھنا، اور اپنی بے بسی، غریب الوطنی اور محتاجی کی دربار ربی میں التجا اور درخواست کرنا، اور فطری جذبات اور غیرت سے مردوں کے مجمع کو ہٹا کر بے سہارا لڑکیوں کی بکریوں کو پانی پلانا، شریف اور پاکباز پیغمبر زادی سے قوی امین عفت وعصمت کا جیا ہوا اظہار کس مبدا کی خبر ہے۔

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَیْکَ مَرَّةً اُخْرٰٓی اِذْ اَوْحَیْنَآ اِلٰٓی اُمِّکَ مَا یُوْحٰٓی اَنِ اقْذِفِیْهِ فِی التَّابُوْتِ فَاقْذِفِیْهِ فِی الْیَمِّ فَلْیُلْقِهِ الْیَمُّ بِالسَّاحِلِ یَاْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّیْ وَعَدُوٌّ

لَہٗ وَ اَلْقَیْتُ عَلَیْکَ مَحَبَّۃً مِّنِّیْ وَ لِتُصْنَعَ عَلٰی عَیْنِیْ ○ (قرآن پ۱۶ ع ۱۰)

اور احسان کیا تھا ہم نے تجھ پر ایک بار اور بھی جب حکم ڈال دیا تیری ماں کے دل میں جو ڈالا کہ ڈال اس کو صندوق میں پھر ڈال اس کو دریا میں پھر ڈال دے گا دریا اس کو کنارے پر پکڑے اس کو میرا اور اس کا دشمن۔ اور ڈال دی میں نے محبت تجھ پر اپنی طرف سے تاکہ پرورش پائے تو میری نگرانی میں

وَلَمَّا وَرَدَ مَآءَ مَدْیَنَ وَجَدَ عَلَیْہِ اُمَّۃً مِّنَ النَّاسِ یَسْقُوْنَ وَ وَجَدَ مِنْ دُوْنِھِمُ امْرَاَتَیْنِ تَذُوْدَانِ قَالَ مَا خَطْبُکُمَا قَالَتَا لَا نَسْقِیْ حَتّٰی یُصْدِرَ الرِّعَآءُ وَ اَبُوْنَا شَیْخٌ کَبِیْرٌ ○ فَسَقٰی لَھُمَا ثُمَّ تَوَلّٰٓی اِلَی الظِّلِّ فَقَالَ رَبِّ اِنِّیْ لِمَآ اَنْزَلْتَ اِلَیَّ مِنْ خَیْرٍ فَقِیْرٌ ○ (قرآن مجید پ۲۰ ع ۵)

اور جب پہنچا مدین کے کنوئیں پر وہاں پر لوگوں کو پانی پلاتے ہوئے پایا۔ اور ان کے علاوہ دو عورتیں کو اس حال میں پایا کہ وہ اپنی بکریوں کو ایک طرف روکے ہوئے کھڑی تھیں۔ پوچھا تمہارا کیا حال ہے؟ وہ کہنے لگیں ہم اتنے تک پانی نہیں پلا سکتیں جب تک سب چرواہے چلے جائیں۔ اور ہمارا باپ بہت بوڑھا ہے بڑی عمر کا پھر اس نے پانی پلا دیا انہیں۔ پھر ہٹ کر چھاؤں کی طرف آیا۔ پس عرض کی اے رب! تو جو چیز بہتر عطا کرے میں اس کا بہت ہی محتاج ہوں۔

قَالَتْ اِحْدٰىھُمَا یٰٓاَبَتِ اسْتَاْجِرْہُ اِنَّ خَیْرَ مَنِ اسْتَاْجَرْتَ الْقَوِیُّ الْاَمِیْنُ[1]

ان دونوں میں سے ایک کہنے لگی اے باپ! اس کو نوکر رکھ لے۔ بیشک بہتر نوکر جس کو تو رکھنا چاہے زور آور امانت دار ہے۔

حضرت سلیمانؑ کا بچپن ہی میں اس قدر غیر معمولی سمجھ بوجھ کی باتیں کرنا کہ سننے والے حیران اور ششدر رہ جائیں اور ان کا آغازِ عمر میں علم و فہم اور فصلِ خصومات و مقدمات کی قوت کا عطا کئے جانا کس نتیجہ کے آثار ہیں

فَفَھَّمْنٰھَا سُلَیْمٰنَ وَکُلًّا اٰتَیْنَا حُکْمًا وَّ عِلْمًا (قرآن پ۱۷ ع ۶)

پھر سمجھا دیا ہم نے وہ فیصلہ سلیمانؑ کو۔ اور دونوں کو دیا تھا ہم نے حکم اور سمجھ۔

---

[1] پارہ ۲۰ رکوع ۶

حضرت یحییٰؑ کے لئے دعا، زکریاؑ اور زکریاؑ کو اس ضعف و پیرانہ سالی میں غیر متوقع اور غیر معمولی خوشخبری اور بشارت کے ساتھ ہی قبل از ولادت خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے انوکھے نام کی تجویز کئے جانا اور بچپن ہی میں خاص احوال وصفات رقتِ قلب اور غلبۂ بکا سے متصف ہونا اور ان کی نیکی، نرم خوئی، سعادت مندی، پاکی وغیرہ یہ سب کس مقصد کی تمہید ہے ؟

اِنَّا نُبَشِّرُكَ بِغُلَامٍ اسْمُهُ يَحْيٰى لَمْ نَجْعَل لَّهُ مِنْ قَبْلُ سَمِيًّا (قرآن پ ۱۶ ع ۴)

ہم تجھ کو خوشخبری سناتے ہیں ایک لڑکے کی جس کا نام یحییٰ ہے ۔ نہیں کیا ہم نے پہلے اس نام کا کوئی ۔

يٰيَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ ۚ وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ؕ وَكَانَ تَقِيًّا وَّبَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا ○ وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ (قرآن مجید پ ۱۶ ع ۴)

اے یحییٰ ! اٹھالے کتاب مضبوطی سے اور دیا ہم نے اس کو فیصلہ کرنا بچپن میں اور شوق دیا اپنی طرف سے اور ستھرائی ۔ اور تھا پرہیزگار اور ماں باپ کا فرمان بردار تھا اور سرکش و نافرمان نہ تھا ۔ اور سلام ہو اس پر جس دن پیدا ہوا اور جس دن مرے گا

حضرت عیسیٰؑ کے وجودِ مسعود کو قدرتِ الٰہیہ کا نشان قرار دیئے جانا اور مسیح علیہ السلام کو حق تعالیٰ کی طرف سے گود میں گویائی عطا کئے جانا بچپن ہی میں کتاب مقدس کی حقیقت رسی، نیکی اور سلامت روی کس روز روشن کی صبح ہے ؟

وَلِنَجْعَلَهٗٓ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَرَحْمَةً مِّنَّا ۚ وَكَانَ اَمْرًا مَّقْضِيًّا ○

اور ہم نے بنایا اس کو لوگوں کے لئے نشانی اور ہماری طرف سے مہربانی ۔ اور یہ کام پہلے سے طے شدہ ہے

قَالُوْا كَيْفَ نُكَلِّمُ مَنْ كَانَ فِي الْمَهْدِ صَبِيًّا ○ قَالَ اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ ۟ؕ اٰتٰىنِيَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِيْ نَبِيًّا ۙ وَّجَعَلَنِيْ مُبٰرَكًا اَيْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَاَوْصٰنِيْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَيًّا ○ وَّبَرًّا بِوَالِدَتِيْ ۫ وَلَمْ يَجْعَلْنِيْ جَبَّارًا شَقِيًّا

وَالسَّلَامُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدتُّ (قرآن پ۱۶ ع ۵)

بولے ہم اس سے کیسے بات کریں جو ابھی گود میں بچہ ہے۔ عیسیٰؑ بولے میں خدا کا بندہ ہوں۔ اس نے مجھے کتاب دی اور مجھے نبی ٹھیرایا۔ اور مجھے مبارک بنایا جہاں ہوں اور تاکید کی مجھ کو نماز اور زکوٰۃ کی جب تک زندہ رہوں اور فرماں بردار نیک سلوک کروں اپنی ماں سے اور مجھے سرکش بدبخت نہیں بنایا اور سلام ہے مجھ پر جس دن میں پیدا ہوا۔

خاتم الانبیاء امام الرسل سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کے لئے دعائے خلیل، نوید مسیح، رؤیائے آمنہ اور دیانت وامانت اور صداقت کے احوال وواقعات، اخلاقِ حسنہ اور کردارِ عالیہ کے نمایاں آثار اور زبانِ خلق کا متفقہ لقب صادق امین، شرک وکفر اور مراسمِ جاہلیت سے مکمل اجتناب، نبوت سے پہلے ہی تنہائی پسندی، غارِ حرا کی خلوت گزینی کس سراجاً منیرا کی ضیا پاشی ہے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ اور مطہر زندگی کے کثیر حالات میں چند واقعات سے اندازہ لگانا مشکل نہیں رہیگا

ان واقعات میں آغازِ نبوت میں جن کلمات سے آپؐ کی قبل از نبوت کی شاندار معصومانہ زندگی کا خاکہ آپؐ کی زوجۂ طاہرہ حضرت خدیجہؓ نے بیان کیا ہے آپؐ کی سابقہ زندگی کے پوری طرح خدوخال کو اُجاگر کردیا ہے کیونکہ رفیقۂ حیات سے زیادہ انسان کی شعبہائے زندگی کے تمام گوشوں اور نجی حالات کے تمام پہلوؤں سے واقف کوئی نہیں ہوسکتا۔

بخاری شریف کی طویل حدیث کا ایک مختصر حصّہ اس طرح ہے۔

قَالَتْ خَدِیْجَۃُؓ کَلَّا وَاللّٰہِ لَایُخْزِیْکَ اللّٰہُ اَبَدًا اِنَّکَ لَتَصِلُ الرَّحِمَ وَ تصدق الحدیث وتحمل الکلَّ وَتکسب المعدوم وتقری الضیف وتعین علیٰ نوائب الحق (بخاری ومسلم بحوالہ مشکوٰۃ ص۵۲۲)

حضرت خدیجہؓ نے کہا ہرگز نہیں قسم خدا کی اللہ آپؐ کو ضائع نہیں فرمائے گا۔ کیونکہ آپؐ

ناتے داروں سے سلوک کرتے ہو اور سچ بولتے ہو اور بوجھ اٹھاتے ہو اور محتاج کو کما کر دیتے ہو۔ اور مہمان کی مہمان نوازی کرتے ہو اور حق کے حادثوں میں لوگوں کی امداد کرتے ہو۔

مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی عفت و صداقت پورے معاشرۂ عرب میں مشہور و معروف تھی جس کا تجربہ اور مشاہدہ سب لوگ کئی بار کر چکے تھے۔

چنانچہ کوہِ صفا پر چڑھ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پکارا یا معشرِ قریش! تو سب لوگ جمع ہو گئے۔ آپؐ نے مجمع عام میں سب سے پہلے اپنی سابقہ زندگی کے متعلق سوال فرمایا تو جواب میں ہر پیر و جوان نے بیک زبان آپؐ کی عفت و صداقت کا ڈنکے کی چوٹ کھلا اور واضح اقرار کیا

بخاری شریف میں اس کا ذکر ان الفاظ میں بیان کیا گیا مختصر حصہ یہ ہے۔

فَقَالَ اَرَاَیْتُمْ ان اخبرتکم ان خیلا تخرج بالوادی تریدان تغیر علیکم اکنتم مصدقیّ قالوا نعم ماجربنا علیك الاصدقا (بخاری ومسلم بحوالہ مشکوۃ ص ۵۲۳)

فرمایا تمہارا کیا خیال ہے اگر میں تمہیں اس بات کی خبر دوں کہ سوار نکلے ہیں جنگل میں اور چاہتے ہیں کہ تمہیں ہلاک کر دیں کیا تم مجھے سچا مانو گے؟ سب نے کہا ضرور سچا سمجھیں گے کیونکہ ہم نے آپ کی زبان سے سچ کے سوا کبھی جھوٹ نہیں سنا۔

آن حضرتؐ کی صاف اور بے داغ زندگی کا جو نقشہ ہجرت اوّل یعنی ہجرت حبشہ کے مہاجرین کی جماعت کے منتخب نمائندے اور امیر حضرت جعفرؓ (حضرت علیؓ کے بھائی) نے غریب الوطنی اور مسافرت کے باوجود بادشاہِ وقت کے دربارِ عام میں اپنے مدمقابل اس وقت اسلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سخت مخالف اور دشمن رؤساءِ قریش کے وفد کے سامنے اپنی پُر جوش ولولہ انگیز اور مؤثرانہ تقریر میں کھینچا جس کا ملک حبشہ کے بادشاہ حضرت اصحمہؓ نجاشی پر اتنا اثر ہوا کہ اسلام کی حقانیت اور پیغمبرِ اسلامؐ کی صداقت کا بیان سنتے ہی اس پر رقّت طاری ہو گئی۔ اور توحیدِ الٰہی کی معرفت سے آنکھوں سے آنسو بہنے

لگے۔ اس جامع اور مؤثر انگیز تقریر کا ایک حصّہ یہ ہے۔

اَیُّھَا المَلِکُ ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے۔ شرک میں مبتلا تھے۔ بُت پوجتے تھے۔ مُردار کھاتے تھے۔ بدکاریاں کرتے تھے۔ ہمسایوں کو ستاتے تھے۔ بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا۔ قوی لوگ کمزوروں کو کھا جاتے تھے۔ اس اثنا میں ہم میں سے ایک شخص پیدا ہوا جس کی شرافت اور صدق و دیانت سے ہم لوگ پہلے سے واقف تھے۔ اس نے ہم کو اسلام کی دعوت دی۔

سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شرافت و صداقت کا اظہار و اقرار قیصرِ روم ہرقل کے شاہی دربار میں ابوسفیان رضؓ نے بھی کہا جو اُس وقت ابھی سخت ترین عدُوِّ رسول اور اسلام کا دشمن تھا۔ اتفاق سے عرب تجّار کا قافلہ شام میں تجارت کے لئے گیا ہُوا تھا جس میں ابوسفیان رضؓ بھی تھے۔ جب شاہی دربار میں بلائے گئے تو ھرقل بادشاہِ رُوم اور ابوسفیان رضؓ کے درمیان جو سوال وجوابات ہوئے ان میں دو سوال یہ بھی تھے۔

سوال ہرقل کَیۡفَ نَسَبُہٗ فِیۡکُمۡ ؟ — اس پیغمبر کی حسب و نسب تم میں کیسی ہے

جواب ابی سفیان ھُوَ فِیۡنَا ذُو نَسَبٍ — وُہ ہم میں نہایت شریف خاندان ہے

سوال ھرقل فَھَلۡ کُنۡتُمۡ تَتَّھِمُوۡنَہٗ بِالۡکَذِبِ قَبۡلَ اَنۡ یَّقُوۡلَ مَا قَالَ ؟ — دعویٰ نبوت سے پہلے کبھی تم لوگوں کو پیغمبر کی نسبت جھوٹ کا بھی تجربہ ہے ؟

جواب ابی سفیان لَا (بخاری صہ) — نہیں۔

ہر سوال وجواب کی بہت طویل تفصیل ہے جس میں یہ بھی ہے کہ اس گفتگو کے بعد قیصر نے مترجم کی ذریعے سے عرب کے وفد کو کہا کہ میں نے تم سے مدعی نبوت کی نسب کے متعلق سوال کیا تو تم نے اس کو شریف النسب بتایا۔ واقعی پیغمبر ہمیشہ اچھے اور اعلیٰ خاندانوں سے پیدا ہوتے ہیں۔ اور تم مانتے ہو کہ اس نے کبھی جھوٹ نہیں کہا۔ تو جو شخص آدمیوں سے جھوٹ نہیں بولتا۔ وہ خدا پر کیسے جھوٹ باندھ سکتا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو یہ بڑے نکتے کی بات ہے

جناب رسالت مآب سید المرسلین الصادق الامین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے کی پوری زندگی۔ دوپہر کے سورج سے بھی زیادہ روشن اور صاف و شفاف تھی جس کو آپؐ نے مخالفین کے سامنے بلا جھجک اور بے خطر بڑے زوردار چیلنج کے ساتھ موقعہ شہادت میں پیش فرما دیا۔ وحدہٗ لاشریک رب العلمین نے سید المرسلینؐ کا یہ اعلان اپنی لاریب کتاب قرآنِ حکیم میں محفوظ فرما دیا

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِنْ قَبْلِهِ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ○ (قرآن پ ۱۱ ع ۷)

بے شک (دعویٰ نبوت) سے پہلے میں تم میں عمر کا کافی حصہ گذار چکا ہوں۔ کیا تم اس بات کو نہیں سوچتے۔

اظہارِ حقیقت

حقیقۃً انبیاء علیہم السلام کے احوالِ مبارکہ کے یہ جزئیات باہم مل کر اپنی نسبت خود کلیہ بنا کر پیش کرتے ہیں کہ انبیاء اور رسول معصوم گناہوں سے بالکل پاک اور بے داغ ہوتے ہیں۔ اور جس کی زندگی میں داغ ہو وہ اس منصب پر فائز نہیں ہو سکتا؛ عہدۂ نبوت کی قابلیت وصلاحیت کا اصل معیار اور فطری اصول "عصمت" ہے۔

اسلام سے پہلے تمام اقوامِ عالم مذہبی عقائد و اعمال میں افراط و تفریط کا شکار تھیں حقانیت کا سوائے دعوی کی خوش فہمی کے کوئی واضح معیار نہ تھا۔ خصوصًا نبوت کے متعلق کوئی صحیح تخیل تک نہیں تھا۔ منصب نبوت تو بدرجہا بلند اور اعلیٰ ہے جس کی انہیں ہوا تک نہیں لگی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ظہورِ اسلام کے وقت مذہب کی ٹھیکدار اور اجارہ دار قوم یہود جن میں سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں پیغمبر پیدا ہوئے۔ ان کی یہ حالت تھی کہ ان کی کتابوں میں انبیاء کرام علیہم السلام کی طرف ایسی باتیں منسوب کی گئیں جو ان کی شانِ نبوت کے سراسر منافی ہیں۔ آج بھی دنیا میں اسرائیلیات کے ان اکاذیب و مناکیر کا دفتر اور الزامات و بہتانات کا پلندہ کافی مقدار میں موجود ہے۔ لیکن اسلام نے عصمت انبیاءؑ کے مقدس عقیدہ کی حقیقت پوری طرح عیاں کر دی کہ تمام انبیاء

اور رسول گناہوں سے پاک اور معصوم تھے بلکہ اسلام نے اس عقیدہ کی حفاظت کا بڑے زور شور سے تشدد کے ساتھ تو اہتمام کیا۔ اسلام میں عصمت کے بغیر نبوت کا کوئی وجود نہیں جب تک عصمت کا اصولِ فطرت مان نہ لیا جائے' نبوّت کا ماننا بھی بے معنیٰ بات ہے اور سراسر جہالت وحماقت کا مظاہرہ ہے۔

اس حقیقت کی سب سے بہتر توضیح وتشریح قرآن پاک نے کی ہے جو دنیا میں نبوت کا سب سے آخری پیغام اور صحفِ الٰہی میں سب سے کامل اور مکمل صحیفہ ہے

قرآنِ مقدس نے پیغمبروں کے نام لے کر اجتماعی نتیجہ اور خلاصہ واشگاف الفاظ میں فرمادیا۔ یہ سب صالحین اور پاکبازوں کی جماعت تھی۔

حضرت ابراہیمؑ، لوطؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ کے تذکرے کے بعد ارشاد فرمایا

وَكُلًّا جَعَلْنَا صَالِحِيْنَ ○ وَجَعَلْنَاهُمْ اَئِمَّةً يَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَاَوْحَيْنَا اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ ○ (پ ۱۷ ع ۶)

اور سب کو ہم نے نیک پاک بنایا۔ اور ہم نے ان کو پیشوا بنایا جو ہمارے حکم کے مطابق راہ دکھاتے تھے اور حکم دیا ہم نے ان کی طرف نیک کام کرنے کا اور نماز قائم کرنے کا، اور زکوٰۃ ادا کرنے کا۔ اور وہ سب ہمارے عبادت گزار تھے۔

غور کیجئے! کیا اس سے زیادہ ان کی عصمت اور بے گناہی کی شہادت ہو سکتی ہے کہ وہ سب صالح اور پاک باز تھے۔ امام اور پیشوا تھے۔ جو لوگوں کو بھی نیکی کا راستہ بتلاتے تھے اور خدا کے پرستار بنائے گئے۔

یوں تو قرآنِ کریم میں مختلف مقامات پر انبیاء علیہم السلام کے تذکروں میں انبیاءٗ کرام کی پاکیزہ سیرت کی جھلکیاں موجود ہیں۔ تاہم سورۂ انعام میں بہت بہتریں اور جامع انداز میں ان حقائق کی تشریح کی گئی ہے جہاں انبیاء علیہم السلام کے تفصیلی واقعات کا ذکر نہیں۔ بلکہ صرف نام ہی ذکر کئے گئے ہیں۔ اور ساتھ ہی یہ واضح کر دیا گیا ہے کہ وہ کون تھے اور کیا تھے۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ

إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ۝ وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحٰقَ وَيَعْقُوبَ كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمٰنَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسٰى وَهٰرُونَ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ۝ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيسٰى وَإِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِينَ ۝ وَإِسْمٰعِيلَ وَالْيَسَعَ وَيُونُسَ وَلُوطًا وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِينَ وَمِنْ اٰبَائِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَإِخْوَانِهِمْ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ

اور یہ ہماری دلیل تھی جو ہم نے ابراہیمؑ کو اس کی قوم کے مقابلہ میں دی۔ ہم جس کے چاہیں کئی درجات بلند کرتے ہیں۔ بے شک پروردگار حکمت والا بڑے علم والا ہے اور ہم نے ابراہیمؑ کو اسحٰقؑ (بیٹا) اور یعقوبؑ (پوتا) بخشے۔ سب کو ہدایت یافتہ بنایا۔ اور نوحؑ کو ان سے پہلے ہدایت یافتہ بنایا اور اس کی اولاد سے داؤدؑ اور سلیمانؑ اور ایوبؑ اور یوسفؑ اور موسیٰؑ اور ہارونؑ سب نیکوں کو ہم یوں ہی بدلہ دیتے ہیں۔ اور زکریاؑ اور یحییٰؑ اور عیسیٰؑ اور الیاسؑ سب نیک لوگ تھے۔ اور اسماعیلؑ اور الیسعؑ اور یونسؑ اور لوطؑ سب کو جہان والوں پر فضیلت دی۔ اور ان کے باپ اور اولاد اور بھائیوں میں سے بھی ہم نے چن کر پسند کیا اور صراطِ مستقیم سیدھی راہ پر چلایا۔

حضرات! ان چند آیات میں قرآنِ حکیم نے فصاحت و بلاغت کے موتی بکھیر دئے ہیں واقعی یہ کتاب مقدس اِس طغرہ امتیازی کی شانِ خصوصی کی مصداق ہے

كِتٰبٌ فُصِّلَتْ اٰيٰتُهٗ قُرْاٰنًا، كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۝ (قرآن مجید پ۱۱ ع ۱۷)

یہ قرآن ایسی کتاب ہے جس کی آیات حکمت سے بھری ہوئی ہیں۔ پھر حکیم خبیر رب کی طرف سے کھول کر بیان کی گئی ہے۔

مذکورۃ الصدر آیات بیّنات میں بہت سے جلیل القدر اور عظیم الشان انبیائے کرام کے نام بنام تذکرے میں بار بار منصب نبوت اور اس کے اوصاف و لوازمات کا ذکر فرمایا كُلًّا هَدَيْنَا (سب ہدایت یافتہ تھے)۔ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ (سب صالح اور پاکیزہ لوگ تھے) كُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ (سب کے سب جہان والوں سے برگزیدہ تھے) وَاجْتَبَيْنٰهُمْ

سہ قرآن پاک پارہ ۷، رکوع ۱۶

وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ خدا کے چنے ہوئے پسندیدہ سیدھے راستہ پر چلنے والے تھے۔ ہدایت یافتہ ہونا، صالح اور نیک ہونا، برتر و برگزیدہ ہونا۔ راہ راست پر ہونا، کیا سراسر عصمت اور بے گناہی اور ان کی پاکدامنی اور نیک سیرتی کی کھلی شہادت نہیں؟

غالباً یہی وجہ ہے کہ سورۂ انعام کے اسی رکوع کے اختتام کے بعد والی متصل آیت کریمہ میں سخت تہدیدی لہجہ میں ارشاد ربانی ہے:

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ (پ ۷ ع)

اور نہیں پہچانا اُن نے اللہ کو جیسے حق ہے پہچاننے کا جب کہنے لگے نہیں اتاری اللہ نے کسی بشر (انسان) پر کوئی چیز۔

دراصل آیت حاضرہ میں ان جاہلوں اور معاندوں کا رد کیا گیا ہے جو محض اپنی جہالت اور کج فہمی سے بشریت کے نقائص اور عیوبات کی طرف خیال کرتے ہوئے بشریت و انسانیت کی نسبت نبوت کا ہی انکار کر دیتے ہیں۔ کہ بشر اس منصب کا اہل نہیں۔ حقیقۃً وہ لوگ عداوت حق کے جوش جنون میں اور تعصب و ضد کے غصے میں بے قابو ہو کر صرف جہالت و نادانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے حق تعالیٰ جل وعلا شانہ کی قدرت و صفت کا انکار کرتے ہیں۔ کیونکہ کمالات بشریت، عفت و عصمت پاکدامنی و بے گناہی دیانت و امانت و سچائی انبیائے کرام کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے معصومیت کا خاص تحفہ اور رجسٹرڈ شدہ خصوصی انعامی تمغہ ہے۔ انبیاء کے سوا کسی دوسرے بشر کو قطعاً معصومیت کا سارٹیفکیٹ نہیں دیا جا سکتا۔

عصمت انبیاء پر اجماع امت ہے

اگرچہ قرآن پاک کے واضح اور محکم دلائل کے بعد یہ مسئلہ مزید کسی توضیح و تشریح کا محتاج نہیں رہتا۔ مگر مسئلہ کی اہمیت کے پیش نظر اجماع امت کا فیصلہ بھی مختصر لفظوں میں ملاحظہ فرمالیں کیونکہ امت مسلمہ اہل السنۃ والجماعۃ کا اجماعی اور متفقہ عقیدہ ہے کہ

"عصمت" انبیاء علیہم السلام کی ایسی مخصوص صفت ہے کہ کوئی فرد بشر ان کی اس صفت میں ان کے ساتھ شریک نہیں ہوسکتا۔ علمائے محققین متکلمین مجتہدین اور مفسرین حضرات نے اپنی تفاسیر اور کتب عقائد میں اس عقیدے کا واضح الفاظ میں ذکر کیا ہے۔

علامہ تفتازانیؒ اہل السنۃ والجماعۃ کا اس پر اتفاق واجماع نقل فرماتے ہیں کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام قبل النبوۃ اور بعد النبوۃ عمداً اور سہواً قطعی طور پر کفر سے معصوم اور پاک ہیں۔

اِنَّهُمْ مَعْصُوْمُوْنَ عَنِ الْكُفْرِ قَبْلَ الْوَحْيِ وَبَعْدَهٗ بِالْإِجْمَاعِ (شرح عقائد ص۹۵)

انبیاء علیہم السلام قبل نبوت بھی اور بعد نبوت بھی کفر سے بالاجماع معصوم ہیں۔

علامہ جار اللہ زمخشریؒ نے بڑے اچھوتے انداز میں انبیاء کرامؑ کی جہل و کفر سے معصومیت پر استدلال فرماتے ہوئے انبیاء کیلئے قبل نبوت و بعد نبوت صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے معصوم اور پاک ہونا لازمی اور ضروری قرار دیا ہے

وَالْاَنْبِيَاءُ يجب ان يكونوا معصومين قبل النبوة وبعدها من الكبائر والصغائر الشائنة فما بال الكفر والجهل بالصانع (تفسير الكشاف ص۵۵)

انبیاء علیہم السلام کے لئے ضروری ہے کہ وہ نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد کبیرہ اور صغیرہ گناہوں اور عیبوں سے پاک ہوں، تو کفر اور جہل سے کیسے معصوم نہ ہوں۔

مواہب لدنیہ کے شارح علامہ زرقانیؒ، علامہ سبکیؒ کے حوالہ سے اجماع امت کا متفق علیہ فیصلہ نقل فرماتے ہیں

قال السبكي اجمع الامة على عصمة الانبياء فيما يتعلق بالتبليغ وغيره من الكبائر وصغائر الخسة (شرح المواهب اللدنية ج۵ ص۳۱۴)

بقول سبکی امت کا اس پر اجماع ہے کہ انبیاء علیہم السلام امور متعلقہ بالتبلیغ اور دیگر کبائر اور صغائر خسیسہ سے معصوم اور پاک ہیں۔

اسی شرح مواہب لدنیہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خصائص کا ذکر کرتے ہوئے تمام انبیاء کرام کے متعلق جمہور اہل السنۃ والجماعۃ کا اس پر اجماع اور اتفاق نقل کیا ہے

کہ سب انبیاء قبل نبوت اور بعد نبوت کبیرہ اور صغیرہ گناہوں سے عمداً بھی اور سہواً بھی سراً اور جہراً بھی معصوم اور پاک ہوتے ہیں ۔

ومنها انه معصوم من الذنوب بعد النبوة وقبلها كبيرها وصغيرها عمدها وسهوها على الاصح فى ظاهره وباطنه سره وجهره وكذا الانبياء (شرح مواہب لدنیہ ج۵ ص۳۱۴)

آپؐ کے خصائص میں سے ہے کہ کبیرہ اور صغیرہ گناہوں سے عمداً سہواً سراً جہراً ہر لحاظ سے نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد بھی معصوم ہیں ۔ اور یہی شان سب انبیاء کی ہے

امام علامہ قرطبیؒ نے تو جمہور علماء ائمہ اہل السنۃ والجماعۃ کے اجماعی عقیدہ عصمت انبیاءؑ عن الکبائر والصغائر عمداً وسہواً کو ائمۂ مجتہدین رحمہم اللہ کا مختار مذہب نقل فرمایا ہے ۔

وقال جمهور من الفقهاء من اصحٰب مالكؒ وابي حنيفةؒ والشافعيؒ انهم معصومون من الصغائر كلها كعصمتهم من الكبائر اجماعًا (تفسیر قرطبی ج۱ ص۳۰۸)

تمام فقہاء مالکیہ حنفیہ اور شافعیہ نے فرمایا ہے کہ انبیاء علیہم السلام تمام صغیرہ گناہوں سے اس طرح معصوم ہیں جس طرح کبیرہ گناہوں سے پاک ہیں ۔

اس مسئلہ پہ علامہ امام رازی، علامہ سید محمود آلوسی ، علامہ خازن قاضی عیاض شہاب خفاجی ۔ حافظ ابن قیمؒ ۔ حافظ ابن حزم ۔ مُلّا علی قاری ۔ علامہ ابن حجر رحمہم اللہ کی کتب تفاسیر اور تصانیف میں نہایت نفیس و لطیف محققانہ بحثیں موجود ہیں ۔

عصمتِ انبیاء پر اعتراضات
اور
اسکا ایک اُصولی جواب

بعض کور باطن اور ناعاقبت اندیش الحاد پرست دشمنانِ اسلام نے سرے سے عصمتِ انبیاء کا انکار ہی کر دیا ہے۔ اور نعوذ باللہ نبی اور رسول کو ایک عام مصلح اور ریفارمر اور ایک قومی لیڈر سے زیادہ کوئی اہمیت نہیں دی۔

یہ نظریہ بدترین جہالت و حماقت، حد درجہ کی بے دینی اور بدنیتی کا بیّن ثبوت ہے قرآن پاک کے دلائل اور انبیاء کرام کی سیرتوں کے مقدس واقعات اور فقہائے اسلام اور علمائے امّت کے متفقہ اور اجماعی عقیدہ کے بیانات کے بعد انبیاءؑ کی عصمت کے انکار کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں رہتی اور نہ ہی کسی قسم کی چون و چرا کی جاسکتی ہے۔

البتہ بعض ظاہر بینوں کو قرآن پاک کے بعض الفاظوں سے دھوکا ہو سکتا ہے اور وہ یہ شبہات پیش کر سکتے ہیں کہ قرآنِ کریم میں بعض ایسے الفاظ ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض پیغمبروں کے دامن پر عدم معصومیت کے بھی داغ ہیں اشارۃً موسیٰؑ کے متعلق ضالؔ، حضرت آدمؑ کے متعلق عصیٰ، اور حضرت یونسؑ کے متعلق اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ اور خود جناب سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق لِیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ۔ ذنب وغیرہ جیسے الفاظ موجود ہیں۔

ان تمام شبہات کے مکمل اور تسلی بخش جوابات علماء محققین و متکلمین نے بہترین انداز میں دئیے ہیں۔ یہاں تک کہ اس موضوع پر مستقل کتابیں تصنیف کی گئیں۔ جیسے تحفۃ الاخلاء فی عصمۃ الانبیاء علامہ ملا دوست محمد کابلیؒ کی تصنیف ہے اس میں علامہ نے ایک ایک شبہہ کا پوری طرح جواب دے کر ردّ کیا ہے۔ اور علامہ ابن حزمؒ اندلسی نے اپنی تصنیف "الفصل فی الملل والنحل" ۴ جلد میں اور قاضی عیاض مالکیؒ نے "شفاء" قسم

ثالث باب اوّل میں، خفاجیؒ نے "شرح شفا" جلد ۳ میں خوب اس مسئلہ پہ تفصیل سے روشنی ڈالی ہے جس سے ظاہر بینی کا پردہ آنکھوں کے سامنے سے ہٹ جاتا ہے اور حقیقت کھل کر بالکل ظاہر ہوجاتی ہے۔ اس تمام رُوداد کو دہرانا اور ایک ایک شبہ کا مستقل ذکر کر کے اس کا جواب دے کر اس کو ردّ کرنا یہ خاصہ لمبا کام ہے اس طویل تفصیل کی اس مختصر کتاب میں گنجائش بھی نہیں۔ اور جس سطح پہ اور جن عوام الناس اور خواص احباب کرام کی اصلاح و فلاح کیلئے یہ کتاب لکھی جارہی ہے اس کے تقاضے کے مطابق بھی اتنی طویل بحث و تمحیص کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ اصل بات پیچیدگیوں اور نکتہ چینیوں کی نہیں بلکہ مسئلہ کی اصلی اور حقیقی وضاحت مقصود ہے

مختصرًا یقینی طور پہ کہا جاسکتا ہے کہ اِن شاء العزیز ایک ہی اصولی غلط فہمی، اور شبہ کی وضاحت اور تشریح کردینا تمام غلط فہمیوں اور شبہات کے ازالے کے لئے کافی ہوجائے گا وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللهِ بِعَزِيْزٍ ۝

ظاہرًا اگرچہ یہ ایک بہت بڑا مشکل دعوٰی ہے کہ اتنے شبہات کے لئے ایک ہی اصولی جواب کیسے کافی ہے۔

مگر شریعتِ اسلامی کا مزاج منطق اور پیچدار نہیں بلکہ قرآن پاک کی آیاتِ بیّنات اور اسلام کی تعلیمات صاف صاف اور عام فہم ہونے کے ساتھ ساتھ اس قدر کھول کھول کر بیان کی گئی ہیں کہ حقیقت کا سمجھنا اور پالینا کچھ مشکل نہیں رہتا بلکہ بہت آسان ہوجاتا ہے۔ بار بار قرآن کا ارشاد ہے۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ (قرآن مجید پ۲۷ ع ۲، ۱۰۱)
بیشک ہم نے قرآن کو بہت آسان کر دیا نصیحت کیلئے۔ کوئی ہے نصیحت حاصل کرنے والا

فَصَّلْنٰهُ تَفْصِيْلًا — بَيِّنَةٌ لِّلنَّاسِ
تفصیل کرکے ہم نے بیان کیا — قرآن کی تعلیمات کو لوگوں کیلئے ہم نے کھول کر بیان کیا

اور یہ قاعدہ ہے القرآن یفسر بعضہ بعضًا (قرآن اپنی تفسیر خود کرتا ہے)
اب قرآنِ کریم کی اس شانِ فصیحانہ اور بلیغانہ اور بیّنانہ کو مدّنظر رکھتے ہوئے

قرآن حکیم کے اسلوب بیان سے اس اصولی جواب کو ملاحظہ فرمائیں۔ غلط فہمی کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے متعلق جس قدر تنبیہات اور استغفار و توبہ جیسے الفاظ قرآن کریم میں مذکور ہیں اُن سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ وہ بھی انسان تھے ان سے غلطی اور گناہ ہو سکتا ہے (العیاذ باللہ) بے شک یہ صحیح ہے کہ انبیاء کرام بے شک بشر اور انسان ہوتے ہیں اور بوجہ بشریت اور بتقاضائے بشریّت بھول چوک اور بلا ارادہ غفلت سے لغزش جو اُن کے شایانِ شان کے منافی ہو اُن سے ممکن ہے۔ اس بھول چوک، بلا ارادہ لغزش و غفلت کو انبیاء کرام کے لئے حقیقی گنہ گاری اور عصیان کاری کیساتھ تعبیر کرنا یا تشبیہ دینا نہایت کوتاہ فہمی اور ظلم عظیم ہے۔ جب کہ عام انسانوں جیسے ہو کر شان اور درجہ اور مقام میں سب سے بلند اور اعلیٰ ہوتے ہیں۔ ایک جیسا سمجھنا کھُلا گناہ اور صریح کفر ہے۔ بعینہٖ اسی طرح عام بندوں کے گناہوں اور انبیاء کی بھول چوک کو ایک سطح پر رکھنا یا تشبیہ دینا بھی کفر کا بڑا درجہ ہے۔ کیونکہ جس قدر اُن کا مقام اور درجہ بلند ہوتا ہے اسی طرح ان کی تربیت و تہذیب بھی دوسرے لوگوں سے ممتاز ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے کاملین و مقربین کی ذراسی نامناسب فروگذاشت اور ادنیٰ ترین لغزش پر بھی گرفت فرماتے ہیں۔ اگرچہ امت کے حق میں وہ نہ گناہ ہوتی ہے اور نہ قابلِ مواخذہ ہوتی ہے۔

اسی وجہ سے جنید بغدادیؒ جیسے بزرگوں کا قول بحیثیت قاعدہ مشہور ہو گیا حَسَنَاتُ الْاَبْرَارِ سَیِّئَاتُ الْمُقَرَّبِیْنَ نیکوں کی نیکیاں بھی مقربین کی برائیاں ہیں انبیاء کرام سے لغزشیں اور فروگذاشتیں کیوں ہوتی ہیں؟ اور گرفت میں کیوں آتے ہیں؟

مذکورۃ الصدر عبارت کو غور سے پڑھنے اور سمجھنے سے ان سوالوں کا جواب بھی خود بخود مل جاتا ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام معصومیت کے بلند مرتبہ پر فائز ہوتے ہیں۔ ان کا قول و فعل شریعت بن جاتا ہے اس لئے شریعت کی حفاظت کے لئے ان کے ہر قول و فعل کی بھی حفاظت ضروری ہے اس بنا پر اگر ان سے احیاناً کبھی کوئی ایسی بات ہو جاتی ہے

تو فوراً اس پر تنبیہ کر دی جاتی ہے۔ اور ان کو ہوشیار کر دیا جاتا ہے۔ اسی کے ساتھ ان کی لغزش پر خطِ عفو پھیر کر اس کو معاف کر کے ان کو نیا خلعتِ فاخرہ اور نئے مراتبِ جلیلہ کی بشارت سنا دی جاتی ہے۔ اسی طرح ہر چھوٹی سی چھوٹی ادنیٰ سی ادنیٰ لغزشوں سے ان کا دامن پاک و صاف رکھا جاتا ہے۔ یہ قطعاً عصمت کے منافی نہیں۔ بلکہ یہ ان کے کمال میں اعلیٰ درجہ کی شان ہے کہ مقربین کا دامن ان لغزشوں سے بھی اس طرح پاک ہے۔

درحقیقت یہ ایک بہت بڑا اصولی فرق ہے جس کو سمجھ لینے کے بعد قطعاً کوئی اشتباہ نہیں رہتا۔ کیوں کہ برائیوں اور گناہگاریوں کا اصلی سرچشمہ اور منبع شیطان یا انسان کی خود نفس امّارہ کی شر ہے۔ عام انسانوں کی گمراہی اور عصیان کاری اور بدکاری وسوسۂ شیطان اور نفس پرستی کا نتیجہ ہوتی ہے۔ لیکن خدا کے خاص بندے انبیاء کرام علیہم السلام شیطان و نفس کے دامِ فریب سے بالکل آزاد اور مبرّا ہیں۔ کیونکہ انبیاء سے بڑھ کر کوئی خاص بندۂ ربّ نہیں ہو سکتا۔

اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَكَ عَلَیْهِمْ سُلْطٰنٌ ؕ وَكَفٰى بِرَبِّكَ وَكِیْلًا (پ۱۵ ع ۶)

یقیناً (اے شیطان!) تیرا میرے بندوں پر کوئی زور نہیں۔ تیرا رب اس پر کافی وکیل ہے انسان کی کھوپڑی میں اگر عقل جواب نہ دے چکی ہو تو تھوڑا سا بھی غور کرنے سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ عصمت کے منافی گناہ وہ ہے جس میں شیطان یا نفسِ امّارہ کی سرکشی کا دخل ہو۔ اور ان دونوں چیزوں سے اللہ کے پیغمبر مبرّا اور پاک ہیں۔ اور بھول چوک ادنیٰ لغزش میں شیطانی اور نفسانی دخل نہیں ہوتا۔ اس لئے وہ عصمت کے منافی نہیں۔

اسی اصولی نکتہ کی وضاحت میرِ کاروانِ توحید شہید فی سبیل اللہ حضرت مولانا علامہ شاہ محمد اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ نے اس طرح فرمائی

ومعنیٔ عصمت آں ہست کہ آنچہ بایشاں تعلق می دارد اقوال وعبادت ومعاملات ومقامات واخلاق واحوال آں ہمہ راحق جلّ وعلا از مداخلت نفس وشیطان وخطأ ونسیان بقدرت کاملہ محفوظ می دارد۔ وملائکہ حافظین را بر ایشاں می گمارد تا غبارِ بشریت دامنِ پاکِ ایشاں را نہ آلاید (تنبیہ ثانی در حقیقتِ ولایت از منصبِ امامت ص۸)

انبیاء کی عصمت کے معنے یہ ہیں کہ ان کے اقوال و افعال ہوں یا عبادات و معاملات ہوں، عادات و مقامات ہوں یا اخلاق و احوال ہوں، ان سب کو اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ کاملہ سے نفس اور شیطان کی دخل اندازی سے گناہ اور بھول سے بھی محفوظ فرماتا ہے اور اپنی نگرانی والے فرشتے ان کے ساتھ رکھتا ہے تاکہ بشریت کی غبار کا معمولی سا دھبہ بھی ان کے پاکیزہ دامن کو داغدار نہ کر سکے۔

حضرت شاہ صاحب موصوف رحمۃ اللہ علیہ کا بیان بہت واضح ہے۔ مزید کسی تشریح کا محتاج نہیں۔ اسی اصولی بیان کو سامنے رکھتے ہوئے قرآن پاک کے سمندر میں غوطہ لگائیں اور موتی نکال کر دیکھیں کہ کس طرح چمکتے اور دمکتے ہیں۔

حضرت یوسفؑ جیسے حسین و جمیل کے لئے نہایت ہی مزلّۃ الاقدام موقعۂ امتحان اور شیطان کے تسلّط کا اس سے زیادہ اور کیا موقعہ ہو سکتا ہے کہ حاکم وقت عزیز مصر کی بیوی خود اُن کے حسن و جمال پر فریفتہ ہو گئی اور ایسی ہوئی قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا اس کے دل میں محبّت رچ گئی، جس سے یوسفؑ کی محبّت میں وہ مفتون و دیوانی ہو گئی۔ دل کشی اور ہوشربائی کے سارے سامان جمع کر کے چاہتی ہے کہ یوسفؑ کے دل کو اس کے قابو سے باہر کر کے اپنی طرف مائل کر لے۔ عیش و نشاط کے سامان اور نفسیاتی جذبات پورے کرنے کے لئے ہمہ قسم سہولتیں، کسی غیر آدمی کے آنے جانے کے سب دروازے بند۔ ایسی تنہائی کے وقت خود عورت کی طرف سے خواہش کا بے تابانہ اظہار، عینِ شباب جوش جوانی کی عمر اور پھر تجرّد کی زندگی یہ سب دواعی و اسباب ایسے تھے جن سے زہد و تقویٰ کا بڑے سے بڑا مضبوط پہاڑ بھی ٹکرا کر پاش پاش ہو جاتا۔ مگر خداوندِ قدوس نے جس کو پیغمبرانہ عصمت کے بلند مقام پر پہنچایا تھا کیا مجال تھی کہ اس پر شیطان کا قابو چل جاتا۔ صرف ایک لفظ کہہ کر اس کے تمام خواہشات کے قلعے کو مٹی میں ملا دیا۔ اور شیطانی جال کے سارے حلقے توڑ پھوڑ دئے قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ کیونکہ جو خدا کی پناہ کی آڑ لے اس پر کسی کا وار نہیں چل سکتا۔ اگلی آیت میں اس سے بھی زیادہ پُر لطف کیفیت کا بیان فرمایا

كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ

لہ قرآن پاک پارہ ۱۲ رکوع ۱۳۔

یونہی ہوا تاکہ ہٹالیں ہم اس سے بُرائی اور بے حیائی۔ بے شک وہ ہمارے برگزیدہ بندوں میں ہیں۔

اس سے اشارہ نکلتا ہے کہ یوسفؑ عصمت نبوّت کی عظیم القدر شان کی وجہ سے اس گناہ سے خود ہی ہٹے ہوئے تھے۔ مگر بُرائی اور بے حیائی نے ان کو گھیر لیا تھا ہم نے ان کو نکال لیا۔ گویا یوسفؑ کو بُرائی سے نہیں ہٹایا بلکہ یوسفؑ سے بُرائی کو ہٹایا۔

اللہ اللہ قرآن کریم کے الفاظ اور اس کے اعجاز پہ قربان جائیں۔ الفاظ کا بیان ہی اس بات پر شاہد ہے کہ یوسف کسی ادنی گناہ میں بھی مبتلا نہیں ہوئے بلکہ اس خارزار وادی میں ان کا دامن کانٹوں سے بالکل محفوظ رہا۔

اور اس سے بھی زیادہ اور دلچسپ اور پُر وقار بات اس وقت بیان فرمائی جب کہ جیل کے اندر یوسفؑ کے پاس پادشاہ کی طرف سے رہائی کا پروانہ لے کر قاصد حاضر ہوا تو یوسفؑ نے فرمایا۔ جاؤ لوٹ جاؤ۔ اور بادشاہ کو کہہ دو کہ پہلے اس عورتوں کے معاملہ کو صاف کر دو کہ اصل حقیقت کیا ہے۔ یعنی اس غریب الوطن مسافر قیدی کو اپنی رہائی پر اتنی خوشی نہیں جتنی اس منصبِ نبوّت و رسالت عصمت کے داغدار ہونے کی فکر ہے اتنی تحقیق و تفتیش کرائی کہ پیغمبرانہ عصمت اور دیانت و امانت بالکل آشکارا ہوجائے اور اس میں ادنیٰ سی بھی بدگمانی اور تہمت کا شبہ نہ رہے۔ اس ساری تفتیشی کارروائی کے بعد یوسفؑ کا ان الفاظ میں اظہارِ بیان کیا ہے۔

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِىْ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّىْ اِنَّ رَبِّىْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (قرآن مجید پ ۱۳ ع ۱)

اور میں اپنے نفس کو پاک نہیں کہتا۔ بے شک نفس برائی کے ساتھ حکم کرتا ہے سرکش ہے۔ مگر جو رحم فرما دے میرا رب۔ بے شک میرا رب بخشنے والا مہربان ہے۔

ماحصل یہ ہے کہ ایسے ابتلاءِ عظیم کے وقت گناہ سے بچ جانا کسی نفس کا ذاتی کمال نہیں بلکہ محض اللہ کی رحمت اور دستگیری کا نتیجہ ہے۔ اسی ذاتِ کبریا جلّ وعلا شانہٗ

کی رحمت خصوصی عصمتِ انبیاء علیہم السلام کی کفیل وضامن ہے۔ کیا ایسی عصمت کا موازنہ عام انسانوں کی زندگی کے ساتھ کیا جاسکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ حاشا وکلاّ۔

یہی عفت وپاکدامنی کا حال مریم صدیقہ کا تھا۔ جب جبرائیل امین فرشتہ نوجوان خوبصورت مرد کی شکل میں اس کے سامنے نمودار ہوا

فَتَمَثَّلَ لَهَا بَشَرًا سَوِيًّا ۝ قَالَتْ إِنِّي أَعُوذُ بِالرَّحْمَٰنِ مِنكَ إِن كُنتَ تَقِيًّا

پھر بن کر آیا اس کے آگے آدمی پورا۔ بولی مجھ کو پناہ رحمٰن کی تجھ سے اگر تو ہے خدا کا ڈر رکھنے والا۔

کس قدر مقامِ غور ہے کہ جوانی میں ایسی تنہائی کی حالت میں ایسے زبردست دواعی ومحرکات بھی اس معصومہ کے جذباتِ عفاف وتقویٰ کو ادنیٰ ترین جنبش نہ دے سکے۔ کیا ایسی انتہائی عفت وپاکبازی کا معیار عام انسانی زندگی کی طرح ہو سکتا ہے؟ نہیں قطعاً نہیں۔

خود سید المرسلین آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حال تھا کہ بخاری ومسلم میں حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک موقعہ پر راستے سے گذرتے تو آپؐ کو راستہ میں ایک کھجور پڑی ہوئی ملی تو آپؐ نے اٹھا کر ارشاد فرمایا

لَوْلَا أَنِّي أَخَافُ أَنْ تَكُونَ مِنَ الصَّدَقَةِ لَأَكَلْتُهَا (مشکوٰۃ ص۱۶۱)

اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ یہ صدقہ کی کھجور ہوگی تو میں اسے کھالیتا۔

اللہ اکبر! جس ذاتِ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دانہ کھجور محض اس شک کی بنا پر تناول نہیں فرمایا مبادا یہ صدقہ کی ہو

اور اگر اپنے دولت کدہ میں بسترِ مقدس پر پڑا ہوا کھجور کا دانہ کھالیا تو بے چین ہوگئے چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کو سوتے وقت میں کروٹ بدلی تو اپنے پہلو کے نیچے ایک کھجور کا دانہ

---

[۱] پارہ ۱۶ رکوع ۵۔

پایا۔ اُسے اٹھایا اور تناول فرمایا۔ پھر باقی رات آپؐ تکلیف اور بے چینی سے پیچ و تاب کھاتے رہے۔ آپؐ کو نیند نہ آئی۔ آپؐ نے اپنی کسی زوجہ مطہرہ کو یہ کیفیت اس طرح بیان فرمائی۔

اِنِّیْ وَجَدْتُّ تَمْرَةً تَحْتَ جَنْبِیْ فَاَکَلْتُهَا ثُمَّ تَخَوَّفْتُ اَنْ تَکُوْنَ مِنَ الصَّدَقَةِ (طبقات ابن سعد ص۳۹/۱۲ بحوالہ حقیقت توحید وشرک)

میں نے اپنے پہلو کے نیچے سے ایک دانہ کھجور کا پایا اور اسے کھالیا۔ اب مجھے خوف ہے کہ کہیں وہ صدقے کے مال سے نہ ہو۔

اللہ اللہ! کھجور کا دانہ تو کھالیا مگر اس خیال سے کہ کہیں صدقہ کا نہ ہو اس فکر سے آپؐ کی نیند اُچاٹ ہوگئی۔ شب بھر آپؐ پیچ و تاب کھاتے رہے۔

اس قدر احتیاط، ایسی پاکیزہ ہستیوں کے متعلق سوائے عصمت اور پاکدامنی کے دوسرا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔

کوئی عقلمند دنیا میں سونے اور لوہے کو تولنے کے لئے ایک ہی ترازو استعمال کبھی نہیں کرسکتا

خوب غور و فکر سے قرآن پاک کی آیات سے اندازہ لگائیں کہ ایک عام مومن مرد اور عورت کی صالحانہ زندگی کی اللہ تعالیٰ نے ظاہراً کس قدر حفاظت فرمائی ہے۔

وَالَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ ثُمَّ لَمْ یَاْتُوْا بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ فَاجْلِدُوْهُمْ ثَمٰنِیْنَ جَلْدَةً وَّلَا تَقْبَلُوْا لَهُمْ شَهَادَةً اَبَدًا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○

اور جو لوگ عیب لگاتے ہیں حفاظت والیوں کو پھر نہ لائے چار مرد گواہ تو مارو اُن کو اسّی کوڑے اور نہ مانو کبھی ان کی گواہی۔ وہ فاسق ہیں۔

اِسی سورۂ نور میں (پارہ ۱۸) دو رکوع آگے چل کر اس طرح ارشاد فرمایا

اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِیْمٌ ○ (قرآن مجید پارہ ۱۸ رکوع ۹)

جو لوگ عیب لگاتے ہیں حفاظت والیوں بے خبر گناہ سے ایمان والیوں کو دنیا اور

ـــــــــــــــــ

ــہ پارہ ۱۸ رکوع ۷ ۔

آخرت دونوں جہانوں میں لعنت کے مستحق ہیں اور بڑے عذاب کے

سبحان اللہ! قرآن پاک کے اسلوبِ بیان پر قربان جائیں۔ کس قدر واضح انداز میں حفاظتِ آبرو کا کیسا بہترین انتظام فرمایا کہ جو انسان بھی نیک عورتوں پر محض سنے سنائے بے تحقیق بدکاری جیسی تہمت لگائے اور دزنی ثبوت کے بغیر یونہی بکتا پھرے وہ فاسق ہے اور اس کو اسی کوڑے لگاؤ۔ اور آیندہ ہمیشہ کے لئے مَرْدُوْدُ الشہادۃ قرار دیا جائے۔ یعنی اس کی گواہی کا کوئی اعتبار نہ کیا جائے۔

اور دوسری آیت میں تو جو قطعی اور یقینی طور پر کسی طرح بھی معصومیّت کے درجہ کو نہیں ہیں ان کی بھی آبرو کی حفاظت اس حیرت انگیز انداز سے بیان کی کہ حد ہی فرمادی نیک عورتوں کی تین صفات کا ذکر فرمایا (۱) محصنات (۲) غافلات، اور (۳) مؤمنات (ایمان والیوں، گناہ سے حفاظت کرنے والیوں، گناہ سے بالکل بے خبر، ایسی عورتوں کے متعلق ایسی بے ہُودہ باتیں اُڑانا نیک عورتوں کی آبروریزی اور پردہ دری جیسا کبیرہ گناہ اور بدترین جُرم ہے۔ جس کی اسلام کی تعزیری سزا کے ساتھ دنیا اور آخرت دونوں جہانوں میں لعنت اور پھٹکار اور عذاب الٰہی کے مستحق ہیں۔

کیا اس سے یہ بات آسانی سے سمجھ نہیں آسکتی کہ ایسے غیر معصوم انسانوں کو محصنات غافلات (پاکدامن، گناہ سے بے خبر) فرما کر ان کی طرف بدکاری جیسے گھناؤنے گناہ کی نسبت تہمت اور جرم عظیم ہے تو کیا انبیاء علیہم السلام (جن کے قلوب مطہّرہ میں گناہ کے خیال کا بھی گزر نہیں ہوا) کی محفوظ و معصوم ہستیوں کی طرف ان کی عصمت کے خلاف بات کہنا (غافلات) عورتوں کی آبروریزی سے بھی زیادہ اکبر الکبائر کبیرے سے کبیرہ گناہ نہیں ہے؟ تہمت کی سزا اسّی دڑے اور مردود الشہادہ اور دونوں جہانوں میں پھٹکار ہے۔ اور انبیاء کی طرف گناہ کا الزام سرے سے کفر اور نِرا ارتداد اور دائرۂ اسلام سے خروج ہے جس کی تعزیری سزا کے علاوہ جہنم کا عذاب ہے۔

اِس ضروری اور اصولی نکتہ کی وضاحت عقل و نقل کے ایک اور انداز سے ملاحظہ فرمائیں۔

یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کرلینی چاہئے کہ انبیاء علیہم السلام کا پایہ اور مرتبہ بندوں میں بلکہ ساری مخلوقات میں بہت ہی بلند اور ان کا دامن گناہ وعصیان کے گرد وغبار سے بالکل پاک وصاف ہوتا ہے۔ لیکن اس رب ذوالجلال والاکرام کے سامنے ان کی حیثیت ایک عبد ایک بندہ اور ایک عاجز مخلوق ہی کی ہے۔ ایک عبد وغلام خواہ کسی قدر اطاعت کیش، کتنا ہی وفا شعار، اور مطیع وفرمانبردار ہو تاہم اپنے مالک حقیقی کے سامنے اس کی عاجزی وانکساری کا اعتراف واقرار اس کا نقص نہیں۔ بلکہ اس کی بندگی اور عبودیت کا کمال ہے۔ اور مالک کو حق پہنچتا ہے کہ اس کے غلام اطاعت وفرمانبرداری کے جس حیرت انگیز رتبہ تک بھی پہنچے ہیں وہ ان سے اطاعت کیشی اور وفاشعاری کے اس سے بھی بلند درجہ کا مطالبہ کرے کہ اس کے دربار میں ان کے عروج وترقی کی کرسی اور بھی اونچی ہوتی جائے۔

قرآن پاک کی بعض آیتوں میں کسی پیغمبر کو خدا سے مغفرت مانگنے کی جو ہدایت کی گئی ہے اس کا سبب گناہ کا وجود نہیں بلکہ ہر قدم پر گذشتہ رتبۂ اطاعت پر مزید اطاعت کا مطالبہ ہے تاکہ وہ اس کے لئے مزید اس کے تقرب کا ذریعہ بن سکے۔

آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب ہوتا ہے

اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ وَالْفَتْحُ ○ وَرَاَيْتَ النَّاسَ يَدْخُلُوْنَ فِيْ دِيْنِ اللّٰهِ اَفْوَاجًا ○ فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ○

جب اللہ کی مدد آچکی۔ اور مکہ فتح ہوگیا اور لوگوں کے گروہ درگروہ اللہ کے دین میں جاتے دیکھ چکا تو اپنے پروردگار کی پاکی بیان کر اور اس سے معافی چاہ کہ وہ بندہ کے حال پر رجوع کرنے والا ہے۔

سوچنے کی بات ہے کہ کیا خدائی مدد آنا، مکہ فتح ہونا، شرک کی بیخ کنی، اور لوگوں کا مسلمان ہوجانا کوئی جرم ہے؟ کہ جس سے معافی چاہنے کا حکم ہے

اسی طرح سورۂ فتح میں خطاب فرمایا

اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا ○ لِّيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِكَ وَ

مَا تَاَخَّرَ وَ يُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكَ وَيَهْدِيَكَ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ○ وَيَنْصُرَكَ اللّٰهُ نَصْرًا عَزِيْزًا ○ (قرآن مجید پ ۲۶ ع ۹)

ہم نے آپ کو کھلی فتح دی تاکہ اللہ تیری اگلی پچھلی خطا کو معاف کر دے اور اپنا احسان تجھ پر پورا کرے اور تجھ کو سیدھی راہ پر چلائے اور تجھ کو زبردست مدد دے۔

دوبارہ غور وفکر کریں کہ فتح کامل کے نصیب ہونے کو حضورؐ کی معافی سے بجز اس کے کیا تعلق ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے حسن خدمت کو قبول فرما کر اپنی خوشنودی کا اظہار فرماتا ہے۔ اس استغفار سے مقصود (نعوذ باللہ) پیغمبرؐ کی گنہگاری کا ثبوت نہیں۔ بلکہ اس کی عبدیت کاملہ کا اظہار ہے۔ اور رب العالمین کی پسندیدگی رضامندی اور قبول تام کی بشارت ہے۔

اللہ تعالیٰ کی عظمت وجلال اور اس کی شفقت ومحبت اور رحمت وبخشش کے اس رحیمانہ اور کریمانہ انداز کو سمجھنے کے لئے قرآن وسنت کے واضح بیانات میں غور کریں۔ قرآن پاک میں غفور رحیم رب اپنے گنہگار بندوں کو مغفرت اور بخشش کی بشارت عظمیٰ کا اعلان فرماتا ہے۔

يَا عِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○ (قرآن مجید پ ۲۴ ع ۳)

اے میرے بندو! جنہوں نے گناہ کر کر کے اپنے نفسوں پر ظلم کیا، تم اللہ کی رحمت سے مت ناامید ہو۔ اللہ سارے گناہوں کو بخش دیتا ہے۔ وہ بہت بخشنے والا بڑا مہربان ہے۔

اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے ایک روایت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ كَمَنْ لَّا ذَنْبَ لَهٗ (رواہ ابن ماجہ والبیہقی فی شعب الایمان) یعنی گناہ سے توبہ کر لینے والا گنہ گار بندہ بالکل اس بندے کی طرح ہے جس نے گناہ کیا ہی نہ ہو

اور بعض روایتوں میں ہے کہ آدمی گناہوں سے توبہ کے بعد ایسا ہو جاتا ہے

جیساکہ وہ اپنی پیدائش کے وقت بے گناہ تھا (کیوم ولدتہ امہٗ)

اور بعض احادیث مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ توبہ کا نتیجہ صرف اتنا ہی نہیں ہوتا کہ گناہ معاف ہو جائیں اور معصیت کی ظلمت اور سیاہی کے داغ دھبے مٹا دئے جائیں، بلکہ تائب بندہ اللہ کا محبوب اور پیارا بن جاتا ہے۔ اور اس کی توبہ سے ربّ قدوس کو بے حد خوشی ہوتی ہے۔

اور بخاری و مسلم میں ایک روایت ہے جو صحیح مسلم کی روایت میں تصریح ہے کہ یہ حدیث قدسی ہے۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث شریف کا یہ پورا مضمون اللہ تعالیٰ کے حوالہ سے بیان فرمایا ہے۔ حدیث پاک کا خلاصہ یہ ہے کہ

"اللہ کے کسی بندے نے کوئی گناہ کیا پھر اللہ سے عرض کیا اے میرے مالک مجھ سے گناہ ہوگیا ہے مجھے معاف فرمادے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کیا میرا بندہ جانتا ہے کہ اس کا کوئی مالک ہے جو گناہوں پر پکڑ بھی سکتا ہے اور معاف بھی کر سکتا ہے۔ مَیں نے اپنے بندہ کا گناہ معاف کر دیا۔ پھر کچھ مُدت کے بعد گناہ کر بیٹھا۔ پھر اسی طرح عرض کی۔ اللہ نے پھر بخش دیا یہاں تک کہ کئی بار ہوا اور آخری دفعہ کے استغفار اور اس پر معافی کے اعلان کے ساتھ فرمایا گیا ہے غفرتُ لعبدی فلیفعل ما شاء یعنی میں نے اپنے بندے کو معاف کر دیا۔ اب اس کا جو جی چاہے کرے۔

اور صحیح مسلم میں حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے ایک روایت ہے کہ انہوں نے اپنی وفات کے وقت فرمایا کہ میں نے ایک بات رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنی تھی اور تم سے اب تک چھپائی تھی اب جب کہ میرا آخری وقت ہے وہ میں تم کو بتاتا ہوں اور وہ امانت تمہارے سپرد کرتا ہوں۔ میں نے آن حضرتؐ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپؐ ارشاد فرماتے ہیں

لولا انکم تذنبون لخلقَ اللہ خلقاً یذنبون فیغفر لھم رواہ مسلم

اگر بالفرض تم سب بے گناہ ہو جاؤ اور تم سے کوئی گناہ سرزد نہ ہو تو اللہ اور مخلوق پیدا کریگا

جن سے گناہ بھی سرزد ہوں گے ۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے گا ۔

القصہ : آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے یہ سمجھنا کہ اللہ تعالیٰ کو (معاذ اللہ) گناہ مطلوب ہیں اور وہ گنہ گاروں ہی کو پسند کرتا ہے ۔ اور ان ارشادات کے ذریعہ سے گناہوں اور گنہگاروں کی ہمت افزائی فرمائی گئی ہے ۔ اس قسم کا مطلب اختراع کرنا بڑی جاہلانہ غلط فہمی ہوگی ۔ ایسا مفہوم قطعاً غلط اور اسلامی روح کے خلاف ہوگا ۔ ہرگز ہرگز اس کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا کہ بندوں کو گناہوں کی کھلی اجازت دیدی گئی ہے بلکہ اس کے بالکل برعکس ان ارشادات میں بندوں کو ان کے مالک و مولیٰ کی طرف سے صرف اس کے لطف و کرم کا اعلان فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عظمت و کبریائی اور جلال و جبروت کے سامنے اپنی گنہ گاری اور تقصیر کے احساس سے انتہائی ندامت اور ذلت آمیز تذلل سے اپنے کو مجرم اور خطادار سمجھ کر صادق و مومنانہ استغفار کرنا چاہئے ۔ اس کی رحمت اس سے بھی وسیع تر ہے ۔ اسی بنا پر استغفار اور توبہ کو اعلیٰ درجہ کی عبادت اور قرب الٰہی کے مقامات میں بلند ترین مقام ہے ۔

اللہ تعالیٰ نے جن بندوں کو بندگی کا کچھ ذوق نصیب فرمایا ہے وہ بخوبی سمجھ سکتے ہیں کہ مومن بندے کے ضمیر پر ایسے کریمانہ اعلان کا کیا اثر پڑے گا ۔ اور اس کے دل میں مالک الملک کی کامل وفاداری اور فرمانبرداری کا کیسا جذبہ ابھرے گا

الغرض جیسے ان ارشادات سے بندوں کو گناہوں پہ دلیر کرتا نہیں بلکہ دربار الٰہی میں عجز و انکساری ، ذلت و درماندگی اور ادائے حقوق عبدیت میں تقصیر کا اعتراف کرانا مقصود ہے ۔ گویا بندے کو بندگی کے لئے مالک و آقا کا دروازہ بتانا ہے ۔

اسی طرح انبیاء علیہم السلام کا عاجزی اور بندگی کا اعتراف ان کی تقصیروں اور گناہوں کا اقرار نہیں بلکہ بدرجۂ کمال ان کی عبدیت کاملہ کا ثبوت ہے ۔

پھر عرض کرتا ہوں کہ دراصل یہ خیال بہت ہی عامیانہ جاہلانہ اور بالکل غلط ہے کہ استغفار و توبہ صرف عاصیوں اور گنہگاروں ہی کا کام ہے اور انہی کو اس کی ضرورت ہے ، واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے خاص مقرب بندے یہاں تک کہ انبیاء علیہم السلام جو گناہوں

سے محفوظ اور معصوم ہوتے ہیں ان کا حال بھی یہ ہوتا ہے کہ سب کچھ کرنے کے بعد بھی وہ محسوس کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی کا حق پوری طرح ادا نہ ہوسکا۔ اس حقِ عبودیت کی ادائیگی کا احساس ان پر غالب رہتا ہے۔ وہ برابر بار بار مسلسل توبہ اور استغفار کرتے ہیں۔ توبہ و استغفار عاصیوں اور گنہ گاروں کے لئے مغفرت و بخشش کا ذریعہ ہے۔ اور مقربین و معصومین کے لئے رحمتِ الٰہی کے درجات قرب و محبوبیت میں بے انتہاء ترقی کا وسیلہ ہے۔ عبدیت کاملہ کا درجہ اور عام عفو و مغفرت کا یہ مرتبۂ بلند خود بندہ کی زندگی میں انبیاء علیہم السلام کے سوا کسی دوسرے کو نصیب نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان حقائق کا فہم و یقین نصیب فرمائے

بہر حال عبدیت کاملہ کا راز و نیاز اس آخری بیان حضرت سیدنا عیسیٰؑ علیہ السلام سے ملاحظہ فرمادیں۔

حضرت عیسیٰؑ جن کو عیسائی خدا کا بیٹا کہتے تھے۔ اور ملائکہ (فرشتے) جن کو اہلِ عرب خدا کی بیٹیاں کہتے تھے، ان کے متعلق قرآن کا واضح اعلان یہ ہے۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا (پ۶ ع۴)

مسیحؑ کو اس سے ہرگز عار نہیں کہ وہ خدا کا بندہ ہے اور نہ مقرب فرشتوں کو اور جو اُس کی بندگی سے عار کرے گا اور اپنی بڑائی چاہیگا تو خدا ان سب کو اپنے پاس اٹھا کریگا

اللہ تعالیٰ کا اس آیت کریمہ کے بیان سے مقصود (نعوذ باللہ) حضرت عیسیٰؑ کی توہین نہیں۔ بلکہ ان کی کامل عبدیت اور بندگی کا اعلان ہے۔ یہی کمالِ عبدیت عصمتِ انبیائؑ ہے

وحی

قال تعالیٰ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (پ ۱۶ ع ۳)
قال تعالیٰ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ○ (قرآن مجید پ ۱۴ ع ۱۲)
قال تعالیٰ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○ (قرآن پ ۲۷ ع ۵)

حضرات گرامی! منصب نبوت اور رسالت کے اہم لوازمات وخصوصیات میں دوسری اہم خصوصیت "وحی" ہے۔

جیسے پہلے کہہ چکا ہوں کہ نبوت کے تمام کمالات اور خصوصیات کا خلاصہ دو چیزوں میں ہے ① عصمت ② وحی، یہ دونوں عمارت نبوّت کے بنیادی ستون ہیں بلکہ جسم اور روح کی حیثیت سے نبوّت کا حقیقی وجود ہیں

"عصمت" کی قدرے تفصیل پہلے بیان کی جا چکی ہے۔ اب عصمت کے مقدس قالب کو جس روح سے سرفراز کیا گیا ہے، اس کا بیان ہے کہ نبوت ورسالت کا اخص الخاص منصب "وحی" ہے۔ وحی کے ساتھ منصب نبوت کی تکمیل ہوتی ہے۔ وحی کمالات اور خصوصیات نبوت اور احسانات وانعامات ربانی کا سرچشمہ ہے۔ بلکہ انبیاء علیہم السلام کے نفوس مقدسہ کی تمام انسانوں پر برتری اور بلندی کی حد فاصل ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔ قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ (پ ۱۶ ع ۳)

فرما دیجئے کہ میں تمہاری طرح بشر ہوں۔ میری طرف وحی کی جاتی ہے۔

اگرچہ نبیؑ عام انسانوں کی طرح بشریت وانسانیت میں برابر کا شریک ہوتا ہے۔ مگر کمالات اور خصوصیاتِ نبوّت عصمت وعفّت جو وحی کو قبول کرنے کے اوصاف ہیں ان کے ساتھ نبیؑ تمام انسانوں سے ممتاز ہوتا ہے

دیکھا کہ بشریت میں گو پیغمبر کو دوسرے انسانوں کے مثل کہا۔ مگر ساتھ ہی وحی کے

فرق سے دونوں میں امتیاز کر دیا۔ کیونکہ پیغمبر میں وحی کے قبول کرنے کی جو صلاحیت ہوتی ہے دوسرے انسان قطعاً اس کے اہل نہیں ہو سکتے۔ بالفرض اگر کوئی غیر نبی انسان کسی زعم باطل میں وحی کا دعویٰ کرے تو وہ بالکل کذاب، دجال اور مردود و ملعون ہوگا ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْقَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ (قرآن مجید پ ع ۱۷)

اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو خدا پر جھوٹ باندھے یا یہ کہے کہ مجھ پر وحی آئی ہے اور اس پر کچھ بھی وحی نہ آئی ہو۔

وحی انبیاء کرام علیہم السلام کے ساتھ خاص ہے۔ انبیاء کے علاوہ صفت وحی کے ساتھ کوئی دوسرا انسان متصف نہیں ہو سکتا۔ ایسی وحی کا دعویٰ جھوٹی نبوت اور پیغمبری کا دعویٰ ہے جو سراسر خداوند قدوس پر بہتان انتہائی ظلم اور دیدہ دلیری ہے گویا مدعی نبوت صاحب وحی ہوتا اور کہلاتا ہے۔ اور غیر نبی مدعی وحی کہہ کر دجال و کذاب ہوتا ہے۔ غیر نبی بالکل صاحب وحی نہیں ہو سکتا۔ اور کہلا سکتا ہے

ایک شبہ کا ازالہ

اس سے پہلے کہ وحی کے معنے اور اس کی اصلی حقیقت کی تشریح و توضیح کی جائے ایک شبہ کا ازالہ کر دینا نہایت ضروری ہے۔ کیونکہ قرآن حکیم میں کئی مقامات پر غیر انبیاء انسانوں پر بھی وحی کے لفظ کا اطلاق کیا گیا ہے جسے دیکھ کر بعض سطحی اور ظاہر بین حضرات اس شبہ میں پڑ جاتے ہیں کہ وحی کے الفاظ تو پیغمبر کے سوا بھی کئی انسانوں کی طرف منسوب کئے گئے ہیں بلکہ حیوانوں اور آسمانوں وغیرہ تک استعمال کئے گئے ہیں۔ عوام الناس کا تو کہنا ہی کیا ہے۔ اسی غلط فہمی کی بنا پر بعض ملحد نیچرل بزعم خویش (روشن خیالوں) کو دھوکا ہوا اور انہوں نے اس بات میں سخت ترین ٹھوکر کھائی ہے جو درحقیقت منصب نبوت کی عدم معرفت اور حقیقی پہچان سے بے التفاتی

اور غفلت کا نتیجہ ہے۔

یاد رکھیے : قرآن کریم کے الفاظ اور ان کے معانی کی تحقیق و تشریح، تاویل و تفاصیل، تعبیر و تفسیر، تعیین و تخییر حتے کہ استعمالات تک میں بڑی وسعت و گنجائش ہے۔ مگر کسی محکم اور اٹل طے شدہ حقیقت میں دخل اندازی تحریف فی الدین ہے۔

گو انبیاء اور غیر انبیاء لفظ "وحی" میں باعتبار معنٰے لغوی کے قریب المعنیٰ ہیں۔ مگر مواقع استعمال میں زمین و آسمان سے بھی زیادہ نمایاں فرق ہے۔ اگرچہ مواقع استعمال بالعمل واضح ... الگ الگ ہیں۔ مگر ترادف مضمون کی حکیمانہ اور مصلحانہ رازو اسرار سے اتحادِ لفظی کا جامہ پہنادیا۔ اور قرآن حکیم اس فصیحانہ اور بلیغانہ انداز سے بھرا ہوا ہے۔

کیا؟ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ ؛ وَاَصْبَحَ فُؤَادُ اُمِّ مُوْسٰى فَارِغًا ؛ اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ؛ میں قلب، فؤاد، صدر بہ ... آت مترادف ہم معنٰے الفاظ ایک دل ہی کے الگ الگ نام نہیں؟ کیا رب حکیم کے ایک ہی چیز کو ہر مقام پر علٰحدہ علٰحدہ ناموں سے استعمال کرنے میں ایک ہی حکمت و مصلحت ہے یا فصاحت و بلاغت کے ہر مقام پہ الگ الگ ہی موتی بکھیرے ہیں۔

قرآن پاک میں ایک ہی قصہ کے فاتحہ میں ایک مقام پر ارشاد ہے۔

اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ○ اور دوسرے مقام پر فرمایا۔ لِقَوْمٍ یَّتَفَكَّرُوْنَ تیسرے مقام پہ بیان فرمایا لِقَوْمٍ یَّعْلَمُوْنَ اور کسی مقام پر فرمایا لِقَوْمٍ یَّفْقَهُوْنَ ○ کیا سب جگہ ایک ہی جیسی لطافت پائی جاتی ہے

علیٰ ہٰذا القیاس قرآن مجید میں لِاُولِی النُّهٰى، لِذِیْ حِجْرٍ، لِاُولِی الْاَبْصَارِ جیسے کلمات ایک ہی جیسی عبرت و موعظت کے لئے استعمال کئے گئے ہیں۔ کیا اسی کا نام قرآن دانی یا قرآن فہمی ہے؟ نہیں! بلکہ یہ غلط قسم کی روشن دماغی ہے جس سے بزعم خود یہ سمجھتے ہیں کہ انہوں نے الحمد للہ کی تفسیر الشکر للہ اور لاریب کی تفسیر لاشک سے بیان کر کے تفسیر قرآن کا پورا حق ادا کر دیا۔

نہیں! بلکہ قرآنِ کریم کی حرکات و سکنات شدّ و مدّ ایک ایک حرف میں فصاحت

و بلاغت کا سمندر بے کراں ہے۔

یقین کیجئے بلا مبالغہ عرض کر رہا ہوں کہ میں نے اپنے بزرگ محترم جامع المعقول والمنقول شیخ التفسیر والحدیث ماھر الفقہ حضرت العلامہ مولانا قاضی **شمس الدین** صاحب دامت معالیہم کو پورا ایک گھنٹہ عوامی خطاب میں صرف اس بات پر جامع تقریر فرماتے ہوئے سنا ہے کہ سورۂ زمر کے آخری رکوع میں کفار کی جماعتوں کو جہنم کی طرف لے جائیں گے تو فُتِحَتْ اَبْوَابُهَا (دروازے کھولے جائیں گے) اور ایمان والے پرہیزگاروں کی جماعتوں کو جنت کی طرف لے جائیں گے تو وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا - پہلے میں واو نہیں، اس میں واو ہے اس میں کیا مراد و راز ہے۔

اس مختصر مجملاً اشارہ کے بعد اصل مسئلہ کی حقیقت کی طرف رجوع کریں۔ اور توجہ کریں کہ غیر انبیاء پر لفظ وحی کے اطلاق سے حقیقی وحی مراد لینا جو انبیاء علیہم السلام پر ہوتی ہے سخت قسم کی غلط فہمی ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں بعض ایسے صریح مقامات ہیں جہاں الفاظ تو وحی اور یُوحٰی کے ہیں مگر قطعاً کسی صورت میں بھی معنے وحی یا الہام الٰہی کے ہو ہی نہیں سکتے **مثلاً**

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيَاطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ○ (قرآن مجید پ ع)

اور اسی طرح کر دیا ہم نے ہر نبی کے لئے دشمن شیطان (سیرت) انسانوں اور جنوں کو جو کہ سکھلاتے رہتے ہیں ایک دوسرے کو ملمع کی ہوئی باتیں فریب دینے کے لئے۔

اس سے چند آیات آگے اس طرح ہے

وَاِنَّ الشَّيَاطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰى اَوْلِيَآءِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ○ (قرآن مجید پ ع)

اور بے شک شیطان ڈالتے ہیں اپنے رفیقوں کے دلوں میں تاکہ وہ تم سے جھگڑا کریں۔ اور اگر تم نے ان کا کہا مانا تو تم بھی مشرک ہو جاؤ گے۔

مذکورہ بالا دونوں آیتوں میں وحی کے لفظ کا سوائے وساوس شیطانیہ کے اور کوئی محل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ شیطانی قوتیں ازل سے ہی حق کے ساتھ ٹکراتی ہوئی چلی آ رہی ہیں۔ ہر قسم کے مکر و فریب اور ملمع سازی کی چکنی چپڑی باتوں اور محض دھوکہ دہی سے جادۂ حق سے ڈگمگانے کی کوشش میں رہتی ہیں۔ اسی لئے قرآن پاک کی آخری سورت میں رب کائنات کی پناہ اور آڑ کی درخواست کا حکم دیا گیا ہے

مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ الْخَنَّاسِ الَّذِیْ یُوَسْوِسُ فِیْ صُدُوْرِ النَّاسِ مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ

پناہ اللہ کی بُرے وسوساتِ خناس سے جو خیال ڈالتا ہے لوگوں کے دلوں میں - جنوں سے بھی اور آدمیوں سے بھی ۔

اور حدیث شریف میں بھی اس کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے

وَاِنَّ للشیطان لمّۃ (شیطان وسوسہ اندازی کرتا ہے)

اور قرآن مجید میں زکریا علیہ السلام کے واقعہ میں ہے

فَخَرَجَ عَلٰی قَوْمِهٖ مِنَ الْمِحْرَابِ فَاَوْحٰۤی اِلَیْهِمْ اَنْ سَبِّحُوْا بُكْرَةً وَّعَشِیًّا (پ ۱۶ ع ۱)

پھر وہ عبادت کے حجرے سے نکل کر اپنی قوم کے پاس آئے تو اُن سے اشارے میں کہا کہ صبح و شام خدا کو یاد کرتے رہو۔

یہاں سوائے اشارے کے اور کوئی معنے نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ وقت آنے پر وعدۂ الٰہی کے مطابق زبان رُک گئی تھی - خود قرآن کریم کے دوسرے مقام پر اس کی تصریح ہے

قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّیْۤ اٰیَةً قَالَ اٰیَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمْزًا

عرض کی اے میرے رب کوئی نشان بتلائیے۔ فرمایا نشانی تیرے لئے یہ ہے کہ نہ بات کر سکے گا تو لوگوں سے تین دن مگر اشارے سے۔

اور باقی آسمان و زمین یا دوسرے جانداروں کے متعلق جو آیات ہیں ذرا ایک نظر ملاحظہ فرمالیں۔

وَاَوْحٰی فِیْ كُلِّ سَمَآءٍ اَمْرَهَا (قرآن مجید پ۲۴)

اور حکم کیا ہر آسمان میں حکم اس کا۔

سہ پارہ ۳ رکوع ۱۲

یَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ اَخْبَارَهَا بِاَنَّ رَبَّكَ اَوْحٰى لَهَا (قرآن مجید پارہ ۳۰ سورہ زلزال)

اس دن زمین کہہ ڈالے گی اپنی باتیں۔ اس واسطے کہ تیرے رب کا حکم ہوگا اس کو۔

وَاَوْحٰى رَبُّكَ اِلَى النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِيْ مِنَ الْجِبَالِ بُيُوْتًا (پارہ ۱۴ رکوع ۱۵)

اور حکم دیا تیرے رب نے شہد کی مکھی کو کہ بنالے پہاڑوں میں گھر

اس حکم کو فطری تار برقی کے علاوہ کس سے تشبیہ دی جاسکتی ہے۔ یہ حکم تمام کائنات میں جاری و ساری ہے۔ اور یہ تار برقی برابر ہر نوع میں جاری ہے۔

قُلْنَا يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ (پارہ ۱۷ رکوع ۵)

ہم نے کہا اے آگ ٹھنڈی اور آرام والی ہوجا ابراہیمؑ پر

وَاتْرُكِ الْبَحْرَ رَهْوًا اِنَّهُمْ جُنْدٌ مُّغْرَقُوْنَ ○ (قرآن مجید ۲۵ رکوع ۱۴)

اور چھوڑ جا دریا کو تھما ہوا۔ بے شک وہ لشکر ہیں ڈوبنے والے۔

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَمْرُنَا وَفَارَ التَّنُّوْرُ (قرآن مجید پارہ ۱۲ رکوع ۴)

یہاں تک کہ جب پہنچا حکم ہمارا اور جوش مارا تنور نے

وَقِيْلَ يٰٓاَرْضُ ابْلَعِيْ مَآءَكِ وَيٰسَمَآءُ اَقْلِعِيْ وَغِيْضَ الْمَآءُ (قرآن پارہ ۱۲ رکوع ۴)

اور حکم آیا اے زمین نگل جا اپنا پانی اور اے آسمان تھم جا اور سکھا دیا گیا پانی۔

بہرحال آسمان زمین آگ پانی وغیرہ مخلوق اس کی زبان سمجھتی ہے اور وہ زمین کی زبان کو جانتا ہے ؎

سب سے ربط آشنائی ہے تجھے ۔۔۔ دل میں ہر اک کے رسائی ہے تجھے

اس کے علاوہ سب سے زیادہ جن آیات سے اشتباہ ہوسکتا ہے۔ ذرا ان آیات کی حقیقت بھی ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت عیسیٰؑ کے حواریوں کے متعلق ہے

وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ (قرآن مجید پارہ ۷ رکوع ۵)

اور جب میں نے حواریوں کے دل میں ڈال دیا۔

یوم بدر میں مسلمانوں کی تسلی کے لئے اللہ تعالیٰ نے جب فرشتوں کا لشکر اتارا۔ اس

کے متعلق فرمایا

اِذْ یُوْحِیْ رَبُّكَ اِلَى الْمَلٰٓئِكَةِ اَنِّیْ مَعَكُمْ (قرآن مجید پارہ ۹ رکوع ۱۶)

جب حکم دیا تیرے رب نے فرشتوں کو کہ میں تمہارے ساتھ ہوں۔

فرعون کے قاتلانہ مظالم کے زمانہ میں حضرت موسیٰؑ کی پیدائش اور موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے متعلق بیان ہے

وَاَوْحَیْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى اَنْ اَرْضِعِیْهِ فَاِذَا خِفْتِ عَلَیْهِ فَاَلْقِیْهِ فِی الْیَمِّ وَلَا تَخَافِیْ وَلَا تَحْزَنِیْ اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَیْكِ وَجَاعِلُوْهُ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ

اور ہم نے حکم دیا موسیٰؑ کی ماں کو کہ اس کو دودھ پلاتی رہ۔ پھر جب تجھ کو ڈر ہو اس پر تو ڈال دے اس کو دریا میں اور نہ خطرہ کر اور نہ غمگین ہو بے شک ہم اس کو پھر تیرے پاس پہنچائیں گے۔ اور اس کو رسولوں سے کریں گے۔[1]

اسی کا دوسری جگہ اس طرح بیان ہے جس میں صندوق کا بھی ذکر ہے۔

اِذْ اَوْحَیْنَآ اِلٰٓى اُمِّكَ مَا یُوْحٰٓى اَنِ اقْذِفِیْهِ فِی التَّابُوْتِ فَاقْذِفِیْهِ فِی الْیَمِّ[2]

اے موسیٰؑ! جب ہم نے تیری والدہ کو حکم دیا کہ اس کو صندوق میں ڈال کر صندوق کو دریا میں ڈال دے۔

اور سیدنا حضرت یوسفؑ کو بچپن میں جب بھائی کنوئیں میں ڈالنے لگے اس کے متعلق بیان ہے

فَلَمَّا ذَهَبُوْا بِهٖ وَاَجْمَعُوْٓا اَنْ یَّجْعَلُوْهُ فِیْ غَیٰبَتِ الْجُبِّ وَاَوْحَیْنَآ اِلَیْهِ لَتُنَبِّئَنَّهُمْ بِاَمْرِهِمْ هٰذَا وَهُمْ لَا یَشْعُرُوْنَ (قرآن مجید پارہ ۱۲ رکوع ۱۲)

جب لے گئے اس کو اور متفق ہو گئے کہ ڈالیں اس کو گمنام کنوئیں میں۔ اور ہم نے اشارہ کر دیا اس کو کہ تو جتائے گا ان کو ان کا یہ کام اور وہ تجھ کو نہ جانیں گے۔

مذکورۃ الصدر تمام آیات اور واقعات میں عین مصیبت اور سختی کی گھڑیوں میں رحمت باری کی تسکین و تسلی کی بشارتیں ہیں تاکہ دل مطمئن ہو جائیں اور صبر و تحمل سے کام لیں۔ اور کسی قسم کی پریشانی، غمگینی اور فکرمندی میں مبتلا نہ ہوں۔ کیونکہ سختی

[1] قرآن مجید پارہ ۲۰ رکوع ۴) [2] قرآن مجید پارہ ۱۶ رکوع ۱۱۔

کے بعد آسانی اور تکلیف کے بعد راحت ہوگی۔ اور آخر انجام کار بہترین خدا کی نعمت و رحمت کا ہوگا۔

ہر شخص جو وحی، یُوحٰی، اَوْحٰی، اَوْحَیْنَا کی آیتوں پر ایک غائرانہ وتدبرانہ نگاہ ڈالے گا اس کو قطعی طور پر کسی حالت میں بھی اس بات میں شبہ نہیں ہو سکتا، بلکہ وہ یقینی طور پر یہی سمجھے گا کہ ان آیتوں میں جس وحی کا ذکر ہے اس کا تعلق صرف انہی کی ذات تک محدود ہے۔ دنیا کے دوسرے انسانوں کی زندگی کے ساتھ اس کا ذرا بھر بھی کوئی دخل نہیں۔ اور انبیاء علیہم السلام کی وحی کا تعلق پوری نسلِ انسانی کی ہدایت و رہنمائی کے ساتھ ہے۔

درحقیقت حق تعالیٰ جل شانہ نے اپنی حکمت بالغہ سے روزِ اول سے اولادِ آدمؑ کی راہنمائی، ان کی روحانی، علمی، عملی ہدایت و تربیت کے لئے حجّتِ بالغہ کا سلسلہ قائم و دائم فرمایا۔ اسی سلسلہ کا نام "وحی" ہے۔ اور یہ بلند مشن ہر آدمی کے سپرد نہیں کیا جاتا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے خود ہر زمانہ میں اس مقدس مشن کے لئے مقدس ہستیوں کا انتخاب فرمایا۔ اور ان برگزیدہ نفوس قدسیہ کے معصوم ہونے کی ضمانت دی۔ صرف انہی پاکیزہ ہستیوں کو اسلامی زبان میں انبیاء اور رُسل کہا جاتا ہے۔ کیونکہ انبیاء ہی خالق و مخلوق کے درمیان تعلق اور رابطہ کا واسطہ اور ذریعہ ہوتے ہیں۔ اسی لئے حق سبحانہٗ کی بارگاہِ عالیہ سے برابر انبیاء کرام علیہم السلام کو بنی نوع انسان کی رشد و ہدایت کے لئے پیغامات اور احکامات ملتے رہتے ہیں اور وہ ان تک اس امانتِ الٰہیہ کو کما حقہٗ پہنچا دیتے ہیں۔ بس راہنمائی کے ان خدائی پیغاموں کو "وحی" کہا جاتا ہے۔

رسول کا قول و عمل "وحی" یعنی پیغامِ خدا ہوتا ہے۔ قول جو کہتے ہیں وہ بھی وحیِ الٰہی ہوتی ہے۔

وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰی ۝ اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی (قرآن مجید پارہ ۲۷ رکوع ۵)

اور نہیں بولتا اپنی خواہش سے۔ وہ وحی ہوتی ہے جو بھیجی جاتی ہے۔

جو عمل کرتے ہیں، وہ بھی وحی ربانی کے مطابق ہوتا ہے

اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ (قرآن مجید پارہ ۱۱ رکوع ۷)
مَیں تو صرف وحی کی پیروی کرتا ہوں۔
گویا شریعتِ اسلامیہ کی اصطلاح میں "وحی" نبی کے لئے رشد و ہدایت کے علم کے اس مبدأ، منبع، اور ماخذ کا نام ہے جس کا سرچشمہ عالمِ ملکوت یعنی تعلیم ربّانی سے ہے۔
یہی وجہ ہے کہ پیغمبر کی تعلیم قطعی حجّت اور واجب العمل ہے۔ پیغمبر کی بات کو ٹھکرانا کفر ہے۔ اور غیر نبیؐ کا قول و فعل، کشف و خواب حجّت قطعیّہ نہیں ہو سکتا۔
اور کسی ولی کا کوئی الہام قطعاً وحی کی حیثیت نہیں رکھتا، اور نہ ہی ولی کا الہام قابلِ حجت ہے۔ محققین حضرات رحمہم اللہ نے اس کی صاف تصریح کر دی ہے۔
علّامۃ المحقق صاحبِ تفسیر روح المعانی یقین دہانی جیسے انداز میں فرماتے ہیں۔
واعلم انہ لاینزل علی قلوب الاولیاء من وحی الالہام (روح المعانی پ۲۵ ص۶۲)
اور یہ یقین کر لینا چاہئے کہ اولیاء اللہ کے دلوں پر الہامی وحی کبھی نہیں ہوتی۔
علّامہ تفتازانیؒ بڑے صاف لفظوں میں اہل السنۃ کا مسلک بیان فرماتے ہیں۔
والالہام لیس بحجۃ عند اہل الحق (ای اہل السنۃ والجماعۃ (شرح عقائد ص)
اولیاء اللہ کا الہام اہل السنۃ والجماعۃ کے نزدیک کوئی حجت نہیں۔
اس فرقِ عظیم کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ وحی نظامِ ہدایت اور رضائے الٰہی کے اس معیار و پیغام کا نام ہے جس کے لئے صرف رسولوں اور رسولوں ہی کو منتخب کیا جاتا ہے وحی کا تاج صرف منصبِ نبوّت ہی کے سر سجتا ہے۔
اب قرآن حکیم کے دلائل کو ملاحظہ فرمائیں اور سوچیں کہ قرآن مجید نے کس عجیب و غریب انداز سے اس مسئلہ پر روشنی ڈالی ہے

پیغمبروں کے متعلق عام قانونِ الٰہی کا بیان

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْہِ (قرآن مجید پ۱۷ رکوع ۲)
اور نہیں بھیجا ہم نے تجھ سے پہلے کوئی رسول مگر اس کی طرف وحی کی
ایک دوسرے مقام پر اس طرح ارشاد فرمایا

وَاَوْحَيْنَآ اِلَيْهِمْ فِعْلَ الْخَيْرٰتِ وَاِقَامَ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَآءَ الزَّكٰوةِ وَكَانُوْا لَنَا عٰبِدِيْنَ
اور ہم نے پیغمبروں کی طرف نیک کاموں کی وحی کی۔ نماز قائم کرنے کی اور زکوٰۃ دینے کی۔ اور وہ سب ہمارے ہی عبادت گزار تھے۔

ایک مقام پر اس استبعاد کے جواب میں کہ بشر وحی و رسالت کے لائق کیسے ہوسکتا ہے ارشاد فرمایا۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ (قرآن پ۱۷ رکوع۱)
اور نہیں بھیجے ہم نے آپؐ سے پہلے مگر مرد، وحی بھیجتے تھے ہم ان کی طرف۔
یہی جواب سورۂ یوسفؑ میں بیان کیا گیا ہے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى (قرآن پارہ ۱۳ رکوع ۶)
اور جتنے رسول آپؐ سے پہلے بھیجے سب مرد ہی تھے تمام بستی کے رہنے والوں سے ان کی طرف ہم نے وحی بھیجی۔

اسی کو کچھ قدرے تفصیل کے ساتھ سورۂ نحل میں بیان فرمایا

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ (قرآن پ۱۴ ع۱۲)
اور تجھ سے پہلے رسول بھی ہم نے مرد ہی بھیجے تھے ان کی طرف ہم وحی بھیجتے تھے

شروع ہی سے عام انسان اس غلطی میں مبتلا چلے آرہے ہیں کہ انسان کی رہنمائی کے لئے خدائی پیغامات کا حامل خود انسان نہیں ہوسکتا۔ بلکہ کوئی مافوق البشر ہستی ہونی چاہیئے۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق بھی مخالفین نے ہمیشہ کے اسی پرانے اور غلط خیال کو دہرایا جس کا جواب قرآن کریم میں پیغمبر کی خود زبان مبارک سے دیا گیا۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ (قرآن مجید پارہ ۱۶ رکوع ۳ و پارہ ۲۴ رکوع ۱۵)
فرمادیجئے محبوبؐ! کہ میں بھی ایک آدمی ہوں جیسے تم وحی آتی ہے میری طرف۔

اصل حقیقت

حقیقت میں اس مولیٰ کل رب العالمین کی بلندی و برتری کا اقتضا تو یہ ہے کہ وہ کسی کو اپنے مکالمہ کے شرف کا مستحق نہ سمجھے۔ مگر رحمٰن و رحیم کی رحمت و حکمت کا اقتضاء یہ ہے کہ وہ اپنے خاص برگزیدہ و پسندیدہ چُنے ہوئے بندوں سے عام بندوں کی فلاح و بھلائی، ہدایت و راہ نمائی کے لئے کسی غیر معمولی طریقہ سے گفتگو فرمائے۔ اس مکالمہ الٰہی (خدا سے بات کرنا) کا اصلی نام "وحی" ہے۔

خود اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب مقدس قرآن کریم میں اس حقیقت کو نہایت احسن پیرایہ میں بیان فرمایا اور سمجھایا۔ اور "وحی" کی اصل حقیقت کا پورا نقشہ واضح کر دیا۔ اور اس کا ایک ایک نقش و نگار کھیر دیا ہے۔

وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ۚ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ (قرآن مجید پارہ ۲۵ رکوع ۶)

اور کسی آدمی کی طاقت نہیں کہ اللہ اس سے کلام کرے لیکن وحی کے ذریعہ یا پردے کے پیچھے یا بھیجے کوئی قاصد پس اللہ جو چاہے اس کے حکم سے وحی کر دے۔ بے شک اللہ بلند اور حکمت والا ہے۔

مکالمۂ الٰہیہ کے یہ تینوں طریقے غیر معمولی طریقے وحی کی تین مختلف صورتیں ہیں۔ ان تینوں کا اجمالاً مشترک نام "وحی" ہے

پہلی صورت "القاء" جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے دل میں کسی بات کو ڈال دے۔ یہ "القاء" بیداری کی حالت میں بھی ہوتا ہے اور خواب میں بھی۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا خواب بھی وحی کے حکم میں ہوتا ہے۔ وحی کی اس صورت کو "الہام" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ جیسا کہ حدیث پاک میں ہے۔

اِنَّ رُوْحَ الْقُدُسِ نَفَثَ فِيْ رُوْعِيْ

دوسری صورت مِنْ وَّرَاءِ حِجَابٍ پردے کے پیچھے بلاواسطہ کلام الٰہی ہو۔ وحی کی اسی صورت کو کَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا کوہ طور پر حضرت سیدنا موسیٰ سے پس پردہ کلام کرنا فرمایا۔ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام لذت دیدار سے ہمکنار نہ ہو سکے۔ اسی لئے عرض کی۔ رَبِّ اَرِنِيْ (اے رب! دیدار کی تڑپ اور جذبہ رکھتا ہوں) حکم ہوتا ہے لَنْ تَرٰىنِيْ (تجھے تڑپ تو ہے مگر طاقت نہیں)

اور حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ لیلۃ الاسرا اور معراج کی رات کو کلام ہوئی۔

تیسری صورت يُرْسِلَ رَسُوْلًا کہ اللہ تعالیٰ فرشتے کے ذریعے سے اپنا پیغام عطا فرمائے۔

اگرچہ آیت کریمہ میں تینوں صورتیں۔ مکالمۂ الٰہی اور وحی ہیں۔ مگر انبیاء علیہم السلام اور خصوصاً ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر زیادہ تر پہلی اور تیسری صورت میں وحی الٰہی نازل ہوتی رہی اور قرآن مجید کو تو بالخصوص تیسری صورت يُرْسِلَ رَسُوْلًا بواسطہ جبرئیل خاتم النبیین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر نازل فرمایا۔ غالباً اسی وجہ سے اس آخری صورت کے ساتھ بعد والی متصل آیت شریفہ میں وحی قرآن کا ذکر فرمایا

وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَا اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا (قرآن پارہ ۲۵ رکوع ۶)

اسی طرح ہم نے وحی کیا روح (یعنی قرآن پاک) آپ کی طرف۔

اور دوسرے مقامات پر ارشاد فرمایا

فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ (قرآن مجید پارہ ۱ رکوع ۱۲)

پس بے شک اس نے اتارا ہے یہ کلام تیرے دل پر اللہ کے حکم سے

نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ عَلٰى قَلْبِكَ (قرآن مجید پارہ ۱۹ رکوع ۱۵)

لے کر اترا اس کو فرشتہ معتبر تیرے دل پر۔

اسی وجہ سے امام الرسل صلی اللہ علیہ وسلم جبرئیل امین کے ساتھ پڑھنے میں جلدی فرماتے تاکہ بھول نہ جائیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوتا ہے۔

وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْاٰنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ يُّقْضٰٓى اِلَيْكَ وَحْيُهٗ وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا

اور تو جلدی نہ کر قرآن کے لینے میں جب تک تیری طرف پوری نہ ہو چکے۔ اور کہہ اے رب! زیادہ کر مجھے علم میں۔

سورۂ قیامۃ پارہ ۲۹ میں اس طرح حکم ہوتا ہے

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ (پارہ ۲۹ رکوع)

نہ چلا تو اس کے پڑھنے میں اپنی زبان تاکہ جلدی اس کو سیکھ لے۔ بے شک یہ ہمارا ذمہ ہے اس کو جمع رکھنا تیرے سینہ میں اور پڑھنا تیری زبان سے۔

قرآن پاک کی وحی کے علاوہ بھی فرشتہ کا انسانی شکل میں متجسد و متمثل ہوکر آنا قرآن کریم اور احادیث صحیحہ سے اظہر من الشمس طور پہ ثابت ہے کہ جبرئیل امین اکثر دحیہ کلبی صحابی رضی اللہ عنہ کی صورت میں اور کبھی کسی غیر معروف آدمی کی شکل میں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے تھے۔

اگرچہ قرآن کریم کی اس وضاحت سے کہ اللہ تعالیٰ کے اپنے برگزیدہ بندوں (یعنی پیغمبروں) کے ساتھ کلام کرنے کے تین طریقے ہیں، اور یہی وحی کی تین قسمیں ہیں، جن میں سے قرآن کریم وحی کی ایک قسم ہے۔ باقی دو قسمیں اس کے علاوہ ہیں۔

غلط دعویٰ کی تردید

آج کل کے قرآن فہمی اور عقل کے مدعیوں کا دعویٰ خودبخود غلط اور باطل ہو جاتا ہے جو کہتے ہیں کہ وحی صرف قرآن ہے۔ اس کے علاوہ کوئی دوسری وحی نہیں۔ اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم جو کچھ کہتے ہیں قرآن کے علاوہ وہ سب انسانی اور بشری علم و فہم کا نتیجہ ہے۔

مگر قرآن کریم ہی سے اس کی مزید قدرے تشریح کر دینی بہت ضروری ہے کہ قرآن کے سوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مقدس سے جو کچھ ہدایات وارشادات

---

۵ قرآن پارہ ۱۶ رکوع ۱۵۔

نکلتے ہیں یا عبادات و معاملات کے عملی احکامات صادر ہوتے ہیں وہ محض انسانی علم و فہم کی حیثیت سے نہیں بلکہ وحی ربّانی ہیں جو قطعی طور پر واجب الاتباع ہیں اس کی صاف اور واضح تشریح قرآن پاک نے خود بیان فرما کر وحی کی حقیقی عظمت بالکل واضح کر دی۔

اِنَّآ اَوۡحَیۡنَآ اِلَیۡکَ کَمَآ اَوۡحَیۡنَآ اِلٰی نُوۡحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنۡۢ بَعۡدِہٖ ۚ وَاَوۡحَیۡنَآ اِلٰۤی اِبۡرٰہِیۡمَ وَاِسۡمٰعِیۡلَ وَاِسۡحٰقَ وَیَعۡقُوۡبَ وَالۡاَسۡبَاطِ وَعِیۡسٰی وَاَیُّوۡبَ وَیُوۡنُسَ وَہٰرُوۡنَ وَسُلَیۡمٰنَ ۚ وَاٰتَیۡنَا دَاوٗدَ زَبُوۡرًا ○ وَرُسُلًا قَدۡ قَصَصۡنٰہُمۡ عَلَیۡکَ مِنۡ قَبۡلُ وَرُسُلًا لَّمۡ نَقۡصُصۡہُمۡ عَلَیۡکَ ؕ وَکَلَّمَ اللّٰہُ مُوۡسٰی تَکۡلِیۡمًا ○ [1]

ہم نے وحی بھیجی تیری طرف جیسے وحی بھیجی نوحؑ کی طرف اور ان نبیوں کی طرف جو اس کے بعد ہوئے۔ اور ہم نے وحی بھیجی ابراہیمؑ، اسماعیلؑ، اسحاقؑ، یعقوبؑ اور اسکی اولاد اور عیسیٰؑ، ایوبؑ، یونسؑ، ہارونؑ اور سلیمانؑ کی طرف۔ اور ہم نے دی داؤدؑ کو زبور۔ اور کئی رسول جن کا حال سنایا ہم نے تجھ کو اس سے پہلے اور کئی رسولؑ جن کا احوال نہیں سنایا تجھ کو۔ اور کلام کی اللہ نے موسیٰؑ سے کلام۔

اس سے صاف طور پر معلوم ہوگیا کہ وحی اللہ کا خاص حکم اور اس کا پیام ہے جو صرف پیغمبروں پر بھیجا جاتا ہے اور جیسے انبیاء سابقین پر وحی نازل ہوئی ویسے ہی آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی اللہ تعالیٰ نے وحی بھیجی حضرت نوحؑ کے بعد جو انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے ان سب کو بالاجمال ذکر فرمایا اور بعض کا تخصیصاً نام لے کر تفصیل سے ذکر فرمایا جس سے خوب معلوم ہوگیا کہ آنحضرتؐ پر جو وحی نازل ہوئی اس کا برحق ہونا اس کا ماننا، اور اس کا واجب الاتباع ہونا ایسا ہی ضروری ہے جیسا تمام اولوالعزم اور مشہور جلیل القدر انبیاء علیہم السلام کی وحی کو ماننا ہے۔ اس سے یہ بات بھی روز روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام پر وحی تو ہوتی رہی صاحب وحی تو تھے مگر سب کی وحی کتابی شکل میں نہ تھی۔ اس لئے ہر پیغمبر صاحب کتاب نہ تھے۔ خود قرآن پاک

---

[1] قرآن پارہ ۶ رکوع ۳۔

کے اس بیان سے یہ بات بھی واضح ہوجاتی ہے کہ جن اولوالعزم اور مشاهیر انبیاء موسیٰؑ۔ عیسیٰؑ۔ داؤدؑ پہ کتاب الٰہی اور صحیفۂ ربّانی تورات۔ انجیل۔ اور زبور نازل ہوئیں۔ اس کے علاوہ بھی صاحب کتاب پیغمبر پہ وحی نازل ہوئی۔

اس آیت کے علاوہ بھی قرآن پاک کا بنظر انصاف بغور مطالعہ فرمادیں تو متعدد مقامات پہ واضح دلائل میں اس کی شہادتیں موجود ہیں۔

غور وفکر کے لئے اشارۃً چند مقامات کا ذکر کافی ہوگا۔

حضرت آدمؑ کے متعلق ہے

وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ــــــــــ يَآ اٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ

آدمؑ کو اللہ نے ان سب چیزوں کے نام سکھائے × اے آدمؑ فرشتوں کو انکے نام بتاؤ

وَقُلْنَا يَآ اٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ

ہم (اللہ) نے فرمایا اے آدمؑ تو اور تیری بیوی جنّت میں ٹھیرو۔

وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا

ان کے رب نے ان کو فرمایا کہ کیا میں نے منع نہیں فرمایا تھا

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۔

پس آدمؑ کو اللہ تعالیٰ نے چند کلمات دعاء کے بتائے جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول فرمائی

یہ سب وحی آدمؑ کو کتابی وحی نہ تھی۔

حضرت نوحؑ کے متعلق ہے

وَاُوْحِيَ اِلٰى نُوْحٍ اَنَّهٗ لَنْ يُّؤْمِنَ مِنْ قَوْمِكَ اِلَّا مَنْ قَدْ اٰمَنَ

اور نوحؑ کی طرف پیغام بھیجا کہ اب ایمان نہ لائے گا تیری قوم سے مگر جو ایمان لا چکا

وَاصْنَعِ الْفُلْكَ بِاَعْيُنِنَا وَوَحْيِنَا

اور بنا کشتی روبرو ہمارے اور ہمارے حکم سے

قَالَ يٰنُوْحُ اِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ اَهْلِكَ

اللہ تعالیٰ نے فرمایا اے نوحؑ تیرا بیٹا تیری اہل سے نہیں۔

قِيْلَ يٰنُوْحُ اهْبِطْ بِسَلٰمٍ مِّنَّا

حکم ہوا اے نوحؑ اب کشتی سے سلامتی کے ساتھ اتر جا۔

یہ سب وحی نوحؑ کو خاص عذاب الٰہی کے وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے پیغام الٰہی تھے جو کسی صورت میں بھی وحی کتابی نہیں تھی۔

حضرت ابراہیمؑ کے متعلق ہے

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى

اور البتہ آچکے ہیں ہمارے بھیجے ہوئے ابراہیمؑ کے پاس خوشخبری لے کر۔

ابراہیمؑ کے پاس فرشتے انسانی شکل میں متجسّد ہو کر آئے جس کی پوری تفصیل پارہ ۱۲ و پارہ ۲۶ کے آخر اور پارہ ۲۷ کی ابتدا میں موجود ہے کہ وحی، پیغام اور بشارت تو تھی لیکن کتاب نہ تھی۔

حضرت لوطؑ کے متعلق ہے

وَلَمَّآ اَنْ جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا

اور جب پہنچے ہمارے بھیجے ہوئے لوطؑ کے پاس

قَالُوْا يٰلُوْطُ اِنَّا رُسُلُ رَبِّكَ لَنْ يَّصِلُوْٓا اِلَيْكَ فَاَسْرِ بِاَهْلِكَ بِقِطْعٍ مِّنَ الَّيْلِ

فرشتوں نے کہا اے لوطؑ! ہم تیرے رب کے بھیجے ہوئے ہیں۔ ہرگز تجھ تک یہ نہیں پہنچ سکتے۔ پس اپنے گھر والوں کو لے کر رات کو ہی نکل جاؤ۔

وہی فرشتے جو ابراہیمؑ کو خوشخبری سنانے آئے تھے وہی قوم لوطؑ کے لئے عذاب خداوندی کا پیغام لے کر لوطؑ کے پاس حاضر ہوتے ہیں اور لوطؑ کو پیغام خداوندی بذریعہ ملائکہ کہ نکل جاؤ یہ قوم برباد ہوگی۔ یہ سب وحی تھی، کتاب نہ تھی۔

حضرت یعقوبؑ کے متعلق ہے

اِنِّىْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ (میں اب یوسفؑ کی خوشبو پاتا ہوں) یہ وحی الٰہی تو تھی

مگر کتاب الٰہی نہ تھی۔

بنی اسرائیل کے ایک اور پیغمبر حضرت شموئیلؑ کے بارے میں ہے۔

وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ إِنَّ اللَّهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوتَ مَلِكًا

پیغمبرؑ نے ان کو کہا کہ اللہ نے تم میں طالوت کو بادشاہ بنایا ہے

یہ سب حکم حضرت شموئیلؑ کو بذریعۂ وحی کے ارشاد فرمائے جو کتابی شکل میں نہ تھے۔

حضرت سلیمانؑ کے متعلق ہے

فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ (ہم نے سلیمانؑ کو سمجھ دی) عُلِّمْنَا مَنْطِقَ الطَّيْرِ (ہم کو (من جانب اللہ) پرندوں کی بولیاں سکھلائی گئیں)

یہ وحی الٰہی اور انعام ربانی ہے جو کتاب کے علاوہ تھا۔ ورنہ اگر کتاب میں ہوتی تو لوگ بھی پرندوں کی بولیاں جانتے۔

حضرت زکریاؑ کے متعلق ہے

فَنَادَتْهُ الْمَلَائِكَةُ (فرشتے نے آواز دی) أَنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيَىٰ (بے شک اللہ تجھے یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے) قَالَ كَذَٰلِكَ اللَّهُ (کہا اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے دیتا ہے) قَالَ آيَتُكَ أَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ (کہا نشانی تیری یہ ہے کہ لوگوں سے تین دن تک کلام نہ کر سکے گا۔

یہ سب گفتگو وحی الٰہی تھی، کتاب الٰہی نہیں تھی۔ اگر کتاب میں ہوتی تو دعا کیسے اور تعجب کیا؟

حضرت عیسیٰؑ کے متعلق ہے کہ جب حواریوں نے مائدہ تازہ کھانا آسمان سے نازل ہونے کی دعا کی درخواست کی تھی، کچھ بحث وغیرہ کے بعد حضرت عیسیٰؑ نے اللہ تعالیٰ سے مائدہ کی دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے جواباً ارشاد فرمایا

قَالَ اللَّهُ إِنِّي مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ (اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں بے شک اتاروں گا وہ خوان تم پر)

یہ کلام الٰہی بھی عیسیٰؑ پر کتاب الٰہی انجیل مقدس کے علاوہ وحی تھی۔ ورنہ حواریو ن

کے مطالبہ کا کیا مطلب ؟ اور بحث وتکرار اور جواب وسوال کے بعد دعا کے کیا معنی ؟
اسی طرح سیدنا حضرت موسیٰؑ کلیم اللہ علیہ السلام جو کلیم اللہ بھی تھے اور صاحب کتاب بھی تھے مگر کتاب توراتِ مقدس موسیٰؑ کو فرعون کے غرق ہونے کے بعد ملی تھی جو صرف بنی اسرائیل کی ہدایت وراہ نمائی کے لئے تھی۔
وَلَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ وَجَعَلْنٰہُ ھُدًی لِّبَنِیْٓ اِسْرَآئِیْلَ (پارہ ۱۵ رکوع ۱)
اور بیشک ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی اور اس کتاب کو بنی اسرائیل کیلئے ہدایت کا پیغام بنایا
تورات سے پہلے موسیٰؑ کو جو کلام الٰہی فرعونیوں کی ہدایت وراہ نمائی کے لئے پیغامات ملتے رہے۔ کیا وہ وحی نہیں تھے۔ یقیناً وحی تھی اور وہ وحی کتاب کے علاوہ تھی۔
نُوْدِیَ یٰمُوْسٰی اِنِّیْٓ اَنَا رَبُّکَ ، فَاسْتَمِعْ لِمَا یُوْحٰی
آواز دی اے موسیٰؑ میں تیرا پروردگار ہوں ، پس سُن جو وحی کی جاتی ہے۔
وَمَا تِلْکَ بِیَمِیْنِکَ یٰمُوْسٰی اِنَّا قَدْ اُوْحِیَ اِلَیْنَا
اور تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے بے شک ہماری طرف وحی کی گئی ہے
وَاَوْحَیْنَآ اِلٰی مُوْسٰی وَاَخِیْہِ ۔ وَلَقَدْ اَوْحَیْنَا اِلٰی مُوْسٰی
اور وحی کی ہم نے موسیٰ اور اس کے بھائی کی طرف ۔ اور البتہ وحی کی ہم نے موسیٰؑ کی طرف
اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِیْ
کہ میرے بندوں کو نکال کر لے جا
یہ بات یقین بلکہ عین الیقین اور حق الیقین کی حد تک ثابت ہو گئی ہے کہ جو نبیؑ صاحب کتاب نہیں تھے حامل وحی تھے ۔ اور جو صاحب کتاب تھے ان پر بھی کتاب کے علاوہ وقتاً فوقتاً وحی نازل ہوتی رہی ۔ وہ وحی کتابی رنگ میں ہو یا القاء والہام کی شکل میں ہو یا براہ راست پس پردہ کلام الٰہی کی صورت میں ہو۔ مگر ان سب صورتوں میں چونکہ وہ اللہ ہی کا حکم ہے کسی دوسرے کا نہیں اس لئے بندوں پر اسکی اطاعت یکساں فرض ہے اس کا انکار جہالت اور بے ایمانی ہے۔ جب وحی حکم الٰہی ہے اور اس کے نازل ہونے کی صورتیں البتہ متعدد ہیں تو پھر کسی صورت میں آئے اس کے ماننے

میں تردد اور انکار کرنا یا یہ کہنا کہ فلاں خاص طریقہ کی وحی تو مانتا ہوں باقی کو نہیں مانتا یہ کھلی حماقت اور صریحاً کفر ہے۔ جیسا کہ فرعون اور اس کے وزراء اور متبعین موسیٰ کی کتاب تورات کے علاوہ وحی کا انکار اور مخالفت کی وجہ سے کافر اور لائق عذاب ہوئے۔ تو سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم پر قرآن کے علاوہ وحی کا انکار کرکے کیسے کوئی مسلمان رہ سکتا ہے۔ مزید ایسے ثبوت کے لئے کسی استدلال کی ضرورت نہیں۔ اول تو یہ مسئلہ مسلمات میں سے ہے۔ دوسرے اوپر کی آیات بینات میں قدرے تشریحاً مستقل طور اس پر بحث بھی ہو چکی ہے۔ تاہم ایک چیز کا ذکر کر دینا نہایت مناسب اور بلحاظ موقع بہت ضروری ہے۔ کیونکہ خود قرآن حکیم اپنی زبان میں کتاب اللہ کے علاوہ وحی کی تشریح دقائق حکمت کے الفاظ سے تعبیر کرتا ہے

انبیاء کرام علیہم السلام کے ان ربانی انعامات کی فہرست پڑھئے جن کا تذکرہ قرآن نے جا بجا کیا ہے ان میں ایک خاص نعمت جس کا ذکر کتاب کے ساتھ ساتھ قرآن پاک میں بار بار آتا ہے وہ **حکمت** ہے۔

آلِ ابراہیمؑ پر اللہ تعالیٰ نے جو احسانات کئے ان کا ذکر قرآن ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے

فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا [1]

ترجمہ پس بلاشبہ ہم نے ابراہیمؑ کی اولاد کو کتاب اور حکمت دی اور ان کو بڑی سلطنت بخشی

حضرت داؤدؑ کی شانِ عظیم کے متعلق بیان فرمایا

وَشَدَدْنَا مُلْكَهٗ وَاٰتَيْنٰهُ الْحِكْمَةَ وَفَصْلَ الْخِطَابِ ۝ (پارہ ۲۳ رکوع ۱۱)

ترجمہ اور ہم نے داؤد کی سلطنت مضبوط کی اور اس کو حکمت اور قول فیصل عطا فرمایا۔

وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ ع

ترجمہ اور قتل کیا داؤدؑ نے جالوت کو۔ اور خدا نے اس کو سلطنت اور حکمت عطا کی۔ اور جو چاہتا ہے اس میں سے کچھ سکھایا۔

عیسیٰؑ پر اللہ تعالیٰ اپنے احسان جتاتا اور گنواتا ہے۔ تو فرمایا۔

---

[1] پارہ ۵ رکوع ۵۔

وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ (پارہ ۷ رکوع ۵)

ترجمہ اور یاد کر جب میں نے تجھے کتاب اور حکمت اور تورات اور انجیل کی تعلیم دی۔

خود حضرت عیسیٰؑ فرماتے ہیں۔

قَدْ جِئْتُكُمْ بِالْحِكْمَةِ وَلِاُبَيِّنَ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِىْ تَخْتَلِفُوْنَ فِيْهِ پ ۲۵ ع ۱۲

ترجمہ میں تمہارے پاس حکمت لے کر آیا ہوں تاکہ جن باتوں میں تم باہم اختلاف رکھتے ہو کچھ باتیں ان میں سے کھول دوں۔

انبیاء علیہم السلام کے متعلق عمومی بیان۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ (پ ۳ ع ۱۶)

ترجمہ اور جب اللہ نے پیغمبروں سے وعدہ لیا کہ جب میں تمہیں کوئی کتاب اور حکمت دوں

سیدنا حضرت ابراہیمؑ نے آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے لئے یہ دعا مانگی۔

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (پارہ ۱ رکوع ۱۶)

ترجمہ اے ہمارے رب اور انہیں میں سے ایک رسول بھیج جو اُن کو تیری آیتیں سنائے اور کتاب وحکمت سکھائے اور ان کو پاک کرے۔ بے شک تو غالب حکمت والا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی اور آن حضرتؐ کی بعثت مبارکہ ہوئی۔

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ (پ ۲ ع ۲)

ترجمہ جس طرح ہم نے تم ہی میں سے ایک رسول بھیجا جو تم کو ہماری آیتیں سُناتا اور تم کو پاک کرتا ہے اور تمہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں تعلیم دیتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے

اس بعثتِ محمدیہ کے احسانِ عظیم کا تذکرہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ

قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ○ (قرآن مجید پارہ ع۲ رکوع ۸)

ترجمہ یقیناً اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر احسان کیا کہ انہی میں سے ایک رسول بھیجا، جو اُن کو اس کی آیتیں پڑھ کر سُناتا ہے اور اُن کو پاک کرتا ہے اور ان کو کتاب و حکمت سکھاتا ہے اگرچہ وہ اس سے وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنا یہی احسان انہی الفاظ میں سورۂ جمعہ (پارہ ۲۸) میں دہرایا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَكِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ وَ اِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ○

ترجمہ وہی اللہ جس نے ان پڑھ لوگوں میں انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو اُن کو اس کی آیتیں پڑھ کر سُناتا ہے اور اُن کو پاک کرتا ہے۔ اور اُن کو کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور تحقیق وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے۔

عام مسلمانوں سے اس نعمتِ عظمیٰ کا ارشاد ہے۔

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ وَمَاۤ اَنْزَلَ عَلَیْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ یَعِظُكُمْ بِهٖ

ترجمہ اور اللہ کے احسان کو یاد کرو جو تم پر کیا کہ کتاب اور حکمت اتاری تمہاری نصیحت کیلئے

ایک موقعہ پر نبی کریمؐ کی ازواج مطہرات کو ان کی عظمتِ شان پر متنبہ فرماتے ہوئے ارشاد ہے۔

وَاذْكُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِكُنَّ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰهِ وَالْحِكْمَةِ (پ۲۲ ع۱)

ترجمہ اور یاد کرو جو تمہارے گھروں میں اللہ کی آیتیں اور حکمت کی باتیں پڑھی جاتی ہیں۔

ان تمام آیاتِ قرآنی میں کتاب کے بعد حکمت کا لفظ آیا ہے۔ کتاب سے مراد بلاشبہ آسمانی کتاب تورات، انجیل، زبور، قرآن، اور صحیفۂ ربانی ہے۔ یعنی وحی کتاب مراد ہے۔ اور حکمت کیا چیز ہے؟ اور قرآن پاک میں "حکمت" سے کیا مقصود ہے؟ اس تحقیق کے لئے مستند ماہرینِ قرآن اور ان بزرگانِ دین رح کے اقوال اور تصریحات پر غور کرنا ضروری ہے جو زباندانی کے ساتھ قرآن اور شریعت کے استدلالات اور محاورات سے کامل طور سے آگاہ تھے۔

امام تفسیر ابن حیان اندلسیؒ نے اپنی کتاب معروف تفسیر البحر المحیط صفحہ ۳۹۲ ج۱ میں اکثر اقوال کو یکجا کر کے بیان کیا ہے۔

وَقِیلَ مَا لم یعلم الا من جھۃ الرسول (قول ہے کہ حکمت وہ ہے جو رسول کے سوا کسی اور ذریعہ سے معلوم نہ ہو سکے۔

امام ابن جریرؒ نے اپنی شہرۂ آفاق تفسیر میں حسب ذیل اقوال لکھے ہیں

قَالَ مَالکؒ المعرفۃ بالدین و الفقہ فی الدین و الاتباع لہٗ

مالکؒ کا قول ہے کہ "حکمت" دین کی معرفت اور دین میں سمجھ اور اس کی اتباع ہے

قال ابن زید الحکمۃ الدین الذی لا یعرفونہ الا بہٖ صلے اللہ علیہ وسلم

ابن زید کا قول ہے "حکمت" دین کا وہ حصہ ہے جو صرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے معلوم ہوتا ہے

عن قتادۃ رح والحکمۃ ای السنّۃ

حضرت قتادہ سے مروی ہے حکمت یعنی سُنّت نبویؐ

آخر میں امام طبریؒ اپنا فیصلہ بیان فرماتے ہیں

والصواب من القول عندنا فی الحکمۃ انھا العلم باحکام اللہ التی لا یدرک علمھا الا ببیان الرسول صلی اللہ علیہ وسلم

ترجمہ: اور ہمارے نزدیک صحیح بات یہ ہے کہ "حکمت" ان احکام الٰہیّہ کے علم کا نام ہے جو صرف رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان سے معلوم ہوتے ہیں۔

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اپنی کتاب میں اسی قول کو پسند فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

وسمعت من اُرضٰی من اھل العلم بالقرآن یقول الحکمۃ سنۃ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔

میں نے سنا ہے ان ماہرین علوم قرآن سے جن کو میں پسند کرتا ہوں کہ حکمت آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت کا نام ہے

امام شافعی رح اسی کتاب الرسالۃ میں آگے چل کر صفحہ ۲۸ پر اسی قول کی تائید و تقویت میں نقل فرماتے ہیں۔

وسنته الحکمۃ التی القی فی روعه عن اللہ عزوجلؒ

اور آپ کی سنت ہی وہ حکمت ہے جو آپ کے دل میں خدا کی طرف سے ڈالی گئی ہے۔

بڑے اختصار کے ساتھ چند قول نقل کئے گئے ہیں۔ اگر ائمۂ وقت علماءِ کرام ماہرینِ قرآن کے ان تمام اقوال پر ایک غائر نظر ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ یہ کل کے کل ایک ہی مفہوم کی مختلف تعبیریں اور ایک ہی حقیقت کی متعدد تفسیریں ہیں

حکمت وہ علمِ ربّانی ہے جس کا سرچشمہ صرف سینۂ نبوّت ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال جن کا اصطلاحی نام حدیث اور سنّت ہے وحی کتابی (قرآن) کی وحی الہامی سے عملی اور زبانی تشریحات و توضیحات ہیں

القصّہ: منصب نبوّت کے لئے عصمت لازمی اور ضروری ہے۔ انبیاء اللہ کے پسندیدہ چنے ہوئے معصوم انسان ہوتے ہیں اور ان کی تعلیمات رشد و ہدایت کے پیغامات اور احکامات وحی الٰہی ہوتی ہے۔

اگرچہ یہ دوسرا باب قدرے طویل ہوگیا۔ تاہم اللہ کے فضل و رحمت سے دوسرا باب ختم ہوُا

فالحمد للہ الذی بہٖ تتم الصالحات

اللہ تعالیٰ باقی ابواب کی بھی تکمیل اور اشاعت کی توفیق محض اپنے فضل و کرم سے عنایت فرمادیں۔ آمین

وما توفیقی الا باللہ علیہ توکّلت والیہ انیب ؛

باب سوم

بشریت و رسالت

حضرات قارئین! اس سے پہلے دو باب آپ ملاحظہ فرما چکے۔ ① ضرورت رسالت ② منصب رسالت۔ منصب رسالت میں نبوت و رسالت کے مقدس خصوصیات اور دوسرے کمالات کے علاوہ اہم خصوصیت عصمت انبیاء پر نہایت شرح وبسط کے ساتھ اس کے تمام پہلوؤں پر تفصیلاً گفتگو کی جا چکی ہے۔ اس قدر طویل اور مکمل تفصیل کے بعد اس کج فہمی کا پردہ چاک ہو جاتا ہے اور اس غلط اعتقاد اور باطل نظریہ کی خود بخود تردید ہو جاتی ہے کہ بشریت، رسالت کے منافی ہے۔ منافی نہیں بلکہ ایک دوسرے کے ساتھ لازم و ملزوم ہیں۔ دونوں کا آپس میں چولی دامن کا ساتھ ہے کیونکہ معصومیت کے لئے بشریت کا ہونا ضروری ہے۔ اور نبوت کے لئے معصومیت کا ہونا ضروری ہے۔ یہی انبیاء علیہم السلام کی معصومیت اور ملائکہ کی معصومیت میں خصوصی امتیاز ہے۔ ملائکہ فرشتے معصوم ہیں مگر بشر نہیں اس لئے ان کی معصومیت کا کمال اس درجہ کا نہیں جو بشر انبیاء مقدسین کی معصومیت کا مقام ہے۔ اسی سر اور راز کے اظہار کے لئے ملائکہ کو ارشاد ہوا

اِنِّیْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ۝

ترجمہ میں پیدا کرنے والا ہوں بشر کو مٹی سے۔

عصمت کی تشریح کا بغور مطالعہ ہی اس شبہ کو دور کرنے کے لئے کافی ہے۔ مزید بشریت انبیاء اور کمالات بشریت پر کسی تفصیل کی ضرورت نہیں۔ تاہم ایک پہلو سے اس

کا جائزہ لینا ضروری ہے۔ اور اس بات پر غور کرنا نہایت ہی ضروری ہے کہ کفار اور مشرکین لوگ بشریت کو رسالت کے منافی کیوں سمجھتے تھے۔ اس کج فہمی کی اصل بنیاد کیا ہے؟ بات محض غلط فہمی تک محدود نہیں تھی بلکہ ایمان اور اعتقاد کی حد تک ایک مستقل نظریہ اور عقیدہ بنا لیا گیا تھا کہ بشر رسول کیسے ہو سکتا ہے۔

اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا (پ۱۵ ع۱۰)　　　اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا (پ۲۸ ع۱۵)

کیا خدا نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا　　　کیا بشر ہی ہماری رہنمائی کرے گا

بشریت اور رسالت میں منافات کے غلط اور باطل عقیدہ کا اصلی سبب کیا ہے؟

اللہ تعالیٰ کے بھروسے اور اسی کے فضل و رحمت پر توکل کرتے ہوئے پورے وثوق سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسی ایک وجہ کو اگر پوری طرح سمجھ لیا جائے تو اس مسئلہ میں جس قدر اشکالات اور شبہات ہو سکتے ہیں یا عام طور پر پیش کئے جاتے ہیں سب کا بھرم کھل جائیگا اور سب سوالات کا حل ایک ہی جواب میں مل جائے گا۔

مسئلہ بشریت کے سمجھنے کا اہم پہلو

جس اہم پہلو پر غور کرنا ہے وہ یہ ہے کہ اصلی سبب اور بنیاد اور حقیقی وجہ معلوم ہو جائے کہ بشریت کو رسالت کے مخالف اور منافی کیوں سمجھا گیا۔

یہ پہلو بڑا غور طلب ہے اور سوچنے اور سمجھنے کے لائق ہے۔ مسئلہ بشریت کے اس اہم پہلو کو سمجھنے کے لئے کئی طریقوں اور چند صورتوں کو بطور تمہیدی مقدمات کے سوچنا ضروری ہے۔

پہلی صورت: انبیاء علیہم السلام کی نبوت سے پہلے کی زندگی کے متعلق

دوسری صورت: دعوئ نبوت کے بعد کی زندگی کے متعلق۔

تیسری صورت: انبیاء کے اس دنیائے فانی سے رخصت و رحلت اور وصال و وفات کے بعد کے متعلق۔

پہلی صورت میں دیکھنا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی قبل از نبوت زندگی کیسی تھی ؟ اور لوگوں میں کیسے مانے جاتے تھے ؟

دوسری صورت میں غور کرنا ہے کہ بعد از نبوت زندگی کے حالات کیا تھے ؟ اور کیسے مانے گئے ؟

تیسری صورت میں سوچنا ہے کہ وفات کے بعد انبیاءؑ کا کیا مقام ہے ؟ اور لوگ کیسے مانتے ہیں ؟

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے میں ان تینوں صورتوں کو سمجھانے میں کامیاب ہوگیا اور آپ اللہ کی کرم نوازی سے سمجھنے میں کامیاب ہو گئے تو بس کام بن گیا۔ وہ سارا مصنوعی طلسم ٹوٹ جائیگا۔ ان شاء اللہ العزیز۔ وماذلک علی اللہ بعزیز۔ بات بالکل کھل جائے گی۔ اور الم نشرح کی طرح واضح ہو کر نکھر جائے گی۔

پہلی صورت

انبیاء علیہم السلام کی پیدائش سے لے کر اعلانِ نبوت تک کی پوری زندگی بالاتفاق پاکیزہ صاف اور ستھری ہوتی ہے۔ ہر قسم کے گناہوں' برائیوں' اور عیبوں سے پاک۔ نیکی بھلائی، ایمانداری، دیانت اور امانت بالکل مسلّم ہوتی ہے۔ کسی کو ان سے کوئی اختلاف اور کسی قسم کا کوئی جھگڑا وغیرہ نہیں ہوتا۔ اور نہ ہی ان کا کوئی مخالف ہوتا ہے۔ اگر اُن کی اس معصومانہ اور پاکیزہ زندگی کا نچوڑ بزبانِ خلق نکالا جائے تو بجا طور پر یہی جواب ملے گا مَا هٰذَا بَشَرًا اِنْ هٰذَا اِلَّا مَلَكٌ كَرِيْمٌ (کہ یہ بالکل فرشتہ سیرت انسان ہیں)

دوسری صورت

کہ دعویٰ نبوت کے بعد اکثر لوگ مخالفت کرتے ہیں اور کچھ لوگ مان لیتے ہیں۔ یعنی اعلانِ نبوت کے بعد انبیاء علیہم السلام کے سامنے دو گروہ ہوتے ہیں مومن اور کافر۔ مخالف اور موافق۔

تیسری صورت

اللہ تعالیٰ کے پیغمبر تو دنیا سے وفات پاکر اللہ کے پاس اعلیٰ درجوں اور جنت کی نعمتوں اور اعلیٰ علیین میں پہنچ گئے۔ مگر مخالف و موافق گروہ گھٹتے بڑھتے ہوئے بدستور چلے آتے ہیں۔

اس اجمال کی قدرے تفصیل کی ضرورت ہے

پہلی صورت میں یعنی نبوت سے پہلے کوئی آدمی نبی کا مخالف نہیں ہوتا۔ بلکہ نبی کو نیک پارسا دیانتدار غرضیکہ سب آدمی اپنے سے اعلیٰ اور اونچا بشر اور انسان سمجھتے ہیں۔ مگر

دوسری صورت میں دعویٰ نبوت کے بعد اگرچہ پیغمبر علیہ السلام کی زندگی میں کوئی ایسی تبدیلی نہیں آتی یوں کہ (نعوذ باللہ) پیغمبر پہلے نیک نہ ہو اور نبوت کے بعد نیکی اپنائے۔ حاشا وکلا ایسا قطعاً نہ تھا اور نہ ہو سکتا تھا۔ اور نہ ہی کوئی مخالف بھی ایسا سمجھ سکتا تھا۔

ہاں تبدیلی آئی تو یہ آئی کہ پیغمبر نبوت سے پہلے خود پاک اور صاف تھے۔ نبوت کے بعد لوگوں کو بھی کفر و شرک گناہوں برائیوں، بدعات و رسومات کی غلاظتوں اور آلودگیوں سے پاک کرنے کی کوشش و سعی کرتے ہیں۔

اب سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ بھلا ایک برگزیدہ اور گناہوں سے پاکیزہ انسان لوگوں لوگوں کو نیکی اور بھلائی کی طرف دعوت دیتا ہے تو لوگ کہہ دیتے ہیں "تم ہمارے جیسے آدمی ہو"

مَا اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (پ ۱۹ ع ۱۳) مَا اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (پ ۲۲ ع ۱۹)

ترجمہ تُو تو ہماری طرح بشر ہے — تم تو ہماری طرح بشر ہو

اور دوسروں کو بھی نبی کے انکار کرنے پر اس طرح آمادہ کرتے تھے کہ

هَلْ هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (پ ۱۷ ع ۱) مَا هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (پ ۱۸ ع ۲)

ترجمہ نہیں ہے یہ مگر تمہاری طرح بشر ہے — نہیں ہے یہ لیکن تمہاری ہی طرح بشر ہے

اور وہ اپنے اس دعویٰ کی صداقت کو بداہت اور مشاہدہ سے ثابت کرتے تھے۔
مَا نَرٰىكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا (پ۱۲ ع۳)
ترجمہ ہم تو تجھے اپنی ہی طرح بشر دیکھتے ہیں
کیا یہ طعنہ زنی تھی؛ کیا یہ توہین کے لئے کہتے تھے؛ کیا اس سے پیغمبر کی اہانت مقصود تھی؛ اِن سوالوں کا جواب بالکل نفی میں ہے۔ کفّار کا پیغمبر کو اپنے جیسا بشر کہنے سے ان کا مقصد قطعًا یہ نہیں ہوتا تھا کہ جیسے ہم گنہگار بدکار بددیانت سیہ کار بشر ہیں تم بھی ایسے بشر ہو۔ ایسا سمجھنا عقل و دیانت کے بالکل خلاف ہے۔ بلکہ کفار اخلاقی۔ روحانی۔ دماغی۔ عقلی۔ قلبی۔ علمی۔ اور عملی اعتبار سے پیغمبر کو اپنے جیسے سب انسانوں سے بلند تر صداقت اور امانت داری کی حیثیت میں علانیہ اپنے سے ممتاز سمجھتے اور کہتے ہیں
بالفرض اگر کفّار کا مقصد توہین و اہانت کا ہوتا تو خدا کے معصوم اور برگزیدہ انبیاء علیہم السلام کبھی اس کا اقرار نہ کرتے اگر اس میں ذرا بھر بھی توہین آمیزی کی بُو بھی ہوتی تو کسی حالت میں بھی پیارے پیغمبر اتنے صاف اور واضح اعلان میں اس کو قبول نہ کرتے بلکہ تمام پیغمبروں نے واشگاف الفاظ میں اقرار فرمایا اور اعلان فرمایا کہ
قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ اِنْ نَّحْنُ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (پ۱۳ ع۱۴)
ترجمہ رسولوں نے صاف کہہ دیا کہ ہم تمہاری ہی طرح بشر ہیں۔
اور خود سرورِ کائنات فخرِ موجودات خاتم النبیین سید المرسلین جناب سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اقرار و اعلان تو قرآن پاک میں بالکل علیحدہ طرز و انداز میں چند مقامات پر موجود ہے۔
قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (پارہ ۱۶ رکوع ۳ و پارہ ۲۴ رکوع ۱۵)
ترجمہ کہہ دیجئے میں تمہاری ہی طرح بشر ہوں
قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا (پ۱۵ ع۱۰)
ترجمہ فرما دیجئے! سبحان اللہ میں تو ایک بشر ہوں رسول۔

یہ حقیقت اتنی بدیہی ہے کہ دوسرے نبیوں کی طرح ختم المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی بار بار ارشاد فرمایا۔ بلکہ ربّ العلمین نے وحی کے ذریعہ سے آپؐ کی زبانِ مقدس سے یہ اعلان کروایا کہہ دو میں بھی تمہاری ہی طرح ایک بشر ہوں (یعنی آدمی ہوں) اگر یہ حقیقت صحیح نہ ہوتی تو تمام پیغمبر اور خصوصاً سید الکونین صلی اللہ علیہ وسلم اس سے صاف طور پر انکار فرما دیتے۔ اور جس قدر قرآن مجید میں اقرار کے اعلانات ہیں اس سے کہیں زیادہ بار بار اس کی تکذیب کا حکم ہوتا۔ سارے قرآن پاک کا مطالعہ کریں اور پورے غور و خوض سے اس کا ایک ایک ورق چھان بین کریں کہیں بھی ایک آیت نہیں بلکہ ایک حرف بھی نہیں ملیگا جس سے بشریتِ انبیاء کا انکار ہوتا ہو۔ آگے بالکل برعکس کفار کے انبیاء علیہم السلام کے متعلق دوسرے سب طعون و تشنیعات کے بر وقت جوابات دیئے گئے ہیں جس طعن سے ذرا بھر بھی توہینِ پیغمبر کا ادنیٰ سا شبہ بھی پڑ سکتا ہے اس کا فوراً الٹ جواب دیا اور اچھی طرح تنبیہ فرما دی کہ ایسا کلمہ دوبارہ کسی اچھے رنگ میں بھی دہرایا نہ جا سکے۔

مثلاً کفار نے رسولوں کو کہا کہ تم رسول نہیں ہو۔ فوراً رسولوں کو حکم ہوتا ہے اعلان کردو

اِنَّا اِلَیْکُمْ لَمُرْسَلُوْنَ (قرآن پارہ ۲۲ رکوع ۱۹)

ترجمہ بیشک ہم تمہاری طرف اللہ کے رسول ہیں

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کفار نے کہا

وَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَسْتَ مُرْسَلًا (قرآن مجید پارہ ۱۳ رکوع ۱۲)

کفار نے کہا تو رسول نہیں ہے

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے خود مالک الملک آلہ العلمین جواب دیتے ہیں۔

اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ (قرآن پارہ ۲۲ رکوع ۱۰)

بے شک تو سچے رسولوں میں سے ہے

کفار کہتے تھے کہ

اِنَّکَ لَمَجْنُوْنٌ (قرآن پارہ ۱۴ رکوع ۱)

تو دیوانہ ہے

فوراً جواب ملتا ہے

مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ (پارہ ۲۲ رکوع ۱۲)

ترجمہ اے لوگو! تمہارے صاحب (یعنی پیغمبرؐ) کو دیوانگی کی ہوا بھی نہیں لگی۔

مَا أَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُونٍ (قرآن مجید پارہ ۲۹ رکوع ۳)

ترجمہ میرے محبوب! تو خدا کی نعمت (قرآن) سے مجنون نہیں ہے

ایسے طعنوں کے جوابات اور تسلیات کا کافی سلسلہ قرآن پاک میں ہے

یہاں تک کہ عام طور پر جیسے ایک دوسرے کو نام لے کر آواز دی جاتی ہے جس سے معمولی سا بھی بے ادبی کا شبہ پیدا ہو سکتا ہے اس طرح سے پیغمبر کو آواز دینا یا بلانا گناہ ہے اس سے بالتصریح منع کیا گیا ہے۔

لَا تَجْعَلُوا دُعَاءَ الرَّسُولِ بَيْنَكُمْ كَدُعَاءِ بَعْضِكُمْ بَعْضًا (قرآن پارہ ۱۸ رکوع ۱۵)

ترجمہ مت کر لو بلانا رسول کا اپنے اندر برابر اس کے جو بلاتا ہے تم میں ایک دوسرے کو

یعنی پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آواز دیتے وقت بھی آپؐ کے ادب اور تعظیم کے خیال رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، تنبیہ کر دی گئی ہے کہ نہ آپؐ کا نام لے کر آواز دو اور نہ دُور سے بلند آواز سے پکارو۔

بعض لوگ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں آپؐ کو یا مُحَمَّدُ کہہ کر آواز دیتے تھے۔ اور بعض دہاتی چلا کر آپ کو پکارتے۔ ان باتوں سے منع کیا گیا۔ کیونکہ یہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ادب کے خلاف ہیں اور ہر حال میں پیغمبرؐ کا ادب ضروری ہے۔

اسی طرح ایک دوسرے مقام پر آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آپؐ سے گفتگو کرنے کا ادب سکھایا گیا ہے۔ اور سخت تہدیدی لہجہ میں تنبیہ کی گئی ہے کہ خبردار تمہاری گفتگو سے اور زبان کے لب ولہجہ سے بھی پیغمبر اسلامؐ کی ذرا بھر بے ادبی کی بُو بھی نہ آنے پائے ورنہ اعمال ضائع ہو جائیں گے۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ وَلَا تَجْهَرُوا لَهُ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ أَنْ تَحْبَطَ أَعْمَالُكُمْ وَأَنْتُمْ لَا تَشْعُرُونَ (پ ۲۶ ع ۱۳)

اے ایمان والو! اپنی آوازیں پیغمبر کی آواز سے اونچی نہ کرو۔ اور ان سے زور سے نہ بولو جس طرح ایک دوسرے سے زور سے بولتے ہو۔ کہیں تمہارے اعمال ضائع نہ ہو جائیں اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔

سبحان اللہ! سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا کتنا ادب بتایا کہ تمہاری آواز آپ کی آواز سے اونچی نہ ہونے پائے بلکہ تمہاری آواز آپؐ کی آواز سے پست رہے اور آپؐ سے گفتگو میں ایسا طریقہ قطعاً اختیار نہ کرو جیسا آپس میں ایک دوسرے سے بے تکلف چمک کر یا تڑخ کر بات کرتے ہو۔ حضورؐ کے ساتھ یہ طریقہ اختیار کرنا سخت خلافِ ادب ہے۔ آپؐ سے ہمیشہ تکلم اور خطاب کرو تو نرم آواز سے تعظیم و احترام کے لب و لہجہ میں اور پوری طرح ادب و شائستگی کے ساتھ آپؐ سے گفتگو کرتے وقت ادب و تعظیم کے دائرہ میں رہتے ہوئے پوری طرح اس احتیاط کو ملحوظ رکھنا چاہیئے۔ مبادا تھوڑی سی بے ادبی ہو جائے اور آپؐ کو تکدر پیش آئے۔ تو حضورؐ کی ناخوشی کے بعد مسلمان کا ٹھکانا کہاں ہے۔ ایسی صورت میں بلاشبہ تمام اعمال ضائع ہونے اور ساری محنت برباد ہونے کا خطرہ اور اندیشہ ہے۔

ایسے ہی قرآن مجید کے ایک اور مقام پر ہے کہ کفار یہود بظاہر ایک اچھا کلمہ رَاعِنَا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں اس لفظ کو زبان دبا کر لب و لہجہ میں لچک پیدا کر کے بدنیتی اور فریب سے کہتے اور دل میں اہانتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدترین مقصد رکھتے، تو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایسے بہترین اور اچھے لفظ کے کہنے سے بھی منع فرما دیا۔ گو مسلمانوں کے دل بالکل صاف پاکیزہ اور ادب و احترام اور محبت نبویؐ سے بھرپور اور معمور تھے۔ مسلمانوں کو اس لئے منع فرمایا تاکہ یہود کی اس گستاخانہ حرکت کے ساتھ مسلمانوں کی ادنیٰ سی مشابہت بھی نہ ہو

يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا (قرآن پارہ ۱ رکوع ۱۳)

ترجمہ اے ایمان والو! تم راعنا نہ کہو

ہر شخص جو معمولی سا بھی عقل سے کام لے کر بنظر انصاف کچھ تامل اور غور و فکر سے سوچے

تو اس کو اس نتیجہ پہ پہنچنے میں کوئی دِقت نہیں ہوگی کہ انبیاء کا بشر ہونا یا کفار کا اُن کو بَشَرٌ مِّثْلُنَا کہنا گستاخی اور بے ادبی اور اہانت کے لئے نہیں تھا۔ ورنہ اللہ تعالیٰ غضبناک ہو جاتے اور سخت طریقے سے اس کی تردید فرما دیتے۔

عجیب بات ہے نہ تو اللہ تعالیٰ کو اس پہ غصہ آیا نہ غضب ناک ہوئے اور نہ ہی کسی پیغمبر نے اور نہ ہی خصوصاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی اس پہ ناراضی کا اظہار فرمایا قطعاً اس پہ کوئی اشارہ تک بھی نہ کیا۔ اس کے بر خلاف ہوا تو یہ ہوا کہ انبیاء کرام علیہم السلام نے اسی بات بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ کو بار بار دُہرایا۔ اور اللہ تعالیٰ نے بھی بارہا اسی کا اعلان کروایا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۔

یہاں شیطان کہیں یہ دھوکہ نہ دے کہ (نعوذ باللہ) کفار کو سچا اور صحیح کہا جا رہا ہے نہیں —— ہرگز نہیں ۔ کفار سچے نہیں تھے۔ یقیناً باطل ناحق اور کفر پہ تھے۔ مگر ان کا کفر انبیاء علیہم السلام کو بَشَر ماننا یا کہنا نہیں تھا۔ بلکہ "بشر مان کر رسول نہ ماننا" یہ کفر تھا کفار نے بَشَر تو مانا مگر رسول نہیں مانا۔ اور مؤمنین نے جو ایمان لے آئے انہوں نے بَشَر بھی مانا اور رسول بھی مانا۔

بات بالکل ظاہر ہے اور واضح ہے کہ اگر کافر بَشَرِیّت کے ساتھ رسالت کو بھی مان لیتے تو جھگڑا ختم ہو جاتا۔ اصل نزاع اور اختلاف یہ تھا کہ کافروں کا یہ پختہ خیال اور مضبوط عقیدہ تھا کہ بَشَر کسی طرح بھی رسول نہیں ہو سکتا۔ یوں بھی ہو سکتا تھا کہ وہ اس طرح کہہ دیتے کہ تُو رسول تو ہے مگر بَشَر نہیں کیونکہ بَشَر رسول نہیں ہو سکتا۔ حالانکہ اس طرح نہیں کہا، بلکہ صاف طور پہ کہا تُو بَشَر ہے مگر رسول نہیں کیونکہ بَشَر رسول نہیں ہو سکتا اگرچہ نتیجہ دونوں کا ایک ہی ہے کہ بَشَر رسول نہیں ہو سکتا۔ اور یہی بات کفر تھی۔ اور پیغمبر علیہ السلام کی بَشَرِیّت کا مشاہدہ کرتے ہوئے بَشَرِیّت کو جھٹلانا اور اس سے انکار کرنا اُن کے بس کی بات نہیں تھی۔ مگر کم عقلی سے اپنے اس غلط نظریئے اور باطل عقیدہ پہ مضبوط اور قائم رہتے ہوئے صاف کہہ دیا ہم بَشَر کو رسول نہیں مانتے۔

ایک نکتہ کا حل

اگرچہ ابھی تیسری صورت کی تفصیل باقی ہے۔ پہلے ایک نکتہ کو حل کر لینا نہایت ضروری ہے جو بشریت اور رسالت کی اس ساری بحث وتمحیص کا دار ومدار اور محور ہے کہ کفار بشر کو کیوں رسول نہیں مانتے تھے؟ ان کو بشریت اور رسالت میں کیا منافات نظر آتی تھی؟

بس صرف یہ **کیوں** ہی ساری بحث کا نچوڑ ہے

اسی نکتہ کا حل ضروری ہے کہ وہ بشر کو رسول کیوں نہیں مانتے تھے

بظاہر اس کا حل مشکل اور طویل نظر آتا ہے۔ مگر حقیقت میں اس کا حل بالکل مختصر اور نہایت آسان ہے اس "**کیوں**" کا حل یہ ہے کہ

کفار ومشرکین جس شرک کی دلدل میں پھنسے ہوئے تھے اور شرک کا جو شجرۂ خبیثہ خوب جوبن میں آکر اپنی ٹہنیاں اور شاخیں مضبوطی سے پھیلائے ہوئے تھا۔ بشریت کا تیز ترین کلہاڑا دراصل اس پر ضرب کاری تھی۔ حقیقۃً بشریت وہ کسوٹی ہے جو کھرے اور کھوٹے کو الگ کر دیتی ہے اور شرک کے لئے موت ہے۔ مشرکوں کا عقیدہ اور شرک کی جڑ ہی یہ ہے کہ خدا نے جن اپنے پیاروں کو اپنی الوہیت کے کمالات اور اوصاف اور اختیارات بخشے ہیں ان میں پیغمبر سرِفہرست ہیں۔ سب سے زیادہ اختیارات پیغمبروں کو عطا کئے ہیں۔ پیغمبر مختارِ کل ہوتے ہیں۔

بلکہ افراط کی حد میں یہاں تک بڑھ گئے کہ پیغمبروں کو دیوتا۔ خدا کا اوتار یعنی مجسّم خدا انسان کے بھیس اور جامہ میں خدا سمجھتے۔ بلکہ (نعوذ باللہ) خود خدا خدا کا جزو یا ناسوت و لاہوت کا ایک مجموعہ سمجھتے تھے۔

کم سے کم مشرکین کا عقیدہ یہ تھا کہ خدا کے ان پیاروں کو ہر قسم کی خدائی طاقتیں حاصل ہیں اور یہ حاجت روا اور مشکل کشا ہیں۔ جس کا قرآن مجید میں بکثرت ذکر وبیان موجود ہے

وَجَعَلُوْا لَهٗ مِنْ عِبَادِهٖ جُزْءًا (قرآن مجید پ ۲۵ رکوع ۷)

ترجمہ اور کافروں مشرکوں نے اللہ تعالیٰ کے بندوں سے اس کے جزو بنا لئے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا (قرآن پارہ ۱۶ رکوع)

اور انہوں نے کہا کہ خدا نے بیٹے بنا لئے ہیں۔

وَاتَّخَذُوا مِنْ دُوْنِهٖ اَوْلِیَآءَ (قرآن پارہ ۲۵ رکوع ۲)

اور بنا لئے ہیں انہوں نے خدا کے سوا مددگار

وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ عُزَیْرُ ابْنُ اللّٰهِ وَقَالَتِ النَّصَارٰی الْمَسِیْحُ ابْنُ اللّٰهِ

اور یہودیوں نے کہا عزیر خدا کا بیٹا ہے اور نصاریٰ نے کہا عیسیٰ خدا کا بیٹا ہے

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِیْحُ ابْنُ مَرْیَمَ (پ ع)

بے شک کافر ہوئے وہ لوگ جنہوں نے کہا اللہ وہی مسیح، مریم کا بیٹا ہے

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ (قرآن پارہ ۶ رکوع ۱۴)

بے شک کافر ہوئے جنہوں نے کہا اللہ تین میں تیسرا ہے

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَآءَ (قرآن پارہ ۲۴ رکوع ۲)

کیا کافروں نے خدا کے سوا سفارشی بنا رکھے ہیں۔

سوچنا تو یہ ہے کہ جو لوگ شرک کی اس دلدل میں پھنس کر خدا کے محبوب اور پیارے پیغمبروں کو خود خدا، خدا کا جزو، خدا کا بیٹا، اور خدائی صفات کا حامل اور اختیارات کا مالک سمجھتے ہوں وہ نبی اور رسول کو بشر ماننے کے لئے کب تیار ہو سکتے ہیں اور بشریت انبیاء کے کیسے قائل ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ بشریت سے نبی کا خدا کی مخلوق خدا کا غلام و فرمان بردار عبادت گذار بندہ اور خدا کا محتاج آدمی اور انسان اور خدا کے حکم کے سامنے عاجز و درماندہ ظاہر ہونا بالکل واضح بات تھی۔

فیصلہ کن حل

اس ساری بحث کا عام فہم اور سادہ زبان میں دو ٹوک اور فیصلہ کن حل یہ ہے کہ بشریت نبوت و رسالت کے منافی نہیں بلکہ بشریت الوہیت کے منافی ہے۔ یعنی بشریت اور رسالت کا ایک دوسرے کے ساتھ کوئی تضاد و تخالف اور تباین اور تقابل

نہیں۔ان دونوں کا آپس میں اجتماع اور اتحاد ہو سکتا ہے۔ مگر بشریت اور الوہیت ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ان میں اتنا تباین اور تقابل ہے کہ ان کا اتحاد محال ہے اور ان کا آپس میں اجتماع اکٹھا ہونا سرے سے ناممکن ہے

اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ نبوت کا اتحاد بشریت کے ساتھ ہے۔ الوہیت کے ساتھ نہیں۔ اور کفار و مشرکین نبوت کو الوہیت کا درجہ دے کر ایک ہی چیز سمجھتے تھے۔

مشرکین کی الٹی منطق

چاہیئے تو یہ تھا کہ مشرکین نبوت کو الوہیت کا درجہ دینے کے اس باطل اور شرکیہ عقیدہ سے توبہ کر کے باز آتے اور خدا کے پیغمبروں کی بات مان کر شرک و کفر کو چھوڑ کر خالص توحید الہٰی کو قبول کرتے۔ لیکن انہوں نے اس کے بجائے اپنے شرکیہ عقیدے کو بچایا اور تحفظ دیا اور صاف کہہ دیا کہ ہم بشر کو رسول نہیں مانتے۔ کیونکہ توحید کی مخالفت اور شرک کے بچاؤ کا ان کے پاس صرف یہی ایک حربہ تھا۔ اور پیغمبرؑ کے خلاف ہر موقعہ پر اسی ہتھیار کو استعمال کرتے تھے۔ گویا یہ الٹی مت اور الٹی منطق صرف شرک کو بچانے کے لئے تھی جس کی بنیاد محض وہم و گمان، خواب و خیال اور ظنی تخمینوں پر تھی جو سراسر باطل اور نری گمراہی ہے۔ بس ایک ہی اس جواب سے کہ ہم بشر کو رسول نہیں مانتے اور اس کی پیروی نہیں کرتے۔ اپنے مشرکانہ عقائد و اعمال کو محفوظ کر لیتے اور اپنے آپ کو پیغمبر کی دعوت سے آزاد سمجھ لیتے تھے۔ جیسا کہ ہر زمانہ میں پیغمبروں کے مخالفین کے دستور کا قرآن پاک ذکر بتاتا ہے

قَالُوْٓا اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا ۭ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَصُدُّوْنَا عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَاۗؤُنَا

ترجمہ کفار نے کہا تم تو ہمارے جیسے آدمی ہو۔ تم چاہتے ہو کہ ہمیں ہمارے معبودوں سے ہٹا دو جن کی ہمارے آباؤ اجداد عبادت کرتے تھے۔

ایک دوسرے مقام پر اکثر کفار قوموں کے مجموعی بیان کا اس طرح ذکر فرمایا کہ تمام قوموں کے پاس انبیاء علیہم السلام توحید الہٰی کی دعوت حق اور اس پر کھلے دلائل

لے کر آئے۔ قومیں ہلاک و برباد تو ہوگئیں۔ مگر حق کو قبول نہیں کیا کہ ہم بشر کے کہنے سے اپنا مذہب نہیں چھوڑتے۔

اَلَمْ یَاْتِکُمْ نَبَؤُا الَّذِیْنَ کَفَرُوْا مِنْ قَبْلُ فَذَاقُوْا وَبَالَ اَمْرِهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ ○ ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِیْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ یَّهْدُوْنَنَا (قرآن مجید پارہ ۲۸ رکوع ۱۵)

ترجمہ اے لوگو! کیا تم کو ان لوگوں کی خبر نہیں پہنچی جنہوں نے تم سے پہلے کفر کیا پھر دنیا میں اپنے شرکیہ اعمال کی سزا کا مزہ چکھا اور ان کے لئے آخرت میں بھی دردناک عذاب ہے۔ یہ سب اس لئے کہ ان کے پاس رسول حق کے کھلے دلائل لے کر آئے تو انہوں نے کہہ دیا کہ ہم بشر کا کہنا نہیں مانتے۔

فرعون اور اس کے درباریوں نے بھی شرک و کفر کو نہیں چھوڑا۔ اور صاف کہہ دیا کہ ہم اپنے جیسے دو آدمیوں کی بات نہیں مانتے

فَقَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ لِبَشَرَیْنِ مِثْلِنَا (قرآن مجید پارہ ۱۸ رکوع ۳)

ترجمہ انہوں نے کہا کیا ہم اپنے جیسے دو آدمیوں کی بات مان لیں؟

حتیٰ کہ سیدنا حضرت نوحؑ سے لے کر آخر الزمان خاتم الانبیاء تک ہر زمانہ میں رؤساء کفر اور عمائد وائمۂ شرک کے پاس توحید خالص کی دعوت کی کامیابی کو روکنے کے لئے انبیاء علیہم السلام کے خلاف پروپیگنڈہ کا سب سے زیادہ کارگر یہی ایک حربہ تھا۔ کہ اپنے جیسے آدمی کی بات نہ ماننا۔ ورنہ نقصان اٹھاؤ گے۔ اور اس کے داؤ میں آکر باپ دادے کے دین و مذہب کو چھوڑ بیٹھو گے۔ اور یہ تمہارے لئے بڑی نالائقی اور غلطی اور گمراہی کی بات ہوگی۔

وَلَئِنْ اَطَعْتُمْ بَشَرًا مِّثْلَكُمْ اِنَّكُمْ اِذًا لَّخٰسِرُوْنَ (قرآن مجید پارہ ۱۸ رکوع ۳)

ترجمہ اور اگر تم نے اپنے جیسے آدمی کی بات مانی تو بے شک نقصان اٹھاؤ گے۔

فَقَالُوْٓا اَبَشَرًا مِّنَّا وَاحِدًا نَّتَّبِعُهٗٓ اِنَّآ اِذًا لَّفِیْ ضَلٰلٍ وَّسُعُرٍ (قرآن مجید پارہ ۲۷ رکوع ۹)

ترجمہ پھر کہنے لگے کیا ہم اپنے جیسے ایک بشر کی بات مان لیں۔ بلاشبہ اس حالت میں ہم

گمراہی اور جنون میں گر کر آگ میں گریں گے۔

بہرحال داعیِ توحید کے خلاف مشرکین اسی بات کو اچھال کر کہ بشر نبی نہیں ہو سکتا۔ بشر ہونا رسول کی شان نہیں، بشریت، رسالت کے خلاف ہے۔ ہم بشر کو رسول نہیں مانتے یہ کہہ کر وہ اپنے آباؤ اجداد کے کفریہ اور شرکیہ عقیدے کا بچاؤ کرتے تھے۔

مَا هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (پ۱۸ ع۳)	مَا اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (پ۱۹ ع۱۲)
یہ ہماری طرح ایک بشر ہے	تو ہماری طرح ایک بشر ہے
مَا نَرٰكَ اِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا (پ۱۲ ع۳)	وَمَا اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (پ۱۹ ع۱۴)
تجھے ہم اپنے جیسا بشر ہی سمجھتے ہیں	تو ہماری طرح بشر ہی ہے
قَالُوْا مَا اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (پ۲۲ ع۱۹)	اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا (پ۱۳ ع۱۴)
انہوں نے کہا تم ہماری طرح بشر ہو	تم ہماری طرح بشر ہو
مَا هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (پ۱۸ ع۲)	هَلْ هٰذَا اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ (پ۱۷ ع۱)
یہ تمہارے جیسا بشر ہے	یہ تمہارے جیسا ایک بشر ہے

واللہ! اگر قسم بھی اٹھاؤں تو ہرگز حانث نہ ہوں گا کہ یہ سراسر نری عقیدے کی جنگ تھی۔ اور کوئی بات نہ تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ وہ اگر بشر کو رسول مان لیں تو اُن کے آبا و اجدادی مذہب کی ساری عمارت گر کر تباہ و برباد ہو جاتی ہے۔ اس لئے وہ بشر کو رسول نہ ماننے والا گھناؤنا، شرمناک اور ہلاکت خیز جرم کر کے خود اُجڑ کر برباد ہونے کو تیار تھے مگر باپ دادے کے دین کی تذلیل و توہین اور اس کی دھجیاں بکھرتی ہوئی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ یہاں تک کہہ دیا کہ ہمارا مذہب ٹھیک ہے اور یہی سچا ہے کہ پیغمبر خدائی طاقتوں کے مالک و مختار ہوتے ہیں۔ بشر نہیں ہوتے۔

قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ (قرآن مجید پارہ ۷ رکوع ۱)

یہاں تک کہہ دیا کہ اللہ نے کسی بشر پر کوئی چیز نازل نہیں کی۔

بلکہ قرآن پاک کی شہادت کے مطابق بعض مشرکین توحیدِ خالص کے اس حد تک مخالف اور شرک پر اس قدر مضبوط تھے کہ پیغمبر تو پیغمبر رہے خدا کی بات بھی ماننے

کو تیار نہ تھے۔ بلکہ کہتے تھے کہ برباد کردے مگر ہم یہ بات نہیں مانتے

وَاِذْ قَالُوا اللّٰهُمَّ اِنْ كَانَ هٰذَا هُوَ الْحَقَّ مِنْ عِنْدِكَ فَاَمْطِرْ عَلَيْنَا حِجَارَةً مِّنَ السَّمَآءِ اَوِ ائْتِنَا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ (قرآن مجید پ ۹ ع ۱۸)

ترجمہ اور جب انہوں نے کہا کہ یا اللہ! اگر یہی بات سچی ہے تیری طرف سے تو ہم پر آسمان سے پتھروں کی بارش کر کے یا کسی دردناک عذاب کو لاکر ہمیں برباد کردے۔

بعض مفسرین حضرات رحمہم اللہ کے بیان کے مطابق یہ دعاء ابوجہل نے بیت اللہ میں کھڑے ہوکر کی تھی۔ اس سے ظاہر ہوجاتا ہے کہ مشرکین توحید باری تعالیٰ کے کس قدر انتہائی طور پر مخالف تھے۔ اور شرک پر کتنی مضبوطی سے ڈٹے ہوئے تھے کہ انتہائی جہالت و شقاوت اور عناد سے بڑی شد و مد سے برملا کہتے تھے کہ خداوندا! اگر واقعی تیری توحید جس کا ذکر محمدؐ کرتا ہے حق ہے۔ اور بزرگوں کو حاجت روا، اور مشکل کشا اِلٰہ اور کارساز سمجھنے کو شرک بتاتا ہے یہ اگر اسی طرح صحیح ہے تو ہم اتنی دیر سے اس کی سخت تکذیب کر رہے ہیں۔ ہم پر آسمان سے پتھروں کا مینہ برسادے یا کسی دوسرے سخت ترین عذاب سے تباہ و برباد کرکے ہمیں ملیامیٹ کرکے ہمارا بالکل صفایا کردے۔ مگر ہم محمدؐ کی اس دعوت کو ماننے کے لئے تیار نہیں ہیں۔

حد ہوگئی۔ توحید الٰہی کی مخالفت اور شرک کی محبت کی۔

اور اگر اتنے سخت ہی کافر و مشرک حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول ماننے کے لئے تیار ہوتے ہیں تو کس شرط سے؟

وہ ایسی شرطیں لگاتے ہیں جن سے ظاہر ہو کہ پیغمبرؐ کو خدائی طاقتیں حاصل ہیں۔ گویا (نعوذ باللہ داعاذنا اللہ ستغفر اللہ ثم استغفر اللہ) انہوں نے رسول کو ماننے کی بنیاد بھی شرک پر رکھی۔

مگر میرے پاک سبحان و قدوس الٰہ العالمین نے اپنے محبوب رحمۃ للعٰلمین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک ہی جواب سکھاکر ہمیشہ کے لئے شرک کی رگ ہی کاٹ دی۔ اور شرک کے بدنما چہرہ پر تھوک ڈال دی۔ اور مشرکین کو ایسی مرچیں لگادیں کہ آخری وقت

تک جلتے سڑتے ہوئے مر جائیں۔ مشرکین نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول ۴ ماننے کے لئے جو شرطیں پیش کیں، وہ یہ ہیں۔

وَقَالُوا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۝ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۝ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ۭ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ (قرآن مجید پارہ ۱۵ رکوع ۱۰)

اور انہوں نے کہا ہم تجھ پر ایمان ہرگز نہیں لائیں گے اس وقت تک جب تک کہ تو ہمارے لئے زمین سے چشمہ جاری نہ کر دے یا تیرے لئے کھجوروں اور انگوروں کا ایک باغ اور اس کے درمیان نہریں جاری ہوں۔ یا آسمان کا ٹکڑا گرا دے جیسا تو گمان کرتا ہے۔ یا خدا اور فرشتوں کو ساتھ لے کر سامنے لے آ یا تیرے لئے سونے کا گھر ہو جائے یا تو آسمان پر چڑھ جا۔ اور ہم تیرے چڑھنے کو بھی اس وقت تک نہیں مانیں گے یہاں تک کہ تو ہمارے پاس ایسی کتاب لائے جسے ہم خود پڑھ سکیں۔

خدا کی قدرتِ کاملہ کے سامنے ان امور کا ہو جانا کوئی مشکل اور محال نہ تھا۔ مگر ان مطالبات کا پورا ہو جانا اس غلط عقیدہ کی تقویت کا سبب بنتا تھا کہ پیغمبروں اور رسولوں کو خدائی اختیارات اور طاقتیں حاصل ہوتی ہیں۔ اور یہ شرکیہ عقیدہ ہے۔ اور اسی شرک کو مٹانے کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام دنیا میں مبعوث ہوتے ہیں۔ یہاں بھی اس باطل عقیدہ کی زبردست طریقہ سے تردید کے لئے خود آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک سے اس جواب کا اعلان فرمایا

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ (پارہ ۱۵ رکوع ۱۰)

میرے پیغمبر! کہہ دے سبحان اللہ! میں تو ایک بشر ہوں رسول

کتنا پیارا اور احسن جواب ہے۔ ارشادِ ربانی ہوتا ہے کہ میرے محبوب! اعلان کر دو سبحان اللہ! یعنی اللہ تعالیٰ تو عجز سے پاک ہے۔ وہ ذاتِ کبریا جلّ وعلا شانہٗ یہ سارے

کام کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ مگر وہ ہر کام اپنی مرضی سے کرتا ہے۔ کوئی اس پر جبر نہیں کر سکتا۔ اور نہ وہ اس طرح کسی کی مانتا ہے۔ اور میں تو ایک بشر یعنی انسان ہوں اور اللہ کا رسول ہوں۔ میرا کام خداوند قدوس کا حکم پہنچانا ہے۔ معجزات وغیرہ میرے اختیار میں نہیں۔ اور جن باتوں کا تم نے مطالبہ کیا ہے وہ سب انسانی اور بشری طاقت سے باہر ہیں۔ اس لئے مجھے ان کے پورا کرنے کی طاقت نہیں۔

امام المحدثین و رئیس المفسرین خاتم الفقہاء حضرت العلامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں لَيْسَ مَا سَأَلْتُمْ فِي طَوْقِ الْبَشَرِ (تفسیر مظہری جلد ۵ ص ۴۹۳) یعنی جو تم نے سوال کئے ہیں وہ بشری طاقت سے ماوراء ہیں۔

سبحان اللہ۔ کتنا کامیاب اور مدلل جواب ہے جو دو جہانوں کے بادشاہ اور سرکار سید المرسلین جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا نہیں۔ بلکہ رب العلمین نے دلوایا کہ کہہ دو میں بشر رسول ہوں۔ ان مطالبات کا پورا کرنا میری طاقت اور میرے اختیار میں نہیں ہے۔

الحمد للہ! سید العالمین صلی اللہ علیہ وسلم کے اس روح پرور اور ایمان افروز جواب سے توحید باری کی حقانیت کی کس قدر شاندار فتح اور مشرکین اور شرک اور باطل کی کتنی عبرتناک اور شرمناک شکست ہے۔

اسی کے بعد والی متصل آیت میں مشرکین کا ندامت و خجلت آمیز جواب کا بھی ذکر ہے کہ ان کے پاس اس کے سوا شرک کو بچانے کے لئے اور کوئی جواب نہیں تھا کہ ہم ایسے بشر کو جس کے پاس خدائی اختیارات نہ ہوں کبھی رسول نہیں مانتے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بے اختیار بشر اور انسان کو رسول نہیں بناتا

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝ (قرآن مجید پ ۱۵ ع ۱۱)

ترجمہ: اور اس ہدایت والے بیان کے پہنچنے کے بعد اس وقت ان کو ایمان لانے سے اس بات کے سوا اور کسی بات کی روکاوٹ نہیں تھی مگر یہی بات کہ کہنے لگے کہ کیا اللہ نے بشر کو رسول بنا کر بھیجا

عجیب اتفاق کی بات ہے کہ قرآن پاک کے مندرجہ بالا مقام اور بیان کے علاوہ دو مقام اور بھی ہیں۔ جہاں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کا اعلان خود جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پاک کی معرفت سے ہے۔ مگر ہر جگہ توحید کامل کے بیان اور رسول کی عبدیت کی تشریح سے اس عقیدۂ شرکیہ کی تردید کی گئی ہے۔

چنانچہ سورۂ کہف جو ساری کی ساری توحید کے اثبات اور شرک کی نفی میں ہے اس ساری سورت کا خلاصہ اور نچوڑ آخری رکوع میں بہترین انداز سے بیان کیا گیا ہے۔ رکوع کی پہلی آیت میں ان مشرکوں کا ذکر ہے جو خدا کے پیارے اور برگزیدہ بندوں کو حاجت روا ومشکل کشا اور کارساز ومددگار سمجھ کر خدا کا شریک ٹھیراتے ہیں۔

اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَاۗءَ ۭ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ○ (قرآن مجید پ ۱۶ رکوع ۳)

کافروں نے کیا سمجھا کہ انہوں نے میرے بندوں کو میرے سوا اپنا کارساز اور مددگار بنا لیا۔ ہم نے ایسے کافروں کے لئے جہنّم تیار کر رکھی ہے۔

اس کفریہ وشرکیہ عقائد اور اعمال اور ان کے انجام بد کے ذکر کرنے کے بعد تیسری چوتھی آیت میں اللہ تعالیٰ کی اُلوہیت کے غیر محدود اوصاف وکمالات کا ذکر ہے

قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّيْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّيْ وَلَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا ○ (قرآن مجید پارہ ۱۶ رکوع ۳)

کہہ دیجئے اگر میرے رب کے باتیں لکھنے کے لئے سمندر سیاہی بن جائیں تو میرے رب کی تعریفیں ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائیں گے۔ اگرچہ اتنے سمندر اور بھی ہوں۔

اسی طرح دوسرے مقام پہ ایک آیت میں قلموں کا ذکر ہے۔

وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ○ (قرآن مجید پارہ ۲۱ رکوع ۱۲)

اگر جتنے زمین میں درخت ہیں سب کی قلمیں بنا لی جائیں اور دریا سیاہی۔ اور اس کے بعد سات سمندر اور سیاہی کے ہوں تو بھی اللہ کی صفات ختم نہ ہوں۔

اللہ۔ اللہ! کتنا پیارا بیان اور کیسا عجیب ولطیف مضمون ہے کہ اس ذاتِ کبریا جلّ وعلا شانہٗ کے محامد وکمالات اور صفت وثنا اور اس کی الوہیت کی تعریفیں اتنی غیر محدود ہیں۔ "لَوْ" کہ فرض کرلو اتنے سمندر سیاہی کے ہوں اور کرۂ ارض کے تمام درختوں کی قلمیں ہوں، ایک درخت کی قلموں کا حساب لگائیں کتنی ہوں گی؟ پھر ساری کائنات ارضی، سماوی، عرشی، فرشی سب لکھنے والے ہوں تو بھی سیاہی کے سمندر ختم ہو جائیں قلمیں گھس کر ختم ہو جائیں لکھنے والی پوری کائنات تھک کر مر کھپ جائے مگر اللہ تعالیٰ کی صفت وثنا، کی پہلی تعریف بھی ختم نہ ہو سکے گی۔

وَلَوْجِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا فرض کرو اس کے بعد اتنی ہی سیاہی اور اسی قدر قلمیں اور اسی نسبت سے لکھنے والے مزید اور آجائیں تب بھی ہر چند تو ختم ہو جائے گی۔ مگر ربّ العزّۃ ذوالجلال والاکرام کی تعریفیں ختم نہیں ہو سکتیں۔

پھر اسی آیت کے بعد متصل دوسری آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا کہ آپؐ اپنی پوزیشن اور حیثیت کے متعلق بھی واضح اعلان فرما دیں تاکہ کسی غالی مشرک کو اشتباہ ہی نہ رہے۔ ارشاد فرمایا

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (پارہ ۱۶ رکوع ۳)

فرما دیجئے میں تو تمہاری ہی طرح آدمی ہوں مگر وحی کی جاتی ہے میری طرف کہ تمہارا الٰہ کارساز ایک ہی ہے۔

اللہ اکبر! ملاحظہ کیا بشریت اور الوہیت کے فرق کو سمجھا۔ شانِ الوہیت کیا ہے۔ اور شانِ بشریت اور رسالت کیا ہے۔

الوہیت وسبّوحیت صفات وکمالات غیر محدود اور اس کی قدرتِ کاملہ اور اختیارات تامّہ ہیں

اور رسالت وبشریت کی عبدیت، بندگی بے چارگی اور بے بسی وبے اختیاری کا غیر مبہم اقرار واعتراف اور بالکل واضح اعلان ہے۔

اور اسی طرح ایک تیسرے مقام پہ قرآن مجید میں آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم

کی بشریت کا اعلان بھی توحید الٰہی کے ساتھ ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰـھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِیْمُوْٓا اِلَیْہِ وَاسْتَغْفِرُوْہُ ؕ وَوَیْلٌ لِّلْمُشْرِکِیْنَ ۝ (قرآن مجید پارہ ۲۴ رکوع ۱۵)

فرما دیجئے کہ میں بھی ایک آدمی ہوں تمہاری طرح۔ وحی آتی ہے میری طرف کہ تمہارا کارساز ایک ہے۔ پس سیدھے رہو اس کی طرف اور اس سے اپنے گناہ بخشوالو۔ اور شرک کرنے والوں کے لئے خرابی و بربادی ہے۔

اس آیت مبارکہ کا منشا بھی یہی ہے کہ خدائے تعالیٰ کے مقابلہ میں رسولؐ بھی اسی طرح کا ایک بندہ ہے جس طرح خدا کے دوسرے بندے یعنی الٰہ معبود حقیقی تمام اختیارات کا مالک سمیع بصیر مجیب خبیر دعاؤں التجاؤں کا فریادرس وہی ذاتِ اَحد ہے عبادت اسی کی کرو۔ حاجت روا' مشکل کشا' کارساز اُسی کو سمجھو۔ دُعائیں صرف خدا سے مانگنی چاہئیں۔ اور استغفار اپنی غلطیوں اور گناہوں کی معافی کی درخواست بھی اسی سے کرنی چاہیئے۔ یہ تمام طاقتیں اور سب اختیارات خاص خدا کے ہیں۔ بندوں کے نہیں۔ اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا یہی واضح اعلان ہے کہ مَیں نہ خدا ہوں۔ اور نہ خدائی اختیارات اور صفات سے متّصف ہوں۔ میں تو خدا کا عاجز و محتاج بندہ ہوں جس پر ربّ العزّۃ کا یہ احسان و انعام ہے کہ مجھ پر وحی نازل کی۔ نبوت و رسالت کے عظیم القدر منصب و اعزاز سے نوازا۔ میں مَہبطِ وحی ہوں۔ میرے سر پہ اللہ تعالیٰ نے ختم رسالت کا تاج رکھا ہے۔ مَیں خاتم النبیین ہوں۔ تمہارے لئے عبادت الٰہی اور عملِ صالح میں نمونہ ہوں۔ اور میری اطاعت و پیروی تم پہ فرض اور ضروری ہے اور میری حیاتِ طیبہ اور سُنّتِ مقدسہ میں تمہارے لئے اسوۂ حسنہ ہے۔ رسالت کے جملہ اوصاف و کمالات کے علاوہ خدائی اختیارات اور طاقتوں میں قطعاً کچھ بھی حصہ دار نہیں۔ اور خدائی صفات میں ادنیٰ شراکت بھی میرے شایانِ شان نہیں۔

اگرچہ اس کا ذکر قرآن پاک میں بکثرت ہے مگر ایک ہی آیت ملاحظہ فرماویں

مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّؤْتِیَہُ اللّٰہُ الْکِتٰبَ وَالْحُکْمَ وَالنُّبُوَّۃَ ثُمَّ یَقُوْلَ

لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ ○ (پارہ ۳ رکوع ۱۵)
کسی بشر کے لائق نہیں کہ اللہ اس کو کتاب اور حکمت اور نبوت عطا کرے اور
پھر وہ لوگوں کو کہے کہ تم میرے بندے ہو جاؤ اللہ کے سوا بلکہ یہ کہے کہ رب والے ہو جاؤ
اگرچہ اس آیت کریمہ سے یہ حقیقت بھی بالتصریح ثابت ہوتی ہے کہ نبوت کا ظرف
بشریت ہے۔ تاج نبوت بشریت کے سر پہ زیب دیتا اور سجتا ہے۔ اور تخت نبوت
پہ اگر جلوہ گر ہوا تو بشر ہوا۔

مگر آیت کے اندازِ بیان اور طرزِ اسلوب سے نبوت و الوہیت کا فرق واضح کیا
گیا ہے مَا كَانَ لِبَشَرٍ یعنی یہ بات بشر کے لائق شان نہیں

تفسیر ابن کثیر اور تفسیر روح المعانی وغیرہ تفاسیر میں اس آیت کا شانِ نزول
اس طرح بیان کیا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے
کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس یہود و نصاریٰ کے علماء جمع ہوئے۔ آپ نے
انہیں اسلام اور توحید کی دعوت دی۔ تو کہنے لگے کہ محمدؐ تو چاہتا ہے کہ میری عبادت
کی جائے جس طرح عیسیٰؑ کی کی جاتی ہے۔

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلے اللہ علیہ وسلم معاذ اللّٰہ ان نعبد غیر اللہ او
نامر بعبادۃ غیرہ (تفسیر روح المعانی)

حضورؐ نے فرمایا اللہ کی پناہ ہم غیر اللہ کی بندگی کریں یا دوسروں کو اس کا حکم دیں
اللہ تعالیٰ وحدہٗ لاشریک لہٗ نے اس آیت کریمہ میں توحید و رسالت دونوں اصولی
مسئلوں کو حل فرما کر دونوں کی حدود کو متعین فرما دیا ہے۔

① معبود و الٰہ ہونا بندے کی شان کے لائق نہیں بلکہ یہ صرف خدا کی شان ہے،
② اور اللہ کے رسول اور نبی بشر اور انسان ہوتے ہیں۔

الحاصل گو کفار بھی رسول کو بَشَرٌ مِّثْلُنَا کہتے تھے اور رسول بھی
اپنے آپ کو بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ فرماتے تھے اور خدا کا بھی اعلان
ہے کہ رسول بشر ہوتے ہیں تو معاذ اللہ میں خدشہ سا پیدا ہوتا ہے کہ پھر کفار اور رسولوں

کے بیان میں فرق کیا ہے۔ مگر سابقہ بحث کو مدنظر رکھیں تو اس خدشہ کا جواب پہلے دیا جا چکا ہے کہ کفار بَشَرٌ مِّثْلُنَا مانتے تھے مگر رسول اللہ کو رسول اللہ نبی اللہ نہیں مانتے تھے۔ اور انبیاء کا ارشاد تھا کہ بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ یُوْحٰۤی اِلَیَّ ۔ یُوْحٰۤی اِلَیْهِ یعنی اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ کہ میں اللہ کا رسول بھی ہوں۔

اس سابقہ ساری بحث کا ماحصل اور خلاصہ اور نچوڑ نکالیں تو بالکل مختصر اور جامع الفاظ میں یہ نکلے گا کہ کفار رسول کو بشر کہہ کر رسالت کی نفی کر کے شرکیہ عقیدہ کی حفاظت اور اس کا بچاؤ کرتے تھے۔ اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول مقبول علیہم السلام بشریت اور رسالت کا اقرار کر کے شرک کی رگِ حیات اور اس کی جڑھ کاٹتے تھے۔

نور کی بحث

رسالت کی زبانِ مقدس سے بشریت کا واضح اعلان جو درحقیقت اس کفریہ اور شرکیہ باطل اور غلط عقیدے کے مٹانے کے لئے تھا۔ جو انبیاء علیہم السلام کی شان کے متعلق الوہیت کا باطل نظریہ مشرکین میں پھیلا ہوا تھا

اور بڑے دکھ اور افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اسی قسم کا غلط اور باطل خیال اسی پاک اور محبوب نبی کی امت کے ایک معتدبہ گروہ میں بھی پایا جاتا ہے جو رحمۃ للعلمین صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں خدا کی توحید کا سچا علمبردار اور توحید کا کامل منبع بن کر آیا تھا، امت کے اس افراط پسند گروہ کی بھی معمولی سی جھلک ملاحظہ فرما ہی لیں

چنانچہ بعض حضرات آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق ذاتی اور جنسی لحاظ سے کہتے ہیں کہ آپ بشر نہیں ہیں۔ بلکہ نور ہیں۔ صرف بشری جامہ میں آئے ہیں۔ کیونکہ آپ کے جسدِ اطہر کا سایہ نہیں تھا۔ وغیرہ وغیرہ

درحقیقت یہ مسئلہ خود غرض ضدی اور متعصب جہلاء اور پیٹ پرست نقلی

مولویوں کا پیدا کردہ ہے۔

الحمدللہ! دعویٰ سے کہہ رہا ہوں کہ آج تک امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ و السلام میں ایک بھی مستند و محقق عالم کی یا کسی ممتاز مفسر و محدث کی نشاندہی نہیں کی جا سکتی جس نے بشریت النبیؐ سے انکار کیا ہو۔

جو لوگ علم و دیانت، تحقیق اور تفسیر سے بالکل بے بہرہ ہیں اور قرآن و سنت کو اپنی تحریفات کا نشانہ بنا کر محض دھوکہ دہی اور فریب کاری سے لوگوں میں انتشار و افتراق کا سبب بنے۔ اور دینِ حق کو اصولِ دین کے خلاف اپنی خواہشات و آراء کا نشانہ بنانا ہی جن کا سرمایۂ دین ہے، یہ مسئلہ بھی انہی لوگوں کی ایجاد ہے جو صرف خود ساختہ اور گھڑی ہوئی بات ہے۔

جیسے حقیقت آپ پر ابھی واضح ہو جائے گی۔ کہا جاتا ہے کہ قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نور فرمایا ہے۔

قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ○ (پارہ ۶ رکوع ۷)

تحقیق آئی ہے تمہارے پاس روشنی اور کتاب ظاہر کرنے والی۔

آیت کی تفسیر و تشریح سے پہلے ایک بات ذہن نشین کر لیں کہ یہاں جو کچھ بھی تحریراً ذکر کیا جا رہا ہے صرف اور صرف افہام و تفہیم کی غرض سے ہے اور اصلاحی انداز سے ہے۔ قطعاً مناظرانہ انداز نہیں۔ ورنہ مناظرہ کی طرزِ گفتگو میں بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔

اولاً تو اس آیتِ مبارکہ میں نور سے مراد آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی مراد نہیں۔ بلکہ اس سے قرآنِ مجید مراد ہے۔ جیسا کہ سیاق و سباق سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہدایت و راہ نمائی کے لئے دو چیزیں آئی ہیں

① اول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ② دوم کتاب اللہ۔ یعنی رسول اور کتاب۔ رسول آن حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں اور کتاب قرآن مجید ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد کا ذکر اسی آیت مبارکہ میں اس سے ان الفاظ میں فرمایا

ہے۔ پوری آیت کریمہ ملاحظہ فرمادیں۔

يَا أَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُونَ مِنَ الْكِتٰبِ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ ۚ قَدْ جَاءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُورٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِينٌ يَهْدِي بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهُ سُبُلَ السَّلَامِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ إِلَى النُّورِ بِإِذْنِهِ وَيَهْدِيهِمْ إِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ○ (پارہ ع۶ رکوع ۷)

اے اہلِ کتاب! تحقیق آیا ہے تمہارے پاس رسول ہمارا کھول کر بیان کرتا ہے تمہارے لئے بہت سی چیزیں جن کو تم چھپاتے ہو کتاب سے اور درگزر کرتا ہے بہت سی چیزوں سے۔ تحقیق آئی ہے تمہارے پاس اللہ کی طرف سے روشنی اور کتاب ظاہر کرنے والی جس سے اللہ ہدایت کرتا ہے اس کو جو اُس کی رضا کے تابع ہو سلامتی کی راہ میں اور ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے اپنے حکم سے اور ان کو سیدھی راہ پر چلاتا ہے۔

ہدایت کے دونو چشموں اور منبعوں کی آمد کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قَدْ جَاءَكُمْ کے واضح لفظ میں الگ الگ تصریحاً ارشاد فرمایا ہے۔ "قَدْ جَاءَكُمْ رَسُولُنَا" میں سیدنا حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کا ذکر ہے۔ اور قَدْ جَاءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُورٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِينٌ میں قرآن مجید کا ذکر ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ واو عاطفہ درمیان میں ہے نُورٌ وَّكِتٰبٌ۔ اور عطف تغایر پر دلالت کرتا ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دو متغایر چیزوں کا ذکر ہے۔ نور اور کتاب دو الگ الگ چیزیں ہیں۔ اس سوال کا

حل بالکل آسان اور عام فہم ہے کہ ایک ہی چیز (قرآن مجید) کے دو متغایر وصف وضاحت کے لئے الگ الگ بیان کئے گئے ہیں (نُورٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِينٌ) یعنی قرآن نور بھی ہے کیونکہ اس سے کفر و شرک اور شکوک و شبہات کے اندھیرے چھٹ جاتے ہیں۔ اور نیز وہ کتاب مبین بھی ہے کہ حق و باطل کو اس طرح کھول کر بیان کرتی ہے کہ ہر شخص بخوبی ان میں امتیاز کر سکتا ہے القرآن یفسر بعضہ بعضاً کے اصول

کے مطابق خود قرآن مجید نے کئی دوسری آیات بینات میں اس نور کی تفسیر بیان فرمائی ہے۔ مثلاً ارشاد ربانی ہے

وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ○ (قرآن مجید پارہ ۶ رکوع ۴)

اور ہم نے اُتارا تمہارے لئے نور واضح

اسی طرح دوسرے مقام پہ رسول اور قرآن دونوں کا ذکر ہے اور قرآن کو نور فرمایا

فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالنُّوْرِ الَّذِيْٓ اَنْزَلْنَا (قرآن مجید پارہ ۲۸ رکوع ۱۵)

پس ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول پر اور اس نور پر جو اُتارا ہم نے

ان دونوں آیتوں میں بلاشبہ اور لامحالہ قرآن مجید ہی مراد ہے۔

نیز آیت مبحوث عنہا میں اگر عطف متغائر ذاتوں کے لئے ہوتا تو ضمیر يَهْدِيْ بِهِ اللّٰهُ مفرد نہ ہوتی۔ بلکہ تثنیہ ہوتی يَهْدِيْ بِهِمَا اللّٰهُ ہوتا جیسے قرآن پاک کے کئی دوسرے مقاموں پہ اس کی مثالیں موجود ہیں مثلاً صفا اور مروہ دو الگ الگ پہاڑیاں ہیں تو ارشاد فرمایا کہ صفا اور مروہ اللہ تعالیٰ کی توحید کی نشانیاں ہیں۔ جو شخص بیت اللہ شریف کا حج اور عمرہ کرے تو ان دونوں کے درمیان طواف (یعنی سعی) بھی لازمی کرے

فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا (قرآن مجید پارہ ۲ رکوع ۳)

پس کچھ حرج نہیں اس پہ کہ ان دونوں کا طواف کرے

دوم اس آیت مبارکہ میں نور سے مراد قرآن مجید ہے اور واو عاطفہ تفسیری ہے۔ عطف تفسیری علم النحو کا مسلمہ اصول ہے جس کی قرآن وسنت میں متعدد مثالیں موجود ہیں جیساکہ سورۂ حدید میں فرمایا۔

وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ (قرآن مجید پارہ ۲۷ رکوع ۱۹)

اور اتاری ان کے ساتھ کتاب اور میزان۔

یہاں بھی عطف تفسیری ہے اور المیزان سے الکتاب ہی مراد ہے۔

اسی اصول کے تحت یہاں بھی كِتَابٌ مُّبِيْنٌ کا عطف نُوْرٌ پر عطف تفسیری ہے

اور متعدد محققین مفسرین حضرات رحمہم اللہ نے اس کی صراحت فرمائی ہے۔

امام تفسیر علامہ مفسر ابو السعود فرماتے ہیں

والمراد به وبقوله كتاب مبين القرآن لما فيه من كشف ظلمات الشرك والشك وابانة ماخفي على الناس من الحق والاعجاز البين- والعطف لتنزيل المغائرة بالعنوان منزلة المغايرة بالذات (تفسیر ابی السعود ص۳۳ ج۵)

نور اور کتاب مبین سے مراد قرآن ہے کیونکہ اس شرک اور شبہات کے اندھیرے دُور ہوتے ہیں اور لوگوں پر حق واضح ہوتا ہے اور تغایر عطف تو تغایر فی العنوان ہی کافی ہے

علامہ المحقق المدقق ماہر تفسیر صاحب تفسیر مدارک امام نسفی حنفیؒ فرماتے ہیں ص۲۱۴ ج۱

يريد القرآن لكشفه ظلمات الشرك والشك ولابانته ما كان خافيا على الناس من الحق

نور سے مراد قرآن ہے کیونکہ اس سے شرک اور شبہات دور ہوتے ہیں اور لوگوں پر حق واضح ہوتا ہے

سوم اگر سیاق وسباق اور تفسیر القرآن بالقرآن اور محققین مفسرین رحمہم اللہ کی تصریحات کے خلاف اس آیت میں نور سے مراد آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو ہی لیا جائے جیساکہ بعض مفسرین حضرات رحمہم اللہ نے صراحت سے اس کا ذکر فرمایا ہے تو بھی بشریت النبیؐ کے منکرین حضرات کا مطلب کسی طرح بھی حل نہیں ہو سکتا۔ نہ اس سے آپ کی بشریت کا انکار ثابت ہوتا ہے اور نہ آپؐ کے سایہ کی اس سے نفی ہوتی ہے **کیونکہ** لفظ نور کا آپؐ کی ذات اقدس پر اطلاق بطور تشبیہ و استعارہ ہے۔ جس سے آپ کی صفت اور شان راہنمائی کو نمایاں کرنا مقصود ہے۔ جس طرح نور یعنی روشنی سے اندھیرا زائل ہو جاتا ہے اور ہر چیز بالکل صاف نظر آنے لگتی ہے اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی تعلیمات سے کفر و شرک اور ضلالت و جہالت کے اندھیرے دُور ہوتے ہیں۔ اور صراط مستقیم صاف صاف دکھائی دینے لگتا ہے۔ تو آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نور اس لئے نہیں فرمایا کہ آپؐ کی ذات نور ہے اور بشر نہیں ہے۔ بلکہ آپؐ کو نور صرف صفت اور اس معنے کے اعتبار سے فرمایا کہ آپؐ کے دنیا میں تشریف لانے سے اور نبوت و رسالت سے سرفراز ہو کر خدا کا پیغام پہنچانے

میں اور آپؐ کے ذریعے سے مذہبِ حقّہ، دینِ قیّم کی تعلیمات سے کفر و شرک کا اندھیرا دور ہوا اور توحیدِ الٰہی اور اسلام کے ظہور کا اجالا ہوا اور راہِ حق واضح ہوئی۔ جیسا کہ خود ان مفسرانِ کرام حضرات نے اس کی صاف تصریح فرمائی ہے۔

علامہ خازن فرماتے ہیں۔ تفسیر خازن ص۲۳/۲

یعنی محمدًا صلی اللہ علیہ وسلم انما سماہ نورًا لانہ یھتدی بالنور فی الظلام

یعنی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو نور اس لئے فرمایا کہ آپؐ سے کفر و شرک کے اندھیروں میں راہِ حق معلوم ہوئی۔

صاحب مدارک علامہ نسفیؒ جن کا قول پہلے قرآن کے بارے میں گذر چکا ہے فرماتے ہیں ص۲۱۴/۱

او النور محمد علیہ السلام لانہ یھتدی بہ کما یھتدی بالنور فی الظلام کما سمی سراجا

یا نور سے مراد محمد علیہ السلام ہیں۔ کیونکہ روشنی سے اندھیرا دور ہوتا ہے آپؐ سے بھی گمراہی کے اندھیرے دور ہوئے۔ جیسا آپؐ کو سراج روشن چراغ فرمایا گیا ہے۔

عقل و دیانت سے غور کیا جائے تو ذرا بھر بھی شبہ اور کوئی اشکال نہیں رہتا کہ جن مفسرین نے نور سے مراد آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی مراد لی ہے ان میں سے کسی نے بھی اس آیت، اور لفظ نور سے آپؐ کی بشریت یا آپؐ کے سایہ کی نفی پر استدلال نہیں کیا۔ بلکہ سب نے اس اطلاق کو استعارہ قرار دے کر اس سے نورِ ہدایت، ہدایت کی روشنی مراد لی ہے۔ اور آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نورِ ہدایت ہونے کا کسی مسلمان کو انکار نہیں ہو سکتا۔ بلکہ آپؐ سراجًا منیرًا ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مفسرین حضرات رحمہم اللہ نے قرآن اور حضورؐ کے نورِ ہدایت کے اس استعارہ کو وصفِ اتحادی میں بیان فرمایا ہے۔

چنانچہ خاتم المفسرین سند المحدثین حضرۃ العلامۃ قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں

وسمّی محمدًا صلی اللہ علیہ وسلم و القراٰن نورًا لکونھما کاشفین لظلمات الکفر (تفسیر مظھری ص۶۷/۳ وکذا فی البحر المحیط ص۴۴۸/۳)

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن مجید دونوں نور ہیں اس لئے کہ دونوں

سے کفر کے اندھیرے دُور ہوئے۔

اس وصفِ اتحادی کے قول سے وُہ اشکال بھی دور ہو جاتا ہے کہ نور سے مراد حضورؐ اور کتاب سے مراد قرآن مجید ہو تو دو چیزیں الگ الگ ہوئیں۔ اور يَهْدِي بِهِ اللهُ میں ہ ضمیر کا مرجع کس کی طرف ہو گا۔ معلوم ہو گیا کہ دونوں ایک جیسے نور ہیں جن سے کفر و شرک کے اندھیرے دُور ہوئے اور حقانیت کا اجالا ہُوا اور وصفِ نور ہمیشہ مفرد استعمال ہوتا ہے کیونکہ اس کی حقیقت ایک ہی ہے جیسے ارشاد باری ہے

وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ (قرآن مجید پارہ ۷ رکوع ۷)

اور اندھیروں کے مقابلہ میں اجالا بنایا

نور کے متعلق غیر مستند روایات

میلاد و فضائل کی عام خوش اعتقادی اور عجائب پرستی کی خوش فہمی نے جن مناکیر اور موضوعات کو روایات کا درجہ دیا۔ خصوصاً مدت سے میلاد کی محفلوں کی عام شہرت و زینت کا سرمایہ چلی آرہی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ عوام الناس اس سلسلہ میں نعوذ باللہ کتاب اللہ سے بھی زیادہ ان کو قطعی حجت سمجھے بیٹھے ہیں۔ جہلاء کا بھی اتنا قصور نہیں۔ ان کو کچھ اسی اہمیت سے باور کرا کر اس پر پختہ کیا جاتا ہے۔
تشنگیٔ حقیقت کی خاطر ان روایتوں سے صرف چند ہدیۂ ناظرین کی جا رہی ہیں ان شاء اللہ اصل حقیقت کھل کر خود بخود آپ کے سامنے آجائے گی

روایت ۱: یہ روایت تقریباً عام طور پر اکثر زبانوں پر جاری ہے
اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ (یعنی سب سے پہلے خدا نے اپنے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے نور کو پیدا کیا۔ اور پھر اس نور کے چار حصے کئے۔ ایک حصے سے قلم، دوسرے سے لوح، تیسرے سے عرش و کرسی۔ چوتھے حصے سے آسمان و

زمین - جن و انس - ملائکہ وغیرہ تمام اشیاء اسی نُور سے پیدا کیں - مختصر۔

روایت ۲ : کہ یہ نور پہلے ہزاروں برس سجدہ میں پڑا رہا - پھر حضرت آدمؑ کے جسم کا چراغ بنا - پھر آدمؑ نے مرتے وقت حضرت شیثؑ کو اپنا وصی بنا کر یہ نور ان کے سپرد کیا - اسی طرح درجہ بدرجہ سلسلہ بہ سلسلہ یہ نور ایک سے دوسرے پیغمبر کو سپرد ہوتا ہوا **حضرت عبداللہ** کو سپرد ہؤا اور **حضرت عبداللہ سے حضرت** آمنہ کو منتقل ہؤا - وغیرہ -

روایت ۳ : کہ یہ نور جب عبدالمطلب کو (بلوغت کے وقت) سپرد ہؤا تو وہ ایک دن خانہ کعبہ میں سوئے ہوئے تھے - سو کر اُٹھے تو دیکھا کہ ان کی آنکھوں میں سرمہ اور بالوں میں تیل لگا ہے - اور بدن پر جمال اور رونق کا خلعت ہے - یہ دیکھ کر وہ ششدر رہ گئے - آخر کار ان کے باپ قریش کے ایک کاہن کے پاس لے گئے - اس نے کہا کہ آسمانوں کے خدا نے اجازت دی ہے کہ اس لڑکے کا نکاح کر دیا جائے - اس نور سے عبدالمطلب کے بدن سے خوشبو آتی تھی - اور نور اُن کی پیشانی پر چمکتا تھا - مختصر۔

روایت ۴ : کہ عبدالمطلب ایک مرتبہ یمن گئے تھے وہاں ان کے پاس ایک کاہن آیا - اور ان کی اجازت سے ان کے دونوں نتھنوں کو دیکھ کر بتایا کہ ایک ہاتھ میں نبوت اور دوسرے ہاتھ میں بادشاہی کی علامت ہے - تم بنو زہرہ کی کسی لڑکی سے جا کر شادی کر دو -

روایت ۵ : کہ حضرت عبداللہ کی پیشانی میں جب یہ نُور چمکا - تو ایک عورت جو کاہنہ تھی اس نے نور کو پہچانا - اور چاہا کہ وہ عبداللہ سے ہمبستر ہوکر اس نور کی امین بن جائے - مگر یہ سعادت اس کی قسمت میں نہ تھی - اس وقت عبداللہ نے جماع کرنے سے عذر کیا - اور گھر چلے گئے - وہاں یہ دولت آمنہ کو نصیب ہوئی - عبداللہ نے واپس آکر اس کاہنہ سے اب خود درخواست کی - تو اس نے رد کر دی کہ اب وہ نور تمہاری پیشانی سے منتقل ہو چکا ہے -

روایت ۶ : کہ عبدمناف اور بنی مخزوم کی دو سو عورتیں گنی گئیں جو اسی غم میں مرگئیں کہ عبداللہ سے ان کو دولت حاصل نہ ہوئی۔ اور انہوں نے شادی نہیں۔ یعنی عمر بھر کنواری رہیں۔ اور قریش کی کوئی عورت ایسی نہ تھی جو اسی غم میں بیمار نہ پڑ گئی ہو۔

اسی کہانی پر اردو میلاد خوانوں اور مؤلفین نے یہ حاشیہ آرائی کی کہ اس رات دو سو عورتیں رشک وحسد کے جذبۂ عشق میں تڑپ کر مرگئیں۔

اظہارِ حقیقت کے لئے انہیں پر اکتفا کیا جاتا ہے کیونکہ حقیقت میں یہ روایات نہیں حکایات وکہانیاں ہیں۔ اور ان کا سلسلہ کافی طویل ہے۔ مشتے نمونہ از خروارے کے مشہور مقولہ کے مطابق اتنا ہی سیمپل کافی ہے۔ مذکورۃ الصدر روایات یا انہی جیسی دوسری روایتوں پر انفرادی بحث بے موقعہ ونامناسب ہے۔ کیونکہ کسی بھی حالت میں اس کتاب کو مناظرانہ رنگ آمیزی سے ہم ملوث کرنا نہیں چاہتے۔ البتہ فہم وتدبر کے لئے اصولی طور پر دو باتوں کی وضاحت کر دینا ضروری ہے جس سے ایسی تمام حدیثوں کی روایتی حیثیت بالکل کھل جائے گی۔

بات (۱) پہلی بات جو ذاتی طور پر ہم کہنا چاہتے ہیں وہ یہ ہے کہ ان روایتوں کا غیر مستند، ضعیف، اور موضوع ہونا اس سے بالکل واضح ہے کہ یہ روایتیں صحیح بخاری میں نہیں ہیں۔ بقولِ علماء دین کے کہ "اصح الکتب بعد کتاب اللہ صحیح البخاری" (قرآن مجید کے بعد کتابوں میں صحیح کتاب بخاری شریف ہے۔ اور نہ ہی صحیح مسلم میں ہے دونوں صحیحین میں ان روایتوں کا قطعاً کوئی ذکر نہیں۔ نہ بخاری شریف میں اور نہ مسلم شریف میں۔ بلکہ کتبِ صحاح کا تمام ذخیرہ ان روایات سے یکسر خالی ہے اور صحاح ستہ میں ان کا کوئی نام ونشان نہیں۔ یہ بات دعویٰ کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ آج تک ان روایتوں میں سے کسی بھی روایت کو صحاح ستہ سے ثابت نہیں کیا جاسکتا۔ پھر کوئی مائی کا لال ان کو قطعیات اور یقینیات کا درجہ دے کر ان پر عقائد کی بنیاد کیسے رکھا سکتا ہے

بات (۲) ان روایات کی عدم صحت اور روایتی حیثیت کے متعلق ہم اپنی طرف

سے کچھ نہیں کہتے۔ یہاں تک کہ ایک لفظ تک بھی نہیں کہنا چاہیے۔ بلکہ ائمۂ محدثین رحمہم اللہ جو حدیث پاک کے بڑے بڑے عالم اور اس فن کے ماہر ہیں انہوں نے جو کچھ اصولی طور پر فرمایا ہے اسی کو نقل کر کے یہاں درج کر دیتے ہیں۔ ناظرین پر خود واضح ہو جائیگا کہ یہ روایتیں حقیقۃً کیا ہیں؟

یہ روایتیں تمام تر تیسری اور چوتھی صدی میں یعنی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دنیا سے رخصت ہونے کے تین چار سو سال بعد کو روایت کی گئیں اور لکھی گئیں۔ ان کے حقیقی موجد عام واعظین اور نعت خوان اور میلاد خوانوں کا گروہ ہے۔ یہ فرقہ عموماً علم سے محروم ہوتا ہے۔ اور صحیح روایات تک اس کی دسترس نہیں ہوتی اور نہ ہی ان کا یہ مقصد ہوتا ہے۔ بلکہ ان کا مقصد عجیب وغریب دلچسپ اور حیرت انگیز واقعات سے محفل کو گرم کرنا اور مجلس کو رونق دار بنانا اور عوام کو ہنسا اور رُلا کر خوش کر کے ان سے دادِ تحسین حاصل کرنا۔ اور اس سارے کا مجموعی نچوڑ شکم پروری (پیٹ پالنا) ہوتا ہے

محدث جلیل علامہ ابن قتیبہؒ (المتوفی سنہ ۲۷۶ھ) جو ان روایات کے پھیلنے کے وقت خود موجود تھے اور بڑے صاف اور واضح انداز میں فرماتے ہیں کہ احادیث، در روایات میں فساد اور خرابی تین راستوں سے آئی۔ من جملہ ان کے ایک راستہ واعظین ہیں۔

والقصاص فانهم يميلون وجوه العوام اليهم ويستدرّون ما عندهم بالمناكير و الغرائب والاكاذيب من الاحاديث ۔ ومن شان العوام القعود عند القاص ما كان حديثهم عجيبًا خارجًا عن قطر العقول او كان رقيقا يحزن القلوب ويستغرز العيون (آخر كتاب اللآلى المصنوعة ص ۲۴۹)

اور واعظین۔ کیونکہ وہ عوام کا رُخ اپنی طرف پھیرنا چاہتے ہیں اور جو کچھ اُن کے پاس ہے اس کو اخذ منکر اور عجیب وغریب باتیں بیان کر کے وہ وصول کرتے ہیں۔ اور عوام کی حالت یہ ہے کہ وہ اسی وقت تک ان واعظین کی مجلس میں بیٹھتے ہیں جب تک وہ خارج از عقل باتیں یا ایسی مؤثر باتیں بیان کرتے ہیں جو اُن کے دلوں میں اثر پیدا کریں اور خوب آنسو بہائیں یعنی رُلائیں۔

اسی حقیقت کو حافظ سیوطیؒ، علامہ ابن جوزیؒ کی کتاب "الموضوعات" کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

احدھما القصاص ومعظم البلاء منہم یجیری لانہم یریدون احادیث تنفق وترقق والصحاح یقل فیہ ھذا۔ ثم ان الحفظ لیثق علیہم ویتفق عدم الدین و ھم یحضر ھم جھال (آخر کتاب اللآلی المصنوعۃ ص۲۴۹)

جھوٹی حدیثیں بنانے والوں میں ایک واعظوں کا گروہ ہے اور سب سے زیادہ بڑی مصیبت انہیں سے پیش آتی ہے۔ کیونکہ وہ ایسی حدیثیں چاہتے ہیں جو مقبولِ عام اور مؤثر ہوسکیں۔ اور صحیح حدیثوں میں یہ بات نہیں۔ اس کے علاوہ صحیح حدیثوں کا یاد رکھنا ان کو مشکل ہے اور ان میں دینداری نہیں ہوتی اور ان کی محفلوں میں جاہلوں ہی کا مجمع ہوتا ہے۔

ان واعظوں کی جھوٹی حدیثیں گھڑنے کی مہارت اور بے خوفی اور بے باکی کا تذکرہ متاخرین میں علامہ کبیر ملا علی القاری نے "الموضوعات الکبیر" کے مقدمہ میں کیا ہے لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ اتفاقاً امام احمد بن حنبل اور مشہور محدث یحییٰ بن معین دونوں نے ایک مسجد الرصافہ میں نماز پڑھی نماز کے بعد ایک واعظ نے کھڑے ہوکر وعظ شروع کر دیا اور کہا،

حدثنا احمد بن حنبل ویحیی بن معین قالا حدثنا عبدالرزاق عن معمر عن قتادۃ عن انسؓ قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من قال لا الٰہ الا اللہ خلق اللہ تعالیٰ من کل کلمۃ منہا طیرًا منقارہٗ من ذہب الیٰ اٰخرہٖ

کہ ہمیں حدیث بیان کی امام احمد بن حنبل اور امام یحییٰ بن معین نے دونوں نے کہا کہ ہمیں حدیث بیان کی عبدالرزاق نے معمر سے معمر نے قتادہ سے اور قتادہ نے حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اور حضرت انسؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص نے لا الٰہ الا اللہ کہا اس کے لئے اللہ تعالیٰ ہر لفظ کے بدلے ایک پرندہ پیدا کرتے ہیں جس کی چونچ سونے کی ہوتی ہے وغیرہ، تو وعظ کے دوران ہی امام احمد بن حنبل اور امام یحییٰ بن معین ر

ایک دوسرے کے مُنہ کو دیکھنے لگے اور ایک دوسرے سے پوچھا کہ کیا واقعی تو نے یہ حدیث بیان کی ہے؟ تو دونوں صاحب بڑے تعجّب اور حیرانگی سے ایک دوسرے کو جواب دیتے ہیں۔ خدا کی قسم! میں نے یہ حدیث بیان کرنا تو درکنار آج تک سُنی ہی نہیں۔ صرف آج اِس سے سُن رہا ہوں۔

واعظ جب وعظ ختم کر چکا تو امام یحییٰ بن معینؒ نے کہا کہ تُو نے یہ حدیث کس سے سُنی؟ کہنے لگا کہ احمد بن حنبلؒ اور یحییٰ بن معین سے۔ تو فرمایا۔ ظالم! یحییٰ بن معین تو میں ہوں اور یہ احمد بن حنبل ہیں۔ ہم نے تو آج تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث نہیں سنی۔ تو وہ کہنے لگا کہ تو یحییٰ بن معین ہے؟ میں سنتا تھا کہ یحییٰ بن معین احمق ہے (نعوذ باللہ) آج مجھے یقین ہو گیا کہ واقعی تُو احمق ہے۔ کیا احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین تم دونوں سے سوا اور کوئی نہیں۔ میں نے ستّرہ احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین کے نام سے کتابیں لکھی ہیں۔ تو دونوں بزرگ اس جھوٹے اور مسخرے کی اس بات سے حیران اور ششدر رہ گئے۔ اور وہ مسخرہ کذّاب دونوں بزرگوں کا مذاق اُڑاتے ہوئے چل دیا (الموضوعات الکبیر ص۱ ملّا علی القاریؒ)

ملا علی القاری ان دروغ گو واعظین میں سے ایک اور واعظ کی مبالغہ آمیز من گھڑت حدیث کے بیان کرنے کا ذکر کرتے ہیں۔

کہ بغداد میں ایک واعظ نے قرآن پاک کی آیت عَسٰٓی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا کی تفسیر میں یہ حدیث بیان کی کہ "قیامت میں اللہ تعالیٰ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے ساتھ عرش پر بٹھائے گا" امام ابن جریر طبریؒ نے سُنا تو بہت برہم ہوئے اور اپنے دروازہ پر یہ فقرہ لکھ کر لگا دیا کہ "خدا کا کوئی ہمنشین نہیں"۔ اس پر بغداد کے لوگ عوام سخت برافروختہ ہوئے اور امام موصوف کے گھر پر اس قدر پتھر برسائے کہ دروازے ڈھک گئے (الموضوعات الکبیر ص۱۹)

بہر حال عشق نبوی کے رنگ میں فضائل و مناقب کی رنگینی کے شوق میں قصّہ گو واعظوں نے اس بے احتیاطی اور نڈر پنے سے روایتیں گھڑیں کہ کتابوں کی کتابیں لکھ ماریں۔

ملّا علی القاریؒ نے اسی الموضوعات ص۱ میں علّامہ ابن جوزیؒ کے حوالہ سے اس کو بیان کیا ہے

اور تیسری اور چوتھی صدی میں بعض اچھے اور معتبر اور بلند ترین بزرگوں سے بھی اسی جذبۂ فضائل و مناقب کی وجہ سے یہ فروگذاشت اور تساہل ہوا کہ صحیح اور غلط۔ قوی ضعیف مشہور و منکر۔ ہر قسم کی روایتوں کو جمع کر کے واقعات کا انبار لگا دیا۔ ان معتبر اور مستند محدثین کو خود اس بات کا اقرار ہے۔

علامہ زرقانی شرح المواہب اللدنیہ میں ان تمام سیرت و فضائل و مناقب کی کتابوں اور ان کے مصنفین محدثین کی اس تساہل کی عام عادت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

لان عادۃ المحدثین التساھل فی غیر الاحکام والعقائد (شرح المواہب ج۱ ص۱۴۲)

یہ اس لئے کہ محدثین کی عادت ہے کہ وہ عقائد اور احکام کے علاوہ دوسری روایتوں میں نرمی سے کام لیتے ہیں

اس سے بھی زیادہ واضح انداز میں علامہ سیوطیؒ نے اس کا اقرار کرتے ہوئے اس گرہ کو صاف کھول کر رکھ دیا ہے۔ چنانچہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کے موقعہ پر عام کتب میلاد میں جو عجیب و غریب واقعات مذکور ہیں۔ ان کو اپنی کتاب خصائص کبریٰ میں نقل کر کے لکھتے ہیں۔

ھٰذا الاثر والاثران قبلہ فیھا نکارۃ شدیدۃ ولم اورد فی کتابی ھٰذا اشدّ نکارۃ منھا ولم تکن نفسی تطیب بایرادھا لکن تبعتُ الحافظ ابی نعیم فی ذٰلک (خصائص ج۱ ص۴۹)

اس روایت اور اس سے پہلے دو روایتوں میں سخت نامعتبر منکر باتیں ہیں اور میں نے اس سے زیادہ اپنی اس کتاب میں ناقابلِ اعتبار باتیں نہیں لکھیں۔ میرا دل ان کے لکھنے کو نہیں چاہتا تھا۔ لیکن حافظ ابونعیم کی پیروی کرتے ہوئے لکھ دی ہیں۔

روایتوں کی اس مختصر سی تنقیدی بحث میں حاشا و کلا بزرگوں سے عدمِ اعتمادی کا اظہار نہیں۔ اور میرا خدا جانتا ہے کہ قطعاً ان بزرگوں کے بذاتِ خود معتبر اور مستند نہ ہونے کا ادنیٰ سا شبہ بھی نہیں۔ اور اس تنقیدی بحث کی غرض (نعوذ باللہ) فضائل نبوی کا انکار اور مناقبِ نبوی میں کلام نہیں۔ بلکہ اس بحث سے اس اعتقاد کا اظہار مقصود ہے کہ آقائے دوجہان سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ پاک کی طرف جو بات بھی منسوب کی جائے وہ ہر طرح صحیح ہو۔

خاص نکتہ

اس موقعہ پر ایک خاص نکتہ لحاظ کے قابل ہے۔ کہ بعض عظیم القدر مصنفین حضرات نے اس جذبۂ محبت میں کہ فضائل و مناقب میں ضعیف احادیث کے بیان کرنے میں کوئی حرج نہیں بغیر نقد و جرح کے ضعیف اور غیر مستند بلکہ موضوعات تک کو نقل کر دیا۔ اور بعض ثقات محدثین اور علم حدیث کے اکابرین روایتوں اور راویوں کے نقد و بحث اور جانچ اور پڑتال میں اتنے سخت گیر تھے کہ ایک روایت کو بھی بغیر تحقیق اور کاوش کے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب نہیں کرتے تھے جیسا کہ مسلّم ہے کہ حدیث و روایت میں امام بخاری اور امام مسلم رحمہما اللہ سے بڑھ کر کوئی شخص اس فن کا کامل پیدا نہیں ہوا۔ ان کو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبّت اور خلوص اور شیفتگی تھی۔ اس لحاظ سے بھی وہ تمام محدثین پر ممتاز تھے۔ اس کے باوجود فضائل و مناقب کے متعلق جس قسم کی مبالغہ آمیز روایتیں بیہقی، ابونعیم، بزاز، طبرانی وغیرہ میں پائی جاتی ہیں بخاری اور مسلم میں ان کے نام و نشان کا پتہ نہیں لگتا۔ بلکہ اس قسم کی جو حدیثیں نسائی، ابن ماجہ، ترمذی، وغیرہ میں پائی جاتی ہیں صحیحین میں وہ بھی مذکور نہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ جس قدر بھی تحقیق و تحیص اور تدقیق و تنقید کا درجہ بڑھتا جاتا ہے۔ اسی قدر مبالغہ آمیز غیر مستند روایتیں گھٹتی جاتی ہیں۔

احباب کرام کے افہام و تفہیم کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔

اہل علم حضرات اسماء الرجال اور کتب موضوعات خصوصًا ملّا علی القاریؒ کی الموضوعات الکبیر، امام الہند شاہ ولی اللہ المحدث الدہلویؒ کی حجۃ اللہ البالغہ اور علامہ شبلی نعمانی اور سیّد سلیمان ندوی رحمہم اللہ تعالیٰ کی سیرۃ النبیؐ جلد اول یا جلد سوم میں تفاصیل ملاحظہ فرما دیں۔

تیسری صورت

قارئین حضرات! سلسلۂ کلام کے قدرے طویل ہو جانے سے کافی فاصلہ پڑ گیا ہے۔ آپ اپنے ذہن کو سابقہ مضمون کی طرف متوجہ کریں اور اپنے حافظہ کا رشتہ اُس "کیوں" کی بحث کے ساتھ جوڑیں۔

تین صورتیں تھیں۔ پہلی صورت کہ نبوّت کے اعلان سے پہلے نبیؐ کی پاکیزہ اور مطہر زندگی سب کے نزدیک مسلّم ہوتی ہے۔ دوسری صورت۔ اعلانِ نبوّت کے بعد نبی کے سامنے دو گروہ ہوتے ہیں مؤمن اور کافر۔ مؤمن نبی کو بشر بھی مانتے ہیں اور رسول اللہ بھی مانتے ہیں۔ اور کافر بشر تو مانتے ہیں مگر رسول اللہ نہیں مانتے "کیوں؟"

اس کیوں کا جواب دوسری صورت کی تفصیل میں دیا جا چکا ہے۔ کہ رسول اور نبی کو بشر ماننے سے ان کے عقیدۂ شرکیہ پہ زد پڑتی تھی۔ اس لئے وہ رسالت کا انکار تو کر دیتے تھے مگر اپنا عقیدہ نہیں بدلتے تھے۔

اب تیسری صورت کہ انبیاء کرام علیہم السلام کو رحلت اور وفات کے بعد لوگ کس طرح مانتے ہیں؟ اس کی تفصیل بھی ملاحظہ فرمائیں تاکہ بشریّتِ انبیاء کے مسئلہ کی پوری حقیقت (کالشمس نصف النہار) دوپہر کے سورج کی طرح روشن ہو جائے۔

اگرچہ موحدین مسلمانوں کا اعتقاد انبیاء کرام علیہم السلام کے متعلق یہی تھا کہ وہ اللہ کے بندے اور اس کے سچے رسول ہیں۔ مگر کفار و مشرکین کا اعتقاد یہ تھا کہ وہ رسول تھے۔ مگر بشر، انسان اور بندے نہیں تھے۔

ایک ہی منطق

یہاں ایک حقیقت نہایت قابلِ غور ہے۔ زندہ داعیِ توحید اللہ کے پیارے رسول کو کہتے ہیں کہ تو بشر ہے رسول نہیں۔ اور فوت شدہ کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ رسول تھے مگر بشر نہیں۔ رسول بھی سب ہی لڑی کے موتی ہیں۔ اور کفار بھی ایک ہی ڈھیر کا

گھڑا ہیں۔ مگر زندگی اور موت کے حالات کے ان کے خیالات و اعتقادات میں یہ اتنا بڑا الٹ پھیر کیسا ہے ؟

اگر غور سے سوچا جائے تو کفار کے دونوں افکار و اذہان میں ایک ہی منطق کام کر رہی ہے ۔ اور وہ ہے عقیدۂ شرکیہ کی خرابی ۔ دونوں خیالوں سے ایک ہی نتیجہ نکلتا تھا کہ بَشَر رسول نہیں ہوتا۔ اور اسی سے ان کا مطلب حل ہوتا تھا۔ کیونکہ وہ رسول کو خدا کا جزد اور خدائی طاقتوں کا مالک وغیرہ سمجھتے تھے ۔

اسی کے ساتھ ایک سوال کیا جاسکتا ہے کہ جب کفار سامنے اور موجود پیغمبر کو بشر کہہ کر نبی نہیں مانتے تو گذرے ہوئے پیغمبر کے متعلق کیسے سمجھ لیا کہ وہ انسان اور بشر نہ تھے ؟

یہ سوال بڑا معقول اور وزن دار ہے مگر اس کا جواب بہت آسان اور سادہ ہے ۔ سوال کے جواب کا تعلق عقلی اور فکری انداز سے کوئی تعلق نہیں ۔

دراصل بَشَر کو رسول نہ ماننے کا کفار کے متفقہ خیال کی بنیاد عقیدۂ شرک تھا؛ اور شرک محض وہم پرستی تھی۔ شرک کی بنیاد وہم و گمان اور جھوٹی باتوں پر تھی ۔ یہی وہم پرستی اور خوش اعتقادی اور بے سروپا جھوٹی حکایتیں گذشتہ رسولوں کی بشریت کے انکار کی بنیاد تھیں۔ بلکہ سامنے تو پیغمبر کی بشریت کا بداہۃً وہ مشاہدہ کرتے تھے جو ایک یقینی بات تھی اس کو کسی وجہ سے بھی ٹھکرانے یا اس سے انکار کرنے کی کوئی صورت نہیں ہو سکتی تھی ۔ اور گذشتہ انبیاء کے متعلق ٹھوس اور اصل حقیقت کے علاوہ محض توہمات اور صرف فرضی ڈھکوسلے بازی سے بشریت کا انکار کرتے تھے۔ اسی منطق کو نظر رکھتے ہوئے کفار حس مشاہدہ سے بشریت کا اقرار کر کے نبوت و رسالت کا انکار کرتے تھے ، اللہ تعالیٰ اسی مشاہدہ کو بشریت اور رسالت کے ثبوت کا جواب فرماتے ہیں۔

بشر اور انسان کی مشہور اور مخصوص تخلیقی پہچان
اور
معروف اوصاف و اصناف

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ (قرآن مجید پارہ ۱۴ رکوع ۳)

ترجمہ اور بلاشبہ ہم نے انسان کو پیدا کیا سڑے ہوئے گارے کی بجتی ہوئی مٹی سے۔

یہ انسان کون تھے ؟ حضرت سیدنا ابوالبشر آدم علیہ السلام

اٰدَمَ۔ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ (قرآن مجید پارہ ۳ رکوع ۱۴)

آدم علیہ السلام کو پیدا کیا مٹی سے

ایک آدمؑ سے سب انسان پیدا ہوئے

یٰاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِیْرًا وَّنِسَآءً (قرآن مجید پارہ ۴ رکوع ۱۲)

اے لوگو! اپنے ربّ سے ڈرو جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا۔ اور اسی (آدمؑ) سے اس کی بیوی کو پیدا کیا۔ اور ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلائیں۔

سب انسانوں کی تخلیق کا مادہ کیا ہے۔

وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَاۤ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ (پ ۲۱ ع ۶)

اور اسی اللہ کی قدرت کی نشانیوں سے ہے کہ تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر اب تم بشر ہو چلتے پھرتے۔

نسلِ بشر کس طرح پھیلی۔

وَمِنْ اٰیٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَیْهَا وَجَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً (قرآن مجید پارہ ۲۱)

اور اسی اللہ کی قدرت کی نشانیوں سے ہے کہ تمہارے لئے تمہاری جنس کی بیویاں

بنائیں تاکہ تم ان کی طرف آرام پاؤ اور تمہارے میاں بیوی کے درمیان محبت اور الفت و رحمت پیدا کی۔

میاں بیوی کے رشتہ سے کئی ناطے متعلق اور جڑے ہوئے ہیں۔

پہلا ناطہ : خاندان اور سسرال۔

وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ مِنَ الْمَآءِ بَشَرًا فَجَعَلَهٗ نَسَبًا وَّصِهْرًا ۚ وَكَانَ رَبُّكَ قَدِيْرًا (قرآن مجید پارہ ۱۹ رکوع ۳)

اور اس اللہ کی ذات نے پانی سے بشر کو پیدا کیا۔ پھر اس کو خاندان اور سسرال والا بنایا۔

دوسرا ناطہ : اولاد

يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۙ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا ۚ وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا (قرآن مجید پارہ ۲۵ رکوع ۶)

اور اللہ دیتا ہے جسے چاہے لڑکیاں۔ اور دیتا ہے جسے چاہے لڑکے۔ یا لڑکے اور لڑکیاں دونوں دیتا ہے۔ اور جسے چاہے کچھ نہیں دیتا۔

یہ ہے حقیقت بشر۔ جس کی تفصیل قرآن مجید میں موجود ہے۔ میاں بیوی۔ ماں باپ اور اولاد۔ ساس سسرال اور داماد۔ بھائی اور بہن۔

ان سب رشتوں کی تفصیلات۔ باپ دادا پردادا وغیرہ۔ بیٹا پوتا پڑپوتا وغیرہ ماں نانی وغیرہ۔ لڑکی دیوتی وغیرہ

غرضے کہ ایک بشر کے کتنے رشتے اور ناطے ہیں۔

اور اسی طرح کے لوازمات ہیں۔ کھانا۔ پینا۔ چلنا پھرنا۔ سونا جاگنا۔ صحت و بیماری۔ مرنا جینا وغیرہ سیکڑوں لوازمات و ضروریات ہیں۔

ایک زبردست مناظرہ

اس کتاب کا انداز اور مدعا مناظرانہ نہیں۔ اس لئے ہم اس پُر زور مناظرے کا ذکر کر کے مناظرانہ طرز کو ہوا نہیں دینا چاہتے۔ بلکہ مناظروں کے سلسلہ کا سدّ باب کرنا چاہتے ہیں۔ کیونکہ آج اس عنوان پر مناظروں تک کے چیلنج کئے جاتے ہیں اور بڑے بڑے مناظرے کئے جاتے ہیں۔ حالانکہ اس پر بہت قدیم سے مناظرہ ہو چکا ہے۔ کسی جدید مناظرے کی کوئی حاجت نہیں۔ صرف اسی پرانے مناظرہ کی پوری روئداد عوام کے سامنے رکھ دی جائے، تو نئے مناظرہ کی قطعاً ضرورت نہیں رہتی۔ کتاب اللہ میں اس مناظرہ کی روئداد اتنی دلچسپ اور ایسی شاندار ہے کہ اس کی نظیر نہیں ہو سکتی۔ یہ اتنا بڑا زبردست مناظرہ ہے کہ ایک طرف کفار و مشرکین پورے دلائل کے زور و شور اور عینی شواہدات اور بدیہی بیّنات سے اپنے دعویٰ پر استدلال پیش کرتے ہیں کہ یہ رسول نہیں بشر ہے۔ اور دوسری طرف رسول اور خود ذاتِ باری تعالیٰ اللہ ربّ العالمین بشر ہی کو رسالت کے عظیم الشان منصب کا اہل قرار دیتا ہے۔ بلکہ واضح شہادت سے ان کے دعویٰ کی تردید و تکذیب کرتا ہے اور اعلان فرماتا ہے کہ رسول بشر ہی ہوتے ہیں۔ اور جن کو تم رسول مانتے ہو اور بشر نہیں مانتے تم جھوٹے ہو وُہ سب کے سب انبیاء بشر تھے اور سب میں بشری لوازمات و اوصاف تخلیقی اور جنسی لحاظ سے بدرجۂ اتم تھیں۔

مزے کی بات ہے کہ مناظرہ صرف کفار و مشرکین اور خدا و رسولوں کے درمیان ہے۔ مؤمنین موحدین کو اللہ تعالیٰ نے بیچ میں ملوّث نہیں ہونے دیا تاکہ کوئی یہ نہ کہے کہ ہم ان گستاخوں کی بات نہیں مانتے۔

کفار و مشرکین کا موقف و استدلال

مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ

قرآن پارہ ۱۸ رکوع ۳

یہ رسول نہیں مگر تم جیسا بشر ہے۔ کھاتا ہے جو تم کھاتے ہو۔ اور پیتا ہے جو کچھ تم پیتے ہو۔

وَقَالُوْا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْكُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ (پارہ ۱۸ رکوع ۱۶)

اور کہتے ہیں کہ یہ کیسا رسول ہے روٹی کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔

اَوَعَجِبْتُمْ اَنْ جَآءَكُمْ ذِكْرٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ مِّنْكُمْ لِیُنْذِرَكُمْ (پ ۸ ع ۱۶)

کیا تم اس بات پر تعجب کرتے ہو کہ تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت کا پیغام تمہیں میں سے ایک مرد پہ کیسے آگیا کہ وہ تمہیں ڈرائے۔

اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَیْنَآ اِلٰى رَجُلٍ مِّنْهُمْ (پارہ ۱۱ ع ۶)

کیا لوگوں کو اس بات سے حیرانی ہے کہ انہیں میں سے ایک مرد پہ ہم نے وحی بھیجی۔

وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ (پارہ ۲۳ رکوع ۱۰)

اور انہیں یہی حیرانی ہے کہ انہیں میں سے ڈرانے والا کیسے آگیا؟

بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ (پارہ ۲۶ رکوع ۱۵)

بلکہ انہیں یہی تعجب ہوا کہ انہیں میں سے ڈرانے والا کیسے آگیا؟

الحاصل کفار کا یہ موقف تھا کہ جو ہمیں سمجھانے اور ڈرانے کے لئے آیا ہے۔ یہ رسول نہیں۔ بھلا یہ کیسے نبی ہو سکتا ہے جب کہ ہماری طرح کا آدمی ہے کھاتا پیتا سوتا جاگتا اٹھتا بیٹھتا چلتا پھرتا خرید و فروخت سب ضروریات میں ہماری طرح ہے۔ اور اوصاف و لوازمات بشریت میں بھی ہماری طرح ایک مرد ہے جس کے وہ تمام رشتے ناطے بیوی بچے اولاد بھائی بہن قوم خاندان باپ دادا سب ہیں۔

جواب خدا بزبان مصطفیٰ

تمام رسول بشر تھے اور کھاتے پیتے بازاروں میں خرید و فروخت کے لئے آتے جاتے چلتے پھرتے تھے۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَیَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَ

يَمْشُوْنَ فِى الْاَسْوَاقِ (قرآن مجید پارہ ۱۸ رکوع ۱۷)

اور ہم نے آپ سے پہلے جتنے رسول بھیجے سب کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے۔

وَمَا جَعَلْنَاهُمْ جَسَدًا لَّا يَأْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَمَا كَانُوْا خَالِدِيْنَ (پارہ ۱۷ رکوع ۱)

اور ہم نے اُن رسولوں کے ایسے وجود نہیں بنائے جو کھانا نہ کھاتے ہوں اور نہ ہی وہ حضرات ہمیشہ رہنے والے تھے۔

مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ كَانَا يَاْكُلَانِ الطَّعَامَ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ (قرآن مجید پ ۶ ع ۱۴)

نہیں مسیح بن مریم مگر ایک رسول ہے جس سے پہلے کئی رسول گذر چکے ہیں اور اس کی ماں سچی ولیہ ہے۔ دونو روٹی کھاتے تھے۔ دیکھ ہم کس طرح کھول کھول کر دلیلیں بتلاتے ہیں۔ پھر دیکھ کہاں الٹے جا رہے ہیں۔

رسول سب مرد تھے۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى (پارہ ۱۳ رکوع ۶)

اور ہم نے آپؐ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر سب مرد تھے بستی والوں میں سے۔ ہم ان کی طرف وحی بھیجتے رہے۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْ اِلَيْهِمْ فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ[1]

اور ہم نے آپؐ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر سب مرد تھے ان کی طرف ہم نے وحی کی۔ اگر تم نہیں جانتے تو اہل علم سے پوچھ لو۔

وَمَا اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْ اِلَيْهِمْ فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ[2]

اور ہم نے آپؐ سے پہلے سب مرد ہی رسول بھیجے۔ پس اس بات کو اہل علم سے پوچھ کر معلوم کر لو اگر تم نہیں جانتے۔

رسولوں کی بیبیاں بھی تھیں۔ اور اولاد بھی تھی۔

---

[1] پارہ ۱۴ رکوع ۱۲ [2] پارہ ۱۷ رکوع ۱۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّ ذُرِّيَّةً (پارہ ۱۳ رکوع ۱۲)

اور یقیناً ہم نے آپؐ سے پہلے ایسے بہت رسول بھیجے کہ ان کی بیویاں بھی تھیں اور اولاد بھی۔

رسول صاحب اولاد تھے اور خود بھی آدمؑ کی نسل سے ایک دوسرے کی اولاد تھے

اُولٰئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ مِنْ ذُرِّيَّةِ اٰدَمَ (پارہ ۱۶ رکوع ۴)

یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا نبیوں سے سب آدمؑ کی اولاد ہیں۔

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّ اِبْرٰهِيْمَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ (پ ۲۷ ع ۲۰)

اور بے شک ہم نے نوحؑ اور ابراہیمؑ کو رسول بنا کر بھیجا۔ اور ان دونوں کی اولاد میں نبوّت اور کتاب جاری رکھی۔

وَجَعَلْنَا لَهٗ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ (پارہ ۲۰ رکوع ۱۵)

اور ہم نے ابراہیمؑ کو اسحاق بیٹا اور یعقوبؑ پوتا دیا۔ اور ان کی اولاد میں نبوت اور کتاب کا سلسلہ چلایا۔

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰٓى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ (پارہ ۳ رکوع ۱۲)

بے شک اللہ نے چن لیا آدمؑ کو اور نوحؑ کو اور آلِ ابراہیمؑ اور آلِ عمرانؑ کو جہان والوں پر سب ایک دوسرے کی اولاد تھے۔

رسول باپ دادا اور بھائی بہنوں اور بیوی بچوں یعنی خاندان کنبہ قبیلے والے تھے۔ بہت سے رسولوں کے نام ذکر کرنے کے بعد ارشادِ ربانی ہے

وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ

اور ان کے باپوں میں سے اور اولادوں اور بھائیوں میں سے ہم نے چنے۔ اور انہیں صراطِ مستقیم دکھائی۔

اس عظیم الشان مناظرے کی روئیداد بلا تبصرہ نقل کر دی گئی ہے۔ تبصرہ کا حق ہم ناظرین کرام کو دیتے ہیں ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا سوچ و بچار اور فکر و تدبر سے کام لو۔ کہ میلاد خانوں کی حکایات نے لوگوں کو کس گورکھ دھندے میں پھنسا اور الجھا رکھا ہے۔

حضرات! اس بحث کا طرز و انداز اثباتی نہیں۔ بلکہ بشریت انبیاء کی یہ ساری بحث صرف لفظ **کیوں** کے جواب میں تھی۔ ورنہ بشریت کے ثبوت کے لئے قرآن مجید میں تقریباً ایک ہزار آیات بلاواسطہ اور بالواسطہ اس مسئلہ سے متعلق ہیں۔ اور احادیث پاک کا بہت بڑا ذخیرہ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، قربانی، جہاد، نکاح، قضا، اور جملہ معاشرتی مسائل و معاملات کا تعلق براہِ راست اس مسئلہ سے ہے۔

چونکہ یہ مسئلہ اسلام کے مسلمات اور ضروریاتِ دین میں اصولی مسئلہ ہے جس کے ساتھ اعتقاد رکھنا عین ایمان اور اس کا انکار صریحاً کفر ہے اس لئے اس مسئلہ پر صرف خلاصۃ العالمیان خاتم النبیین سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم کی بشریت پر احادیث پاک سے مختصر دلائل پیش کئے جاتے ہیں

احادیث شریفہ

ارشاداتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

دلیل ۱ ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت ہے کہ

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قال انما انا بشر الخ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں تو ایک انسان ہوں

اور تم اپنے جھگڑے میرے سامنے پیش کرتے ہو اور شاید گفتگو میں تم میں سے بعض بعض سے زیادہ فصیح اللسان ہو اور میں اس کے حق میں فیصلہ کر دوں پس اگر میں اس کے بھائی کے حق میں سے کسی چیز کا فیصلہ کر دوں تو وہ اس کو نہ لے کیونکہ (اس صورت میں) اس کو آگ کا ٹکڑا کاٹ کر دے رہا ہوں (صحیح بخاری و صحیح مسلم مشکوٰۃ

المصابیح باب الاقضیۃ والشہادات ۳۲۲)

مطلب یہ ہے کہ میں ایک بشر ہوں۔ اور بشر غیب اور امور ومعاملات کی باطنی حقیقت سے عموماً باخبر نہیں ہوتا جب تک اللہ تعالیٰ اسے کسی چیز کی حقیقت پر مطلع نہ فرمائیں۔ ہوسکتا ہے کہ میں کسی لسّان وطرار اور زبان آور آدمی کے بیان اور غلط شہادت کے پیشِ نظر کسی مسلمان کا حق دوسرے کے حوالے کر دوں تو وُہ یہ نہ سمجھے کہ میرے فیصلہ سے وہ چیز اس کے لئے حلال ہوگئی ہے۔ قطعاً نہیں! بلکہ وہ اس کے لئے آگ کا ایک انگارہ ہے۔ اسے چاہیئے کہ اُسے نہ لے۔

غور فرمائیے! جو مبارک الفاظ قرآن کریم میں ہیں وہی الفاظ اس ارشادِ رسول صلے اللہ علیہ وسلم میں ہیں انما انا بشرٌ

دلیل ۲ حضرت عبداللہ بن مسعود رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی پانچ رکعت نماز پڑھائی۔ عرض کیا گیا۔ کیا نماز زیادہ ہوگئی؟ ارشاد فرمایا کیا بات ہے؟ لوگوں نے عرض کیا آپ نے پانچ رکعت نماز پڑھی ہے پس آپؐ نے دو سجدے فرمائے اور ایک روایت میں ہے

قَالَ انما انا بشر مثلکم انسیٰ کما تنسون فاذا نسیتُ فذکّرونی (متفق علیہ مشکوٰۃ المصابیح باب السہو ص۹۲ بخاری ص۵۸ مسلم ص۲۱۲ وص۲۱۳ وابوداؤد ص۱۴۷ وابن ماجہ ص۸۶

آپ نے ارشاد فرمایا کہ مَیں تو تم ہی جیسا بشر ہوں۔ میں بھی بھول جاتا ہوں جیسا کہ تم بھول جاتے ہو۔ پس جب میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دلا دیا کرو۔

اللہ اللہ! کس قدر واضح ارشاد ہے بشریّت کا۔ اس سے زیادہ پُرزور انداز میں اقرار واعلان ممکن ہی نہیں۔ اور پھر الفاظ بالکل قرآنی ہیں۔

دلیل ۳ حضرت رافعؓ بن خدیج سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (اوّل اوّل) مدینہ تشریف لائے۔ اور اہلِ مدینہ کھجوروں میں تابیر کرتے تھے (اہل مدینہ مادہ کھجوروں میں نر کھجوروں کے پھول ڈالتے تھے کہ پھل زیادہ آئیں اسے تابیر کہتے ہیں) آپؐ نے فرمایا یہ تم کیا کرتے ہو؟ انہوں نے کہا ہم اسی طرح کیا کرتے ہیں،

ارشاد فرمایا اگر تم ایسا نہ کرتے تو اچھا ہوتا۔ پس انہوں نے تابیر ترک کر دی۔ تو (اس سال) کھجوروں پر پھل کم آیا۔ لوگوں نے آپؐ سے اس کا ذکر کیا

فقال انما انا بشر اذا امرتکم بشئ من امر دینکم فخذوا به واذا امرتکم بشئ من رایی فانما انا بشر (رواہ مسلم۔ مشکوٰۃ المصابیح[۲۸] باب الاعتصام بالکتاب والسنة)

تو ارشاد فرمایا میں تو ایک انسان ہی ہوں، جب میں تمہیں دینی امور میں کسی بات کا حکم دوں تو اس کو قبول کرو۔ اور جب (خاص دنیوی معاملہ میں) اپنی عام انسانی رائے سے کوئی امر کروں تو سوائے اس کے نہیں کہ میں ایک انسان ہوں۔ اسے مسلم نے روایت کیا۔

یعنی امورِ دین و معاملاتِ شرع میں آپؐ کا ہر امر و ارشاد من جانب اللہ ہوتا ہے اور اس کا مدار وحی و الہام پر ہوتا ہے لہٰذا وہ بہرحال واجب التعمیل ہے لیکن —— دنیاداری سے متعلق امور مثلاً کھیتی باڑی علاج معالجہ وغیرہ میں آپؐ کا ارشاد جو آپؐ کی عام انسانی رائے پر مبنی ہوتا ہے، فقط مشورہ اور رائے ہے۔

دلیل ۴ حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

انا سید الناس یوم القیٰمة (متفق علیه۔ مشکوٰۃ المصابیح باب الحوض و الشفاعة)

قیامت کے دن تمام انسانوں کا سردار میں ہوں

دلیل ۵ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

اَنَا سید ولد اٰدم یوم القیٰمة واول من ینشق عنه القبر واول شافع و اول مشفع (رواہ مسلم مشکوٰۃ المصابیح باب فضائل سید المرسلین)

قیامت کے دن اولادِ آدمؑ کا سردار میں ہوں۔ اور سب سے پہلے میری قبر کھولی جائے گی۔ اور پہلا شفاعت کرنے والا میں ہوں گا۔ اور سب سے پہلے میری ہی شفاعت قبول کی جائے گی۔

دلیل ۶ حضرت ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا

انا سید ولد آدم یوم القیٰمۃ ولا فخر رواہ الترمذی
میں قیامت کے دن اولادِ آدم کا سردار ہوں۔ اور یہ فخر و مباہات کے طور پہ نہیں کہہ رہا (بلکہ اظہارِ حقیقت اور تحدیثِ نعمت کے طور پہ کہہ رہا ہوں)

دلیل ۷ حضرت انس رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے
انا اول الناس خروجا اذا بعثوا وانا اکرم ولد آدم علی ربی رواہ الترمذی والدارمی۔ مشکوٰۃ المصابیح باب الحوض والشفاعۃ)
جب (قیامت میں) لوگ کھڑے ہوں گے تو میں سب انسانوں سے پہلے (قبرِ اقدس سے) اٹھوں گا۔ اور میں عند اللہ تمام اولاد آدم سے زیادہ بزرگ ہوں۔

دلیل ۸ ترمذی، طبرانی، ابن مردویہ، ابونعیم، اور بیہقی نے (دلائل میں) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک طویل حدیث میں فرمایا۔
وانا اتقی ولد آدم واکرمهم علی اللہ تعالیٰ ولا فخر (روح المعانی فی تفسیر انما یرید اللہ لیذھب)
میں اللہ تعالیٰ کے نزدیک تمام اولادِ آدمؑ سے زیادہ پرہیزگار اور سب سے زیادہ بزرگ ہوں۔ اور یہ فخر کی بات نہیں۔

احادیث بالا میں سید الناس، سید ولد آدم، اول الناس، اکرم ولد آدم اور اتقی ولد آدم کے الفاظ شریفہ حضرتؐ کے انسان اور آدمؑ ہونے پہ واضح دلالت کر رہے ہیں۔ آپؐ دنیا اور آخرت میں تمام بنی آدم کے سید اور تمام انسانوں کے سردار ہیں صلی اللہ علیہ وسلم

دلیل ۹ حضرت ابوہریرہ رض سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔
سلوا اللہ الوسیلۃ قالوا یا رسول اللہ وما الوسیلۃ قال اعلیٰ درجۃ فی الجنۃ لاینالها الا رجل واحد وارجوان اکون انا هو رواہ الترمذی مشکوٰۃ المصابیح باب الحوض والشفاعۃ
تم میرے لئے اللہ سے وسیلہ کی دعا کرو۔ عرض کیا یا رسول اللہ وسیلہ کیا ہے؟ فرمایا کہ جنت میں اعلیٰ درجہ ہے۔ اسے ایک ہی آدمی پائیگا اور میں امید کرتا ہوں کہ میں ہی آدمی ہوں

دلیل ۱۰ حضرت واثلہؓ بن الاسقع سے روایت ہے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپؐ فرماتے تھے ۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کنانہ کو چُن لیا اور کنانہ سے قریش کو منتخب فرمالیا ۔ اور قریش سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم سے مجھے منتخب فرمالیا ۔ اسے مسلم نے روایت کیا ۔ اور ترمذی کی روایت ہے ۔ بیشک اللہ تعالیٰ نے اولادِ ابراہیمؑ سے اسمٰعیلؑ کو چُن لیا اور اولادِ اسماعیل میں سے بنو کنانہ کو منتخب کیا ۔
(مشکوٰۃ المصابیح باب فضائل سید المرسلین)

دلیل ۱۱ حضرت عباسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر کھڑے ہوئے اور فرمایا میں کون ہوں ؟ صحابہؓ نے عرض کیا آپ اللہ کے رسول ہیں ۔ آپ نے فرمایا ۔

انا محمد بن عبد الله بن عبد المطلب . ان الله خلق الخلق فجعلني في خيرهم ثم جعلهم فرقتين فجعلني في خيرهم فرقةً ثم جعلهم قبائل فجعلني في خيرهم قبيلة ثم جعلهم بيوتًا فجعلني في خيرهم بيتًا فانا خيرهم نفسا وخيرهم بيتا رواه الترمذي ۔ مشكوٰة المصابيح باب فضائل سيد المرسلين)

میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں ۔ اللہ تعالیٰ نے خلق (جن و انس) کو پیدا کیا پس مجھے ان میں سے بہتر (انسانوں) میں سے بنایا ۔ پھر انسانوں کو دو فرقے (عرب عجم) بنایا ۔ سو مجھے ان میں سے بلحاظ فرقہ کے بہتر (عرب) میں سے بنایا ۔ پھر ان کے قبائل بنائے ۔ سو مجھے باعتبار قبیلہ کے ان میں سے بہتر (قریش) میں سے بنایا ۔ پھر قریش کے خاندان بنائے سو مجھے باعتبار خاندان کے بہتر (بنی ہاشم) میں سے بنایا ۔ پس میں ذات کے لحاظ سے بھی سارے انسانوں میں سے بہتر ہوں ۔ اور نسب کے اعتبار سے بھی سب سے بہتر ہوں ۔

اِن دو احادیث کریمہ میں یہ ارشاد فرمایا کہ آپؐ اولاد ابراہیمؑ و اولادِ اسماعیلؑ میں سے ہیں ۔ آپؐ اولادِ آدمؑ ہیں ۔ اِنسان ہیں ۔ اور انسانوں سے ذاتی اور نسبی

طور پہ اعلیٰ اور افضل ہیں۔ نہ صرف آپؐ تمام انسانوں سے افضل ہیں۔ بلکہ جس خاندان، جس قبیلے، اور جس فرقے سے آپ کا تعلق ہے وہ خاندان سب خاندانوں سے، وہ قبیلہ سب قبیلوں سے، اور وہ فرقہ سب فرقوں سے افضل و اشرف ہے۔

دلیل ۱۲ اللھم انما انا بشر (اے میرے اللہ! میں بشر ہی تو ہوں۔

دلیل ۱۳ حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللھم انما انا بشر (الٰہی میں ایک بشر ہی تو ہوں)

دلیل ۱۴ حضرت جابر رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا اللھم انما انا بشر (الٰہی سوا اس کے نہیں کہ میں ایک انسان ہوں)

دلیل ۱۵ حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

اللھم اِنّی اتخذ عندک عھدًا لن تخلفنیہ فانما انا بَشَرٌ

الٰہی میں نے آپ سے عہد لے رکھا ہے آپؐ اس کے خلاف نہ فرمائیں پس میں تو ایک آدمی ہوں۔

دلیل ۱۶ حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا۔ آپؐ فرماتے تھے۔

اللھم انما محمد بشر یغضب کما یغضب البشر

الٰہی! سوائے اس کے نہیں کہ محمد ایک بشر ہے۔ وہ غصے میں بھی آتا ہے جیسے دوسرے انسان غصے میں آتے ہیں

دلیل ۱۷ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم سے سنا آپؐ فرماتے تھے۔

انما انا بشر (میں تو صرف ایک بشر ہوں)

دلیل ۱۸ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ کی والدہ محترمہ حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اپنے

پروردگار سے عرض کی انما انا بشر ارضی کما یرضی البشر واغضب کما یغضب البشر
سوائے اس کے نہیں کہ میں بشر ہوں۔ میں خوش ہوتا ہوں جس طرح بشر خوش
ہوتے ہیں۔ اور میں ناراض (بھی) ہوتا ہوں جیسے بشر ناراض ہوتے ہیں۔

غور فرمائیے! ان ارشادات میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کس طرح مختلف
عنوانات و اسالیب کے ساتھ اپنی بشریت کو واضح فرمایا ہے۔

اللھم انما انا بشر، فانما انا بشر، اللھم انما محمد بشر، انما انا بشر، جتنے انداز
اور صیغے ممکن تھے ہر انداز اور ہر صیغے سے آپ نے اپنی بشریت کا اعلان فرمایا۔ اور
ہر جگہ ہر صورت اور ہر طریق و اسلوب میں انما کلمۂ حصر کے ساتھ جس طرح کلمہ حصر کے
ساتھ اللہ کی وحدانیت کو پیش فرمایا مثلاً

اِنَّمَا اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ، انما الله اله واحد، انما هو اله واحد،

اسی طرح کلمۂ حصر کے ساتھ اپنی بشریت کو پیش فرمایا۔ قرآن کریم میں بھی' اور
اپنے ارشادات میں بھی۔ مثلاً قرآن کریم میں قل انما انا بشر مثلکم۔ پھر کس طرح
صراحت و وضاحت سے اس مثلیت کو پیش فرمایا کہ جس طرح دوسرے بشر خوش ہوتے
ہیں' اسی طرح میں خوش ہوتا ہوں۔ اور جس طرح دوسرے بشر ناخوش و ناراض
ہوتے ہیں اسی طرح میں بھی ناخوش و ناراض ہوتا ہوں۔

اللہ اللہ! کس غیر مبہم انداز و اسلوب سے نفس بشریت میں اپنا دوسروں کی
مثل ہونا واضح طور فرمایا۔ کہیں کوئی یہ نہ سمجھ بیٹھے کہ میں برائے نام اور بظاہر بشر ہوں
اور حقیقت میں کچھ اور ہوں جیسے بعض جہلاء نے کہا ہے کہ ؎

محمدؐ سرِ مخفی ہے، کوئی رمز اس کی کیا جانے
شریعت میں تو بندہ ہے' حقیقت میں خدا جانے

حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان ارشادات میں اس فریب کا پردہ چاک فرما کر حقیقت
کو واشگاف الفاظ میں بیان فرما دیا کہ محمدؐ صرف بظاہر بشر نہیں درحقیقت

بھی بشر ہے۔ اور برائے نام بشر نہیں بلکہ اوصاف و لوازم بشریت میں بھی دوسرے انسانوں کے ساتھ شریک ہے۔ جس طرح دوسرے بشر خوش و ناخوش ہوتے ہیں اسی طرح محمدؐ بھی خوش و ناخوش ہوتا ہے۔ یغضب کما یغضب البشر صلی اللہ علیہ وسلم۔

دلیل ۱۹ حضرت زیدؓ بن ارقم سے روایت ہے۔ فرمایا ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان مکہ اور مدینہ کے درمیان ایک پانی (چشمہ) کے مقام پر جسے خُم کہا جاتا ہے خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے۔ پس اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان فرمائی پھر وعظ و تذکیر فرمائی پھر فرمایا اما بعد الا یا ایھا الناس فانما انا بشر یوشك ان یأتی رسول ربی فاجیب انی تارك فیکم ثقلین اولھما کتاب اللہ فیہ الھدٰی والنور فخذوا بکتاب اللہ واستمسکوا رواہ مسلم۔ مشکوٰۃ المصابیح باب مناقب اھل بیت النبی)

خبردار! اے لوگو! سوائے اس کے نہیں کہ میں ایک بشر ہوں قریب ہے کہ میرے رب کا قاصد (ملک الموت پیغام وفات لے کر) آجائے اور میں قبول کر لوں (یعنی میں وفات پا جاؤں) بلاشبہ میں تمہارے پاس دو چیزیں چھوڑ جاتا ہوں ان میں سے ایک کتاب اللہ ہے جس میں ہدایت اور نور ہے۔ پس تم کتاب اللہ کو (مضبوطی سے) پکڑو اور اس سے تمسک کرو۔

قربان جائیے حضور پاک کے! صلی اللہ علیہ وسلم! کس طرح اپنی بشریت کو بیان فرما رہے ہیں کہ جس طرح دوسرے بشر وفات پا جاتے ہیں اسی طرح میں بھی ایک دن داعیٔ اجل کو لبّیک کہہ کر جامِ وفات پی لوں گا۔

دلیل ۲۰ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم اذان سنو تو جس طرح مؤذن کہتا ہے تم بھی اسی طرح کہو۔ پھر مجھ پر درود پڑھو کہ جس نے مجھ پر ایک دفعہ درود پڑھا، اللہ تعالیٰ اس پر دس دفعہ رحمت بھیجے گا۔ پھر میرے لئے اللہ سے "وسیلہ" کی دعا کرو۔ "وسیلہ" جنت میں ایک اعلیٰ درجہ ہے۔

لا ینبغی الا لعبد من عباد اللہ وارجو ان اکون انا ھو
وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں میں سے صرف ایک بندہ کے لائق ہے۔ اور مَیں امید کرتا ہوں کہ وُہ مَیں ہوں گا۔
پس جس نے میرے لئے وسیلہ کی دُعا کی اس کے لئے (میری شفاعت) حلال ہو گئی (مشکوٰۃ المصابیح باب فضل الاذان)

دلیل ۲۱ حضرت مغیرہؓ سے روایت ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز تہجد گذاری یہاں تک کہ آپؐ کے قدمَین شریفین متورّم ہو گئے۔ آپؐ سے عرض کیا گیا، آپؐ اس طرح کیوں کرتے ہیں حالانکہ آپؐ کی اگلی پچھلی لغزشیں سب بخش دی جا چکی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا اَفَلَا اَکُوْنُ عَبْدًا شکورًا (یعنی کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ (متفق علیہ۔ مشکوٰۃ المصابیح باب التحریض علی قیام اللیل)

دلیل ۲۲ حضرت ابوسعید خدری رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر بیٹھے اور فرمایا اِنَّ عَبْدًا خَیَّرَہُ اللہُ (یعنی بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا ہے کہ دنیا کے حسن و بہار میں سے جو چاہے اللہ اسے عطا فرمائے یا جو اللہ تعالیٰ کے ہاں نعمتیں ہیں وہ چاہے۔ تو اس بندے نے وہ اختیار کیا جو اللہ تعالیٰ کے ہاں ہے۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیقؓ رو پڑے (لوگوں کو بعد میں معلوم ہوا کہ) وہ اختیار حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دیا گیا تھا۔ اور حضرت ابوبکر صدیق ہم سب سے زیادہ عالم تھے (متفق علیہ۔ مشکوٰۃ المصابیح باب وفات النبیؐ)

ادعیۂ نبویہ

دلیل ۲۳ حضرت حذیفہؓ سے ترمذی، اور حضرت براءؓ سے مسند احمد اور حضرت حفصہؓ سے ابوداؤد میں روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب سونے کا ارادہ فرماتے تو اپنا دایاں ہاتھ رخسار مبارک کے نیچے رکھ کر تین بار کہا کرتے تھے اللھم قنی عذابك یوم تبعث عبادك (یعنی الٰہی جس دن تو اپنے بندوں کو اٹھائیگا

اس دن تو مجھے اپنے عذاب سے بچا (مشکوٰۃ المصابیح باب مایقول عند الصباح والمساء والمنام)
اس دعاء میں حضورؐ اپنے آپ کو بھی عباد اللہ میں شامل کرکے قیامت کے دن عذاب الہٰی سے بچاؤ کی دعاء مانگ رہے ہیں

دلیل ۲۴ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے تشہد میں یہ دعاء مانگا کرتے تھے۔ اللھم انی اعوذ بك من عذاب القبر واعوذ بك من فتنة المسیح الدجال واعوذ بك من فتنة المحیا والممات اللھم انی اعوذ بك من المأثم والمغرم (یعنی اے اللہ عذاب قبر سے میں تیری پناہ مانگتا ہوں اور دجّال کے فتنے اور زندگی اور موت کے فتنے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ الہٰی میں قرض اور گناہ سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں (متفق علیہ مشکوٰۃ المصابیح باب الدعاء فی التشہد)

عذاب قبر، فتنۂ دجّال، فتنۂ حیات وممات اور گناہ اور قرض انسانوں ہی سے متعلق ہیں۔حضرت ان سب سے خدا کی پناہ مانگ رہے ہیں۔تو حضورؐ کی بشریّت ثابت ہوئی

دلیل ۲۵ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعا کیا کرتے تھے۔ اللھم انی اعوذ بك من الھم والحزن والعجز والکسل والجبن والبخل وضلع الدین وغلبة الرجال (یعنی الہٰی! میں غم واندوہ سے اور عاجزی وکاہلی سے، بزدلی اور بخیلی سے اور قرض کے بوجھ سے اور لوگوں کے غلبہ سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ (متفق علیہ۔مشکوٰۃ المصابیح باب الاستعاذۃ)

دلیل ۲۶ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم دعاء مانگا کرتے تھے کہ الہٰی! میں سستی وکاہلی اور انتہائی بڑھاپے اور قرض اور گناہ سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اے اللہ! میرے گناہوں کو برف اور اولوں کے پانی سے دھو دے اور میرے دل کو ایسا پاک صاف کردے جیسے سفید کپڑا میل کچیل سے پاک وصاف ہوتا ہے اور میرے اور میری خطاؤں کے درمیان اتنا بُعد ڈال دے جتنا بُعد مشرق ومغرب کے درمیان ہے۔اے اللہ! میں آگ کے عذاب

سے، آگ کے فتنہ سے، قبر کے فتنہ سے، قبر کے عذاب سے، دولت کے فتنے سے، افلاس کے فتنہ سے، اور مسیح دجال کے فتنہ سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں۔

دلیل ۲۷ حضرت زیدؓ بن ارقم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے اللھم انی اعوذ بک من العجز والکسل والجبن والبخل والھرم وعذاب القبر (یعنی اے اللہ! میں عاجزی سے، کاہلی سے، بزدلی سے، بخل سے، انتہائی بڑھاپے سے، اور قبر کے عذاب سے تیری پناہ مانگتا ہوں (رواہ مسلم مشکوٰۃ المصابیح باب الاستعاذہ)

دلیل ۲۸ حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یتعوذ من خمس من الجبن والبخل وسوء العمر وفتنۃ الصدر وعذاب القبر پانچ چیزوں سے خدا کی پناہ مانگا کرتے تھے بزدلی سے، بخل سے، عمر کے انتہائی بڑھاپے سے اور دل کے فتنے (اخلاق ذمیمہ و عقائد باطلہ) سے اور عذاب قبر سے (ابوداؤد والنسائی۔ مشکوٰۃ المصابیح)

دلیل ۲۹ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دعا مانگا کرتے تھے اللھم انی اعوذ بک من الفقر والقلۃ والذلۃ واعوذ بک من ان اظلم او اُظلَم (یعنی اے اللہ! میں افلاس اور نیکیوں یا مال کی کمی اور ذلت سے تیری پناہ مانگتا ہوں اور کسی پر ظلم کرنے اور کسی کے ظلم سے تیری پناہ مانگتا ہوں (رواہ ابوداؤد والنسائی مشکوٰۃ المصابیح۔

دلیل ۳۰ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہا کرتے تھے الٰہی! میں بھوک سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ انسان کی بدترین ساتھی ہے۔ اور میں خیانت سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ بدترین صفت ہے۔ (ابوداؤد۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ مشکوٰۃ باب الاستعاذہ)

دلیل ۳۱ حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول اللھم انی اعوذ بک من البرص والجذام والجنون ومن سیئ الاسقام

فرمایا کرتے تھے الٰہی میں برص کوڑھ دیوانگی اور تمام بُری بیماریوں سے تیری پناہ طلب کرتا ہوں (رواہ ابوداؤد والنسائی۔ مشکوٰۃ المصابیح

دلیل ۳۲ حضرت ابوالیسرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقول اللھم انی اعوذ بک من الھدم واعوذ بک من التردی ومن الغرق والحرق والھرم واعوذ بک من ان یتخبطنی الشیطان عند الموت .....

فرمایا کرتے تھے اے اللہ! میں اپنے اوپر مکان وغیرہ گرنے سے اور خود اونچی جگہ سے گرنے سے اور غرق ہونے سے اور جلنے سے اور انتہائی بڑھاپے سے تیری پناہ مانگتا ہوں۔ اور اس سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کہ شیطان موت کے وقت مجھے پریشان کرے اور اس سے تیری پناہ مانگتا ہوں کہ میں تیری راہ میں لڑتے ہوئے بھاگ کھڑا ہوں اور مارا جاؤں اور اس سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کہ میں سانپ بچھو وغیرہ کے کاٹنے سے مروں (ابوداؤد والنسائی۔ مشکوٰۃ باب الاستعاذہ)

مندرجہ بالا آٹھ ادعیۂ نبویہ میں غم وفکر، عجز وکسل، بزدلی، بخل، قرض، مغلوبیت انتہائی بڑھاپے، گناہ، عذاب النار، عذاب قبر، دولت کے فتنہ، افلاس کے فتنہ، مسیح دجال کے فتنہ، عقائد باطلہ، فقر وافلاس، قلت وذلت، ظلم کرنے، مظلومیت، بھوک، خیانت، برص، جذام، جنون، امراض خبیثہ، مکان کے نیچے دب کر، یا بلندی سے گر کر، یا پانی میں ڈوب کر، یا آگ میں جل کر وفات پانے اور وفات پانے کے وقت شیطان کے شر اور جہاد فی سبیل اللہ سے فرار اور سانپ وغیرہ کے کاٹنے سے وفات پانے سے خدا کی پناہ طلب کی گئی ہے۔

اور تمام روایات میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عموماً یہ دعائیں مانگا کرتے تھے۔ اور یہ تمام امور خصائص انسانی ولوازم بشریت جمیع امور بشریہ سے متعلق ہیں۔ لہٰذا ان تمام ادعیۂ مبارکہ سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت ثابت ہو گئی۔

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام

اب دیکھئے کہ حضرات انبیاء و رسل حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا کہتے ہیں۔

دلیل ۳۳ حضرت آدم علیہ السلام۔ معراج کی طویل حدیث میں حضرت مالک بن صعصعہ روایت کرتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں معراج کی رات کا حال سناتے ہوئے فرمایا۔ "مجھے براق پر سوار کیا گیا اور مجھ کو جبرائیل علیہ السلام لے چلے یہاں تک کہ آسمان دنیا تک پہنچے ...... میں وہاں پہنچا تو حضرت آدم (علیہ السلام) موجود ہیں۔ جبرائیل (علیہ السلام) نے کہا ھٰذا ابوک آدم (یہ آپ کے باپ آدم (علیہ السلام) ہیں۔ آپ ان کو سلام کہیے۔ میں نے ان کو سلام کہا۔ انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا اور کہا مرحبًا بالابن الصالح والنبی الصالح (مرحبا صالح بیٹے اور نبی صالح) (متفق علیہ۔ مشکوٰۃ باب فی المعراج)

دلیل ۳۴ حضرت یحییٰ، حضرت عیسیٰ، حضرت یوسف، حضرت ادریس، حضرت ہارون، حضرت موسیٰ علیہم السلام۔

اسی حدیث میں ہے کہ اسی طرح دوسرے، تیسرے، چوتھے، پانچویں، اور چھٹے آسمان پر جبرائیل علیہ السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو لے کر پہنچے (اور اسی طرح مختلف آسمانوں پر جبرائیلؑ نے کہا یہ یحییٰ ہیں۔ یہ عیسیٰ ہیں۔ یہ یوسف ہیں۔ یہ ادریس ہیں یہ ہارون ہیں۔ یہ موسیٰ ہیں (علیہم السلام) آپ ان کو سلام کہئے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پس میں نے ان کو سلام کیا۔ انہوں نے میرے سلام کا جواب دیا۔ پھر سب نے کہا مرحبًا بالاخ الصالح والنبی الصالح (مرحبا صالح بھائی اور صالح نبی) (متفق علیہ۔ مشکوٰۃ المصابیح باب فی المعراج۔

دلیل ۳۵ سیدنا ابراہیم علیہ السلام۔ ا

اسی طرح اسی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (اسی طرح) جبرائیل مجھے لے کر ساتویں آسمان کی طرف چڑھے۔ وہاں پہنچے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام

موجود ہیں - جبرائیلؑ نے کہا ھٰذا ابوك ابراھیم (یہ آپؐ کے والد ابراہیم علیہ السلام ہیں آپ ان کو سلام کہئے۔ پس میں نے ان کو سلام کہا - انہوں نے سلام کا جواب دیا - پھر کہا مرحبا بالابن الصالح والنبی الصالح (مرحبا نیک بیٹے اور نیک نبی (متفق علیہ)

ان شواہد و حقائق سے یہ حقیقت کھل گئی کہ اولوالعزم حضرات انبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام کی ارواح مقدسہ بھی عالم مثال میں جسم مثالی سے ممثل ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ابن آدمؑ یعنی آدمی ہونے کی شہادت دے رہی ہیں - اور ملأ اعلیٰ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بشریت کے اعلان سے گونج رہے ہیں۔

حضرات ملائکۃ اللہ علیہم السلام

حضرات انبیاء علیہم السلام کے بعد اب دیکھئے کہ حضرات ملائکۃ اللہ علیہم السلام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کیا سمجھتے اور کیا کہتے ہیں۔

دلیل ۳۶ سیدنا حضرت جبرائیل علیہ السلام ۔

حدیث معراج میں دو دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت جبرائیل علیہ السلام نے کہا ھٰذا ابوك ادم (یہ آپ کے باپ حضرت آدمؑ ہیں) ھٰذا ابوك ابراھیم (یہ آپ کے والد حضرت ابراہیمؑ ہیں (صحیح بخاری، صحیح مسلم۔ مشکوٰۃ المصابیح باب فی المعراج)

دلیل ۳۷ منکر اور نکیر علیہما السلام

حضرت انس رضؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ کہ جب بندہ قبر میں دفن کیا جاتا ہے تو فرشتے پوچھتے ہیں مَا کنت تقول فی ھٰذا الرجل (تو اس آدمی کو کیا سمجھتا تھا) - مؤمن کہتا ہے اشھد انه عبد الله ورسوله (میں گواہی دیتا ہوں کہ بلاشبہ وہ حضرت محمدؐ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ اور منافق اور کافر سے جب پوچھا جاتا ہے ماکنت تقول فی ھٰذا الرجل (تو اس مرد کے حق میں کیا کہتا تھا؟) تو وہ جواب دیتا ہے میں نہیں جانتا...... پس وہ لوہے کے ہتھوڑوں سے پیٹا جاتا ہے اور وہ چیختا چلاتا ہے جسے انس و جن کے سوا اس کے

قریب والے سب سنتے ہیں (متفق علیہ ولفظہ للبخاری۔ مشکوٰۃ المصابیح باب اثبات عذاب القبر)
اس حدیث کا مضمون صحیح بخاری اور صحیح مسلم دونوں میں ہے۔ لیکن یہ الفاظ صحیح بخاری کے ہیں۔

دلیل ۳۸ ترمذی شریف میں بھی اس مضمون کی روایت ہے۔ حضرت ابوہریرہ رض کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب میّت قبر میں دفن کی جاتی ہے۔ اس کے پاس دو سیاہ رنگ اور نیلی آنکھوں والے (ہیبت ناک) فرشتے آتے ہیں۔ ان میں سے ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہا جاتا ہے۔ وہ دونوں سوال کرتے ہیں، مَاكُنْتَ تَقُوْلُ فِيْ هٰذَا الرَّجُلِ (تو اس آدمی کے حق میں کیا کہتا تھا) تو وہ کہتا ہے، هو عبد الله ورسوله اشهد ان لا اله الا الله وان محمدا عبده ورسوله آگے حدیث میں یہ مضمون ہے کہ اس کیلئے قبر بہت وسیع اور منور کر دی جائے گی۔ اور قیامت تک چین کی نیند سوتا رہیگا۔ اور منافق اسی قسم کے سوال پر لا ادری کہیگا۔ پس زمین کو حکم دیا جائے گا۔ وہ اس پر اس حد تک تنگ ہو جائے گی کہ اُدھر کی پسلیاں اِدھر اور اِدھر کی پسلیاں اُدھر ہو جائیں گی اور قیامت تک اسی طرح معذّب رہے گا۔ (ترمذی ۔ مشکوٰۃ المصابیح باب اثبات عذاب القبر)

دلیل ۳۹ اس حدیث کے بعد براء بن عازب رضی اللہ عنہ کی روایت سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو حدیث احمد اور ابوداؤد سے منقول ہے اس میں فرشتے سوال کرتے ہیں مَا هٰذَا الرَّجُلُ الَّذِيْ بُعِثَ فِيْكُمْ یہ مرد جو تمہاری طرف بھیجا گیا تھا کیا منصب رکھتا ہے۔ فیقول هو رسول الله صلى الله عليه وسلم وہ کہتا ہے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

دلیل ۴۰ ابن ماجہ نے ابوہریرہ رض سے جو حدیث روایت کی ہے اس کے الفاظ ہیں۔ سوال کیا جائے گا مَا هٰذَا الرَّجُلُ فَيَقُوْلُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ، یہ آدمی کون ہیں؟ وہ جواب دے گا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں

خلاصہ

ان احادیث شریفہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ نجات کی بنیاد ایمان اور ایمان کی بنیاد حضورؐ کی بشریت ہے۔

خوش نصیب مؤمن کو دوزخ اور عذاب الیم سے نجات ملے گی تو نارِ جہنم سے نجات اور جنّت کے یہ نظارے محض ایمان کا ثمرہ ہے اور ایمان کی اصل اور اساس یہ ہے کہ حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رَجُل یعنی بَشَر تسلیم کیا جائے اور آپ کے عبد اللہ اور رسول اللہ ہونے کی شہادت دی جائے۔ جو بدقسمت حضورؐ کی نبوت وعبدیت کو نہیں مانتے وہ قبر میں عذابِ الیم میں مبتلا ہوں گے اور آخرت میں نارِ جہنم میں جلیں گے۔ اللہ ہر مسلمان کو حضورؐ کو رَجُل تسلیم کرنے بَشَر ماننے اور حضورؐ کی عبدیّت ورسالت کی تصدیق وشہادت کی توفیق عطا فرمائے۔ تاکہ قبر میں بھی سکون وراحت نصیب ہو۔ اور آخرت میں بھی جنّت ملے۔ بہرحال ان احادیث صحیحہ سے معلوم ہوگیا کہ حضرت جبریلؑ، منکر ونکیر وغیرہم ملائکۃ اللہ حضورؐ کو اولادِ آدمؑ اور بَشَر مانتے ہیں۔ نیز یہ حقیقت بھی منکشف ہوگئی کہ فرشتے آپؐ کو نہ صرف دنیا میں بَشَر (رَجل) جانتے اور مانتے ہیں بلکہ عالم برزخ میں بھی حضورؐ صلے اللہ علیہ وسلم کو رَجل (یعنی بشر) سمجھتے اور رجل (بشر) ہی کہتے ہیں۔

حدیث معراج سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرتؐ زمین پر بَشَر ہیں اور آسمان پر بھی بشری ہیں۔

بہرحال حضورؐ زمین پر ہوں یا آسمان پر، عالم دنیا میں ہوں یا عالم برزخ میں ہر جگہ اور ہر ظرف میں اولادِ آدمؑ ہیں، رَجُل ہیں، بَشَر ہیں صلی اللہ علیہ وسلم

سیکڑوں ارشادات

درحقیقت دفترِ حدیث میں سیکڑوں ارشاداتِ رسولؐ ایسے مل سکتے ہیں جن سے حضورؐ کی بشریّت ثابت ہے۔ مگر ہم انہی احادیث پر بس کرتے ہیں کہ ؎

دریائے خون بہانے سے اے چشم فائدہ؟ دو اشک بھی بہت ہیں اگر کچھ اثر کریں

حیات مقدسہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے شمائل سے بشریت کے دلائل

دلیل ۱ اکل وشرب

حضرت انس رض سے روایت ہے کہ ایک درزی نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے پر بلایا۔ میں بھی حضور ؐ کے ساتھ گیا۔ اس نے جَو کی روٹی اور خشک گوشت اور کدو کا شوربا پیش کیا۔

فرأیت النبی صلے اللہ علیہ وسلم یتتبع الدباءَ من حوالی القصعة. فلم ازل احب الدُّبّاء بعد یومئذ (متفق علیہ۔ مشکوٰۃ المصابیح کتاب الاطعمة)

میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپؐ پیالے کی اطراف میں کدو کو تلاش فرماتے تھے۔ اس دن کے بعد سے مَیں کدو کو بہت پسند کرتا ہوں۔

دلیل ۲

حضرت انس رض سے روایت ہے کہ کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم یتنفس فی الشراب ثلثًا (متفق علیہ۔ مشکوٰۃ المصابیح باب الاشربة)

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پیتے وقت تین بار سانس لیا کرتے تھے۔ یعنی ایک ہی سانس میں سارا مشروب نہیں پی لیا کرتے تھے۔ بلکہ درمیان میں تین وقفے لے کر نوش فرمایا کرتے تھے۔ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

دلیل ۳ کھانا پینا

حضرت ابو سعید خدری رض سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا فرغ من طعامہ قال الحمد للہ الذی اَطْعَمَنَا وسقٰینا وجَعَلنا مسلمین

جب کھانے سے فارغ ہو جاتے تو فرماتے، شکر ہے اللہ کا جس نے کہ ہمیں کھلایا پلایا اور مسلمان بنایا (ترمذی۔ ابوداؤد۔ ابن ماجہ)

دلیل ۴ حوائج ضروریہ بشریّۃ سے فراغت۔

حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء میں داخل ہوا کرتے تھے تو فرمایا کرتے تھے۔ اللهم انی اعوذ بك من الخبث و الخبائث (متفق علیہ باب اداب الخلاء۔)
میرے اللہ میں خبث وخبائث سے تیری پناہ میں آتا ہوں۔(صحیح بخاری ومسلم)

دلیل ۵ حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء سے نکلا کرتے تھے تو فرمایا کرتے تھے غفرانك (اے اللہ میری بخشش کا میں طالب ہوں)

دلیل ۶ ازواج مطہرات سے پیار۔

حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بعض ازواج کا بوسہ لیتے تھے۔ پھر نماز پڑھتے تھے۔ اور وضو نہیں فرماتے تھے (کیونکہ پہلے سے باوضو ہوتے تھے) يُقَبِّلُ بعض ازواجه ثم يصلی ولا يتوضأ (ابوداؤد۔ ترمذی نسائی۔ ابن ماجہ۔ مشکوٰۃ المصابیح باب مایوجب الوضوء)

دلیل ۷ وظیفۂ زوجیت کی ادائیگی۔

حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب جُنب ہوتے تھے، (یعنی جب آپؐ کو غسلِ جنابت کی حاجت ہوتی تھی۔ اور آپؐ کچھ کھانے یا سونے کا ارادہ فرماتے تو توضأ وضوءہ للصلوٰۃ (آپؐ نماز کے وضو کی طرح وضو فرما لیا کرتے (صحیح بخاری وصحیح مسلم)

دلیل ۸ غسلِ جنابت

حضرت انس رضؓ سے روایت ہے کہ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یطوف علیٰ نساءہ بغسل واحد (نبی صلی اللہ علیہ وسلم اگر (کبھی) اپنی متعدد ازواج مطہرات کے ساتھ وظیفۂ زوجیت ادا فرماتے تھے (تو) غسل ایک ہی دفعہ فرمایا کرتے تھے (رواہ مسلم۔ باب مخالطۃ الجنب)

دلیل ۹ ازواج مطہرات کے ہاں باری باری قیام۔

حضرت ابن عباس رضؓ سے روایت ہے کہ بوقتِ وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کی نوؐ ازواج مطہرات تھیں، اور وکان یقسم منھن لثمانٍ) ان میں سے آٹھ کی باری مقرر تھی (کیونکہ حضرت سودہ رضؓ نے اپنی باری کا دن حضرت عائشہؓ کو دے دیا تھا۔

دلیل ۱۰: حضرت عائشہ رضؓ سے روایت ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں کی باری مقرر فرماتے تھے اور اس میں عدل فرماتے تھے اور فرمایا کرتے تھے۔

اللھم ھذا قسمی فی ما املك فلا تلمنی فی ما تملك ولا املك اے اللہ! جس چیز پر مجھے اختیار ہے۔ مَیں نے اس میں یہ باریاں مقرر کی ہیں۔ لیکن جو چیز میرے بس میں نہیں۔ بلکہ آپ کے اختیار میں ہے (یعنی محبّت قلبی) اس پر آپ مجھے ملامت نہ فرمائیں۔

اسے ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، اور دارمی نے روایت کیا ہے۔
ترجمان السنۃ جلد سوم صفحہ ۲۴۰۔

دلیل ۱۱ بھوک کی تکلیف

حضرت ابوطلحہ رضؓ سے روایت ہے کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے غزوۂ خندق میں بھوک کی شدّت کی شکایت کی۔ اور اپنے پیٹ کھول کر دکھائے کہ ان پر ایک ایک پتھر بندھا ہُوا ہے۔ فرفع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن بطنه عن حجرین اس پر حضورؐ نے اپنے پیٹ سے کپڑا اٹھایا تو دو پتھر بندھے ہوئے تھے (بخاری شریف۔ و۔ ترمذی شریف)

دلیل ۱۲ بچھو کے کاٹنے کی تکلیف

حضرت علی رضؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات نماز ادا فرمارہے تھے۔ آپؐ نے اپنا ہاتھ زمین پر رکھا فَلَدَ غَتْهُ عَقْرَبٌ تو بچھو نے آپؐ کو کاٹ لیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا جوتا لے کر اُسے مار ڈالا۔ جب آپؐ نماز سے فارغ ہو گئے تو فرمایا خدا بچھو پر لعنت کرے یہ نہ نمازی کو چھوڑتا ہے نہ غیر نمازی کو۔ یا فرمایا کہ یہ نہ نبی کو چھوڑتا ہے نہ غیر نبی کو۔ اس کے بعد نمک اور پانی منگایا اسے برتن میں ڈال کر ملایا۔ پھر اسے اپنی انگلی پر جہاں بچھو نے کاٹا تھا ڈالتے

رہے ۔ اور مُعَوِّذتین پڑھ کر انگلی پہ ہاتھ پھیرتے رہے ۔ اور دم کرتے رہے (بیہقی فی شعب الایمان ۔ ترجمان السنۃ جلد سوم صفحہ ۲۴۱)

دلیل ۱۳ حزن وملال اور گریہ وبکا ۔

حضرت انس رض سے روایت ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابویوسف لوہار کے گھر گئے یہ (لختِ جگر رسولؐ) حضرت ابراہیم کو دودھ پلانے والی کے شوہر تھے آپؐ نے حضرت ابراہیمؓ کو ہاتھوں میں لیا اور ان کا بوسہ لیا اور خوب پیار کیا۔ پھر ہم اس کے بعد دوبارہ ان کے گھر گئے تو حضرت ابراہیم جان دے رہے تھے ۔ یہ دیکھ کر

فجعلت عینا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تذرفان

آپؐ کی آنکھیں مبارک اشکبار ہوگئیں ۔

اس پر حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کہنے لگے یارسول اللہ! آپؐ بھی روتے ہیں؟ فرمایا اے ابن عوف ! یہ رحمت ہے ، یہ کہہ کر آپؐ پھر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمایا ،

ان العین تدمع والقلب یحزن ولا نقول الا ما یرضیٰ ربنا وانا بفراقك یا ابراھیم لمحزونون (متفق علیہ ۔ مشکوٰۃ المصابیح باب البکاء علی المیت)

بے شک آنکھیں روتی ہیں اور دل غمگین ہے لیکن خدا کی مرضی کے خلاف ہم زبان پہ کوئی لفظ نہیں لائیں گے ۔ اور اے ابراہیم اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ہم تمہاری جدائی سے دردمند ہیں (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

دلیل ۱۴ جذباتِ مسرت ۔

حضرت کعبؓ بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب (کسی واقعہ یا کسی بات سے) مسرت طاری ہوتی تو آپؐ کا چہرہ اقدس چمک اٹھتا یہاں تک کہ کَاَنَّ وَجْھَہٗ قطعۃ قَمَرٍ ؛ آپؐ کا چہرہ انور چاند کا ٹکڑا نظر آتا (صحیح بخاری و صحیح مسلم ۔ مشکوٰۃ المصابیح باب اسماء النبی ص)

دلیل ۱۵ روئے انور کا زخمی ہونا اور دندان مبارک کا ٹوٹنا ۔

حضرت سہلؓ بن سعد سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اس زخم کے متعلق پوچھا

گیا جو جنگ احد میں آپؐ کو لگا تھا۔ انہوں نے کہا حضرت علیؓ ڈھال سے پانی لے کر اس کو ڈالتے جاتے اور حضرت فاطمہؓ بنت رسولؐ زخم دھوتی جاتی ہیں۔ جب حضرت فاطمہؓ نے دیکھا کہ پانی سے خون کسی طرح بند نہیں ہوتا بلکہ زیادہ ہوتا جا رہا ہے تو انہوں نے چٹائی کا ایک ٹکڑا لے کر جلایا اور اس کی راکھ لے کر زخم پر ڈالی۔ تب کہیں جا کر خون خشک ہوا۔

وکسرت رباعیتہ یومئذ وجرح وجھہ وکسرت البیضۃ علی رأسہ

اس دن آپ کے چار دانت شہید ہوئے۔ رُوئے انور زخمی ہوا۔ اور آپؐ کے سر مبارک کا خَود بھی ٹوٹ گیا (رواہ بخاری فی المغازی ترجمان السنۃ جلد سوم صفحہ ۲۴۵

دلیل ۱۶ زہر کا اثر

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مرض وفات میں فرماتے تھے اے عائشہ! میں نے خیبر میں جو زہر آلود کھانا کھایا تھا اس کی تکلیف میں ہمیشہ محسوس کرتا رہا۔ لیکن اب میں محسوس کرتا ہوں کہ اس زہر کے اثر سے میری شہ رگ کٹ گئی ہے (رواہ البخاری۔ ترجمان السنۃ صفحہ ۲۴۴ جلد سوم۔

دلیل ۱۷ وفات مقدسہ۔

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ حضورؐ کی وفات کے بعد حضرت ابو بکرؓ اپنی قیام گاہ سنخ سے گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور سیدھے میرے گھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئے۔ آپؐ پر اس وقت ایک یمنی چادر پڑی ہوئی تھی۔ آپؐ کے چہرہ مبارک سے چادر ہٹائی اور آپ پر جھک کر آپؐ کو بوسہ دیا پھر رو پڑے اس کے بعد لوگوں میں جا کر حضرت ابو بکرؓ نے خطبہ دیتے ہوئے ارشاد فرمایا فان محمدا قد مات یعنی بلاشبہ حضرت محمد صلے اللہ علیہ وسلم وفات پا چکے

اقوال الصحابہؓ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بشریت کے دلائل

کتاب اللہ، ارشاداتِ رسولؐ اور حیاتِ نبویہ کے سوانح و واقعات کے بعد اب ارشادات الصحابہؓ ملاحظہ ہوں۔ صحابہ کرامؓ واشگاف الفاظ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم

کو بشر کہہ رہے ہیں۔

دلیل ۱ جمیع صحابہ کرام

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اری اللیلۃ رجل صالح (آج رات ایک نیک آدمی کو خواب میں دکھایا گیا کہ.....)

حضرت جابرؓ کہتے ہیں جب ہم حضورؐ کے پاس سے اٹھے تو ہم نے آپس میں کہا کہ

اما الرجل الصالح فرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (مشکوٰۃ باب فی اخلاقہ وشمائلہ صلی اللہ علیہ وسلم

وہ نیک آدمی جس کو خواب دکھایا گیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں

دلیل ۲ حضرت انس رضؓ سے روایت ہے۔ فرمایا

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احسن الناس واجود الناس واشجع الناس

رسول اللہ تمام انسانوں میں سب سے زیادہ خوبصورت، تمام انسانوں سے زیادہ سخی، اور تمام انسانوں سے زیادہ بہادر تھے۔ (متفق علیہ)

دلیل ۳ حبیبہ حبیبؐ دو عالم صدیقہؓ بنت صدیقؓ ام المؤمنین سیدہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یخصف نعلہ ویخیط ثوبہ ویعمل فی بیتہ قالت کان بشر من البشر یفلی ثوبہ ویحلب شاتہ ویخدم نفسہ (ترمذی)

رسول اللہ ؐ اپنا جوتا خود گانٹھ لیا کرتے تھے۔ اپنا کپڑا خود سی لیا کرتے تھے۔ اور جس طرح تم میں سے کوئی اپنے گھر کام کرتا ہے اسی طرح آپ بھی اپنے گھر میں کام کاج کر لیا کرتے تھے۔ فرمایا آپ انسانوں میں سے ایک انسان تھے۔ آپؐ اپنے کپڑوں میں سے جوئیں بھی دیکھ لیتے۔ اور اپنی بکری بھی دودھ لیا کرتے تھے۔

ایک مغالطہ اور اس کا ازالہ

بعض فریب خوردہ یا فریب کار اصحاب یہ کہتے ہیں کہ واقعہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بشر ہیں مگر ہمیں آپؐ کو بشر کہنا نہیں چاہیئے۔ اس لئے کہ آپؐ کو بشر کہنے میں آپؐ

کی توہین ہے (معاذ اللہ)

اللہ کے بندو! جب آپ کا بشر ہونا موجب توہین نہیں، تو آپ کو بشر کہنا موجب توہین کیسے ہو گیا۔

آپ کا پیارا خدا آپ کو بشر کہے، آپ خود اپنے آپ کو ہمیشہ بشر کہیں۔ پھر بشر کہنے میں آپ کی توہین کیسے ہو گئی؟

جواب دیا جاتا ہے کہ خدا خدا ہوا حضورؐ خود بھی اپنے آپ کو بشر کہہ سکتے ہیں مگر اور کوئی نہیں کہہ سکتا۔ آپ کی محبت کا یہی تقاضا ہے۔

یہ حقیقت محتاجِ بیان نہیں کہ آپ کی جو محبت اور عزت صحابۂ کرام رضؓ خصوصاً آپ کی محبوبہ ام المؤمنین حضرت صدیقہ رضؓ کے دل میں تھی وہ کسی اور کے دل میں نہیں ہو سکتی۔ جب حبیبۂ حبیبِ دو عالم آپ کو بشر اور حضرت انس رضؓ ایسے آپؐ کے صحابی اور خادمِ خاص اور محبِّ صادق و اصدق آپؐ کو انسان فرما رہے ہیں تو پھر آپؐ کو بشر اور انسان کہنے میں آپؐ کی توہین کا شائبہ بھی نہیں ہو سکتا۔ آپ کی توہین یقیناً ایمان کی موت اور کفر ہے۔ مگر آپؐ کو بشر سمجھنا اور بشر کہنا عین ایمان ہے۔ اللہ تعالیٰ ہدایت عطا فرمائے۔ آمین

مزید تفصیل

چونکہ یہ مغالطہ عام ہونے کے علاوہ جُہلاء میں اثر انگیز بھی ہے لہٰذا اتمامِ حُجّت اطمینانِ قلب اور تسلّی و تسکینِ خاطر کیلئے ہم کچھ مزید عرض کرنے کی اجازت چاہتے ہیں۔

دلیل ۴ یارِ غار سید البشر حضرت ابوبکر صدیق رضؓ

صدیق اکبر رضؓ سے زیادہ حضورؐ کا محبِ صادق اور رفیقِ مخلص کون ہو گا۔ دیکھئے آپ رضؓ بھی حضورؐ کو رجل یعنی بشر فرما رہے ہیں

حضرت انس رضؓ بن مالک سے روایت ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ طیّبہ تشریف لائے اور آپ حضرت ابوبکر رضؓ کے آگے ایک ہی اونٹ پر سوار تھے۔

ابوبکر سے سوال: یہ شخص جو آپ کے آگے ہے کون ہے؟

ابو بکرؓ فرماتے تھے۔

ھٰذا رجل یھدینی السبیل (یہ آدمی مجھے راستہ دکھاتا ہے۔) (بخاری باب ہجرۃ النبیؐ)

دلیل ۵ سیدنا علی بن ابی طالب۔

سیدنا حضرت علیؓ کو ذات پاک رسالت مآب صلے اللہ علیہ وسلم سے جو نسبی ذاتی قرب اور روحانی ربط و تعلق ہے وہ محتاجِ بیان نہیں دیکھئے آپؓ بھی حضورؐ کو انسانوں میں سے ایک انسان فرما رہے ہیں۔

(سیدنا) علی بن ابی طالب جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صفت بیان کرتے تو فرماتے تھے وھو خاتم النبیین اجود الناس صدرا واصدق الناس لھجۃ والینھم عریکۃ واکرمھم عشیرۃ

آپ خاتم الانبیاء تھے۔ تمام انسانوں سے زیادہ سخی دل اور تمام انسانوں سے زیادہ سچی زبان والے، اور تمام انسانوں سے زیادہ نرم خو۔ اور خاندان کے لحاظ سے سب انسانوں سے زیادہ معزز تھے۔

حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی ذات کئی اعتبار سے بلند تر مرتبہ اور درجہ کی مالک ہے آپؓ حبر اُمّت کے لقب سے ملقب ہیں۔ کتاب اللہ کے بہترین مفسر ہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے رشتہ و نسب کا قرب حاصل ہے۔ آپ کے عمِّ محترم سیدنا حضرت عباسؓ کے لختِ جگر اور نورِ نظر ہیں۔ پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ صحبت و شرفِ معیّت سے انہیں گھر اور باہر بہت زیادہ متمتع و مستفیض اور مشرف ہونے کا موقع ملا ہے۔ آپ فرماتے ہیں

دلیل ۶ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اجود الشمائل (شمائل ترمذی باب ما جاء فی خلق رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم۔

رسول صلے اللہ علیہ وسلم سب انسانوں سے زیادہ صاحبِ جود و سخا تھے۔

دلیل ۷ حضرت براء بن عازب رضؓ فرماتے ہیں۔

کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم احسن الناس وجھا واحسنہ خلقا

صحیح بخاری کتاب بدء الخلق باب صفتہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شکل وصورت کے اعتبار سے سب انسانوں سے خوبصورت تھے اور خلق خلقت کے لحاظ سے بھی سب سے احسن تھے۔
دلیل ۳ کان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم رجلاً مربوعاً
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم درمیانہ قد کے آدمی تھے

سلف صالحین رح کے ارشادات

(۱) حضرات فقہاء ومحدثین ومفسرین کا ارشاد

بطور نمونہ مشتے از خروارے امام الفقہاء حضرت الشیخ ولی الدین العراقی رح رحمہ اللہ کا ارشاد پیش کیا جاتا ہے جسے امام المفسرین حضرت علامہ سید محمود آلوسی بغدادیؒ نے اپنی تفسیر میں اور امام المحدثین رئیس المؤرخین حضرت علامہ زرقانی رحمہ اللہ نے اپنی سیرت میں نقل کیا ہے۔

دلیل ۱ الشیخ ولی الدین العراقی سے سوال کیا گیا کہ کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بشر ہونے اور عربی ہونے کا علم صحت ایمان کے لئے شرط ہے یا فرض کفایہ ہے؟ فاجاب بانہ شرط فی صحۃ الایمان (تو آپ نے جواب دیا کہ کہ یہ صحتِ ایمان کی شرط ہے۔ پھر فرمایا۔ اگر ایک شخص نے کہا کہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت الی جمیع الخلق پر ایمان رکھتا ہوں لیکن میں یہ نہیں جانتا کہ حضور جنس بشر میں سے ہیں یا ملائکہ میں سے یا جنوں میں سے یا میں جانتا کہ آپ عربی ہیں یا عجمی فلا شك فی کفرہ لتکذیبہ القرآن (تو بوجہ تکذیب قرآن کے اس کے کفر میں کوئی شک نہیں۔ اور اس نے اس عقیدہ کا انکار کیا جس پر قرونِ اسلام خلفاً عن سلفٍ قائم رہے اور جو خاص وعام سب مسلمانوں کو بہرحال معلوم ہے اور مجھے علم نہیں کہ اس میں کسی کو خلاف ہو ولا اعلم فی ذلك خلافاً

اگر کوئی غبی ہو اور یہ حقیقت نہ جانتا ہو تو اسے اس کی تعلیم دینا واجب ہے پھر اگر وہ اس کے بعد بھی اس کا انکار کرے حکمنا بکفرہ تو ہم اس کے کفر کا حکم دیں گے (روح المعانی تفسیر آیت لقد منّ اللہ علی المؤمنین اذ بعث فیہم رسولاً من انفسہم۔ والزرقانی علی المواہب اللدنیۃ ج ص ۱۶۸

(۲) ائمۂ علم عقائد کی تصریحات۔

آئیے! ذرا دیکھئے کہ علم عقائد کے ماہرین کس صراحت سے نبی اور رسول کی بشریت وانسانیت بیان فرما رہے ہیں

دلیل ۱ شرح عقائد میں علامہ سعد الدین تفتازانی رسول کی بحث میں لکھتے ہیں
و قد ارسل اللہ تعالیٰ من البشر الی البشر (نبراس شرح شرح العقائد صفحہ ۴۲۵)
بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے رسول بشر میں سے بشر کی طرف بھیجا۔

اس سے پہلے رسالت کی تعریف لکھتے ہیں ھو سفارۃ العبد بین اللہ سبحٰنہ وبین ذوی الالباب (ایضاً صفحہ ۴۲۳) رسالت اللہ تعالیٰ اور عقلمندوں کے درمیان بندے کی سفارت ہے

یعنی رسالت خدا اور بندگانِ خدا کے درمیان ایک بندے کی سفارت کا نام ہے اور رسول ایک بندہ ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور اللہ کے بندوں کے درمیان واسطہ ہوتا ہے۔

دلیل ۲ علامہ کمال بن ابی شریف فرماتے ہیں۔
ان النبیّ انسان بعثہ اللہ لتبلیغ ما اوحی الیہ وکذا الرسول فلا فرق (مسامرہ ص ۱۹۸)
بالتحقیق نبی ایک انسان ہے جس کو اللہ تعالیٰ اس وحی کی تبلیغ کے لئے بھیجتے ہیں جو اسے کی گئی ہے۔ اسی طرح رسول اس معنی میں ان میں کوئی فرق نہیں۔

دلیل ۳ علامہ الکمال بن الہمام لکھتے ہیں۔
فالنبی علیٰ ھٰذا انسان اوحی الیہ بشرع (مسامرہ شرح المسایرۃ صفحہ ۱۹۷ طمصر)
علیٰ ہٰذا نبی ایک انسان ہے جس کی طرف شریعت کی وحی کی گئی ہے
علماء عقائد کی ان واضح تصریحات اور انہی اقوال پر اکتفاء کرتے ہوئے اس باب کو یہیں ختم کرتے ہیں
والحمد للہ الذی بہ تتم الصالحات

باب چہارم

وحی اور علم غیب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ (قرآن)

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (قرآن)

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ (قرآن)

حضرات گرامی ! وحی اور علمِ غیب میں فرق سمجھنے کے لئے لفظ "غیب" کو سمجھنا ضروری ہے کہ غیب کیا ہے اور کس چیز کو غیب کہتے ہیں

غیب کی تعریف

ا۔ غیب کی تعریف لغت سے لغت کے امام خصوصاً قرآن مجید کی لغت کے ماہر امام راغب اصفہانیؒ اپنی مشہور و معروف کتاب مفردات القرآن میں اس طرح فرماتے ہیں

(۱) "الغیب" ہر وہ چیز جو انسان کے علم اور حواس سے پوشیدہ ہو اس پر غیب کا لفظ بولا جاتا ہے۔ اور یہ لوگوں کے لحاظ سے کہا جاتا ہے۔ ورنہ باری تعالیٰ سے تو کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ (مفردات القرآن للامام الراغب الاصفہانی رحمہ اللہ ﷺ)

(۲) غیب کی تعریف ائمہ عقائد سے

امام التحقیق الحبر المحقق الحافظ العلامہ مولٰنا عبد العزیز پرہاروی فرماتے ہیں
والتحقیق ان الغیب ما غاب عن الحواس والعلم الضروری والعلم الاستدلالی (نبراس ص۳۴۳)
تحقیق یہ ہے کہ غیب وہ ہے جو حواس سے غائب ہو اور علم ضروری وجی اور الہام اور علم استدلالی علامات و دلائل وغیرہ سے پوشیدہ ہو

(۳) غیب کی تعریف علماء تفسیر سے

علامہ شیخ معین الدین حنفی رح فرماتے ہیں
یختص بہ علم ما غاب عن العباد (تفسیر جامع البیان ص۲۳۵)
علم غیب اللہ کے ساتھ خاص ہے اور غیب وہ ہے جو کچھ بندوں سے پوشیدہ ہے
علامہ نسفی حنفیؒ صاحب تفسیر مدارک فرماتے ہیں
ای یختص بہ علم ما غاب فیھما عن العباد وخفی (تفسیر مدارک ص۲۲/۲۶)
یعنی غیب کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اور غیب وہ ہے کہ آسمان و زمین کی جو چیزیں بھی بندوں سے مخفی ہیں اور ان کے علم و ادراک سے پوشیدہ ہیں۔

الحاصل لغت و عقائد اور تفسیر کے ائمہ کرام رحمہم اللہ کی ان تصریحات کا حاصل یہ ہے کہ جو چیزیں انسان کے ظاہری و باطنی حواس اور دماغی اور عقلی علم و استدلال سے غائب یعنی پوشیدہ اور مخفی ہیں جن کو "حواس خمسہ" کہتے ہیں ۱؎ قوۃ باصرہ (دیکھنا) ۲؎ سامعہ (سننا) ۳؎ شامہ (سونگھنا) ۴؎ ذائقہ (چکھنا) ۵؎ لامسہ (چھونا)
اور ان سب کا مرکز عقل اور دماغ ہے۔ یہی وہ طبعی اور فطری ذریعہ ہیں۔ جن سے انسان کو وجدان۔ حواس۔ اور فہم و ادراک اور استدلال وغیرہ معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ اور جو چیزیں انسانی معلومات کے ان ذرائع سے غائب اور پوشیدہ ہیں ان کو غیب کہا جاتا ہے۔ خصوصاً قرآن مجید کی اصطلاح میں اسی کا نام "غیب" ہے
اسلام کے عقیدہ میں اس غیب کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں۔ گویا علم غیب اللہ تعالیٰ جلّ وعلا شانہٗ کی صفتِ خاصہ ہے۔ اس صفت میں کوئی دوسرا اس کے ساتھ قطعاً شریک نہیں اور نہ ہی ہوسکتا ہے، ملائکہ کرام ہوں یا جنات یا انسان ہوں۔

انسانوں میں سے اولیاء اللہ ہوں یا انبیاء اللہ ہوں۔ سب کے سب کوئی بھی ایک فرد، نہ کوئی ملک مقرّب معزز سے معزز فرشتہ، نہ کوئی جن نہ کوئی ولی پیر فقیر نہ کوئی نبی مرسل حتےٰ کہ سیّد الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم بھی خدا کی اس مخصوص صفت میں شریک نہیں ہیں اور نہ ہو سکتے ہیں۔

ہاں اللہ تعالیٰ نے نوع انسانی (یعنی بنی آدم) راہنمائی اور ہدایت و فلاح کے لئے لاکھ سے زائد پیغمبر دنیا میں بھیجے جنہیں اپنی وحی کے پیغام سے سرفراز فرمایا۔ اور انہیں باقی تمام انسانوں سے علم و دانش میں، عقل و فہم میں، حکمت و فراست میں، حتیٰ کہ تمام کمالات اور صفات میں اعلیٰ افضل ارفع اشرف اکمل بے مثل اور یگانہ بنایا۔ اللہ تعالیٰ کی ساری کائنات میں خدا کے برگزیدہ اور پسندیدہ اور چنے ہوئے رسولوں اور پیغمبروں سے نہ کوئی فضیلت اور بزرگی میں بڑھ کر ہے اور نہ ہی علم و حکمت میں برتر ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دین کا سارا کامل اور مکمل علم اور اس کے علاوہ اپنی منشا و مصلحت کے مطابق حسب ضرورت بعض چیزوں سے مطلع فرما کر علم سے نوازا ہے۔ مگر با ایں ہمہ "علمِ غیب" کی خاص صفت کسی بھی پیغمبر کو عطا نہیں فرمائی وہ صرف اور صرف خالص اللہ کی ذات پاک ہی کی صفت ہے۔

خلاصۃ الکلام اسلام کا محکم عقیدہ ہے کہ غیب کا علم صرف اللہ کو ہے۔ کسی دوسرے کو نہیں۔ کائنات میں سب سے اعلیٰ اور بزرگ انبیاء ہیں اور نبیوں کے سردار خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، ان کو بھی نہیں

وحی اور علم غیب کی وضاحت

علم غیب اللہ کی خاص صفت ہے۔ مخلوق میں سے اس صفت میں اس کا کوئی شریک نہیں۔ یہ ایک ہی دعویٰ ہے اور ایک ہی مضمون ہے۔ مگر اس کی شقیں دو ہیں ① اثباتی ② منفی

① شق ۱ عالم الغیب خدا ہے ② شق ۲ خدا کے سوا کوئی بھی عالم الغیب نہیں۔

اس سے پہلے کہ دونوں پہلوؤں پر الگ الگ قرآن پاک کے محکم دلائل پیش کئے جائیں۔ قدرے وحی اور علم غیب کی وضاحت ضروری ہے۔ اگر وحی کی حقیقت کو پورے غور وفکر سے پڑھا اور سمجھا جائے تو اس مسئلہ کے تمام پہلو خود بخود واضح ہو جاتے ہیں اور کسی قسم کا کوئی شبہ اور اشکال یا مغالطہ نہیں رہتا۔ جس کی تفصیل ہم باب دُوم عصمت اور وحی لوازماتِ نبوّت ورسالت کے بیان میں بیان کر چکے ہیں۔ اِس پوری تشریح وتفصیل سے وحی کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ مکالمۂ الٰہی' وحی' اور الہام' خدا کے پیغامات اور ارشادات واحکامات ہیں جو اپنے رسولوں کو عطا فرماتا ہے۔ بے شک یہ تمام پیغامات وارشادات وغیرہ سب امورِ غیب میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ جس رسول کیلئے جس قدر مناسب اور سزاوار سمجھتا ہے اس کو علمِ وحی کے ان مختلف اقسام کے ذریعہ سے عطا فرماتا ہے اور سب انبیاء اور رسولوں سے زیادہ آخری نبی سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو امورِ غیب عنایت فرمائے۔ مثلاً گذشتہ زمانہ کی اگلی بعض قوموں اور پیغمبروں کے عبرت انگیز اور نصیحت آمیز حالات وواقعات۔ اور مستقبل میں آنے والے بعض فتنوں اور انقلابات وحادثات۔ اور قیامت وحشر کے مناظر اور حالات۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی کے وقت زمانۂ حال کے بعض حالات وواقعات' غرضیکہ سیکڑوں نہیں ہزاروں غیب کے امور سے اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ سے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مطلع فرمایا۔ اس کے باوجود بھی آپؐ عالم الغیب نہیں۔ اور علم غیب اللہ ہی کی صفتِ خاصہ ہے۔ کیوں ؟

اس لئے کہ غیب کے خزانہ پر اللہ تعالیٰ کی سلطنت اور قبضہ ہے۔ اور اسی کا قبضہ رہے گا۔ کیونکہ یہ اسی کی صفت ہے۔ جب چاہتا ہے کسی بندے کو جتنی چاہتا ہے وحی والہام سے اطلاع دیتا ہے۔ یہ علمِ غیب نہیں' اس سے بندہ عالم الغیب نہیں بن جاتا۔ بلکہ اس کا نام "اطلاع علی الغیب" "اخبار علی الغیب" ہے۔ وحی اور الہام خود علمِ غیب کی نفی کر دیتے ہیں کہ جس کو وحی اور الہام کی

انتظار ہو اور حاجت ہو وہ عالم الغیب قطعاً نہیں ہو سکتا۔

اطلاع علی الغیب اور اخبار علی الغیب سے بھی علم غیب کی نفی ہوتی ہے۔ کیونکہ اطلاع اور خبر میں ذریعہ وحی اور الہام ہے۔ جیسے مادی اشیاء طبعی اور فطری حواس کے سامنے غائب نہیں۔ اسی طرح جو اشیاء حواس وادراک سے غیب ہیں۔ وحی کے واسطہ سے غیب نہیں رہتے۔ علماء اُمت نے اس کی صراحت فرما دی ہے۔

ممتاز محقق نواب صدیق حسن خان صاحب رحمہ اللہ اس کی تشریح اس طرح فرماتے ہیں

فَلَایُنَافی الآیات الدالۃ علی انہ لا یعلم الغیب لان المنفی علمہ من غیر واسطۃ فکل ما ورد عنہ من الغیوب لیس ھو الّا عن اعلام اللّٰہ تعالیٰ بہ (حاشیہ نبراس ص۳۴۲)

"اللہ کے سوا غیب کوئی نہیں جانتا" والی آیات اطلاع واخبار کی تردید نہیں کرتیں کیونکہ نفی بغیر واسطہ کے ہے۔ اور حضرتؐ سے غیب کی جو باتیں وارد ہوئیں وہ سب وحی کے واسطے اور ذریعے سے ہیں۔

رئیس الفقہاء والمحدثین حضرت العلامہ ملا علی القاری اور علامہ سعد الدین التفتازانی رحمہما اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وبالجملۃ العلم بالغیب امر تفرّد بہ اللّٰہ تعالیٰ لا سبیل للعباد الیہ الّا بالاعلام منہ او الالہام بطریق المعجزۃ او الکرامۃ او ارشاد الی استدلال بالامارات فیما یمکن فیہ ذٰلک (شرح فقہ اکبر ص۱۵۵ و شرح شرح العقائد ص۳۴۲)

مختصر بات یہ ہے کہ علم غیب اللہ کا خاصہ ہے۔ اور بندوں کے لئے اس کا کوئی ذریعہ نہیں۔ مگر وحی یا الہام معجزہ کے طور پر یا کوئی کرامۃ ہو یا جن اشیاء میں تجربات و مشاہدات اور علامات و استدلالات ممکن ہوں۔

اور علامہ ابوحیان اندلسیؒ نے اپنی مشہور زمانہ تفسیر البحر المحیط میں ایک بہت ہی اعلیٰ اور اونچے نکتے والی بات لکھی ہے

لا یخفیٰ علیہ شئی من اعمالکم ولا حظّ للمخلوق فی علم الغیب (البحر المحیط ص۲۷۵)

اللہ تعالیٰ پر تمہارے اعمال سے کوئی چیز بھی پوشیدہ نہیں اور مخلوق کا علم غیب

میں کوئی حصہ نہیں ۔

کتنی پُر مغز بات فرمائی کہ ہر چیز کا جاننا اللہ کا خاصّہ ہے ۔ اس میں مخلوق کا کوئی فرد اس کے ساتھ حصہ دار نہیں ہو سکتا ۔ اور اطلاع اور خبر معجزۃً یا کرامۃً یہ اللہ تعالیٰ کا انعام و احسان ہے جس وقت چاہے اور جتنا چاہے ۔

اسی بات کو کس طرح واشگاف اور صاف الفاظ میں احنافؒ کے چوٹی کے فقیہ و محدّث ملّا علی القاری نے بیان فرمایا ہے ۔

اعلم ان الانبیاء علیھم السلام لم یعلم المغیبات من الاشیاء الا ما اعلمہم اللہ تعالیٰ احیانًا (شرح فقہ اکبر ص۸۵)

یقین کر کہ انبیاء علیہم السلام غیب کی چیزوں کا علم نہیں رکھتے مگر کبھی اللہ تعالیٰ ان کو کسی چیز کی خبر دیدے ۔

اس کی تشریحات و تصریحات ائمۂ مفسرین اور فقہاء و مجتہدین رحمہم اللہ تعالیٰ سے بہت ہیں مگر مختصر کرتے ہوئے اس سلسلہ میں ایک ہی حوالہ جس کا ایک حصہ شروع باب میں لغت کے حوالے کے بعد دوسرا عقائد کا حوالہ گذر چکا ہے لیجئے ۔ اب پورا حوالہ ملاحظہ فرمائیے ۔

العلامۃ الحافظ حضرت مولانا عبد العزیز پرہاروی رحمہ اللہ جو بارہویں صدی ہجری میں گذرے ہیں وہ اپنی مشہور و معروف اور مقبول کتاب نبراس جو شرح عقائد کی بہترین شرح ہے ۔ اس میں فرماتے ہیں ۔

والتحقیق ان الغیب ما غاب عن الحواس والعلم الضروری والعلم الاستدلالی وقد نطق القرآن بنفی علمہ عمن سواہ تعالیٰ فمن ادّعیٰ انہ یعلمہ کفر ومن صدّق المدعی کفر واما ما عُلِمَ بحاسۃٍ اوضرورۃٍ او دلیلٍ فلیس بغیب ولا کفر فی دعواہ ولا فی تصدیقہ عند المحققین (نبراس ص۳۴۳ مطبوعہ لاہور)

اور تحقیق یہ ہے کہ غیب وہ ہے جو حواس سے اور علم ضروری یعنی وحی اور الہام سے اور علم استدلالی یعنی علامات و دلائل وغیرہ سے پوشیدہ ہے ، قرآن مجید نے جس غیب کی

نفی اللہ کے ماسوا کی ہے وہ یہی ہے۔ اور جو اس غیب کا دعویٰ کرے اور یا اس کی تصدیق کرے وہ کافر ہے۔ اور جو چیزیں حواس سے یا وحی و الہام سے یا تجربات و مشاہدات سے معلوم ہوں وہ غیب نہیں کہلاتیں اور ان کا مدعی و مصدق کافر نہیں۔

کتنی صاف اور صریح بات ہے کہ درمیان میں کوئی بھی ذریعہ یا واسطہ آجائے تو غیب غیب نہیں رہتا۔ بلکہ مشاہدہ ہو جاتا ہے۔ جیسے ریڈیو اور ٹی۔وی یا محکمہ موسمیات کی پیش گوئی میں حواس اور استدلال تجربات وغیرہ ذریعے اور واسطے ہیں یہ علم غیب یا عالم الغیب نہیں کہلا سکتے تو وحی اور الہام کے ذریعے اطلاع علی الغیب اور اخبار علی الغیب بھی غیب نہیں کہلا سکتے اور نہ ہی اس کے حامل کو عالم الغیب ہی کہہ سکتے ہیں۔

کتنی پیاری اور صاف اور سادہ اور آسان تشریح فارسی زبان میں عارفِ عطار رحمۃ اللہ علیہ نے کی ہے

علمِ غیبی کس نمی داند بجز پروردگار ہر کہ گوید من بدانم تو از و باور مدار
مصطفےٰ ہرگز نہ گفتے تا نہ گفتے جبرئیل جبرئیلش ہم نہ گفتے تا نہ گفتے کردگار

ترجمہ اللہ کے سوا غیب کا علم کوئی نہیں جانتا۔ اور جو شخص بھی یہ کہے کہ میں جانتا ہوں تو وہ غلط کہتا ہے۔ اس کی بات ہرگز نہ ماننی چاہیئے۔ کیونکہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک نہیں کہتے جب تک جبرائیل علیہ السلام نہ کہتے۔ اور جبرائیل علیہ السلام اس وقت تک نہیں کہتے جب تک اللہ کا حکم نہ ہو۔

اس مختصر تمہید کے بعد اَب قرآن وسنّت کے دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

پہلی شق میں اثبات کے دلائل ہوں گے یعنی قرآن پاک کی آیات بیّنات سے اس بات پر دلائل پیش کئے جائیں گے کہ غیب کا علم خاص اللہ ہی کی صفت ہے۔ اس میں مخلوق کا کوئی فرد اس کے ساتھ شریک نہیں۔

دوسری شق میں نفی کے دلائل۔ یعنی انبیاء علیہم السلام اور خصوصًا جناب رسالت مآب حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے علمِ غیب کی نفی پر آیات و دلائل پیش کئے جائیں گے ان شاء اللہ تعالیٰ

شقِ اوّل اثباتی

قرآنِ حکیم میں اللہ تعالیٰ کی صفت علمِ غیب، علمِ محیط، علمِ بسیط، علمِ کُل کو نہایت بسط و تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ سیکڑوں نہیں ہزاروں آیات میں بار بار متعدد اسلوب و انداز سے علیمٌ خبیرٌ کے علم کی وسعت و بے کرانی اور کلیّت و ہمہ گیری کا بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ ان سب آیات کا تفصیلی ذکر کرنا نہایت طویل اور مشکل کام ہے سرِدست احباب کی تسکین و تفہیم کے لئے ان تمام آیات کو تین عنوانوں پر تقسیم کر کے ان کے اجمالی خلاصہ کی ایک جھلک ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہے۔

عنوان ۱ میں وہ آیات ہیں جنمیں اللہ تعالیٰ کی صفت علمِ غیب کا ذکر ہے یعنی اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے۔

عنوان ۲ میں وہ آیات ہیں جنمیں حصر ہے یعنی علمِ غیب کی صفت خاص اللہ ہی کیلئے ہے

عنوان ۳ میں وہ آیات ہیں جنمیں اللہ تعالیٰ کی علمِ غیب کی صفت خاصہ کے ساتھ صراحۃً غیر اللہ کے لئے اس صفت کی نفی کی گئی ہے۔

یاد رکھیں ان تینوں عنوانوں کی تفصیل بڑی عجیب طویل اور بڑی لذیذ ہے مگر یہاں صرف اس کا خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے۔

عنوان اوّل

عَالِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّهَادَةِ	پورے قرآن میں تقریباً	۱۰	بار	جاننے والا ہے پوشیدہ اور ظاہر کو
عالِمُ الْغَیْبِ	〃	۲	〃	جاننے والا ہے غیب کو
عَلَّامُ الْغُیُوبِ	〃	۴	〃	تمام غیبوں کو جاننے والا ہے
اِنَّ اللهَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ	〃	۱۶	〃	بیشک اللہ ہر چیز کو جانتا ہے
اِنَّ اللهَ بِمَا یَعْمَلُوْنَ مُحِیْطٌ	〃	۳	〃	بیشک اللہ جو کچھ بھی وہ لوگ کرتے ہیں احاطہ کئے ہوئے ہے
وَسِعَ رَبِّیْ كُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا	〃	۳	〃	میرے رب کا علم ہر چیز پر حاوی ہے۔
یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ	〃	۵	〃	زمین و آسمان کی ہر چیز کو جانتا ہے
وَاللهُ عَلِیْمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ	〃	۱۲	〃	اللہ سینوں کے بھیدوں اور رازوں کو بھی جانتا ہے

علیم حکیم، علیم خبیر، علیم قدیر وغیرہ قرآن میں تقریباً ۵۹ بار الفاظ کی تقدیم و تاخیر اور صفت و موصوف وغیرہ ادنیٰ تغیر سے

غرضیکہ اسی قسم کی اور بھی سیکڑوں آیات ہیں جیسا کہ قرآن پاک کو تلاوت کرنے والے حضرات پر مخفی نہیں۔ سب آیات میں اللہ کی صفت علم کا بیان ہے۔

اب ذرا ان آیات کو جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنے وسیع اور غیر محدود علم کی قدسے تشریح فرمائی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں اور سوچیں کہ اللہ کی کلام پاک کتنی پیاری اور کس قدر شیریں ہے۔ خدا کی قسم اس خلاق العلیم کی کتاب کا ایک ایک لفظ مٹھاس اور لذت سے بھرا ہوا ہے

عَالِمُ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْأَرْضِ وَلَآ أَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ أَكْبَرُ إِلَّا فِي كِتٰبٍ مُّبِينٍ ○ (قرآن پارہ ۲۲ رکوع ۷)

غیب کو جاننے والا ہے آسمانوں اور زمین کا کوئی ذرہ بھر بھی اس سے پوشیدہ نہیں اور نہ چھوٹی اور نہ بڑی کوئی چیز بھی مگر سب اس کے علم میں ہے۔

وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۚ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمٰتِ الْأَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ إِلَّا فِي كِتٰبٍ مُّبِينٍ (قرآن پارہ ۷ رکوع ۱۳)

اور جانتا ہے جو کچھ جنگلوں میں ہے اور جو کچھ سمندروں میں ہے اور کوئی پتہ نہیں گرتا مگر اللہ اس کو بھی جانتا ہے اور کوئی دانہ زمین کی تہ کے اندھیروں میں ہیں اور نہ کوئی تر اور نہ کوئی خشک مگر یہ سب کتاب مبین (لوح محفوظ) میں ہیں۔

يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْأَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَمَا يَعْرُجُ فِيهَا (قرآن پارہ ۲۲ سورۃ السباء ۱)

جو چیز زمین میں داخل ہوتی ہے اور جو چیز نکلتی ہے اور جو چیز آسمان سے اترتی ہے اور جو کچھ چڑھتی ہے سب کچھ اللہ تعالیٰ جانتا ہے۔

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ أُنْثٰى وَمَا تَغِيضُ الْأَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ۚ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ○ عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ الْكَبِيرُ الْمُتَعَالِ ○ سَوَاءٌ

مِّنكُمْ مَّنْ أَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهِ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ ۞ (قرآن پارہ ۱۳ سورۃ الرعد رکوع ۲)

اللہ تعالیٰ جانتا ہے جو کچھ کسی مادہ کے پیٹ میں حمل ہوتا ہے اور جو کچھ رحموں میں کم و بیشی ہوتی ہے اور ہر چیز اس کے نزدیک خاص اندازے پر ہے۔ وہ تمام پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کا جاننے والا ہے۔ بہت بڑا عالی قدر والا تم میں سے کوئی شخص چپکے سے بات کرے یا زور سے پکار کر کہے اور جو رات کو کہیں چھپ جائے اور دن میں چلے پھرے سب کچھ اللہ کے علم میں برابر ہے۔

اندازہ لگائیے اس کے وسیع علم کا آسمانوں اور زمین کی مخلوقات اور ان میں جو کچھ ہو چکا اور ہو رہا ہے یا قیامت تک ہوگا

کبھی سوچا ہے کہ زمین کی تہہ پر جنگل کتنے ہیں اور پھر ان میں کتنی مخلوق آباد ہے۔ اور اس مخلوق کی ہر نوع کے افراد کی گنتی کتنی ہے۔ کیا کیا خوراک کھاتے ہیں؟ اور سمندر کا احاطہ کتنا ہے اور اس میں کس قدر مخلوق آباد ہے۔ روئے زمین پہ کتنے درخت اور سبزیاں اور پتے وغیرہ۔ ایک درخت کے پتے بے شمار اور ایک بیل کے پتے اور اُن پہ لکیریں وغیرہ کتنی ہیں اور روئے زمین بلکہ کھیتی باڑی میں کتنا بیج ڈالا جاتا ہے اور ان دانوں کی تعداد کتنی ہے اور کونسا دانہ مرکر ضائع ہوگا اور کونسا پھلے گا پھولے گا اور کس کس دانے سے پیدا ہونے والے بوٹے کی کتنی کتنی شاخیں اور کتنے کتنے خوشے اور ہر خوشے میں دانوں کی تعداد کتنی کتنی ہے۔ اور جب سے مخلوقات کا سلسلہ قائم ہے سال بھر میں نہیں مہینہ بھر میں نہیں ہفتہ بھر میں نہیں رات اور دن کے چوبیس گھنٹوں میں نہیں نہیں ایک ایک سیکنڈ اور لمحہ میں سمندر کی مخلوقات اور جنگلوں کے درندوں چرندوں پرندوں کیڑوں مکوڑوں انسانوں جنوں حیوانوں غرضیکہ ایک لمحہ میں بھی دھرتی میں کتنی مادہ حاملہ ہوتی ہیں اور ان کے رحموں میں حمل کی پوری اور مکمل معلومات ایک ایک کے حمل میں تعداد اور نر و مادہ کا علم ہر ذرہ سے لے کر بڑی سے بڑی چیز تک پانی کے قطروں سے درختوں کے پتوں اور ریت کے

ذرّوں تک۔ خشکی اور تری کی کوئی چیز بھی اس کے علم محیط اور علم بسیط سے باہر نہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ سوچنے اور غور وفکر کی ضرورت ہے کہ جو خود مخلوق ہو چاہے آسمان والوں میں سے ہو چاہے زمین سے چاہے کوئی بھی مخلوق ہو۔ ایک مخلوق تمام مخلوق کے حالات سے باخبر نہیں ہو سکتی۔ اور نہ اس کے یہ لائق ہے۔ بلکہ مخلوق کے احوال سے باخبر ہونا صرف خالق ومالک کا کام اور صرف اسی کی شان ہے۔

وَهُوَ بِكُلِّ خَلْقٍ عَلِيمٌ ○ (قرآن پارہ ۲۳ سورۂ یٰسٓ رکوع ۵)

وہ اللہ تعالیٰ اپنی ساری مخلوق کو جانتا ہے۔

وہ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ہے اس کو ساری کائنات میں ہر جاندار کا علم ہے۔ اور ہر ذرّے سے واقف ہے۔ اس حقیقت کو خداوند قدوس سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے

وما یتذکر الا اولوا الالباب ○

ایک صاحبِ عقل اہلِ بصیرت کی بھی سن لیجئے۔

حضرت لقمان حکیم اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں

يَا بُنَيَّ إِنَّهَا إِنْ تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِنْ خَرْدَلٍ فَتَكُنْ فِي صَخْرَةٍ أَوْ فِي السَّمٰوٰتِ أَوْ فِي الْأَرْضِ يَأْتِ بِهَا اللّٰهُ إِنَّ اللّٰهَ لَطِيفٌ خَبِيرٌ ○ (پارہ ۲۱ رکوع ۱۱)

اے میرے بیٹے اگر کوئی عمل رائی کے دانہ کے برابر ہو پھر وہ کسی پتھر کے اندر ہو یا آسمانوں کے اندر یا زمین کے اندر ضرور اللہ تعالیٰ اس کو ظاہر کرے گا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا باریک بین اور خبردار ہے۔

اللہ تعالیٰ کے علمِ کل اور غیر محدود لامتناہی علم کے متعلق قرآن پاک میں بے شمار آئتیں ہیں۔ مگر ہم اسی پہ اکتفاء کرتے ہیں۔ کیونکہ اس میں کسی کو اختلاف اور کوئی تردّد نہیں۔ سب ہی اس کے قائل ہیں کہ اللہ بہت بڑے علم والے ہیں۔

عنوان ثانی

اس میں حصر والی آیات پیش کی جائیں گی۔ جن کا مطلب اور مدعا یہ ہے کہ علمِ غیب صرف اللہ تعالیٰ کی ہی صفت خاصہ ہے۔ فَقُلْ إِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ (پارہ ۱۱ یونس ع ۲) فرما دیجئے بے شک

غیب کا علم صرف اللہ ہی کے لئے ہے۔

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاِلَيْهِ يُرْجَعُ الْاَمْرُ كُلُّهٗ فَاعْبُدْهُ وَ تَوَكَّلْ عَلَيْهِ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ (پارہ ۱۲ رکوع ۱۰)

اور اللہ ہی کو علم ہے سب آسمانوں و زمین کی پوشیدہ چیزوں کا اور سب کام اسی طرف لوٹتے ہیں۔ پس اسی کی عبادت کر اور اسی پہ بھروسہ کر۔ اور تیرا رب ان کے اعمال سے بے خبر نہیں۔

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ اَوْ هُوَ اَقْرَبُ (قرآن مجید پارہ ۱۴ سورہ نحل ع ۱۱)

آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کا علم اللہ ہی کے ساتھ خاص ہے اور قیامت کا معاملہ بھی ایسا ہی ہوگا جیسے آنکھ جھپکنا یا اس سے بھی جلدی)

لَهٗ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَبْصِرْ بِهٖ وَاَسْمِعْ مَا لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا يُشْرِكُ فِيْ حُكْمِهٖٓ اَحَدًا ○ (قرآن مجید پارہ ۱۵ سورۂ کہف رکوع ۴)

تمام آسمانوں اور زمین کا علم غیب صرف اللہ کو ہے۔ سننا اور دیکھنا بھی اسی کی صفت ہے۔ خدا کے سوا ان کا کوئی مددگار نہیں اور نہ اللہ اپنے حکم میں کسی کو شریک کرتا ہے۔

یہ چار آیتیں ایک ہی جیسے عنوان کی اس بات پر نصِ صریح ہیں کہ غیب کا علم اللہ تعالیٰ کی صفتِ خاصہ ہے اور اس میں کوئی جن یا فرشتہ یا انسان کوئی پیر فقیر ولی نبی اس کا شریک نہیں۔

استدلال ان تین آیتوں سے استدلال جس بنا پر کیا گیا وہ یہ ہے کہ ان آیات میں لِلّٰهِ ، لَهٗ میں لام اختصاص کے لئے ہے **اور آخری تینوں** آیتوں میں سے دو میں لِلّٰهِ اور تیسری میں لَهٗ خبر کو مبتدا پر مقدم کیا ہے حالانکہ مبتدا پہلے ہوتا ہے اور خبر کا حق پیچھے ہے۔ مبتدا کو مؤخر کر کے خبر کو مقدم کر دیا۔ یہ خبر کی تقدیم اور مبتدا کی تاخیر یہ حصر اور تخصیص کی غرض سے ہے۔ کیونکہ تقدیم خبر کے

فوائد میں سے اہم فائدہ یہی ہے۔ جیسا کہ مطوّل وغیرہ میں اس کی تصریح موجود ہے۔
اور پہلی آیت میں اِنَّمَا بھی حصر اور تخصیص کے لئے ہے۔

غرضیکہ چاروں آیتوں کا واضح اور صریح مطلب یہ ہے کہ آسمان و زمین کا کُل غیب اللہ ہی کے لئے مخصوص ہے اور اسی کی ذات میں ہی منحصر اور اسی ہی پر مقصور ہے۔

زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند بزرگان ملت، مفسرین امّت کے اقوال پیش کر دئے جائیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ بزرگانِ سلف یعنی پہلے صالحین بزرگوں نے ان آیات کی تفسیر کیا فرمائی ہے۔ ملاحظہ ہو۔

علامہ سیّد محمود آلوسی بغدادی حنفی رحمہ اللہ دوسری آیت کے تحت فرماتے ہیں۔

ای انہ سبحنہ یعلم کل ما غاب فی السمٰوت والارض ولا یعلم ذٰلک احد سواہ جلّ وعلا (تفسیر روح المعانی جلد ۱۲ صفحہ ۱۶۷)

یعنی اللہ تعالیٰ زمین وآسمان پر پوشیدہ چیز کو جانتا ہے۔ اور اللہ جلّ وعلا کے سوا یہ غیب کا علم کوئی بھی نہیں جانتا۔

علّامہ قاضی بیضاوی شافعیؒ اسی آیت کے تحت رقمطراز ہیں

وَلِلّٰہِ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ خَاصَّۃً لَا یَخْفٰی عَلَیْہِ خَافِیَۃٌ فِیْھِمَا (بیضاوی برحاشیہ قرآن مصری)
اور زمین وآسمان کا سب غیب اللہ ہی کے لئے مخصوص ہے کوئی چیز اس پر پوشیدہ نہیں

علّامہ امام فخرالدین رازی شافعیؒ تیسری آیت کے تحت راقم ہیں

قولہ وَلِلّٰہِ غَیْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یفید الحصر معناہ ان العلم بھٰذہ الغیوب لیس الا للّٰہ (تفسیر کبیر جلد ۵ صفحہ ۴۹۹)

اللہ کا ارشاد وللہ غیب السمٰوت والارض حصر کا فائدہ دیتا ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ سب غیب صرف اللہ ہی کو ہیں

علّامہ ابوالسعود حنفی اور علامہ آلوسی حنفی دونوں اسی تیسری آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں

وللّٰہ تعالیٰ خاصّۃ لا لاحدٍ غیرہ استقلالًا ولا اشتراکًا غیب السمٰوت والارض (تفسیر ابو السعود جلد ۵ صفحہ ۴۹۷ و روح المعانی جلد ۲ صفحہ ۱۹۸)

آسمان و زمین کے سب غیب کا علم اللہ کے ساتھ خاص ہے اور اس کے سوا کسی کو حاصل نہیں نہ مستقل طور پہ نہ اشتراک کے طور پر۔

اور امام ابن جریر طبریؒ چوتھی آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں

فان ذٰلك لا يعلمه سوى الذى يعلم غيب السمٰوٰت والارض وليس ذٰلك الا الله الواحد القهار (تفسیر ابن جریر جلد ۱۵ صفحہ ۳۳)

کیونکہ اس بات کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا جو آسمانوں اور زمین کا غیب جانتا ہے اور یہ صفت صرف اللہ ہی کی ہے جو واحد اکیلا یکتا اور زبردست ہے

اور اسی چوتھی آیت کی تفسیر میں علامہ ابو حیان اندلسیؒ فرماتے ہیں۔

ثم ذكر اختصاصه بما غاب فى السمٰوٰت والارض وخفى فيهما (البحر المحيط ج ۶ ص ۱۱۷)

پھر اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان میں جو کچھ پوشیدہ ہے اور ان میں رہنے والوں کے پوشیدہ احوال سب کا علم اپنے ساتھ خاص ہونا بیان فرمایا ہے۔

(۵) وعنده علم الساعة واليه ترجعون (قرآن مجید زخرف ع ۷)

اور قیامت کی خبر بھی صرف اللہ ہی کو ہے۔ اور تم سب اس کے پاس واپس جاؤ گے

(۶) إِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرَاتٍ مِّنْ أَكْمَامِهَا وَمَا تَحْمِلُ مِنْ أُنْثَىٰ وَلَا تَضَعُ إِلَّا بِعِلْمِهِ (قرآن مجید پارہ ۲۵ آیت ۱)

قیامت کا علم خدا ہی کی طرف لوٹایا جاتا ہے اور کوئی پھل اپنے خول سے نہیں نکلتا اور نہ ہی کسی مادہ کو حمل ٹھیرتا ہے اور نہ وہ جنتی ہے مگر سب چیز کا اس کو علم ہے۔

ان دونوں آیتوں میں بھی اسی بات کو بیان کیا گیا ہے کہ غیب کا علم صرف اللہ ہی کی ذات کو ہے۔ اور قیامت کا علم بھی غیب ہے۔ اور غلہ وغیرہ کی بالیوں میں دانوں وغیرہ کی تعداد اور مادہ کے پیٹ میں حمل اور اس کے جملہ معلومات وغیرہ سب غیب ہیں ان سب کو ایک اللہ ہی کی ذات جانتی ہے۔

آیت ۵ میں صرف قیامت کے علم کا ذکر ہے۔ جب کہ آیت ۶ میں دوسری چیزوں کا بھی ذکر ہے۔ آیت ۵ میں بھی خبر کو مبتدا پر مقدم کرکے حصر کے ساتھ ثابت کیا گیا ہے

کہ قیامت کا علم ایک اللہ ہی کو ہے۔
چنانچہ خاتم المفسرین عمدۃ المحققین علامہ آلوسی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔
فی تقدیم الخبر اشارۃ الی استیثارہ تعالیٰ بعلم ذٰلك (روح المعانی ص ۱۰ ج ۲۵)
ترجمہ اور خبر کو مقدم کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کیساتھ مخصوص ہے
اور علامہ ابن صفی رح اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں
وعندہ لا عند غیرہ علم الساعۃ (جامع البیان صفحہ ۴۲۳)
ترجمہ اور قیامت کا علم اسی کے پاس ہے اور اس کے سوا کسی کے پاس نہیں ہے۔
علامہ عماد الدین ابن کثیر رح اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔
وعندہ علم الساعۃ ای لا یجلیہا لوقتہا الا ھو (تفسیر ابن کثیر ص ۱۳۶ ج ۴)
ترجمہ قیامت کا علم اسی کے پاس ہے یعنی اس کے ظاہر ہونے کے معین وقت کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

آیت ع۶ میں تو اللہ تعالیٰ نے اپنے کمال علم اور وسعتِ معلومات کو ایک عجیب انداز سے ذکر فرمایا ہے۔ آیت کے پہلے حصّے میں تو یہ فرمایا کہ قیامت کے ہونے اور نظام کے درہم برہم ہونے کا معین وقت صرف اللہ ہی کو معلوم ہے۔ اور دوسرے حصّے میں فرمایا کہ اس عالم کون و فساد میں صبح و شام ہر گھڑی لحہ بلحہ ہونے والے تمام حالات و حوادثات اور حیوانات و نباتات میں رونما ہونے والے تمام انقلابات سب کا تفصیلی اور محیط و بسیط علم بھی اسی الٰہ العالمین کو ہے۔

اس آیت میں بھی ظرف (اِلَیْہِ) کو اس کے عامل (یُرَدُّ) پر مقدم کر کے حصر کے فائدے کو ظاہر کیا گیا ہے۔ تاکہ آیتِ کریمہ سے یہ مفہوم ظاہر ہو کہ قیامت کا علم اللہ ہی کو ہے اور اس کے سوا کسی دوسرے کو نہیں۔ اور خاص بات یہ ہے کہ حصر صرف پہلے ہی حصہ میں نہیں بلکہ پوری آیت میں حصر ہے۔ کیونکہ یہ قانون اور قاعدہ ہے کہ جب کسی آیت کے ایک حصہ میں کلمہ حصر ہو اور باقی حصوں میں نہ ہو تو باقی حصّے بھی حصر پر ہی محمول ہونگے جیسا کہ ائمۂ متکلمین نے تصریح کی ہے

امام المتکلمین علامہ فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں۔ تفسیر رازی ج۷ ص۳۸۱

وھٰذہ الکلمۃ تفید الحصر ای لایعلم وقت الساعۃ بعینہ الا اللّٰہ وکما ان ھٰذا العلم لیس الا عند اللّٰہ فکذٰلک العلم بحدوث الحوادث المستقبلۃ فی اوقاتھا المعینۃ لیس الا عند اللّٰہ سبحٰنہ وتعالیٰ ثم ذکر من امثلۃ ھذا الباب مثالین۔

ترجمہ اور یہ کلمہ حصر کا فائدہ دیتا ہے یعنی قیامت کا معین ومقرر وقت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور جس طرح قیامت کا علم صرف اللہ کو ہے اسی طرح باقی آئندہ حوادثات کے اپنے اپنے معین ومقرر وقت میں واقع ہونے کا علم بھی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے کو نہیں۔ اور پھر آئندہ کے حوادث کی دو مثالیں بیان فرمائی ہیں ۱۔ ایک پھلوں کا اپنے خوشوں سے نکلنا ۲۔ دوسری مادہ کا حاملہ ہونا اور بچہ جننا۔

عمدۃ المفسرین علامہ امام ابن کثیرؒ اسی آیت ۶ کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔

ای لایعلم ذٰلک احد سواہ کما قال محمد صلی اللہ علیہ وسلم وھو سید البشر لجبرائیل علیہ السلام وھو من سادات الملائکۃ حین سالہ عن الساعۃ فقال ما المسئول عنھا باعلم من السائل (تفسیر ابن کثیر ج۴ ص۱۱۴)

کہ قیامت کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ جیسا کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے جو سید البشر ہیں جبرائیل کو جو فرشتوں میں اونچے درجے والے تھے۔ فرمایا جب جبرائیل نے آپؐ سے قیامت کے بارے میں سوال کیا تھا تو آپؐ نے فرمایا جس وقت قیامت کے بارے میں سوال کیا گیا ہے وہ سائل سے زیادہ علم نہیں رکھتا یعنی وقت قیامت نہ جاننے میں دونوں برابر ہیں۔

علامہ خازنؒ فرماتے ہیں۔

یعنی اذا سأل سائل عنھا قیل لہٗ لا یعلم وقت قیام الساعۃ الا اللّٰہ تعالیٰ ولا سبیل للخلق الی معرفۃ ذٰلک (خازن ج۶ ص۹۶)

ترجمہ یعنی جب کوئی شخص یہ سوال کرے کہ قیامت کب آئے گی تو اس کو یہی جواب دیا جائیگا کہ قیامت کا معین وقت اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور نہ ہی مخلوق کیلئے

اس کے علم کا حصول ممکن ہے۔

اور علامہ ابن صفی رح حنفی لکھتے ہیں۔

الیہ یرد علم الساعۃ مایعلمہا الا اللہ (جامع البیان ص۴۱۳)

ترجمہ قیامت کا علم اللہ ہی کے حوالہ کیا جائے۔ کیونکہ اس کے معین وقت کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

حاصل کلام یہ ہے کہ قیامت کا علم اس کے قائم ہونے کا معین و مقرر وقت اور اسی طرح دنیا میں تمام واقع ہونے والے حالات و حوادثات اور ان کے اوقات معینہ اور مقررہ کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ زمین و آسمان کے تمام غیوب اور ماکان و مایکون کے جمیع علوم صرف اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں۔

تفسیری حوالجات تو بکثرت ہیں۔ مگر حوالے جمع کرنا مقصود نہیں۔ بات سمجھنا اور سمجھانا مقصود ہے۔ ان آیاتِ کریمہ سے صراحۃً یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ غیب کا علم اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ اور اس میں اس کی مخلوق میں سے کوئی فرد بھی اس کا شریک نہیں ہے۔ اور مذکورۃ الصدر حضرات مفسرین کرام رحمہم اللہ کی عبارات سے بھی یہ واضح ہوگیا کہ سلف صالحین رح نے بھی ان آیات کا یہی مفہوم سمجھا اور ہر زمانہ کے بزرگان دین نے اس کو صاف صاف واضح الفاظ میں بیان فرمایا۔ اور اہلِ حق اہل السنۃ والجماعۃ ساری امت کا یہی عقیدہ اور اسی پر ایمان رہا (اللہم اجعلنا منہم)

عنوان ثالث

اس عنوان میں وہ آیاتِ قرآنی پیش کی جائیں گی جن میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ خاصہ کے ذکر کے ساتھ صریح الفاظ میں غیر اللہ سے اس صفت کی نفی کی گئی ہے۔

۱ وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمہا الا ھو (قرآن مجید پارہ ۷ سورہ انعام رکوع ۷)

ترجمہ اور غیب کے خزانے اللہ ہی کے قبضہ میں ہیں۔ ان کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اِنَّ اللّٰہَ عَلِیْمٌ

خَبِيْرٌ ○ (قرآن مجید پارہ ۲۱ سورۂ لقمان رکوع ۴)

ترجمہ بے شک قیامت کا علم اللہ ہی کو ہے۔ اور وہی مینہ برساتا ہے۔ اور وہی جانتا ہے جو کچھ رحموں میں ہے۔ اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا۔ اور کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کس زمین میں مرے گا۔ بیشک اللہ ہی سب کچھ جاننے والا خبردار ہے

پہلی آیت کریمہ میں مَفاتِح کے خزانے بھی اور چابیاں دونوں معنے بزرگوں سے منقول ہیں جن بزرگوں نے مفاتح کو فتح میم کے ساتھ مَفْتَح کی جمع قرار دیا ہے، انہوں نے خزانے کا ترجمہ کیا ہے۔ اور جن بزرگوں نے بکسر المیم مِفْتَح کی جمع قرار دی ہے، انہوں نے چابیوں کا ترجمہ کیا ہے۔ بہرحال دونوں ایک ہی چیز ہیں۔ غیب کے خزانے اور خزانوں کی چابیاں صرف اللہ ہی کے پاس ہیں۔

اس آیت شریفہ میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ خاصہ علم غیب کو بڑے عجیب طرز سے بیان کیا گیا ہے اور واقعی یہ کلام الٰہی کا ہی اعجاز ہے۔ حالانکہ اس میں بھی مفاتح الغیب مبتدا مؤخر اور عندہٗ خبر مقدم ہے جو حصر کا فائدہ دیتی ہے۔ مگر اس کے باوجود اس کو اس اہتمام سے بیان فرمایا کہ صریح الفاظ میں نفی فرمادی لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ جس کا واضح اور صریح مطلب ہے کہ غیب کے خزانے صرف اور صرف اللہ ہی کے قبضہ میں ہیں اس کے سوا کوئی اس کو نہیں جانتا۔

غیب کے خزانے کو کہتے ہیں اور کیا ہیں۔ اس کی وضاحت خود سید المرسلین آن حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے صراحۃً احادیث پاک میں صحیح مرفوع متصل سندوں کے ساتھ ثابت ہے اور خود آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مفاتح الغیب کی تشریح و تفسیر میں یہ دوسری سورۂ لقمان کی آخری آیت پڑھ کر ان کی مراد متعین فرمادی چنانچہ صحیح بخاری صفحہ ۶۶۶ ج ۲ میں موجود ہے کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مفاتح الغیب کی تفسیر فرماتے ہوئے سورۂ لقمان کی ہی آخری آیت اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ سے اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ تک تلاوت فرمائی۔

اور اسی طرح صحیح بخاری میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

مفاتح الغیب خمس لا یعلمھا الا اللہ لا یعلم ما فی غد الا اللہ ولا یعلم ما تغیض الارحام الا اللہ ولا یعلم متی یاتی المطر احد الا اللہ ولا تدری نفس بای ارض تموت ولا یعلم متی تقوم الساعۃ الا اللہ (صحیح بخاری شریف ج ۲ ص ۶۸۱، ۷، ۱۰۹)

مفاتیح الغیب پانچ چیزیں ہیں جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا ۱ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ کل کیا ہوگا ۲ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ رحموں میں کیا ہے ۳ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ بارش کب آئے گی ۴ اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ وہ کہاں مریگا ۵ اور اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا کہ قیامت کب آئے گی۔

قرآن پاک کی صراحت اور آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وضاحت جو آپؐ نے اپنی زبان وحی ترجمان سے اس آیت پاک کی تفسیر فرمائی ہے اس نے واضح فرما دیا کہ "مفاتح الغیب" غیوب خمسہ کا علم خدا کے سوا کسی کو نہیں۔ صحابہ کرامؓ تابعین عظامؒ تبع تابعین فقہاء اور ائمہ دین حضرات سب سے یہی منقول ہے۔ تصریحات ملاحظہ ہوں

حبر الامۃ رئیس المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہے

ھٰذہ الخمسۃ لا یعلمھا الا اللہ ولا یعلمھا ملک مقرب ولا نبی مرسلؐ فمن ادعیٰ انہ یعلم شیئا من ھٰذہ فقد کفر بالقراٰن لانہ خالفہ (قرطبی ص ۸۲ ج ۱۴ خازن ص ۸۳ ج ۵)

ان پانچ چیزوں کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ان کو نہ کوئی مقرب فرشتہ اور کوئی نبی مرسل جانتا ہے۔ جو شخص بھی ان پانچ باتوں میں سے ایک کے جاننے کا بھی دعوٰے کرے وہ قرآن مجید کا منکر ہے۔ کیونکہ اس نے قرآن مجید کی مخالفت کی ہے

حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے

لم یعم علی نبیکم صلے اللہ علیہ وسلم الا الخمس من سرائر الغیب ھٰذہ الاٰیۃ فی اٰخر سورۃ لقمان (روح المعانی ص ۱۱۱ ج ۲۱)

ہمارے پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بھی ان پانچ چیزوں کا علم پوشیدہ رکھا گیا ہے جو غیب کے مخفی بھیدوں میں سے ہیں جو سورۂ لقمان کی آخری آیت میں ہیں۔

اسی طرح کا ایک خطبہ بھی نہج البلاغۃ میں ہے جو ایک دفعہ فرمایا۔

یا اخا کلب لیس ھو بعلم غیب دانما ھو تعلم من ذی علم و انما علم الغیب علم الساعۃ و ما عددہ اللہ تعالیٰ بقولہ ان اللہ عندہ علم الساعۃ الآیۃ فیعلم سبحانہ ما فی الارحام من ذکر او انثی وقبیح او جمیل وسخی او بخیل وشقی او سعید وان یکون فی النار اوفی الجنان للنبیین مرافقا فھذا علم الغیب الذی لا یعلمہ احد الا اللہ۔

(نہج البلاغۃ مطبوعہ ایران ص ۳۸۹ ج ۱)

اے کلبی! یہ علم غیب نہیں۔ یہ تو علم والے سے سیکھی ہوئی باتیں ہیں۔ علم غیب تو قیامت کا علم ہے اور چیزوں کا علم ہے جو اللہ نے ان اللہ عندہ علم الساعۃ والی آیت میں گنائی ہیں۔ پس اللہ ہی جانتا ہے کہ رحموں میں کیا ہے؟ نر ہے یا مادہ، بدصورت ہے یا خوبصورت، سخی ہے یا بخیل، بدبخت ہے یا نیک بخت، جہنم میں جلئے گا یا جنت میں اپنے بچوں کے ہمراہ ہوگا۔ علم غیب تو یہ ہے جسے اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

حضرت مجاہد فرماتے ہیں وھی مفاتح الغیب التی قال اللہ تعالیٰ وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمھا الا ھو (تفسیر ابن کثیر جلد سوم صفحہ ۴۵۵)

ترجمہ یہ پانچ چیزیں غیب کے وہ خزانے ہیں جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ غیب کے خزانے اللہ کے پاس ہیں اس کے سوا انکو کوئی نہیں جانتا

اور حضرت قتادہ کا قول ہے فرماتے ہیں اشیاء استأثر اللہ بھن فلم یطلع علیھن ملکا مقربا ولا نبیا مرسلا (ابن کثیر ص ۴۵۵ ج ۳ وروح المعانی ص ۱۱۱ ج ۲۱)

ترجمہ پانچ چیزیں ایسی ہیں جن کا علم اللہ نے اپنے ساتھ مخصوص کر رکھا ہے ان کی کبھی مقرب فرشتے کو اطلاع دی نہ کسی نبی مرسل کو

سیدنا و امامنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا فیصلہ ملاحظہ فرمائیے

مشہور واقعہ ہے کہ ایک دفعہ خلیفہ منصور نے خواب میں ملک الموت کو دیکھا تو اس نے اپنی بقیہ عمر کے بارے میں سوال کیا کہ میری عمر کتنی باقی ہے تو فرشتے نے

پانچ انگلیوں کا اشارہ کیا اور غائب ہو گیا۔ منصور نے تعبیر دانوں کے سامنے خواب بیان کیا ان میں امام اعظم بھی تھے۔ معبرین تعبیر بتانے والوں نے مختلف تعبیریں بتائیں کسی نے پانچ سال، کسی نے پانچ ماہ اور کسی نے پانچ دن باقی بتائے۔ لیکن حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رح نے فرمایا کہ

هو اشارة الی هذہ العلوم الخمسة لا یعلمها الا الله (تفسیر مدارک جلد ۳ صفحہ ۲۱۹)

وُہ ان پانچ چیزوں کی طرف اشارہ ہے کہ ان کو اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

مطلب یہ ہے کہ ملک الموت نے پانچ انگلیوں کا اشارہ کر کے یہ سمجھا دیا کہ تیرا سوال ان پانچ چیزوں میں سے ہے کہ جن کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا مجھے بھی تمہاری بقیہ عمر کا پتہ نہیں ہے۔

لیجئے اب مفسرین حضرات رحمہم اللہ کے بھی چند اقوال ملاحظہ فرما لیجئے۔

امام رازی فرماتے ہیں۔

قوله وعندہ مفاتح الغیب یفید الحصر ای عندہ لا عند غیرہ (تفسیر کبیر ص ۸۳ ج ۴)

اللہ کا فرمان عندہ مفاتح الغیب حصر کا فائدہ دیتا ہے کہ غیب کے خزانے صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں اور کسی کے پاس نہیں۔

علامہ ابوحیان اندلسیؒ فرماتے ہیں۔

الا هو حصر انه لا یعلم تلك المفاتح ولا یطلع علیها غیرہ تعالیٰ (البحر المحیط ص ۱۴۵ ج ۴)

اللہ کا فرمان الا هو یہ حصر ہے کہ یہ غیب کے خزانے اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور نہ کسی کو ان کی خبر ہے۔

خاتم المفسرین سند المحدثین عمدۃ الفقہاء حضرت العلامہ مولانا قاضی ثناء اللہ مرحوم پانی پتی حنفی رح فرماتے ہیں (تفسیر مظہری ص ۲۷۴ ج ۳)

یعنی لا یعلم شیئا من المغیبات الا الله تعالیٰ ولا یعلم غیرہ منها الا بتوفیقه

یعنی غیب کے خزانوں کی کسی چیز کو بھی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا اور کسی کو کسی چیز کا علم نہیں ہو سکتا مگر اللہ کے بتانے سے۔

حضرت قاضی صاحب رحمہ اللہ کے ایمان افروز بیان سے اس شبہ کا حل بھی ہو جاتا ہے،

جو عام ذہنوں میں ابھر کر مختلف انداز سے زبانوں پر آتا ہے کہ ان غیب کی جن چیزوں میں سے بعض اشیاء کی مثلاً کسی خاص حمل کی یا کسی خاص آدمی کے متعلق اس کے مرنے کی کہ فلاں جگہ مرے گا یا اسی قسم کی کوئی بات معلوم ہو جائے تو وہ اس آیت اور اللہ کے اس فرمان کے بالکل منافی نہیں کیونکہ غیب کے خزانوں پر صرف اللہ ہی کا قبضہ ہے۔ اور کسی کے پاس نہیں اور نہ ہی کسی کے بس کی یہ بات ہے کہ جب چاہے کسی بات کو معلوم کر لے۔ اس کا وہی مطلب ہے جو پہلے واضح کیا جا چکا ہے۔ اور علامہ مرحوم نے بھی اسی کا اظہار فرمایا ہے کہ غیب کا علم کسی کو نہیں ہاں کسی چیز کے متعلق اللہ تعالیٰ کسی کو جب چاہے اور جتنی چاہے خبر دے اور اطلاع فرما دے وحی اور الہام کے ذریعہ یہ سب اس کی توفیق اور مہربانی ہے کسی کے اپنے قبضہ اور اختیار کی بات نہیں۔ **لیکن** ! یہ یاد رکھیں کہ قیامت کے بارے کہ کب قائم ہوگی اس کا معین اور مقرر وقت یہ صرف اللہ ہی کے ساتھ خاص ہے۔ یہ ایک ایسی چیز ہے جس کی صرف ایک ہی جزئی ہے اس پر اللہ تعالیٰ نے نہ کسی کو مطلع ہی کیا اور نہ ہی کسی کو خبر دی۔ اس کی وضاحت عنوان ۲ کی پہلی دو آیتوں کی تفسیری حوالجات سے بیان کی جا چکی ہے۔

یہاں ایک شبہ اور اس کی وضاحت کر دینی نہایت ہی ضروری ہے۔

شبہ پیدا ہو سکتا ہے کہ آیت کریمہ میں غیب کی پانچ باتوں کا بیان ہے اور تفسیروں میں بھی بار بار ان ہی پانچ چیزوں کا علم اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان پانچ چیزوں کے علاوہ غیب اللہ کے ساتھ مخصوص نہیں۔

یہ شبہ اور آیت کریمہ اور تفسیری تصریحات سے ایسا مطلب سمجھنا قطعاً غلط اور خلافِ قرآن ہے۔ کیونکہ جن مغیبات کا کلی اور تفصیلی علم ذاتِ باری تعالیٰ سے خاص ہے اور اس کے سوا کسی رسول نبی یا جن و فرشتہ کسی کو بھی نہیں وہ ان غیوب خمسہ میں منحصر اور بند نہیں ہیں۔ بلکہ ان کے علاوہ زمین و آسمان کے تمام غیوب کا کلی اور تفصیلی علم بھی اللہ ہی کا خاصہ ہے اور اس کے سوا کسی کو حاصل نہیں۔ باقی رہی آیت میں پانچ چیزوں کی تخصیص تو یہ محض ایک سوال کی بنا پر ہے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے کیا گیا۔ چنانچہ اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ ایک شخص نے حضورؐ سے آکر یہ سوال کیا تھا کہ اے اللہ

کے رسول! قیامت کب آئے گی، بارش کب ہو گی؟ میری بیوی لڑکا جنے گی یا لڑکی؟ میں کل کیا کروں گا؟ اور میں کہاں مروں گا؟ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیت نازل فرمائی۔

صاحب روح المعانی علامہ آلوسی بغدادی رحمہ اللہ نقل فرماتے ہیں۔

والذی ینبغی ان یعلم ان کل غیب لایعلمہ الّا اللہ عزّ وجلّ ولیس المغیبات محصورۃ بھذہ الخمس وانما خُصّت بالذکر لوقوع السوال عنھا ولانھا کثیرًا ما تشتاق النفوس الیٰ العلم بھا (روح المعانی جلد ۲۱ صفحہ ۱۱۲)

اور اس چیز کا یہاں جاننا بہت ضروری ہے کہ ہر غیب کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اور مغیبات ان پانچ ہی میں بند نہیں ہیں اور خصوصیت کے ساتھ ان پانچ کا ذکر محض اس سوال کے لئے ہے جو اُن چیزوں کے متعلق کیا گیا تھا۔ اور اس لئے بھی خاص طور پر ذکر کیا گیا کہ اکثر لوگوں کو ان چیزوں کے معلوم کرنے کا شوق ہوتا ہے۔

اور اسی بارے میں حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی حنفیؒ فرماتے ہیں۔

ولیست خزائن الغیب منحصرۃ فی الخمس المذکورۃ بل کل مالم یوجد او لم نظھر لعبد (تفسیر مظھری ۲۷۴/۷ ج)

اور خزائنِ غیب ان پانچ چیزوں میں ہی بند نہیں ہیں بلکہ ہر وہ چیز جو ابھی تک وجود میں اور ظہور میں بھی نہیں آئی۔ وہ سب غیب میں داخل ہے جس کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

بہر حال ان دونوں آیتوں کے متعلق صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور مفسرین کے اقوال و تصریحات اختصاراً پیش کر دیئے ہیں اور دو سوالوں کا جواب بھی ضمناً مختصر عرض کر دیا گیا ہے۔ تفہیم کے لئے تو ایک نکتہ بھی کافی ہوتا ہے

۳ حَتّٰٓی اِذَا رَاَوْا مَا یُوْعَدُوْنَ فَسَیَعْلَمُوْنَ مَنْ اَضْعَفُ نَاصِرًا وَّ اَقَلُّ عَدَدًا قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْٓ اَمَدًا

حتیٰ کہ جب اس چیز کو دیکھ لیں گے جس کا ان سے وعدہ کیا جاتا ہے اس وقت جان لیں گے کہ کس کے مددگار کمزور ہیں اور کس کی جماعت تھوڑی ہے۔ کہہ دیجئے مجھے معلوم نہیں کہ جس

چیز کا تم سے وعدہ کیا جاتا ہے بہت جلد ہے یا میرے رب نے مدت دراز مقرر کی ہے۔
اس آیت کریمہ میں مَا یُوْعَدُوْنَ سے قیامت کا دن یا دنیا میں اللہ کا عذاب مراد ہے۔ امام فخر الدین رازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جب پہلی آیت نازل ہوئی تو نضر بن حارث نامی ایک کافر نے کہا کہ یہ وعدہ کب پورا ہوگا؟ تو اس کے جواب میں دوسری آیت نازل ہوئی چنانچہ علامہ موصوف آخر میں فرماتے ہیں

والمعنی ان وقوعہ متیقن اما وقت وقوعہ فغیر معلوم (تفسیر کبیر ج۸ ص۳۲۹)
مطلب یہ ہے کہ اس وعدہ کا وقوع تو یقینی امر ہے۔ لیکن اس کے وقوع کا معین و مقرر وقت وہ تو اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔
امام بغویؒ اور علامہ خازنؒ ایک ہی جیسے الفاظ میں فرماتے ہیں۔
والمعنی ان علم وقت العذاب غیب لا یعلمہ الا اللہ عز وجل (معالم التنزیل ج۷ ص۱۳۶)
مطلب یہ ہے کہ عذاب کے وقتِ مقررہ کا علم غیب میں داخل ہے جس کو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کو معلوم نہیں۔
امام ابن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں
یقول اللہ تعالیٰ امرا رسولہ صلے اللہ علیہ وسلم ان یقول للناس انہ لا علم لہ بوقت الساعۃ ولا یدری اقریب وقتھا ام بعید (تفسیر ابن کثیر ج۴ ص۴۳۲)
اللہ تعالیٰ اپنے رسول مقبول کو حکم دیتے ہوئے فرماتے ہیں کہ آپؐ لوگوں سے کہہ دیں کہ قیامت قائم ہونے کا مقرر وقت مجھے معلوم نہیں اور نہ میں یہ جانتا ہوں کہ وہ نزدیک ہے یا دُور۔
علامہ ابو السعود حنفی فرماتے ہیں
قل انہ کائن لا محالۃ واما وقتہ فلا ادری متی یکون (تفسیر ابی السعود ج۸ ص۳۲۹)
آپؐ کہہ دیں کہ وہ وعدہ الٰہی ضرور بضرور پورا ہو کر رہے گا۔ لیکن اس کا وقت مقرر تو مجھے معلوم نہیں کہ وہ کب آئے گا۔
یہ آیت کریمہ اگرچہ خود صریح الدلالۃ ہے اور علی الاعلان اس بات کو واضح طور پر

ثابت کر رہی ہے کہ " مَا یُوْعَدُوْنَ" قیامت یا عذاب کے وقت معین اور مقررہ کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں حتٰے کہ سرورِ انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نہیں۔ تاہم حضرات قارئین کی تشفی اور تسلّی و تسکین کیلئے مفسرین کرام کے چند تفسیری اقوال و تصریحات بھی نقل کر دی ہیں جو اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ مفسرین حضرات بزرگانِ دین اور اُمت کے علماء سلف نے بھی اس آیت سے وہی مفہوم سمجھا اور اسی کو بیان فرمایا جو اس آیت سے متبادر اور صادر ہوتا ہے اور کسی نے بھی اس آیت میں ذاتی عطائی کی کوئی بحث نہیں چھیڑی۔

(۴) فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مَّآ اُخْفِیَ لَهُمْ مِّنْ قُرَّةِ اَعْیُنٍ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ○ (پارہ ۲۱ رکوع ۱۵)

پس کسی شخص کو خبر نہیں جو اُن کی آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان ان سے پوشیدہ ہے۔ یہ ان کے اعمالِ صالحہ کا بہترین بدلہ ہے۔

اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنے ان نیک بندوں کا ذکر فرمایا ہے جو اس کی آیتیں سن کر اس کے سامنے جُھک جاتے ہیں اور ہر وقت اس سے ڈرتے رہتے ہیں۔ اور اس کی یاد میں تسبیح و تقدیس اور تعظیم و عبادت میں مصروف رہتے ہیں۔ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ایسے مؤمنین اور نیک بندوں کے لئے ان کے ایمان اور اعمالِ حسنہ کی پاداش میں جو بے بہا عظیم الشان نعمتیں اور راحتیں چھپا کر رکھی گئی ہیں۔ ان کا اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا کسی نفس اور جان کو علم نہیں نہ کسی پیغمبر کو اور نہ کسی صالح انسان اور ولی کو اور نہ کسی فرشتے کو۔

چنانچہ صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں اس طرح ارشاد فرمایا۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ رسولِ کریم علیہ الصلوٰۃ و السلام سے روایت کرتے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا

یقول اللہ تعالیٰ اعددت لعبادی الصالحین مالا عین رأت ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر ذخرا بله ما اطلعتم علیه ثم قرأ فلا تعلم نفس الایه (صحیح بخاری ص ۷۰۴ ج ۲)

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں نے اپنے نیک بندوں کے لئے بطور ذخیرہ وہ کچھ تیار کر رکھا ہے جسے کسی آنکھ نے نہیں دیکھا اور نہ کسی کان نے سنا اور نہ ہی فرد بشر کے دل میں

اس کا تصوّر آیا اور یہ جنّت کی ان نعمتوں کے علاوہ ہیں جن کی قرآن و حدیث کی سے ہم کو پہلے سے اطلاع ہے۔ پھر آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

انه مکتوب فی التورٰیة لقد اعدّ الله للذین تتجافٰی جنوبهم عن المضاجع مالم ترعینٌ ولم تسمع اذن ولم یخطر علی قلب بشر ولا یعلمه نبي مرسل ولا ملك مقرب قال ونحن نقرأها فلا تعلم نفس الآیة (مستدرك حاکم ص ۴۱۴ ج ۲)

کہ تورات میں لکھا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے جن کے پہلو (عبادتِ الٰہی کی وجہ سے) ان کے بستروں سے الگ رہتے ہیں وہ کچھ تیار کر رکھا ہے کہ جسے کسی آنکھ نے نہ دیکھا، نہ کسی کان نے سنا اور نہ کسی آدمی کے دل میں اس کا تصوّر آیا اور نہ اس کو کوئی نبی مرسل جانتا ہے اور نہ کوئی مقرب فرشتہ اور قرآن میں بھی ہم اسی مضمون کو پڑھتے ہیں۔ پھر یہ آیت پڑھی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے اس آیت شریفہ کا مضمون اور اس کا مفہوم نہایت صاف وضاحت سے بیان فرما دیا کہ جنّت کی نعمتوں اور ان کی لذتوں اور راحتوں کا احاطہ اللہ کے سوا کوئی نہیں کر سکتا نہ کوئی پیغمبر اور کوئی فرشتہ۔

علّامہ قاضی بیضاوی رح فرماتے ہیں

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ لا ملك مقرب ولا نبي مرسل (تفسیر بیضاوی برحاشیہ قرآن مطبوعہ مصر)

کوئی نفس نہیں جانتا نہ کوئی مقرب فرشتہ اور نہ کوئی نبی مرسل جو کچھ اللہ نے نیک بندوں کے لئے خاص چھپا رکھا ہے۔

علّامہ ابوالسعود حنفی اور علّامہ سید محمود آلوسی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

فَلَا تَعْلَمُ نَفْسٌ مِّنَ النُّفُوْسِ لَا مَلَكٌ مُّقَرَّبٌ وَّلَا نَبِيٌّ مُّرْسَلٌ فَضْلًا عَمَّا عَدَاهُمْ

(تفسیر ابي السعود ص ۶۵۵ ج ۴ وتفسیر روح المعاني ص ۱۳۲ ج ۲۱)

نفوس میں سے کوئی نفس نہیں جانتا نہ کوئی مقرب فرشتہ اور نہ کوئی نبی مرسل دوسروں کا تو ذکر ہی چھوڑ دیئے۔

علامہ ابن کثیر امام رح فرماتے ہیں۔

ای فلا یعلم احد عظیمۃ ما اخفی اللہ لھم فی الجنّٰت من النعیم المقیم واللذات التی لم یطلع علیٰ مثلھا احد (تفسیر ابن کثیر ج۳ ص۴۶۰)

یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کیلئے جنت میں جو دائمی نعمتیں اور لذتیں پوشیدہ کر رکھی ہیں جن کی مثال کسی نے نہیں دیکھی۔ ان کی عظمت شان کو کوئی نہیں جانتا۔

مفسر امام قرطبیؒ اسی آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔

والمعنی المراد انہ اخبر تعالیٰ بما لھم من النعیم الذی لم تعلمہ نفس ولا بشر ولا ملک (تفسیر قرطبی ج۱۴ ص۱۰۴)

اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں ان نعمتوں کی خبر دی ہے جو اُن کے لئے تیار ہیں۔ جن کو کوئی انسان اور فرشتہ نہیں جانتا۔

اس آیت کریمہ سے اور امام الانبیاء علیہ السلام سے اور مندرجہ بالا تفسیری عبارتوں سے یہ صاف طور پر واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کے لئے جو نعمتیں خزانہ غیب میں محفوظ کر رکھی ہیں ان کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں حتّٰے کہ اللہ کے مقرب فرشتے اور اس کے برگزیدہ رسولوں اور پیغمبروں کو بھی نہیں۔ معلوم ہوا کہ علّام الغیوب صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے اور علم غیب اسی کی مخصوص صفت ہے۔ اس صفت خاصہ میں اس کے ساتھ کوئی اور شریک نہیں۔

⑤ وَمَا یَعْلَمُ جُنُوْدَ رَبِّکَ اِلَّا ھُوَ وَمَا ھِیَ اِلَّا ذِکْرٰی لِلْبَشَرِ ۝ (پارہ ۲۹ سورۃ مدثر ع۱)

اور تیرے رب کے لشکروں کو اس کے سوا کوئی نہیں جانتا اور یہ صرف آدمیوں کی نصیحت کے لئے ہے۔

اس آیت سے پہلے اللہ تعالیٰ نے جہنم کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ جہنم کے دربان انیس[19] فرشتے ہوں گے اس پر ابوجہل اور اس احمق ساتھیوں نے مذاق اور تمسخر اڑاتے ہوئے کہا کہ انیس کا مقابلہ تو کوئی مشکل نہیں۔ تو اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جہنم کے خازن داروغے اور دربان کوئی دنیا کے دربانوں کی طرح آدمی تھوڑے ہیں جن کا مقابلہ تم کر سکو گے؟

وہ تو فرشتے ہیں اور فرشتے بھی بڑے طاقتور اور نہایت سخت ہیبت ناک۔ اور پھر یہ انیس[19] تو صرف جہنم کے دربان و خازن ہیں اور مجرموں کو عذاب دینے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ان انیس[19] کے ساتھ فرشتوں کے جو بے شمار لشکر مقرر کئے ہیں وہ اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کی گنتی اللہ کے سوا کسی کو معلوم ہی نہیں۔

اس آیت میں نہایت صراحت اور وضاحت کے ساتھ غیر اللہ سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے۔ اور صاف اعلان ہے کہ فرشتوں کی گنتی کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے

مفسر قرطبیؒ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں۔ (تفسیر قرطبی ج ۱۹ ص ۸۱

ای ما یدری عدد ملائکۃ ربک الذین خلقهم لتعذیب اهل النار الا هو ای الا الله جل ثناؤه وهذا جواب لابی جهل حین قال اما لمحمد من الجنود الا تسعۃ عشر

یعنی کوئی نہیں جانتا ان فرشتوں کی گنتی کو جن کو اللہ تعالیٰ دوزخیوں کو عذاب دینے کیلئے پیدا کیا ہے۔ یہ ابوجہل کی اس بات کا جواب ہے کہ کیا محمدؐ کے بس میں انیس ہی سپاہی ہیں۔

امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں۔

ای ما یعلم عددهم وکثرتهم الا هو تعالیٰ (تفسیر ابن کثیر ج ۴ ص ۴۴۴)

یعنی ان کی کثرت تعداد کی گنتی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا

امام بغوی اور علامہ خازن فرماتے ہیں۔

والمعنی ان الخزنۃ تسعۃ عشر ولهم اعوان وجنود من الملائکۃ لا یعلم عددهم الا الله تعالیٰ خُلقوا لتعذیب اهل النار (تفسیر معالم وخازن ج ۷ ص ۱۴۵)

مطلب یہ ہے کہ انیس تو جہنم کے خازن ہیں اور فرشتوں کے بہت سے لشکر اُن کے معاون ہیں جو اللہ تعالیٰ نے دوزخیوں کو عذاب دینے کے لئے پیدا کئے ہیں ان کی تعداد اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

فخر المفسرین عمدۃ المتکلمین امام فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں۔

ان هؤلاء تسعۃ عشر الا ان لکل واحد منهم من الاعوان والجنود ما لا یعلم عددهم الا الله (تفسیر کبیر ج ۸ ص ۳۶۴)

بے شک جہنم کے خازن تو انیس[19] ہیں۔ مگر ان میں سے ہر ایک کے معاون اور لشکر اس قدر کثیر ہیں کہ ان کی گنتی اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

علامہ ابو السعود فرماتے ہیں (تفسیر ابی السعود ج۶ ص۳۶۲)

و ما یعلم جنود ربك ای جموع خلقه التی من جملتها الملائکة المذکورون الا هو

تیرے رب کے لشکروں یعنی اس کی مخلوق کے تمام گروہوں کو من جملہ جن کے ملائکۃ العذاب بھی ہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

یہ آیت بھی اگرچہ اپنے مفہوم کے اعتبار سے بالکل واضح اور صریح الدلالۃ ہے لیکن مفسرین کرام رحمہم اللہ کی تصریحات اس لئے نقل کی گئی ہیں تاکہ یہ حقیقت واضح ہوجائے کہ آیت کا مفہوم اور مطلب بالکل اس بارے میں صریح اور واضح ہے۔ اس میں کسی تاویل یا تخصیص کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

(۶) وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ وَمَا اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا

(قرآن مجید پارہ ۱۵ سورۂ بنی اسرائیل رکوع ۱۰)

اور آپؐ سے روح کے بارے پوچھتے ہیں۔ آپؐ فرمادیجئے کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے اور تم کو بہت تھوڑا علم دیا گیا ہے

صحیح روایتوں میں آتا ہے کہ کافروں نے بطورِ امتحان آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روح کے بارے میں سوال کیا تھا جس کے جواب میں یہ آیت کریمہ نازل ہوئی جس کا خلاصہ یہ ہے کہ روح کی حقیقت کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہے اور اس کے سوا روح کی حقیقت کوئی نہیں جانتا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو جو علم عطا فرمایا ہے وہ بہت ہی تھوڑا ہے۔ عالم الغیب اللہ تعالیٰ ہی کی صفت خاصہ ہے۔

علامہ خازن اس آیت کے تحت فرماتے ہیں

والاولی الاقاویل ان یوکل علمه الی الله عزوجل وهو قول اهل السنة قال عبد الله بن بریدة ان الله لم یطلع ملکا مقربا ولا نبیا مرسلا بدلیل قوله تعالیٰ قل الروح من امر ربی الذی استأثر به (تفسیر خازن ج۴ ص۱۴۸)

اور تمام اقوال میں سے بہترین قول یہ ہے کہ روح کا علم اللہ تعالیٰ کے سپرد کیا جائے اور یہی اہل السنۃ کا قول و مسلک ہے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ بن بریدہ فرماتے ہیں۔ کہ روح کی حقیقت پر اللہ تعالیٰ نے کسی مقرب فرشتے کو مطلع نہیں کیا اور نہ ہی کسی برگزیدہ نبی کو۔ اور اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّي۔ روح کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات کے لئے خاص کر لیا ہے

اور علامہ ابن صفی حنفیؒ فرماتے ہیں۔

قُلِ الرُّوحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّي مما استاثر بعلمہٖ (جامع البیان ص ۳۵)

روح میرے رب کے امر سے ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ روح ان چیزوں میں سے ہے جس کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے لئے مخصوص کر لیا ہے۔

اور علامہ ابوالسعود حنفی فرماتے ہیں۔

ای ھو من جنس ما استأثر اللہ بعلمہ من الاسرار الخفیۃ (تفسیر ابی السعود ص ۶۳۵)

یعنی روح بھی ان پوشیدہ رازوں میں سے ایک ہے جن کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ خاص کر رکھا ہے۔

محدث و مفسر علامہ امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں

ای من شانہ ومما استاثر بعلمہٖ دونکم (تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۶۱)

یعنی روح اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ہے اور ان کاموں میں سے ہے جن کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ خاص کر لیا ہے اور تمہیں نہیں دیا۔

حضرات! آیاتِ قرآنی کا سلسلہ بہت طویل ہے۔ سب کا احاطہ مقصود بھی نہیں ہے سردست صرف ایک آیت کو جو اس بارے میں تمام ان نصوص قطعیہ کی جامع ہے ملاحظہ ہو

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ ۚ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اَيَّانَ يُبْعَثُوْنَ ۝ (قرآن مجید پارہ ۲۰ رکوع ۱)

کہہ دیجئے کہ سب آسمانوں والے اور زمین والے کوئی بھی غیب نہیں جانتا سوائے اللہ کے۔ اور ان کو یہ خبر نہیں کہ وہ دوبارہ کب اٹھائے جائیں گے۔

اس آیت کریمہ نے مسئلۂ علم غیب کے معاملہ کو بالکل صاف کر دیا ہے اور واشگاف اور علی الاعلان واضح الفاظ میں اس کا اظہار فرما دیا ہے کہ سب آسمانوں میں رہنے والے خواہ ملائکہ کرام ہوں یا ارواحِ طیّبہ وغیرہ اور نہ ہی زمین میں رہنے والے خواہ جنّات یا اولیاء اللہ یا انبیاء کی پاکیزہ جماعت وغیرہم کوئی بھی غیب کا علم نہیں جانتا۔ صرف ایک اللہ ہی کی ذات جانتی ہے

مفسرین حضرات نے لکھا ہے کہ مشرکین نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا تھا کہ جس قیامت کے دن سے تو ہمیں ڈراتا ہے اور جس سخت عذاب کی تو روزانہ دھمکیاں دیتا ہے ہمیں بتا تو سہی کہ وہ قیامت کا دن کب آئے گا۔ تو اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرما کر آپؐ کو حکم فرمایا کہ آپؐ یہ جواب دیں کہ قیامت کب آئے گی؟ یہ تو غیب کی بات ہے۔ اور غیب صرف اللہ ہی جانتا ہے اس کے سوا زمین و آسمان میں کوئی بھی غیب دان نہیں ہے۔ اس لئے مجھے معلوم نہیں کہ قیامت کب آئے گی۔

چنانچہ امام بغویؒ اور علامہ خازنؒ اور علامہ قرطبیؒ فرماتے ہیں

نزلت فی المشرکین حیث سالوا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم عن وقت الساعۃ والمعنی ان اللہ ھو الذی یعلم الغیب وحدہٗ (تفسیر خازن ص ۱۲۸/۵ و قرطبی ص ۲۲۵/۱۳)

یہ آیت مشرکین کے جواب میں نازل ہوئی جب انہوں نے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے وقت کا سوال کیا۔ اور مطلب یہ ہے کہ صرف ایک خدا ہی غیب جانتا ہے

امام فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں

نفی ان یکون لہم علم الغیب وذکر فی جملۃ الغیب متی البعث (تفسیر کبیر ص ۵۷۷/۶)

اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کے رہنے والوں سب سے غیب کے علم کی نفی کی ہے۔ اور غیب کی تمام باتوں میں دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنے کو بھی ذکر کیا ہے۔

حافظ علامہ ابن کثیرؒ فرماتے ہیں

لا یعلم احد من اھل السمٰوٰت والارض الغیب الا اللہ فانہ المنفرد بذلک وحدہٗ لاشریک لہٗ (تفسیر ابن کثیر ص ۳۷۲/۳)

آسمانوں اور زمین والوں میں کوئی بھی غیب نہیں جانتا مگر اللہ۔ کیونکہ وہ علم غیب کی صفت میں منفرد اکیلا ہے اور اس میں اس کا کوئی شریک نہیں۔
اور علامہ سید محمود آلوسی حنفی فرماتے ہیں

والذی اختص بہ تعالیٰ انما ھو علم الجمیع وعلم مفاتح الغیب (روح المعانی ج۱۱)
اور جو علم غیب اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے وہ ہر چیز کا کلی علم غیب اور مفاتح الغیب کا علم ہے
مذکورۃ الصدر تمام آیات قرآنیہ، احادیث نبویہ، ارشادات صحابہ، اور اقوال ائمہ مفسرین کی تصریحات سے روز روشن کی طرح واضح ہو گیا کہ غیب کا علم صرف ایک اللہ ہی کی ذات کو ہے اور اس کے سوا کسی کو بھی نہیں۔ باقی رہی اطلاع علی الغیب تو اللہ تعالیٰ نے اپنے برگزیدہ انبیاء علیہم السلام کو وحی والہام کے ذریعہ سے بعض جزئیات کی خبریں اور اطلاعیں عطا فرمائی ہیں اور خصوصاً سید الانبیاء والمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ غیب کی خبروں سے نوازا۔ یہ سب اطلاع علی الغیب اور انباء علی الغیب ہے۔

خلاصۃً عالم الغیب اللہ کی ذات ہے۔ اور علم غیب اسی کی صفت خاصہ ہے۔ ملائکہ اور انبیاء علیہم السلام اس کی طرف سے اطلاع کے منتظر رہتے ہوئے اس کی مرضی اور عنایت سے خبر پاتے ہیں۔ باقی بغرض اصلاح غیر ضروری اور غیر مفید ان غلط اور فضول بحثوں سے قطعی طور پر اجتناب کیا گیا ہے۔ حتی الامکان یہی کوشش ہے کہ جس طرز تحریر سے بھی ادنیٰ سا مناظرانہ پہلو نکلتا ہو اس سے پرہیز کی جائے۔

شق دوم منفی

اس شق میں مخلوق سے علم غیب کی نفی پر قرآنی دلائل ملاحظہ ہوں۔
نوری، ناری، خاکی، عرشی، فرشی۔ تمام مخلوق میں کوئی فرشتہ کوئی جن کوئی نبی ولی عالم الغیب نہیں

فرشتوں کے متعلق نفی علم غیب

سب سے پہلے ملائکہ کے متعلق جو اللہ تعالیٰ کے مقرب اور معصوم یعنی گناہوں کی آلائش اور خطا و عصیان کے شائبہ سے بھی پاک اور محفوظ ہیں اور ہر وقت خداوند قدوس کی حمد و ثنا تسبیح و تقدیس میں مشغول اور اس کی عبادت اور اطاعت میں مصروف رہتے ہیں قرآن پاک کے ایک ہی بیان پر غور کر لیں کہ وہ بھی غیب دان نہیں حتیٰ کہ جبریل امین جو فرشتوں میں بڑی شان والے ہیں جن کے متعلق قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے بہت سے فضائل اور القابات ذکر فرمائے ہیں وہ بھی غیب نہیں جانتے۔ قرآن مجید میں بالکل صاف اور صریح بیان موجود ہے کہ جب اللہ خالق العلمین نے فرشتوں کو ارشاد فرمایا

اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً (پارہ ۱ رکوع ۴)
میں زمین کیلئے خلیفہ بنانے والا ہوں۔

اِنِّیْ خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ (پارہ ۲۳ ع ۱۳)
میں مٹی سے بشر کی مخلوق پیدا کرنے والا ہوں

تو فرشتوں نے عرض کی کہ اے مولائے کریم!

قَالُوْا اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا وَ یَسْفِكُ الدِّمَآءَ وَ نَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَ نُقَدِّسُ لَكَ (پارہ ۱ رکوع ۴)

تو ایسی مخلوق پیدا کرے گا جو زمین میں فساد اور خون ریزی کرے گی۔ اور ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح و تقدیس کرتے رہتے ہیں۔

تو عالم الغیب الہ العلمین کی طرف سے جوابی ارشاد ہوتا ہے۔

قَالَ اِنِّیْۤ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ○ (پارہ ۱ رکوع ۴)

فرمایا اللہ نے جو کچھ میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو مخاطب فرما کر صاف اعلان فرما دیا کہ جو کچھ آدم کی پیدائش میں حکمتیں اور مصلحتیں پوشیدہ ہیں وہ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے۔ فرشتوں کا کہنا صرف جنات کے حالات وغیرہ قیاس کرتے ہوئے محض ایک خیال آرائی کا اظہار تھا۔ اور تخلیق آدم کے اصلی اغراض و مقاصد اور منشاء پروردگار کی مصلحتوں

اور حکمتوں سے یکسر بے خبری اور لاعلمی کی وجہ سے تھا۔

اللہ تعالیٰ کے اس واضح اور صاف ارشاد کے متعلق مفسرین کرام بزرگانِ دین رحمہم اللہ تعالیٰ کی تصریحات ملاحظہ ہوں۔

محی السنۃ امام التفسیر علامہ بغوی فرماتے ہیں (تفسیر معالم برحاشیہ خازن ج۱ ص۳۵)

ای کما فعل بنو الجانّ فقاسوا الشاھد علی الغائب والّا فھم ما کانوا یعلمون الغیب

یعنی جس طرح جنوں نے فساد وغیرہ کیا۔ یہ بات فرشتوں نے جنات کی موجودگی کی حالت پہ قیاس کرکے انسانوں کے متعلق کہی جو ابھی غائب تھے کیونکہ فرشتے کسی طرح بھی غیب نہیں جانتے تھے۔

خاتم المفسرین عمدۃ المتکلمین علامہ صاحب روح المعانی سید آلوسی حنفی صاف طور پہ فرماتے ہیں

ای اَعْلَمُ من الحِکَمِ فی ذٰلک ما انتم بمعزلٍ منہ (روح المعانی ج۱ ص۲۲۳)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا میں پیدائش آدمؑ کی وہ تمام حکمتیں جانتا ہوں جن سے تم بالکل بے بہرہ ہو۔

علامہ نسفی حنفی فرماتے ہیں

ای اعلم من الحکم فی ذٰلک ما ھو خفی علیکم (تفسیر مدارک ج۱ ص۲۲)

یعنی آدمؑ کے پیدا کرنے میں جو حکمتیں ہیں میں جانتا ہوں، تم نہیں جانتے۔ تم سے وہ پوشیدہ ہیں۔

مزید برآں خود فرشتوں کا نہایت صراحت اور صفائی کے ساتھ اپنی لاعلمی کا اقرار و اعتراف موجود ہے جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

اَنْبِئُونِی بِاَسْمَآءِ ھٰٓؤُلَآءِ اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ○ (پارہ ۱ رکوع ۴)

مجھے ان چیزوں کے ناموں کی خبر دو اگر تم اپنی بات میں سچے ہو۔

جب حضرت آدمؑ کے سامنے فرشتوں سے اللہ تعالیٰ نے یہ سوال فرمایا تو فرشتوں نے جواباً عرض کی۔

قَالُوْا سُبْحٰنَکَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا اِنَّکَ اَنْتَ الْعَلِیْمُ الْحَکِیْمُ ○ (پارہ ۱ رکوع ۴)

کہنے لگے تو اللہ پاک ہے ہمیں کوئی علم نہیں۔ مگر جس چیز کی ہم کو تو خبر دیدے۔ بے شک علیم حکیم علم وحکمت والی تیری ذات ہے

کس قدر بے عار اور بلا جھجک صاف اور داشگاف لفظوں میں فرشتوں نے اپنی بے خبری اور لاعلمی کا اقرار اور اپنے عجز کا اعتراف کر لیا کہ اے اللہ! ہمیں ان چیزوں کے ناموں کا کوئی علم نہیں کیونکہ ہمیں تو صرف تیرے بتانے سے معلوم ہوتا ہے اور ان چیزوں کا علم تو نے ہمیں نہیں دیا۔

اس سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ مقرب ومعزز فرشتے ہوں یا اولوالعزم رسول اور نبی ہوں ان کے لئے عالم الغیب نہ ہونا باعث توہین نہیں۔ بلکہ باعث شان اور لائق فخر ہے اور ان کو اس کے اعتراف واقرار سے کبھی شرم اور عار نہیں ہوتی۔

مفسر قرطبیؒ اسی آیت کے تحت اس طرح تحریر فرماتے ہیں۔

ای تنزیهاً لك عن ان یعلم الغیب احد سواك (تفسیر قرطبی ص۵۸ ج۱)

اے اللہ! تو اس شرکت سے پاک ہے کہ تیرے سوا کوئی اور بھی غیب جانتا ہے۔

علامہ المحقق امام رازیؒ فرماتے ہیں

انهم انما قالوا ذلك علی وجه الاعتراف بالعجز والتسلیم بانهم لا یعلمون ما سئلوا عنه (تفسیر کبیر ص۴۲۴ ج۱)

فرشتوں کا جواب اس عجز کا اعتراف اور اس بات کا اقرار ہے کہ جس چیز کے بارے ان سے سوال کیا گیا ہے وہ اس کی حقیقت نہیں جانتے تھے۔

قرآن مجید میں اسی بیان میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے اس لاعلمی کے اقرار اور جواب کے بعد اپنے عالم الغیب ہونے کا اعلان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا۔

اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّیْٓ اَعْلَمُ غَیْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (پارہ ۱ رکوع ۴)

کیا میں نے تمہیں ارشاد نہیں فرمایا کہ زمین و آسمان کے سب غیب میں ہی جانتا ہوں

اسی آیت کے تحت علامہ قرطبی لکھتے ہیں

دلیل علیٰ ان احدا لا یعلم من الغیب الا ما اعلمه الله کالانبیاء علیهم السلام (قرطبی ص۲۹ ج۱)

یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کے سوا کوئی بھی غیب کی کوئی بات نہیں جانتا مگر اللہ کے بتانے سے جیسے انبیاء علیہم السلام

اسی ایک ہی واقعہ اور بیان سے اندازہ لگا لیجئے کہ اس میں کس قدر صاف اور واضح طور پہ بیان کیا گیا ہے کہ جو اس بات کی یقینی اور قطعی اٹل اور محکم دلیل ہے کہ ملائکہ کرام غیب نہیں جانتے ان کا علم بھی اللہ تعالیٰ کے بتانے کی حد تک ہی محدود ہے۔

جنات کے متعلق نفی علم غیب

جنّات جو عمومی طور پہ خود بھی غیب دانی کے مدعی ہوتے ہیں اور اکثر جُہلا ان کو غیب دان جانتے ہیں بلکہ بہت سے پڑھے لکھے لوگ بھی مشرکیہ اور غلط نظریہ اور اپنے کچے اعتقاد اور کمزور ایمان اور توہم پرستی کا شکار ہوتے ہوئے جنّات کو عالم الغیب سمجھتے اور کہتے ہیں کہ جن سب کچھ جانتے ہیں اور بتا دیتے ہیں تو جنّوں کے متعلق بھی قرآن پاک کا ایک ہی واقعہ ملاحظہ فرمائیں۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے مسجد اقصیٰ بیت المقدس کی تعمیر کا کام شروع کیا لیکن اس کی تکمیل سے پہلے ہی ان کی وفات ہو گئی۔ اور وفات سے پہلے حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس کی تکمیل کی وصیت فرما گئے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے اپنے والد بزرگوار کی وصیت کے مطابق بیت المقدس کی تعمیری تکمیل کے لئے جنوں کو کام پہ مامور فرما کر لگا دیا اور خود کام کی نگرانی فرماتے تھے ابھی تعمیر کا کام پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچا تھا کہ ان کی اجل قریب آ پہنچی خدا تعالےٰ کی قدرت اور حکمت کہ حضرت سلیمان علیہ السلام حسب دستور جنوں کو کام میں مصروف پاکر خود عبادت خانہ میں عبادت میں مصروف ہو گئے۔ لاٹھی پہ ٹیک لگا کر صورت وہیئت ایسی بنائی کہ آپ گویا کام کی نگرانی فرما رہے ہیں۔ اور اسی حال میں روح مبارک قفسِ عنصری سے پرواز کر گئی اور آپؑ کی وفات ہو گئی۔ کچھ عرصہ گذر گیا آپؑ اسی ھیئت میں رہے۔ آپؑ کی وفات کی کسی کو بھی خبر نہ ہو سکی۔ جنّات اور

دوسرے لوگ یہی سمجھتے رہے کہ آپؑ زندہ ہیں اور عبادت میں مصروف ہیں اور جنات باقاعدہ اپنے کام میں خوب محنت و مشقت سے مصروف رہے۔ اس طرف جنوں نے تعمیر کا کام مکمل کر لیا۔ دوسری طرف دابۃ الارض زمین کے کیڑے (دیمک) نے اللہ کے حکم سے سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام کی موت کا راز فاش کر دیا جو کہ اس لاٹھی کو کھاتا رہا جس کے سہارے حضرت سلیمان علیہ السلام کھڑے تھے آخر وہ ٹوٹ گئی اور حضرت سلیمان علیہ السلام گر پڑے۔ اب جنوں اور دوسرے لوگوں کو معلوم ہوا کہ ان کی موت تو کافی عرصہ سے واقع ہو چکی ہے۔ اور اتنا عرصہ ان کا جسم لاٹھی کے سہارے اپنی وضع اور ہیئت پہ قائم رہا۔

اس سے یہ حقیقت واضح ہو گئی کہ جنوں کا غیب دانی کا دعویٰ بالکل غلط ہے۔ وہ قطعاً غیب نہیں جانتے تھے اگر وہ غیب جانتے ہوتے تو اتنا طویل عرصہ اس ذلت آمیز محنت و مشقت میں کیوں مبتلا رہتے۔

اس پورے واقعہ کو قرآن پاک نے بالکل مختصر مگر جامع اور صاف اور صریح الفاظ میں ایک ہی آیت میں بیان فرمایا ہے۔

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلَىٰ مَوْتِهِ إِلَّا دَابَّةُ الْأَرْضِ تَأْكُلُ مِنسَأَتَهُ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ أَن لَّوْ كَانُوا يَعْلَمُونَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوا فِي الْعَذَابِ الْمُهِينِ ۝ (پارہ ۲۲ ع)

پھر جب ہم نے مقرر کیا اس پہ موت کو نہ خبر ہونے دی ان کو اس کی موت کی، مگر کیڑا زمین کا (دیمک) جو کھاتا رہا لاٹھی اس کی۔ پھر جب وہ گر پڑا معلوم ہو گیا جنوں کے لئے اگر غیب جانتے نہ رہتے ذلت کی تکلیف میں

اس آیت کریمہ میں صاف طور پہ واضح ہے جو مزید کسی تشریح و توضیح کا محتاج نہیں کہ حضرت سیدنا سلیمان علیہ السلام کی وفات کو اللہ تعالیٰ نے اس حکمت و مصلحت کیلئے پوشیدہ رکھا تاکہ بیت المقدس کی تعمیر کی تکمیل ہو جائے۔ اگر جنوں کو ان کی موت کا علم ہو جاتا تو وہ کام کو وہیں کا وہیں چھوڑ دیتے اسی سے خود بخود اس باطل عقیدے اور جھوٹے ڈھول کا پول بھی کھول دیا کہ اگر وہ غیب جانتے تو وہ یوں ذلیل نہ ہوتے

علامہ قرطبیؒ حضرت قتادہ اور دوسرے بزرگوں سے نقل فرماتے ہیں۔

قال قتادة وغیرہ کانت الجن تدعی علم الغیب فلما مات سلیمان علیہ السلام وخفی موتہ علیہم تَبَیَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ کَانُوْا یَعْلَمُوْنَ الْغَیْبَ مَا لَبِثُوْا فِی الْعَذَابِ الْمُهِیْنِ ○ (قرطبی بحوالہ تفسیر جواہر القرآن ص ۹۵۷ ج ۳)

حضرت قتادہ اور دوسرے بزرگوں نے کہا ہے کہ جن غیب دانی کا دعویٰ کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کی موت کو ان سے پوشیدہ رکھ کر یہ بات ثابت کر دی کہ جن غیب نہیں جانتے۔ اگر جانتے ہوتے تو اتنا عرصہ ذلت میں مبتلا رہتے اسی ایک ہی واقعہ سے اندازہ کر لیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے کتنا صاف اور اس مسئلہ کو واضح کر دیا کہ جنات بھی غیب نہیں جانتے۔ اگر وہ دعویٰ کرتے ہیں تو جھوٹے ہیں۔ اور اگر کوئی ان پر یقین کرتا ہے تو یقیناً گمراہ ہے اور کفر کرتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے متعلق نفی علم غیب

اسلامی عقیدہ میں یہ حقیقت مسلم ہے اور ایمان و اعتقاد کے لحاظ سے بھی اس حد تک ماننا بالکل صحیح اور ضروری ہے کہ اللہ رب العٰلمین کی ساری مخلوق میں سے اللہ کے رسولوں اور نبیوں کا مقام اور شان سب سے زیادہ اور بزرگی میں سب سے بڑھ کر ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام علم و فہم اور دیگر کمالات نبوت کے لحاظ سے سب سے ارفع و اعلیٰ ہیں اس کے باوجود وہ عالم الغیب نہیں کیونکہ غیب کا علم اللہ ہی کے لئے خاص ہے

قرآن میں انبیاء علیہم السلام کے بہت سے واقعات ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء کرامؑ غیب دان نہیں تھے۔ سیدنا حضرت آدمؑ۔ حضرت نوحؑ۔ حضرت ابراہیمؑ۔ حضرت لوطؑ۔ حضرت ہودؑ۔ حضرت صالحؑ۔ حضرت شعیبؑ۔ حضرت یعقوبؑ۔ حضرت یوسفؑ۔ حضرت موسیٰؑ۔ حضرت داؤدؑ۔ حضرت سلیمانؑ۔ حضرت یونسؑ۔ حضرت ایوبؑ۔ حضرت عزیرؑ۔ اور حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہم الصلوٰۃ والسلام سب کے واقعات اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ذکر فرمائے ہیں جن کا ذکر کرنا فرداً فرداً بہت طویل کام ہے چند اشارات پیش خدمت ہیں۔ باقی

تفصیلات خود قرآن مجید میں ملاحظہ فرمالیں۔

حضرت آدمؑ ابو البشرؑ اور خدا تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبر ہونے کے باوجود جنّت میں شیطان کی چکنی چپڑی باتوں اور اس کے ورغلانے میں آ گئے اور اس کی صریح کذب بیانی اور بالکل غلط اور جھوٹی قسموں کے فریب میں آ گئے اور ایسے آئے کہ خداوند قدس کا وہ عہد ہی بھول گئے۔ اگر غیب جانتے اور عالم الغیب ہوتے تو اس کی چالوں کو بھانپ جاتے اور کبھی اس کے بہکاوے میں نہ آتے۔

حضرت نوحؑ وہ عظیم القدر پیغمبر جس نے ساڑھے نو سو ۹۵۰ سال تک توحید باری تعالیٰ کا وعظ فرمایا اور توحید خالص کی خاطر بے پناہ تکلیفیں اور مصیبتیں برداشت کیں۔ نوحؑ کی قوم کے لوگ تکلیفیں دے دے کر تھک گئے اور یہاں تک متنفر ہو گئے کہ نوحؑ کا چہرہ دیکھنا بھی پسند نہ کرتے آواز سننا بھی گوارا نہ کرتے۔ بہت تنگ آکر کہنے لگے عذاب لا! کب لائے گا؟ تو صاف اعلان کرتے ہیں

وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ (قرآن مجید پارہ ع۱۲ ع ۳)

اور میں تمہیں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے نہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں۔ اور نہ میں تم سے کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔

کتنا صاف اور واضح اعلان فرمایا کہ خدا کے خزانے میرے تصرّف و اختیار میں نہیں اور نہ ہی میں غیب دان ہوں اور نہ میں فرشتہ ہوں۔

اس سے بھی زیادہ خود نوحؑ کو اپنے بیٹے کے سوال کے متعلق ارشادِ باری ہوتا ہے۔

فَلَا تَسْـَٔلْنِ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ (قرآن پارہ ۱۲ رکوع ۴)

اے نوحؑ! مجھ سے اس چیز کا سوال مت کر جس کا تجھے علم نہیں ہے۔

چونکہ حضرت نوحؑ کا سوال نامناسب تھا اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ کی گئی ہے چنانچہ اس سے اگلی آیت میں انہوں نے اپنی لاعلمی کا صاف اعتراف اور اقرار کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنا خلیل فرمایا اور بہت بڑے اولوالعزم اور شان والے پیغمبر تھے ان کے پاس جب اللہ کے بھیجے ہوئے فرشتے جو اُن کو بیٹے اسحٰق کی خوشخبری دینے کے لئے انسانی اور بشری صورت میں آئے تھے۔ حضرت ابراہیمؑ نے ان کو حقیقی انسان اور بشر سمجھ کر معزز مہمانوں کی خاطر بچھڑا خوب گھی میں بھون تل کر ان کو کھانا پیش کیا۔ مگر جب فرشتوں نے کھانے کی طرف ہاتھ تک نہ بڑھایا تو سیدنا ابراہیمؑ متفکر ہوئے۔ اور ڈر محسوس کیا کہ مبادا یہ دشمن ہوں۔

نَكِرَهُمْ وَاَوْجَسَ مِنْهُمْ خِيْفَةً (قرآن مجید پارہ ۱۲ رکوع ۷)

ان فرشتوں سے متوحش ہوئے اور اُن سے ڈرے۔

خود فرشتوں کے جواب سے ابراہیمؑ کی تسلّی ہوئی۔

قَالُوْا لَا تَخَفْ اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمِ لُوْطٍ ○ (قرآن مجید پارہ ۱۲ رکوع ۷)

فرشتے کہنے لگے ابراہیم! ڈر نہیں۔ ہم فرشتے ہیں جو لوطؑ کی قوم کی تباہی کیلئے بھیجے گئے ہیں

جب ابراہیمؑ سامنے بیٹھے ہوئے فرشتوں کو پہچان نہیں سکے تو وہ عالم الغیب کیسے ہو سکتے ہیں۔

حضرت لوط علیہ السلام بھی بڑے عظیم المرتبہ پیغمبر تھے وہ فرشتے حضرت ابراہیمؑ سے ہو کر جب لوط علیہ السلام کے پاس پہنچے تو انتہائی خوبصورت بے ریش لڑکوں کی صورت میں تھے۔ حضرت لوطؑ ان کو دیکھ کر سخت گھبرائے اور بے حد پریشان ہوئے کیونکہ لوطؑ سمجھے کہ یہ میرے مہمان ہیں اور میری قوم لواطت کی بُری عادت میں مبتلا ہے وہ ضرور اپنی نفسانی خواہش کے تحت ان سے چھیڑ چھاڑ کریں گے اور یہ میرے لئے نہایت تکلیف دہ اور باعثِ شرم ہوگا کہ میرے مہمانوں کی رسوائی ہو۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَا لُوْطًا سِيْٓءَ بِهِمْ وَضَاقَ بِهِمْ ذَرْعًا وَّقَالَ هٰذَا يَوْمٌ عَصِيْبٌ ○ (قرآن مجید پارہ ۱۲ رکوع ۷)

اور جب ہمارے بھیجے ہوئے لوطؑ کے پاس پہنچے تو لوطؑ ان کی وجہ سے گھبرائے اور

ان کی وجہ سے دل تنگ ہو گیا۔ اور کہا آج کا دن بہت مشکل ہے۔

آخر قوم کو حسین وجمیل لڑکوں کی آمد کا پتہ چل گیا اور وہ بدکردار قوم بُرے ارادوں سے خوبصورت چہروں کی عصمت دری کیلئے چڑھ دوڑے اور لوطؑ کے دولت کدہ پر دھاوا بول دیا۔ لوطؑ نے بہت سمجھایا جس کی تفصیل اسی پارہ ۱۲ رکوع ۷ میں ہے۔ مگر قوم نے سب باتوں اور لوطؑ کی اپیلوں کو ٹھکرا دیا اور دیواریں پھاندنے کی کوشش کی۔ تو لوطؑ نے بڑے درد آمیز اور ولولہ انگیز لہجہ میں اپنی بے بسی کا اس طرح اظہار فرمایا کہ کاش! آج میرے پاس کوئی مضبوط قلعہ ہوتا اور تمہارے مقابلہ کی طاقت ہوتی تو میں دیکھتا کہ تم کس طرح مہمانوں پر ہاتھ ڈالتے ہو۔ چنانچہ فرشتوں نے جب لوطؑ کو دیکھا کہ وہ ہماری وجہ سے سخت بے چین اور مضطرب اور نہایت پریشان ہیں۔ اب فرشتوں نے اپنا آپ ظاہر کر دیا اور اصل معاملہ کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ حضرت لوطؑ کہ اب آپ ہٹ جائیں اور دروازہ کھول دو انہوں کو اندر آنے دو۔ بہر حال صاف واقعہ ہے کہ حضرت لوطؑ گھر بیٹھے ہوئے فرشتوں کو نہیں پہچان سکے کہ انسانی شکلوں میں مہمان درحقیقت فرشتے ہیں جو بدکردار قوم کے عذاب اور تباہی کے لیے آئے ہیں۔

حضرت یعقوبؑ اور حضرت یوسفؑ کا واقعہ سورۂ یوسفؑ پارہ ۱۲ و ۱۳ میں بڑی تفصیل کے ساتھ مذکور ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے احسن القصص (بہترین قصہ) اور واقعہ فرمایا ہے۔ ملاحظہ فرمالیں یہاں صرف ایک ہی اشارہ کافی ہے کہ حضرت یعقوبؑ کے بیٹوں نے اپنے بھائی یوسفؑ کو باپ سے جدا کرنے کے لئے جو باہم مل کر مشورہ کیا۔ میٹنگ کی۔ اور ایک خفیہ سازش تیار کی۔ اور وہ اس سازش میں کامیاب ہو گئے اور حضرت یوسفؑ اور یعقوبؑ باپ اور بیٹے میں جدائی ہو گئی۔

سوچنے کی بات ہے کہ بہت زیادہ انتہائی درجہ کی محبت کہ یوسفؑ کو حضرت یعقوبؑ اپنی آنکھوں سے لمحہ بھر دور نہ کریں۔ کس قدر اندوہناک اور سخت غمگین پہلو ہے کہ مدت کی جدائی پڑ جائے اور جدائی سے حضرت یعقوبؑ کو بہت دُکھ اور شدید صدمہ پہنچا چنانچہ بیٹے کی جدائی میں وہ سالہاسال روتے رہے اور غم واندوہ سے نڈھال ہو گئے اور

روتے روتے ان کی بینائی بھی متاثر ہو گئی۔ اللہ کے جلیل القدر عظیم المرتبہ اور اولوالعزم پیغمبر یعقوبؑ فصبرٌ جمیل صبر رضا کے پیکر بن گئے۔ بہت صبر کیا۔ مگر دل کو جو چوٹ لگی ہوئی اس کی یاد برابر ستاتی تھی۔ آخر کئی سالوں اور برسوں کے بعد خدا کے پیارے اور محبوب پیغمبر یعقوبؑ سے آہ نکل گئی۔

وَقَالَ یَا اَسَفٰی عَلٰی یُوْسُفَ وَابْیَضَّتْ عَیْنَاہُ مِنَ الْحُزْنِ فَھُوَ کَظِیْمٌ (پ ۱۳ ع)

اور کہا ہائے یوسفؑ! افسوس اور غم سے ان کی آنکھیں سفید پڑ گئیں اور وہ گھٹا کرتے۔

کس قدر واضح اور صاف حقیقت ہے کہ غیب دان کے سامنے کوئی خفیہ سازش کامیاب نہیں ہو سکتی اور غیب جاننے والا کبھی غمگین اور رنجیدہ خاطر نہیں ہوتا۔

حضرت موسٰی علیہ السلام۔ جو بنی اسرائیل کے عظیم الشان پیغمبر تھے، اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی ہم کلامی کا شرف عطا فرما کر کلیم اللہ کے لقب سے سرفراز فرمایا اور صاحب تورات رسول تھے ان کا ذکر بھی قرآن مجید کے مختلف مقامات پر بڑی طویل تفصیلات کے ساتھ بیان کیا گیا مطالعہ کر لیجئے۔

یہاں صرف ایک ہی بات کا اشارہ کیا جاتا ہے کہ جب سیدنا حضرت موسٰی علیہ السلام حضرت شعیب علیہ السلام سے الوداع ہو کر اپنی اہلیہ محترمہ کے ساتھ مصر کی طرف روانہ ہوئے، تو راستہ میں بڑی تکالیف کا سامنا ہوا جن کی تفصیل کتب تفسیر میں مذکور ہے اسی دوران آگ کی بھی ضرورت پڑی۔ چنانچہ ایک طرف روشنی دیکھی اور اسے آگ سمجھ کر لینے کے لئے اس کی طرف چل دئے۔ مگر اللہ تعالیٰ کی حکمت کہ جب وہاں پہنچے تو وہ آگ نہیں تھی بلکہ اللہ کی طرف سے ہم کلامی اور نبوت و رسالت کے اعزاز سے نوازے گئے اور چونکہ ایک بہت بڑے ظالم اور جابر متکبر کافر بادشاہ فرعون اور اس کے فساق وفجار ذریہ دی کی طرف رسول بنا کر بھیجے جا رہے تھے دو عظیم معجزات سے بھی نوازے جاتے ہیں۔ ان میں ایک معجزہ لاٹھی کے سانپ بننے کا ہے جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ہوتا ہے کہ اے موسٰیؑ اپنے عصا (لاٹھی) کو ڈال دو۔ جب ڈالی تو وہ سانپ بنکر موسٰیؑ کی طرف لپکا۔ موسٰیؑ سانپ کو دیکھتے ہی ڈر گئے اور بھاگے ایسے بھاگے کہ پیچھے پھر کر بھی نہ دیکھا۔ تو اللہ تعالیٰ

کی طرف سے آواز آئی۔ ارشاد ہوا۔

وَاَنْ اَلْقِ عَصَاكَ فَلَمَّا رَاٰهَا تَهْتَزُّ كَاَنَّهَا جَآنٌّ وَّلّٰى مُدْبِرًا وَّلَمْ يُعَقِّبْ يٰمُوْسٰى اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ اِنَّكَ مِنَ الْاٰمِنِيْنَ ○ (پارہ ۲۰ رکوع ۷)

اور یہ کہ ڈال دے اپنی لاٹھی۔ پس جب دیکھا حرکت میں گویا وہ سانپ ہے بھاگے پیٹھ دے کر۔ اور پھر کر نہ دیکھا۔ آواز آئی اے موسیٰ پھر آ۔ اور نہ ڈر۔ بیشک تو امن میں ہے

دوسری جگہ ارشاد ہے خُذْهَا وَلَا تَخَفْ سَنُعِيْدُهَا سِيْرَتَهَا الْاُوْلٰى (پارہ ۱۶ ع ۱)

اے موسیٰ! اس کو پکڑ لو اور ڈرو مت۔ اس کو ہم پہلی حالت میں کر دیں گے۔

اندازہ کیجئے جو اتنی شانِ عظیم اور کلیم اللہ جیسے اعزاز والے پیغمبرؑ اپنے ہاتھ والی لاٹھی کے متعلق غیب نہیں جانتے تو عالم الغیب کیسے ہو سکتے ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام جو بنی اسرائیل میں بہت بڑے پایہ کے پیغمبر اور بادشاہ بھی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے بہت سے جنوں اور انسانوں اور پرندوں پر ان کو حکومت عطا فرمائی اور انہیں پرندوں کی بولیاں تک سکھائیں۔ قرآن مجید میں تین چار مقامات پر ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ تفصیلات کا خود مطالعہ کر لیا جائے۔ یہاں صرف ایک ہی واقعہ کا اشارہ کیا جاتا ہے کہ وہ غیب دان نہیں تھے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے ایک بار اپنے لشکر میں ایک پرندے ہُدہُد کو نہ پایا تو فرمانے لگے کہ وہ کہیں چھپا ہوا ہے جو مجھے نظر نہیں آرہا یا لشکر میں ہی کہیں غائب ہے۔ قرآن مجید میں ہے سلیمان علیہ السلام نے فرمایا

مَالِيَ لَآ اَرَى الْهُدْهُدَ اَمْ كَانَ مِنَ الْغَآئِبِيْنَ ○ (قرآن مجید پارہ ۱۹ رکوع ۱۶)

کیا بات ہے کہ ہدہد مجھے نظر نہیں آرہا یا کہیں غائب ہو گیا۔

پھر اس کے لئے سزا مقرر فرماتے ہیں اور جب تھوڑی دیر کے بعد ہدہد واپس آگیا کہ کہاں چلا گیا تھا۔ تو ہُدہُد پرندے نے جواب دیا

فَقَالَ اَحَطْتُّ بِمَا لَمْ تُحِطْ بِهٖ وَجِئْتُكَ مِنْ سَبَاٍۭ بِنَبَاٍ يَّقِيْنٍ ○ (پارہ ۱۹ رکوع ۱۶)

پس ہُدہُد کہنے لگا میں ایسی خبر لایا ہوں جس کی آپ کو خبر نہیں اور میں آپ کے پاس سبا ملک کی ایک یقینی خبر لایا ہوں۔

اس سے اگلی آیت میں ہُدہُد کی مزید اس تقریر کا بیان ہے جو اس نے حضرت سلیمانؑ کے سامنے ملکہ سبا جس کا نام بعض مفسرین کرام رحمہم اللہ نے بلقیس بتایا ہے اس کے متعلق اور اس کے ملک اور تخت و تاج اور اس کی قوم سب کی تمدنی اور مذہبی زندگی کے بارے میں بڑی عجیب و غریب معلومات بہم پہنچائیں مگر حضرت سلیمانؑ کو اس کی باتوں پر مکمل یقین نہیں آیا اور اس کے بیان کا صدق و کذب معلوم کرنے کے لئے ملکہ سبا کو ایک خط لکھ کر اس کے حوالے کیا اور فرمایا۔

قَالَ سَنَنْظُرُ اَصَدَقْتَ اَمْ كُنْتَ مِنَ الْكٰذِبِيْنَ ○ (قرآن پارہ ۱۹ رکوع ۱۷)

سلیمانؑ نے فرمایا کہ ہم ابھی دیکھ لیں گے کہ تو سچ کہتا ہے یا تُو جھوٹوں سے ہے۔

پھر ہُدہُد وہ خط لے کر گیا۔ لمبا واقعہ ہے۔ بہرحال یہ بات اظہر من الشمس ہے، کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو علم الغیب نہیں تھا۔ وُہ غیب نہیں جانتے تھے ورنہ تحقیقات کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔ اسباب کے محتاج کو عالم الغیب کہنا اور ماننا یہ بہت ہی بڑی ضلالت اور گمراہی ہے۔

بہت انبیاء علیہم السلام کے واقعات کو چھوڑتے ہوئے صرف ایک ہی پیغمبر کا اشارہ کر کے تمام انبیاء علیہم السلام کی طرف سے اجمالی اعلان نقل کر دینا ہی کافی ہوگا۔

حضرت عیسٰے علیہ السلام جو بنی اسرائیل کے بہت ہی اولوالعزم اور ان میں سے آخری رسول تھے۔ اور صاحب کتاب (انجیل) اور صاحب معجزات بھی تھے اس کے باوجود قرآن مجید میں چند جگہ ان کا ذکر بیان فرما کر اللہ تعالیٰ نے ان سے صفاتِ الوہیت کی نفی فرمائی ہے اور صفاتِ الوہیت میں ہی علم غیب بھی الہٰ کی وصفِ خاص ہے۔ ہمیں ایک ہی اشارہ ملاحظہ ہو

قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضرت عیسٰی علیہ السلام سے سوال فرمائیں گے کہ اے عیسٰیؑ کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو اللہ کے سوا الہٰ کارساز اور حاجت روا بنالینا۔ تو اس کا جواب وُہ اس طرح عرض کریں۔ قرآن پاک کے الفاظ ملاحظہ ہوں۔

قَالَ سُبْحٰنَكَ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَيْسَ لِيْ بِحَقٍّ اِنْ كُنْتُ قُلْتُهٗ فَقَدْ عَلِمْتَهٗ تَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِيْ وَلَآ اَعْلَمُ مَا فِيْ نَفْسِكَ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ○ (پ ۷ ع ۶)

عرض کریں گے کہ اللہ! تُو پاک ہے شرکت سے۔ میرے لائق ہی نہیں تھا کہ میں ایسی بات کہتا جس کا مجھے کوئی حق نہیں تھا۔ اگر میں نے کہا ہو تو تُو اس کو جانتا۔ آپ تو میرے دل کی باتوں کو بھی جانتے ہیں اور میں آپ کے راز نہیں جانتا۔ بیشک علام الغیوب تُو ہی ہے۔

آیت کریمہ میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کا صاف اور واضح اقرار اور اعترافی اعلان ہے کہ وہ غیب نہیں جانتے بلکہ علام الغیوب (غیبوں کو جاننے والا) اللہ ہی کی ذات ہے۔

تمام انبیاء علیہم السلام کا اجماعی اور اجمالی اعلان کہ وہ غیب دان نہیں ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ملاحظہ ہو۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ۝ (قرآن مجید پ ع ۵)

جس دن اللہ سب پیغمبروں کو جمع کریں گے پھر ارشاد فرمائیں گے کہ تم کیسے مانے گئے۔ پیغمبر عرض کریں گے کہ ہمیں کچھ خبر نہیں کیونکہ پوشیدہ باتوں کو آپ ہی جانتے ہیں۔

اس آیت کریمہ سے صاف ظاہر ہے کہ قیامت کے دن انبیاء علیہم السلام اللہ کے سامنے اپنی امتوں کے بارے میں جو جواب عرض کریں گے وہ واضح اعلان ہوگا کہ اے اللہ ان کے دلوں کی پوشیدہ باتوں کا علم ہمیں نہیں کیونکہ غیوبات کو جاننا صرف تیری ہی صفتِ خاص ہے۔

علامہ قرطبیؒ اس آیت کے تحت اس طرح تفسیر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں

معناه لا علم لنا بباطن ما اجابت به اُمَمُنَا (تفسیر قرطبی جلد ۶ صفحہ ۲۶۱)

اس کا مطلب یہ ہے کہ ہماری امتوں نے جو کچھ ہمیں جواب دیا تھا اسکے باطن کا ہمیں علم نہیں۔

قاضی ثناء اللہ پانی پتی حنفیؒ فرماتے ہیں۔

تعلم ما غاب عنا ونحن لا نعلم الا ما نشاهده (تفسیر مظہری جلد ۳ صفحہ ۲۲۰)

تُو ہر بات کو جانتا ہے جو ہم سے پوشیدہ ہے اور ہم صرف اس بات کو جانتے ہیں جس کو آنکھوں سے مشاہدہ کریں۔

علامۃ المحقق امام فخر الدین رازیؒ نے اس آیت کی چند تفسیری توجیہات لکھی ہیں ان میں تیسری وجہ کو لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ یہی زیادہ صحیح ہے اور اسی توجیہ کو حضرت

عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے پسند فرمایا ہے۔

الوجہ الثالث فی الجواب وھو الاصح وھو الذی اختارہ ابن عباسؓ انہم انما قالوا لا علم لنا لانک تعلم ما اظہروا وما اضمروا ونحن لا نعلم الا ما اظہروا (تفسیر کبیر جلد ۳ صفحہ ۶۸۹)

تیسرا جواب یہ ہے اور وہی زیادہ صحیح ہے اور اسی کو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے پسند کیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کہیں گے کہ ہم کو علم نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ تو وہ بھی جانتا ہے جو کچھ انہوں نے ظاہر کیا اور جو کچھ پوشیدہ کیا۔ اور ہم صرف ظاہر کو جانتے ہیں۔

یہ آیت کریمہ اس بات پر نص ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام غیب نہیں جانتے۔ اور وہ خود اپنے سے علم غیب کی نفی کا کھلا اقرار کریں گے۔ اور علّام الغیوب کی صفت خاص کا اعلان صرف اللہ تعالیٰ ہی کے لئے کریں گے۔

سیّد المرسلین خاتم النبیّین حضرت سیّدنا و مولٰنا محمّد صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق علمِ غیب کی نفی

اللہ تعالیٰ نے اپنی ساری مخلوق میں سے انبیاء کرام کو منتخب فرما کر بہت بڑے درجات عطا کئے اور علم وحکمت کے انعامات سے نوازا۔ پھر تمام انبیاء علیہم السلام میں سے سیّد المرسلین حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وسلم کو سب پر فضیلت و بزرگی عطا فرمائی۔ وہ کمالات اور ایسی خوبیاں عطا کیں جو کسی کو نہیں دیں اور علم وحکمت کے انعامات کی بے انتہا بارش کی۔ جس سے آپؐ سب پیغمبروں میں ممتاز ہیں۔ اتنے اعلیٰ درجات اور اتنے بڑے انعامات کے باوجود آپؐ بھی عالم الغیب نہیں۔ قرآن مجید کی متعدد آیات بڑی کثرت کے ساتھ اس پر شاہد اور واضح دلیل ہیں اور اس مسئلہ پر نص صریح ہیں کہ آپؐ غیب نہیں جانتے۔ چند آیات بطور نمونہ اور اشارہ کے ملاحظہ ہوں

(۱) قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰہِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَکُمْ اِنِّیْ مَلَکٌ (قرآن مجید پارہ ۷ رکوع ۱۱)

اے محبوب! کہہ دیجئے کہ تم سے میں یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ تم سے کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب سید الانبیاء والمرسلین آن حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے متعلق تین باتوں کی نفی کا اعلان کرنے کا حکم ارشاد فرمایا

۱ کہ میں (حضرت محمد مصطفیٰ صلعم) اللہ کے خزانوں کا مالک نہیں یعنی میں مالکِ مختارِ کُل نہیں ہوں

۲ کہ میں (" " " ") عالم الغیب نہیں ہوں یعنی میں غیب نہیں جانتا

۳ کہ میں (" " " ") فرشتہ نہیں ہوں یعنی میں نُوری مخلوق نہیں ہوں

آیت کریمہ میں خود جناب رسالت مآبؐ کی زبانِ مقدس سے کس قدر صاف اور واضح تین چیزوں کی نفی کا اعلان ہے جو کسی توضیح و تشریح کا محتاج نہیں۔ تاہم مزید تسلی کیلئے مفسرین حضرات کے تفسیری اقوال بھی دو تین ملاحظہ فرمالیں تاکہ یہ حقیقت صاف عیاں ہوجائے کہ آیت کریمہ کا اصل اور حقیقی مفہوم یہی ہے۔

خاتم المفسرین والمحدثین سند الفقہاء علامہ قاضی ثناء اللہ مرحوم پانی پتی حنفیؒ فرماتے ہیں۔

ولا اعلم الغیب حتی اخبرکم بما مضیٰ وما سیکون من غیر وحی من اللہ (مظہری ج۳ ص۲۶۶)

اور میں غیب نہیں جانتا ہوں کہ تم کو گذشتہ اور آئندہ کے حالات و واقعات کی خبر دوں، بغیر اللہ کی طرف سے وحی کے۔

امام بغوی اور علامہ خازن دونوں ایک ہی جیسے الفاظ میں فرماتے ہیں۔

ولا اعلم الغیب فاخبرکم بما مضیٰ وما سیقع فی المستقبل (معالم التنزیل وخازن ج۲ ص۱۱)

اور میں (حضرت محمدؐ) غیب نہیں جانتا ہوں تاکہ تمہیں گذشتہ واقعات اور آئندہ آنے والے حالات کی خبر دوں۔

علامۃ المفسر امام فخر الدین رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔

ان القوم کانوا یقولون ان کنت رسولا من عند اللہ فلا بد وان تخبرنا عما یقع فی المستقبل من المصالح والمضار حتی نستعد لتحصیل تلک المصالح ولدفع تلک المضار فقال تعالیٰ قل انی لا اعلم الغیب فکیف تطلبون منی ھذہ المطالب (تفسیر کبیر ج۴ ص۶۹)

کافر کہتے تھے کہ اگر تُو اللہ کا سچا رسول ہے تو ہمیں بتا کہ آئندہ ہمیں کیا کیا فائدے اور نقصانات پہنچنے والے ہیں تاکہ ہم ان فوائد کو حاصل کرنے اور نقصانات سے بچنے کے لئے تیار ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ آپؐ ان سے کہہ دیں کہ میں غیب نہیں جانتا۔ تم مجھ سے اس قسم کے مطالبات کیوں کرتے ہو۔

مذکورۃ الصدر مفسرین کرام کے اقوال سے بھی یہ بات ہی ثابت ہوئی کہ علم غیب اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے جو کسی بشر کے لئے ناممکن ہے اگرچہ وہ بشر پیغمبر ہی کیوں نہ ہو۔ بلکہ پیغمبروں کے سردار حضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم بھی اس صفت کے حامل نہیں ہو سکتے اور قطعاً عالم الغیب نہیں ہو سکتے اور نہ کہلا سکتے ہیں۔

(۲) قُل لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۚ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ (قرآن مجید پارہ ۹ اعراف رکوع ۲۴)

آپؐ کہہ دیں کہ میں اپنی ذات کیلئے نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتا مگر جو کچھ اللہ چاہے اور اگر میں غیب جانتا ہوتا تو بہت سے منافع حاصل کر لیتا اور کوئی تکلیف نہ اٹھاتا۔

اس آیت کریمہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تین چیزوں کی نفی کرنے کا صاف صاف حکم ہوتا ہے (۱) آپ واضح اعلان کر دیں کہ میں مافوق البشر کوئی نوری مخلوق نہیں ہوں جس کو دکھ اور سکھ، راحت و تکلیف، نفع و نقصان، صحت و بیماری وغیرہ نہ ہو۔ بلکہ میں ان تمام چیزوں سے دوچار ہوتا ہوں اور مجھے بھی تکالیف و پریشانیاں اور غم و بیماری لاحق ہوتی ہے (۲) کہ میں اپنی ذات کے لئے بھی نفع و نقصان کا اختیار نہیں رکھتا (۳) میں غیب نہیں جانتا کیونکہ ہر نفع حاصل کر لینا اور نقصان سے بچ جانا اسی صورت میں ممکن ہے کہ مجھے غیب کا علم ہو۔ اور نقصان اور تکلیف کے آنے سے پہلے اس کے بچاؤ کی تدبیر کر لوں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی سے علم غیب کی نفی پر یہ نص صریح کس قدر واضح اور صاف ہے۔ آپؐ کی حیاتِ طیبہ کا پورے غور و فکر سے اور نہایت دیانت داری سے اچھی طرح مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ آپؐ کو راہِ حق میں کئی تکلیفیں اور زبردست

مصیبتیں پیش آئیں جن کو آپؐ نے جبل الاستقامۃ سے بھی زیادہ ثابت قدمی سے برداشت کیا۔ اور بہت سے غم اور بیماری میں آپؐ نے اللہ تعالیٰ کی حکمت و منشأ کو بہ رضاء و شکر تسلیم کرتے ہوئے صبر کی چٹان بن گئے۔ دکھ اور تکلیف اور غم کی شدت کا اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ بعض دفعہ دل مبارک پر صدمے کا اثر آنکھوں سے آنسوؤں کی شکل میں ظاہر ہوکر زبان مبارک پر یہ کلمات جاری ہو جاتے ہیں۔

وانا بفراقك يا ابرٰهيم لمحزونون (بخاری ومسلم)

اے بیٹا ابراہیم! ہم تیری جدائی پر بہت مغموم ہیں۔

یہ کلمات آن حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنے صاحبزادے سیدنا ابراہیم چھوٹے بچے کی وفات حسرت آیات پر فرمائے۔ اور بھی کئی ایسے واقعات ہیں احادیث پاک میں ہے کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صاحبزادی (حضرت زینب رضی اللہ عنہا) کے بچے کا آخری وقت تھا تو انہوں نے آن حضرتؐ کی خدمت اقدس میں آدمی بھیجا تاکہ آپؐ تشریف لائیں آپؐ نے ایک بار تو اس آدمی کو اس لئے واپس فرما دیا کہ صاحبزادی کی موجودگی میں اس بچے کی جان کنی اور پھر صاحبزادی کی بے چینی اور مصیبت میں پریشانی آپؐ سے دیکھی نہیں جاتی تھی۔ مگر صاحبزادی کے بار بار تقاضے پر آپؐ تشریف لے جاتے ہیں تو بچے کو گود میں لیا۔ بچے کے آخری سانس کا ایک ایک لمحہ جو مصیبت اور غم کا ایک ایک پہاڑ تھا آن حضرت کے آنسوؤں کے موتیوں کی بارش میں روح پرواز ہوگئی اور آپؐ نے صاحبزادی کو تسلی دیتے ہوئے مصیبت پر صبر کرنے کی تلقین فرمائی۔

إِنَّ لِلّٰهِ مَا أَخَذَ وَلَهُ مَا أَعْطٰى (اوكما قال النبي صلى الله عليه وسلم) (بخاری ومسلم)

جو کچھ اللہ نے لیا وہ بھی اس کا اپنا ہی تھا اور جو کچھ دیا وہ بھی اسی کا دیا ہوا ہے۔

مصیبت پر صبر کرو اور اللہ سے اجر پاؤ۔ وغیرہ۔

اس آیت کریمہ کے واضح اور صریح و صاف مطلب کے بعد مزید کسی تشریح و تفسیر کی ضرورت نہیں۔ البتہ مفسرین کرام کے اقوال ہی سے ایک سوال کا جواب ملاحظہ فرمالیں۔

سوال : آیت کریمہ میں آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے۔ حالانکہ آپؐ نے غیب کی بہت سی باتوں کی خبر دی ہے جو بعینہٖ آپکی خبر کے مطابق صحیح واقع ہوئی۔

جواب اس کا مفسرین حضرات رحمہم اللہ نے بہت آسان اور نہایت سادہ اور صاف بیان فرمایا ہے۔ علامہ ابوحیان اندلسیؒ جو بہت بلند پایہ کے مفسر ہیں، فرماتے ہیں۔

عموم الغیب کما روی عنہ لا اعلم ما وراء ھٰذا الجدار الا ان یعلمنیہ ربی (البحر المحیط ص۲۴۳)

عام علم غیب کی نفی ہے جیسا کہ آپؐ سے منقول ہے کہ اللہ کے بتائے بغیر جو کچھ اس دیوار کے پیچھے ہے اس کو بھی میں نہیں جانتا۔

فخر المفسرین علامہ سید محمود آلوسی بغدادی حنفیؒ اس طرح فرماتے ہیں۔

المراد نفی استمرار علمہ علیہ الصلوٰۃ والسلام الغیب (روح المعانی ج۹ ص۱۳۷)

اس آیت میں آپؐ سے علم غیب کی نفی سے مراد یہ ہے کہ آپؐ ہمیشہ یعنی ہر وقت غیب نہیں جانتے تھے۔

اس سوال کا بہترین حل اور جواب خود قرآن پاک کے الفاظ میں موجود ہے جس کو اپنے بزرگ محترم اور استاذِ مکرم مرحوم و مغفور کے حوالے سے پیش خدمت کر رہا ہوں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

جیسا کہ ابتداء میں بیان کیا جا چکا ہے کہ دو شقیں ہیں ایک اثباتی دوسری منفی۔ اثباتی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب ہے۔ منفی یہ ہے کہ اللہ کے سوا کوئی علم غیب نہیں جانتا آپ پورے غور و فکر سے سارے قرآن مجید کا ایک ایک ورق پڑھیں اور خوب تدبر سے مطالعہ کریں۔ اثباتی لحاظ سے بھی اللہ تعالیٰ کے لئے عالم الغیب کے الفاظ موجود ہیں۔ یعنی علم کا لفظ بھی اور غیب کا دونوں الفاظ اکٹھے ساتھ ذکر کئے گئے ہیں۔ اور نفی کے لحاظ سے بھی لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ دونوں لفظ علم اور غیب دونوں کی نفی کی گئی ہے اور لا یعلم، الغیب، دونوں الفاظ آیت میں موجود ہیں

خلاصۃ الکلام اللہ کے لئے اثبات میں بھی علم، اور غیب دونوں لفظ مذکور ہیں اور غیر اللہ سے نفی کے لئے بھی علم اور غیب دونوں مذکور ہیں۔ دونوں کی نفی ہے۔

اب پھر دوبارہ آپ پورے قرآن مجید کی ایک ایک سطر اور ایک ایک لفظ خوب ترتیل سے ٹھہر ٹھہر کر سوچ سمجھ کر پڑھیں اور اپنی دیانت و امانت کو گواہ کر کے بتائیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیاروں نبیوں اور رسولوں کو خاص کر اپنے حبیب خاتم النبیین حضرت جناب سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو علم عطا فرمانے کا ذکر فرمایا ہے کیا یہ دونوں الفاظ علم اور غیب کسی ایک آیت میں بھی ساتھ ساتھ بیان فرمائے ہیں؟ یقین سے کہا جاسکتا ہے کہ ان شاءاللہ ایک آیت بھی ایسی نہیں جس میں دو جہانوں کے سردار افضل الرسل امام الانبیاء سیدالمرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے علم کا لفظ بھی ہو اور غیب کا لفظ بھی ہو۔ اگر کوئی صاحب علم یہ دونوں الفاظ ایک ہی آیت میں اور کسی کے لئے تو کیا آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہی کیلئے دکھادیں تو اس ناکارۂ خلائق عاجز و خاکسار کو اس کے ماننے میں قطعاً کوئی پس وپیش نہیں اور نہ ہی اپنی کم علمی کا اقرار کرنے میں کوئی عار ہوسکتی ہے۔ اور نہ ہی کسی دوسرے مسلمان کو قرآن پاک کی آیت اور اس آیت کے الفاظ کا جان بوجھ کر انکار جیسے کفر کی جسارت ہوسکتی ہے۔

آئیے! ذرا قرآن پاک کی آیات کا بغور جائزہ لیں تو یہ بات صاف طور پر نظر آئے گی کہ جہاں کہیں بھی آں حضرت خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کیلئے غیب کا لفظ آیا ہے، تو وہاں علم کا لفظ نہیں۔ جیسا کہ متعدد آیات ہیں۔ مثلاً

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (پ ۴ ع ۹)

فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ (پ ۲۹ ع ۱۲)

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ (پ ۳ ع ۱۳)

اس قسم کی جتنی آیات ہیں جہاں دوسرے مقامات پر بھی ہیں۔ سب میں غیب کا لفظ تو ہے مگر علم کا لفظ نہیں۔ اطلاع، اظہار، اخبار کے الفاظ ہیں۔ یعنی غیب کی بعض باتوں کی اطلاع دی۔ غیب کی بعض چیزوں کو ظاہر فرما دیا۔ غیب کے بعض حالات کی خبر دی وغیرہ۔

اور جہاں کہیں "علم" کا لفظ ہے وہاں غیب کا لفظ مذکور نہیں مثلاً

عَلَّمَ الْاِنْسَانَ مَا لَمْ یَعْلَمْ (پ۳۰ ع۱)   وَیُعَلِّمُکُمْ مَّا لَمْ تَکُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ (پ۲ ع۲)
عَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ (پ۵ ع۱۴)

ایسی جتنی آیات ہیں ان میں "علم" کا ذکر تو ہے۔ مگر لفظ "غیب" نہیں۔ جس سے معلوم ہوا کہ بعض نامعلوم باتوں کا حسب ضرورت اللہ تعالیٰ نے علم دیا۔ نہ کہ "علم غیب"

بہت سی ایسی صریح الدلالت آیات بیّنات ہیں جن میں آن حضرتؐ سے خاص طور پر علم غیب کی نفی کی گئی ہے۔ بخوف طوالت ان کو چھوڑتے ہوئے صرف چند آیات ہی نقل کی جارہی ہیں۔

(۳) یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ السَّاعَۃِ اَیَّانَ مُرْسٰھَا قُلْ اِنَّمَا عِلْمُھَا عِنْدَ رَبِّیْ الی آخر الآیۃ (پ۹ ع۱۲)
یہ لوگ آپ سے قیامت کے بارے سوال کرتے ہیں۔ آپؐ کہہ دیں کہ اس کا علم میرے رب کے پاس ہے۔

(۴) یَسْئَلُکَ النَّاسُ عَنِ السَّاعَۃِ قُلْ اِنَّمَا عِلْمُھَا عِنْدَ اللّٰہِ (پ۲۲ ع ۹)
آپ سے لوگ قیامت کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ آپؐ فرما دیں کہ اس کا علم تو بس اللہ ہی کے پاس ہے

جیسا کہ شق اول اثباتی میں بیان کیا جا چکا ہے کہ قیامت قائم ہونے کا معین ومقرر وقت اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں نہ کسی مقرب فرشتے کو اور نہ نبی مرسل کو۔ ان دو آیتوں میں آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق صراحۃً ذکر ہے کہ کفار آپؐ سے قیامت کے بارے سوال کرتے ہیں کہ قیامت کب آئے گی؟ اس کا جواب دیا گیا کہ اس کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ مجھے بھی نہیں کہ میں تم کو بتا دوں۔

(۵) اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْکِ عُصْبَۃٌ مِّنْکُمْ لَا تَحْسَبُوْہُ شَرًّا لَّکُمْ بَلْ ھُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ (پ۱۸ ع۸)
جو لوگ لائے جھوٹ جماعت ہے تم میں سے تم ان کو اپنے حق میں برا نہ سمجھو۔ بلکہ یہ بہتر ہے تمہارے حق میں

اس آیت کریمہ میں اس بہتان اور طوفان کا ذکر ہے جو قرآن وحدیث میں واقعہ افک کے نام سے مشہور ہے۔ یہ بدترین قسم کا جھوٹ وافتراء اور بہتان وطوفان جو منافقین

نے ام المؤمنین سیدہ مطہرہ حضرت عائشۃ الصدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے متعلق گھڑ کر خوب چرچا کیا اور اس کو پھیلایا۔ اگرچہ یہ شدید ترین صدمہ اور غم و اندوہ کی بات تھی مگر قدرت کاملہ کے علم واسعہ نے اس میں بھلائی کا پہلو اجاگر کر دیا۔ اور اس پر پوری سورہ نور نازل فرما کر اسلامی معاشرہ کے بہت سے احکامات اور عفت و پاکدامنی کے راہنما اصول بیان فرما کر احسان عظیم فرما دیا۔ تاہم واقعہ افک جو کتب حدیث میں خاص کر بخاری و مسلم میں بہت طویل تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔ بعض پہلوؤں کو پڑھکر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ آنکھوں سے آنسو بہہ نکلتے ہیں۔ یقیناً وہ واقعات اور گفتگو میں جو اس دوران ہوئیں پڑھنے کے قابل ہیں۔ ان تفصیلات کا اجمالاً مختصر بیان ملاحظہ ہو۔

آن حضرت سیدنا حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ایک جنگ سے واپسی پر ایک جگہ رات کو قیام فرماتے ہیں۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ بھی ساتھ تھیں۔ قافلہ کے کوچ سے پہلے سیدہ عائشہ رضؓ جنگل کی طرف گئیں۔ وہیں آپؓ کا ہار گم ہو گیا۔ دیر سے آئیں۔ قافلہ جا چکا تھا۔ چادر لپیٹ کر وہیں سو رہیں۔ صبح کے قریب پیچھے سے ایک صحابیؓ حضرت صفوان بن معطل جن کو آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قافلہ کی گری پڑی چیز کو اٹھانے کی خدمت کیلئے مقرر کیا ہوا تھا۔ وہاں پہنچے۔ بڑے دکھ کی بات ہے کہ نیند کی وجہ سے ام المؤمنین حضرت عائشہ رضؓ کے چہرہ پاک سے ذرا چادر کھلی ہوئی تھی۔ جونہی اس صحابی کی قریب ہوتے ہی نظر پڑی تو فوراً پہچان لیا۔ کیونکہ پردہ کے احکام نازل ہونے سے پہلے ان کو دیکھا ہوا تھا۔ اور گھبرا گیا۔ اب اس صحابی کے سچے اور صاف پاکیزہ دل پر جو کیفیت طاری ہوئی ہو گی سوائے رب العالمین علام الغیوب کے کون اس کے تاثرات بیان کر سکتا ہے ہاں اس کی ادنیٰ سی جھلک یہ ہے کہ اس صحابی نے اپنا منہ پھیر کر انتہائی صدمے اور افسوس کے لہجہ میں انا للہ و انا الیہ راجعون پڑھا۔ یہ کلمہ صدیقہ رضؓ کے کان میں پڑتے ہی آنکھ کھل گئی۔ اور فوراً چہرہ مقدس ڈھانپ لیا صحابیؓ نے اونٹ قریب لا کر بٹھا دیا۔ حضرت صدیقہ سوار ہو گئیں اور صحابی نے اونٹ کی نکیل پکڑ کر قافلہ میں ملا دیا۔ بدبخت منافق عبداللہ بن ابی نے اس بات کو خوب اچھالا

بعض بھولے بھالے اور سیدھے سادھے مسلمان بھی اس سنی سنائی میں آکر تذکرہ کرنے لگے۔ باقی مسلمانوں کو اور خود آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی سخت صدمہ تھا۔ اور حضرت صدیقہ رضؓ کو پہلے تو کچھ دن اس کی خبر تک ہی نہ تھی کہ کیا ہو رہا ہے۔ آخر جب معلوم ہوا تو شدتِ غم سے بیتاب ہو گئیں اور بیمار پڑ گئیں۔ رات دن روتی تھیں اور ایک لمحہ بھی آنسو نہ تھمتے تھے۔ اسی حالت میں آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیقہ رضؓ کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا کہ اگر کوئی لغزش اور غلطی ہو گئی ہے تو اللہ سے معافی مانگ لو۔ اگر تم سچی ہو تو اللہ تمہیں بری فرما دے گا۔ یہ الفاظ سنتے ہی حضرت صدیقہ رضؓ کے آنسو خشک ہو گئے اور والد مکرم حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ابا! حضورؐ کو جواب دو۔ حضرت صدیق نے عذر کیا کہ میں کیا کہہ سکتا ہوں پھر والدہ محترمہ سے کہا کہ آپ جواب دیں والدہ نے بھی عذر کیا۔ مجبوراً صدیقہ رضی اللہ عنہا خود جواب دیتی ہیں۔ خلاصہ ملاحظہ ہو۔

واللہ لقد عرفت لقد سمعتم ھٰذا الحدیث حتی استقر فی انفسکم وصدّقتم بہ ولئن قلت لکم انی بریئۃ واللہ یعلم لا تصدّقونی ولان اعترفت لکم بامرٍ واللہ یعلم انی منہ بریئۃ لتصدقونی واللہ لا اجد لی ولکم مثلا الا کما قال ابو یوسف علیہما السلام فصبر جمیل واللہ المستعان علیٰ ما تصفون۔

قسم خدا کی مجھے معلوم ہو گیا کہ آپ اس بات کو سنتے رہے یہاں تک کہ آپ کے دل میں بیٹھ گئی اور آپ نے عملاً اس کی تصدیق کر دی۔ اگر میں کہتی ہوں کہ میں اس سے بری ہوں جیسا کہ اللہ جانتا ہوں کہ میں بری ہوں تو آپ مجھے سچا نہیں کریں گے۔ اور اگر میں اعتراف کر لوں جس سے میرا بری ہونا اللہ تعالیٰ جانتا ہے تو آپ میری بات مان لیں گے۔ بخدا کہ میں اپنے لئے اور تمہارے لئے اس کے علاوہ کوئی مثال نہیں پاتی جو حضرت یوسف عہ کے والد یعقوب عہ نے بیٹوں کی غلط بات سن کر فرمایا کہ میں صبر کرتا ہوں۔ اور اللہ سے اس معاملہ میں مدد طلب کرتا ہوں۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ فرماتی ہیں کہ میں اتنی بات کر کے الگ جا کر لیٹ رہی۔ اور

مجھے یقین تو تھا کہ اللہ تعالیٰ مجھے بری فرما دیں گے۔ لیکن یہ وہم و خیال بھی نہ تھا کہ میرے معاملہ میں قرآن پاک کی آیات نازل ہوں گی اور ہمیشہ تلاوت کی جائیں گی۔ فرماتی ہیں کہ ابھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی جگہ تشریف فرما تھے کہ آپؐ پر وحی نازل ہوئی۔ اس کے بعد آپؐ نے مجھے فرمایا

ابشری یا عائشۃ ! اما اللہ فقد ابرأكِ ۔

اے عائشہ ! خوشخبری سنو۔ اللہ تعالیٰ نے تجھے بری کر دیا ہے۔

اس کے بعد فرماتی ہیں کہ میری والدہ نے مجھے کہا کہ کھڑی ہو جاؤ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہو تو صدیقہؓ نے جواب دیا کہ نہ میں اس معاملہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کا کوئی احسان مانتی ہوں نہ کھڑی ہوتی ہوں۔ میں اپنے رب کا شکریہ ادا کرتی ہوں جس نے مجھے بری فرمایا۔

اس سارے قصے کا خلاصۂ مطلب واضح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں تھے۔ اللہ نے وحی نازل فرما کر اطلاع دی۔ علام الغیوب اللہ کی ذات ہے۔ جیسا کہ خود صدیقہؓ کے بیان میں موجود ہے کہ میری براءت کو میرا اللہ جانتا ہے (وَاللّٰهُ يَعْلَمُ) اور کوئی نہیں جانتا۔

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاةَ اَزْوَاجِكَ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ (پارہ ۲۸ رکوع ۲۰)

اے نبیؐ ! تو کیوں حرام کرتا ہے جو اللہ نے تجھ پر حلال کیا تو اپنی بیویوں کی رضا مندی چاہتے ہیں۔ اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

یہ سورۃ التحریم کے اس مشہور واقعہ کی طرف اشارہ ہے جو بخاری اور مسلم شریف میں ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تمام ازواج مطہرات کے گھروں میں جاتے تھوڑی دیر بیٹھتے۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا شہد پیش کرتیں۔ آپؐ روزانہ تناول فرماتے۔ کچھ دیر لگ جاتی۔ بعض دوسری ازواج مطہرات کو رشک پیدا ہوا۔ چنانچہ انہوں نے خفیہ مشورہ کر کے یہ عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول آپؐ کے منہ مبارک سے مغافیر کی بو آرہی ہے

حالانکہ بدبو سے آپؐ کو سخت نفرت تھی۔ آپؐ نے اس وجہ سے قسم کھالی کہ آئندہ شہد نہیں پیوں گا۔ اس پر اللہ پاک نے خبر فرما دی کہ محبوبؐ بدبو وغیرہ نہیں۔ یہ آپؐ کی بیویوں کی بنائی ہوئی بات ہے۔ جب آپؐ نے بیوی سے اس کا ذکر فرمایا تو انہوں نے اس وجہ سے کہ شاید میری سوکن نے یہ راز فاش کر دیا عرض کیا کہ یارسول اللہ آپؐ کو کس نے بتایا تو آپؐ نے فرمایا۔

قَالَتْ مَنْ اَنْبَاَ كَ هٰذَا ؕ قَالَ نَبَّاَنِیَ الْعَلِیْمُ الْخَبِیْرُ (پ ۲۸ ع ۱۹)

بولی آپؐ کو کس نے بتائی یہ بات؟ فرمایا مجھ کو بتایا علیم وخبیر جاننے والے خبردار نے۔

کیا اس واقعہ میں کوئی شبہ ہو سکتا ہے۔ جب نہیں ہو سکتا تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات، امہات المؤمنین کا عقیدہ اگر آں حضورؐ کے متعلق عالم الغیب ہونے کا ہوتا تو مشورہ کیسے کرتیں۔ اور یہ بات کیسے بناتیں۔ اور یہ کیوں کہتیں کہ آپؐ کو کس نے یہ بات بتائی۔ یہ واقعہ آں حضرتؐ سے علم غیب کی نفی پر زبردست دلیل ہے

۷ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَیُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰی مَا فِیْ قَلْبِهٖ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ (پارہ ۲ رکوع ۲۶)

اور لوگوں میں بعض ایسا بھی ہے جس کا محض دنیا دی غرض گفتگو آپؐ کو بہت پسند آتی ہے۔ کیونکہ وہ اپنے دل کی بات پر اللہ کی قسمیں کھاتا ہے حالانکہ وہ سخت مخالف اور جھگڑالو ہے۔

اس آیت سے بھی صاف واضح ہے کہ آں حضرتؐ منافقوں کے دل کی بات نہیں جانتے تھے۔ بلکہ ان کی جھوٹی قسموں اور چکنی چپڑی باتوں سے ان کو مخلص سمجھتے تھے۔ مفسرین حضرات نے صاف لکھا ہے کہ یہ آیت اخنس بن شریق منافق کے بارے میں نازل ہوئی تھی۔ اور یہاں تک لکھا ہے کہ آں حضرتؐ کے دل میں اس کی بڑی وقعت اور عظمت تھی آپؐ ہمیشہ اسے اپنے قریب بٹھاتے تھے۔ علامہ خازن امام فخرالدین رازیؒ اور علامہ آلوسیؒ سب مفسرینؒ نے اس کو بیان کیا ہے۔

علامہ بغویؒ تحریر فرماتے ہیں۔

یعجبك قولہ فی الحیٰوۃ الدنیا ای تحسنہ ویعظم فی قلبك (معالم التنزیل ص۱۶۱)
اے محبوبؐ جس آدمی کی باتیں آپ کو بہت پسند ہیں اور آپؐ کے دل میں اس کی عظمت ہے، وہ سخت جھگڑالو ہے

اور تفسیر جلالین میں تو علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے تو یہاں تک وضاحت کر دی کہ وہ اخنس بن شریق منافق میٹھی میٹھی باتیں کر کے اپنے آپؐ کو مومن صادق اور عاشق رسولؐ کہتا اور اس پر بڑی قسمیں کھا کر خدا کو گواہ بناتا آں حضرتؐ اس وجہ سے اسے مخلص سمجھ کر اپنے قریب بٹھاتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے جھوٹے دعویٰ کا پول کھول دیا۔

کیا اس سے یہ حقیقت واضح نہیں ہوگئی کہ دلوں کے رازوں اور بھیدوں کو اللہ کے حبیبؐ نہیں جانتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو بتایا۔ کیونکہ عالم الغیب اللہ کی ذات ہے۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الْکِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْکُمَ بَیْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰہُ وَلَا تَکُنْ لِّلْخَآئِنِیْنَ خَصِیْمًا (پارہ ۵ رکوع ۱۳)

بیشک ہم نے اتاری تیری طرف کتاب سچی تاکہ لوگوں میں تو انصاف کرے جو سمجھا دے تجھے اللہ اور دغابازوں کی طرف سے مت جھگڑنے والا ہو۔

یہ آیت کریمہ اور اس کے بعد دس بارہ آیات میں ایک خاص واقعہ کا بیان ہے۔
طعمہ بن ابیرق ایک منافق مسلمان نے ایک صحابی حضرت رفاعہ بن زید کے گھر سے کچھ آٹا اور ہتھیار چوری کئے۔ اتفاقاً آٹے کی بوری کو سوراخ تھا۔ راستہ میں آٹا گرتا گیا۔ مگر چور نے مسروقہ سامان ایک یہودی کے گھر امانت رکھ دیا۔ صبح رفاعہ کو جب اس واردات کا علم ہوا تو کرتے کراتے مال یہودی کے گھر سے برآمد کر لیا۔ مگر یہودی نے صاف کہہ دیا کہ یہ مال میرے پاس فلاں مسلمان نے بطور امانت رکھا ہے۔ یہ قصہ سید الانبیاء حضرت فخر عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش ہوا۔ طعمہ منافق اور اس کے ساتھ باقی منافقین کی جماعت نے باقاعدہ سازش کر کے قسمیں کھا کھا کر شہادتیں دیں۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اصلی چور طعمہ منافق کو اس الزام سے بری اور بے گناہی کا یقین دلایا۔ چنانچہ آپؐ نے ان کی قسموں اور گواہیوں پر اعتبار فرماتے ہوئے یہودی کو چور اور طعمہ کو بے گناہ

تصوّر فرمایا۔ اتنے میں یہ متعدد آیات نازل ہوئیں۔ اور حق سبحانہٗ نے اپنے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم پہ اپنا فضل فرمایا اور حقیقۃ الامر ظاہر فرما دی جس سے منافقین کی جھوٹی قسموں کی قلعی کھل گئی۔ یہ واقعہ بھی اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ آنحضرت حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں تھے اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ سے آپ پہ حقیقت واضح فرمائی۔

(۹) هُمُ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ لَا تُنْفِقُوْا عَلٰى مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْفَضُّوْا الخ

وہی ہیں جو کہتے ہیں کہ نہ خرچ کرو ان پر جو رسول اللہ کے پاس رہتے ہیں یہاں تک کہ الگ ہو جائیں

اور يَقُوْلُوْنَ لَئِنْ رَّجَعْنَآ اِلَى الْمَدِيْنَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْاَعَزُّ مِنْهَا الْاَذَلَّ (پ ۲۸ ع ۱۴)

کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ کو واپس ہو گئے تو نکال دیں عزت والے ذلّت والوں کو

یہ سورۂ منافقون اگرچہ ساری کی ساری منافقوں کی خباثتوں اور ان کی نہائی فریب کاریوں اور ان کی بے ایمانی پہ ان کی جھوٹی قسموں کے تو پہ تو پردوں اور غلافوں کو ہٹانے اور ان کو چاک کر کے ان کی قلعی کھولنے اور ان کی اصلی اور حقیقی تصویر اور بد دیانتی کو ظاہر کرنے کے لئے اتاری گئی ہے۔ تاہم اس صورت میں ایک خاص واقعہ بیان کیا گیا ہے جس میں منافقین کے جھوٹ کا آسمان سے فیصلہ اتارا۔

واقعہ یہ ہُوا کہ ایک سفر میں دو مسلمان آپس میں جھگڑ پڑے ایک مہاجر تھا اور ایک انصاری۔ دونوں نے اپنی اپنی جماعتوں کو حمایت کے لئے بلا لیا جس پہ خاصہ ہنگامہ سا ہو گیا۔ آخر معاملہ جب رفع دفع ہو گیا تو رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی اس کو دوسرا رنگ دے کر فساد پھیلانے کی غرض سے کہنے لگا کہ پیغمبر علیہ السلام کے ساتھیوں کو اور سر دل پہ چڑھاؤ۔ اگر تم ان کی مدد نہ کرتے تو آج یہ مقابلہ کیوں کرتے۔ تم ان کی مالی امداد کرنا بند کر دو۔ تو وہ بھوکے مرتے خود بخود پیغمبر کو چھوڑ کر الگ ہو جائیں گے۔ اور کہنے لگا کہ جب ہم مدینہ واپس جائیں گے تو (العیاذ باللہ) ان ذلیلوں کو مدینہ سے نکال باہر کریں گے۔ یہ سب باتیں اس بدبخت نے منافقین کے سامنے کہی تھیں۔ یہ باتیں حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ نے سن لیں۔ اگرچہ عمر میں وہ بہت چھوٹے تھے مگر انہوں نے یہ سب باتیں اپنے چچا کو بتا دیں۔ انہوں نے سارا ماجرا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام

کی خدمت میں عرض کر دیا۔ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اصل حقیقتِ حال کی وضاحت کے لئے حضرت زیدؓ کو بھی طلب فرمایا اور رئیس المنافقین اور اس کے ساتھیوں کو بھی بلایا اور صورتِ حال دریافت فرمائی۔ منافقین صاف انکار کر گئے اور قسمیں کھا کھا کر اپنی سچائی کا یقین دلا دیا کہ ہم ایسی بات کبھی نہیں کہہ سکتے بلکہ الٹا زیدؓ کو جھٹلا دیا۔ حضرت زیدؓ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی

فکذبنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وصدقہ فاصابنی ھم لم یصبنی مثلہ قط (مسلم)

مجھے جھٹلا دیا اور عبداللہ بن ابی منافق کو سچا قرار دیا۔ مجھے اس پر اس قدر پریشانی اور غم ہوا کہ زندگی بھر کبھی نہیں ہوا تھا

حضرت زیدؓ دل میں شدید مغموم اور سخت محجوب اور نادم ہوئے کہ اب لوگ کیا کہیں گے کہ پیغمبر علیہ السلام کے صحابی بھی (نعوذ باللہ) جھوٹ کہتے ہیں۔ تب اللہ تعالیٰ جل وعلا شانہٗ نے یہ سورہ نازل فرما کر اپنی ذات کی شہادت سے منافقین کی خباثت اور کذب بیانی ظاہر فرما کر حضرت زیدؓ کی تصدیق فرما دی کہ محبوبؐ! یہ منافقین بے ایمان جھوٹے ہیں انہوں نے یہ باتیں کہی ہیں۔ اس پر آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

ان اللہ قد صدقک یا زید (اے زید! خدا نے تجھے سچا کیا (فالحمد للہ)

روایات میں ہے کہ عبداللہ بن ابی منافق کے بیٹے کو جو مخلص مسلمان تھا جب باپ کے ان الفاظ کی حقیقت معلوم ہوئی تو تلوار لے کر باپ کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ اور کہنے لگا کہ جب تک اقرار نہ کرلے گا کہ رسول اللہؐ عزت والے ہیں اور تُو ذلیل ہے زندہ نہیں چھوڑوں گا اور نہ مدینہ میں گھسنے دوں گا۔ آخر باپ سے اقرار کرا کر چھوڑا (رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

یہ واقعہ اس بات کی کتنی کھلی شہادت ہے کہ اللہ کے محبوبؐ عالم الغیب نہیں تھے ورنہ حضرت زیدؓ صحابی رسولؐ کیوں رنجیدہ خاطر اور نادم ہوتے۔ اللہ نے اپنے محبوبؐ کو اصل صورتِ حال سے آگاہ فرما دیا۔

۱۰ عَفَا اللّٰہُ عَنْکَ لِمَ اَذِنْتَ لَھُمْ حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَکَ الَّذِیْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْکٰذِبِیْنَ (قرآن مجید پارہ ۱۰ توبہ رکوع ۷)

اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو معاف فرما دیا۔ آپؐ نے ان کو اجازت کیوں دیدی تھی جب تک سچے لوگ آپؐ کے سامنے ظاہر نہ ہو جاتے اور آپؐ جھوٹوں کو معلوم نہ کر لیتے

یہ آیت کریمہ غزوۂ تبوک میں جھوٹے بہانے اور عذر کر کے پیچھے رہنے والے منافقین سے متعلق ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے عذر قبول فرماتے ہوئے ان کو جہاد میں شریک نہ ہونے کی اجازت دیدی۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبؐ کے اطمینانِ خاطر کے لئے پہلے ہی معافی کا اعلان فرما دیا۔ لیکن ساتھ ہی نہایت محبت بھرے انداز میں متنبہ فرما دیا کہ آپؐ نے منافقوں کے بیانوں اور بہانوں کا سچ اور جھوٹ ظاہر ہونے سے پہلے ہی ان کو کیوں اجازت دیدی۔

اس سے بھی یہ بات اظہر من الشمس کی طرح واضح ہو گئی کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے متنبہ فرمایا۔ یہی بات مفسرین حضرات رحمہم اللہ نے تحریر فرمائی ہے۔ چنانچہ علامہ امام بغویؒ حضرت حبر الامۃ رئیس المفسرین عبداللہ بن عباسؓ کا قول نقل فرماتے ہیں۔

قال ابن عباس رضؓ لم یکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعرف المنافقین یومئذ (معالم ص۲۴۴ ج۳)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فرمایا کہ اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منافقین کو نہیں پہچانتے تھے

(۱۱) وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِیْنَةِ مَرَدُوْا عَلَی النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ (سورۂ توبہ رکوع ۱۳)

اور کچھ مدینہ میں رہنے والوں میں ایسے منافق ہیں کہ نفاق کے حد کمال کو پہنچے ہوئے ہیں۔ آپ ان کو نہیں جانتے۔ ہم ان کو جانتے ہیں۔

اس آیت کریمہ میں اور ایک دوسری آیت میں بھی بعینہ یہی الفاظ ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے صاف صاف ارشاد فرمایا ہے کہ مدینہ میں ایسے منافق بھی ہیں جو نہایت چالاک اور مکار قسم کے ہیں۔ وہ اس قدر محتاط اور ہشیار ہیں اور ان کا نفاق اتنا پوشیدہ اور گہرا ہے کہ اے پیغمبر محبوب آپ کو بھی باوجود کمال فراست اور صفائی قلب کے ہوتے ہوئے بھی ان کے بارے علم نہیں ہو سکتا۔ ہم ان کو جانتے ہیں تو نہیں جانتا۔

آیت کے واضح مطلب کے مطابق مفسرین حضرات نے صاف اس کی تصریح کی ہے

کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو منافقین کے نفاق اور پوشیدہ احوال کا علم نہیں تھا اور آپؐ عالم الغیب نہیں تھے۔

⑫ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۠ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ (پ ع)

یہ غیب کی خبروں میں سے ہیں۔ آپ کی طرف ہم وحی کرتے ہیں۔ اور آپ ان لوگوں کے پاس موجود نہ تھے جب کہ وہ اپنی قلموں کو ڈالتے تھے کہ کون مریم کی کفالت کرے اور نہ آپ اس وقت ان کے پاس موجود تھے جب وہ باہم اختلاف کر رہے تھے۔

⑬ ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ۚ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ اَجْمَعُوْٓا اَمْرَهُمْ وَهُمْ يَمْكُرُوْنَ (پ رکوع ۵)

یہ قصہ بھی غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم آپ کی طرف وحی کرتے ہیں اور آپؐ یوسف کے بھائیوں کے پاس اس وقت موجود نہ تھے جب کہ انہوں نے پختہ ارادہ کرکے تدبیریں کر رہے تھے۔

⑭ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الْغَرْبِيِّ اِذْ قَضَيْنَآ اِلٰى مُوْسَى الْاَمْرَ وَمَا كُنْتَ مِنَ الشّٰهِدِيْنَ (قرآن مجید پارہ ۲۰ سورہ قصص رکوع ۵)

اور آپ (طور کی) مغربی جانب میں موجود نہ تھے جب کہ ہم نے موسیٰ کو احکام دئے تھے اور نہ ہی آپؐ حاضرین میں سے تھے۔

⑮ وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْ نَادَيْنَا وَلٰكِنْ رَّحْمَةً مِّنْ رَّبِّكَ (پارہ ۲۰ قصص رکوع ۵)

اور آپؐ طور کی مغربی طرف میں اس وقت موجود نہ تھے جب کہ ہم نے موسیٰؑ کو آواز دی۔ یہ سب تجھ پہ خدا کی طرف سے رحمت ہے (وحی سے بتایا ہے)

⑯ وَمَا كُنْتَ ثَاوِيًا فِيْٓ اَهْلِ مَدْيَنَ تَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا ۙ وَلٰكِنَّا كُنَّا مُرْسِلِيْنَ (پ قصص رکوع ۵)

اور آپؐ مدین والوں کے پاس قیام پذیر نہ تھے کہ آپؐ ان کو آیات پڑھ کر سنا رہے ہوں۔ اور یقیناً آپؐ کو ہم ہی رسول بنا کر بھیجنے والے ہیں۔

آیت نمبر ⑫ سے ⑯ تک پانچ آیات بیّنات میں نہایت واضح الفاظ میں اللہ تعالیٰ

اس بات کا اعلان فرمایا کہ میرے محبوبؐ کو ان تمام گذشتہ واقعات کا آپؐ کو علم نہیں تھا ہم نے آپؐ کو وحی کے ذریعہ سے غیب کی ان خبروں کو بتایا

مسئلہ حاضر وناظر

جہاں اِن آیات میں آن حضرتؐ سے علم غیب کی نفی ہے کہ آپؐ کو ان واقعات کا علم وحی سے پہلے نہ تھا۔ وہاں انہی آیات کے الفاظ میں ایک مشترکہ مضمون بھی بیان کیا گیا ہے۔ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ - وَمَا كُنْتَ مِنَ الشَّاهِدِيْنَ) کہ اے پیارے محبوب مصطفٰے کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو اس زمانہ میں ان واقعات میں موجود نہیں تھا۔ اِس سے صاف طور پر صراحت کے ساتھ آن حضرتؐ کے حاضر وناظر ہونے کی نفی کی گئی ہے۔

پہلا واقعہ آیت ۱۲ میں حضرت مریمؑ کی کفالت وسرپرستی کے بارے میں ہے جب بیت المقدس کے راہبوں اور خادموں کے درمیان اختلاف ہوا تو اس اختلاف کو مٹانے کے لئے اس طرح قرعہ ڈالا کہ کفالت مریم کے تمام دعویدار اپنی اپنی قلمیں بہتے پانی میں پھینک دیں جس کا قلم اوپر کو تیرنے لگے وہ حقدار ہے۔ اس آیت میں یہی اشارہ ہے کہ آپؐ ان کے جھگڑنے اور قرعہ اندازی کے وقت ان کے پاس موجود نہیں تھے بلکہ ہم نے وحی کے ذریعہ سے آپؐ کو اطلاع اور خبر دی۔

دوسرا واقعہ آیت ۱۳ میں حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کے متعلق ہے کہ جب یوسفؑ کو باپ سے جدا کرنے اور کنوئیں میں ڈالنے کا پختہ ارادہ کر کے اپس میں اس کی سازش اور اصلاح مشورہ کر رہے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کر کے فرمایا کہ محبوبؐ! آپؐ اس وقت ان کے پاس موجود نہیں تھے ہم نے آپؐ کو وحی کر کے خبر دی ہے۔

تیسرا واقعہ آیت نمبر ۱۴ و نمبر ۱۵ میں فرمایا کہ جب موسیٰؑ کو ہم نے کوہِ طور کی مغربی جانب میں آواز دی اور ان کو نبوت اور رسالت اور اپنی ہم کلامی سے

سرفراز فرمایا۔ اور انہیں اپنے احکامات دیئے۔ اس وقت بھی اے محبوبؐ! آپؐ وہاں موجود نہیں تھے۔ ساری تفصیلات ہم نے آپؐ کو وحی کے ذریعہ سے بتائی ہیں۔

چوتھا واقعہ آیت نمبر ۱۶ میں حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم مدین والے اور ان کے احوال شعیبؑ کی بچیوں کے بکریوں کو پانی پلانے والے حیرت انگیز واقعات کے وقت بھی اے محبوبؐ! آپؐ وہاں موجود نہیں تھے ہم نے آپؐ کو رسول بنا کر بھیجا اور وحی کے ذریعے یہ آپؐ کو بتایا۔

اگرچہ اس ساری علم غیب کی مفصّل گفتگو اور خصوصًا ان مؤخرالذکر پانچ آیتوں کے بعد اس میں قطعًا شبہ کی کوئی گنجائش نہیں رہتی کہ عالم الغیب اور حاضر و ناظر ہر جگہ ہر وقت موجود ہونا اور سمیعٌ بصیرٌ (دیکھنا اور سننا) اللہ ہی کی صفت ہے۔

آن حضرت نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نہ عالم الغیب ہیں نہ ہر زمانہ میں ہر جگہ ہر وقت حاضر و ناظر ہیں۔ تاہم قدرے اس کی وضاحت ملاحظہ فرمائیے تاکہ مزید تسلی اور تشفی ہو جائے اور یہ حقیقت بھی معلوم ہو جائے کہ اللہ کے سوا حاضر و ناظر ہونا کسی دوسرے کا عقلاً بھی محال ہے۔ ارشادِ باری ملاحظہ ہو۔

مَا یَکُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَةٍ اِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ اِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَآ اَدْنٰی مِنْ ذٰلِكَ وَلَآ اَكْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ اَیْنَمَا كَانُوْا (پارہ ۲۸ رکوع ۲)

تین آدمی کوئی سرگوشی نہیں کرتے مگر چوتھا ان میں وہ ہوتا ہے اور نہ پانچ ہوتے ہیں مگر چھٹا ان میں وہ ہوتا ہے۔ اور نہ اس سے زیادہ نہ کم ہوتے ہیں مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جہاں کہیں بھی ہوں۔

بہرحال اس آیت کریمہ اور ایسی دوسری آیات میں اس بات کو اللہ تعالیٰ نے بڑی وضاحت اور نہایت صراحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے کہ کوئی خفیہ سے خفیہ میٹنگ کسی قسم کی سازش کے لئے کوئی مجلس اور مشورہ اور کیسی ہی پوشیدہ اور گہری سرگوشی ہی کیوں نہ ہو چاہے ایک یا دو ہوں یا دس بیس ہوں کھلی جگہ ہوں یا چھپے ہوئے ہوں، دروازے، روشندان سب بند کر لیں یا اوپر چادریں اور کپڑوں تک اوڑھ لیں۔ دن

میں ہوں یا رات میں حتی کہ کوئی بھی ہو کسی جگہ کسی حال میں ہو کسی زمانہ کسی لمحہ میں ہو،
اللہ تعالیٰ کی ذات پاک اس کے ساتھ ہے اور اس کی رگِ حیات سے بھی زیادہ قریب ہے
اب اس کے برعکس اللہ کے سوا کوئی جن فرشتہ انسان بزرگ پیر فقیر
اولیا، پیغمبر نبی رسول سب مخلوق سے افضل تمام رسولوں کے سردار حضرت سیدنا
محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی عرش سے فرش تک آسمان سے زمین تک سدرۃ المنتہیٰ سے
تحت الثریٰ تک۔ پہاڑوں صحراؤں جنگلوں دریاؤں سمندروں شہروں دیہاتوں تمام آبادی
اور ساری مخلوق کے ایک ایک فرد اور ایک ایک ذرہ کے ہر ساعت ہر زمانہ ہر گھڑی ہر حال
میں موجود ہونا کسی طرح بھی نہیں ہو سکتا۔ بلکہ عقلاً و نقلاً شرعاً و عرفاً ہر طرح محال ناجائز اور
بالکل غلط اور بے معنے بات ہے۔

صرف آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے ہی اس بات کا اندازہ
لگا لیجئے۔ مثلاً

آپ کی پیدائش مبارک سے پہلے، پھر شکمِ مادر میں پھر رضاعت کے لئے دائی
حلیمہ رض لے گئیں۔ پھر والدہ ماجدہ کے ہاں پہنچنا اور پھر واپس دائی کے پاس جانا۔ وہاں
اپنے رضاعی بہن بھائیوں کے ساتھ کھیلنا۔ اور جنگلی بیر وغیرہ کھانا۔ پھر دادا عبد المطلب
کے پاس رہنا۔ اور تجارت کے سفر وغیرہ کرنا۔ کامیابیوں سے واپس ہونا۔ پچیس برس کے
بعد ایک زوجہ مطہرہ کے شوہر بننا۔ ان کے ساتھ خلوتیں جلوتیں خرید و فروخت۔ لین دین۔
معاملات وغیرہ کے لئے دولتکدہ سے باہر آنا جانا یہاں غارِ حرا میں گھر والوں سب سے
علٰحدہ اور جُدا اور غائب رہنا۔ اور وحی کا آنا۔ اس حالت کی پوری کیفیت کا اپنے گھر
میں مخلص ہمدرد و رفیقۂ حیات کو بتانا کوہ صفا پر چڑھ کر توحیدِ الٰہی کا عام اعلان فرمانا
دار ارقم اور کئی جگہ مکانوں کے اندر سینکل اور کنڈیاں لگا کر تبلیغ کرنا کھلے بندوں
وعظ و نصیحت کرنا۔ کفار کا تنگ آکر آپ کے درِ دولت کو گھیر لینا۔ آپ کا محفوظ طور
پر نکل جانا۔ اور مکہ چھوڑ کر مدینہ کی طرف ہجرت کر جانا۔ اس سفر میں غار ثور میں تین دن
رات پناہ لے کر چھپے رہنا۔ مدینہ والوں کا روزانہ شدت سے انتظار و استقبال کرنا۔ اور

یہ کہنا کہ آج نہیں تو کل آجائیں گے۔ کئی غزدوں میں جہاد کے لئے مدینہ چھوڑ کر مختلف ملکوں اور علاقوں میں سفر کر کے جانا۔ بعض دفعہ مدینہ منورہ میں اپنا پیچھے خلیفہ مقرر کر جانا۔ نماز کے لئے مسجد جانا۔ واپس گھر کے حجرے میں داخل ہونا۔ الگ الگ ازواج مطہرات کے پاس جانا اور بیٹھنا۔ احوال پوچھنا۔ دوسری پاک بیویوں کا شدّت سے انتظار کرنا۔ عورتوں میں باری مقرر کرنا۔ سفرِ حج۔ مقام حدیبیہ میں رکاوٹ اور قیام اور صلحنامہ وغیرہ زندگی کا ایک ایک لمحہ ایک ایک گھڑی سفر و حضر نماز روزہ حج اور جملہ معاملات وغیرہ سب آپؐ کے حاضر و ناظر ہونے کی نفی کرتے ہیں۔ کہ آپؐ اگر ہر جگہ حاضر و ناظر ہوتے تو اُمّ المؤمنین عائشۃ الصدیقہ رضا اپنے بستر میں آپؐ کو نہ پاتے ہوئے اچانک کیسے تلاش کرتیں۔ اور پھر آں حضرت ص ان کو تسلّی بخش جواب کیسے ارشاد فرماتے۔

قرآن مجید کی چند آیات ملاحظہ ہوں جن کے اسلوبِ بیان سے یہ حقیقت بالکل عیاں ہوجائے گی

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ○ (پ ع)

پاک ہے وہ ذات جو لے گیا اپنے بندے کو راتوں رات مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک جس کے ارد گرد ہم نے برکتیں رکھی ہیں تاکہ ہم اس بندے کو اپنی عظیم نشانیاں دکھائیں۔ بے شک اللہ ہی ہر بات سنتا ہے اور ہر حال دیکھتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عجیب و غریب سفر جس کو " اسراء " اور " معراج " کہا جاتا ہے۔ اللہ کے حبیبؐ کا یہ عظیم معجزہ ہے۔ آپ حضرات نے بھی معجزہ کی اس آیت پر غور کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کو " بندہ " فرمایا۔ گویا ایک فرد تھے اللہ کی ذات اور جبرائیل کی رفاقت کے بغیر آپؐ کے ساتھ کوئی بھی نہیں تھا۔ سب سے الگ اور غائب تھے۔ کہاں گئے۔ جہاں سے گئے اس کا نام بیت اللہ مسجد الحرام ہے جو مکّہ مکرمہ میں ہے اور جہاں گئے اس مقام کا نام بیت المقدس مسجد اقصیٰ ہے جو ملکِ شام میں ہے۔ سفر کی روانگی بھی ہے۔ اور پہنچنا بھی ہے۔ کس وقت گئے ؟ رات کے کچھ حصّے میں۔ کیوں گئے ؟

تاکہ قدرت کی نشانیوں کے مناظر دیکھیں۔
اور ایک احادیث میں آسمانوں پہ جانے کا بھی ذکر ہے۔ یہ تفاصیل آن حضرتؐ نے خود اپنی معصوم زبان مبارک سے ارشاد فرمائی ہیں۔ آخر ایک بندے کا اتنا طویل سفر تھوڑے سے سفر میں طے کر لینا کیسے ہو سکتا ہے۔ تو ارشاد فرمایا کہ یہ سب لے جانے والے کا کمال ہے "سُبۡحٰنَ الَّذِیۡ" واضح ہو گیا کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سفر اکیلے کیا۔ کوئی دوسرا انسان آپؐ کے ساتھ نہیں تھا۔ پھر حاضر ناظر کیسے؟ ان دیکھی چیز کو دیکھنا پھر حاضر و ناظر کیسے؟ آسمانوں کے واقعات اور چند انبیاء سے ملاقاتیں اور جبرائیلؑ کے ذریعے سے تعارفی گفتگو مَنۡ هٰذَا؟ هٰذَا اَبُوۡكَ! اَخُوۡكَ وغیرہ۔ سلام و جواب۔ پھر حاضر و ناظر؟ کیا حاضر و ناظر بھی السلام علیکم وعلیکم السلام کہا کرتا ہے؟ یا باہر سے آنے والا یا رخصتی کے وقت جانے والا کہا کرتا ہے۔ یہ سارا سفر اور آنا جانا بھی اپنے اختیار اور قدرت میں نہیں۔ بلکہ لے جائے گئے۔ پھر کیسے حاضر و ناظر؟

معراج کے بعد ھجرت کی آیت ملاحظہ ہو۔

اِلَّا تَنۡصُرُوۡهُ فَقَدۡ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذۡ اَخۡرَجَهُ الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ثَانِىَ اثۡنَيۡنِ اِذۡ هُمَا فِى الۡغَارِ اِذۡ يَقُوۡلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحۡزَنۡ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا (پارہ ۱۰ توبہ ع ۶)

اگر تم پیغمبر کی مدد نہ کرو تو بے شک اللہ نے ان کی مدد کی جب کہ نکالا ان کو کفار نے۔ پیغمبر دوسرے تھے دو میں جب دونوں غار میں تھے۔ اس وقت اپنے ساتھی سے فرمایا کہ غم نہ کر۔ بے شک اللہ ہمارے ساتھ ہے۔

واقعۂ ہجرت جو احادیث شریفہ اور کتب سیرت اور تفاسیر میں نہایت تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ یہ سفر بھی بڑا انوکھا اور نرالا سفر ہے۔

آپؐ گھر میں موجود ہیں تو کفار بارادۂ قتل آستانۂ عالیہ کا گھیراؤ محاصرہ کئے ہوئے ہیں۔ آپؐ جب دولتکدہ سے تشریف لے جاتے ہیں تو تمام اہل خانہ کو چھوڑ جاتے ہیں۔ حضرت صدیقؓ کے گھر پہنچ کر انہیں ساتھ لیتے ہیں۔ اب اللہ کی ذات کے سوا آپؐ کے

ساتھ صرف ایک ہی رفیق ہے صدیقؓ۔ اور کوئی بھی ساتھ موجود نہیں۔ قرآن پاک دو ہی کا ذکر فرماتا ہے ایک نبیؐ دوسرا صدیقؓ۔ جب کفار کو پتہ چلتا ہے کہ آپؐ اندر موجود نہیں ہیں، چلے گئے ہیں، تو وہ پیچھا کرتے ہیں اور کھوج لگاتے لگاتے عین غار ثور پر پہنچ جاتے ہیں جہاں سردارِ انبیاء مصطفےٰؐ اور سرتاجِ اولیاء صدیقؓ چھپے ہوئے تھے۔ وہاں حضرتؐ نے حضرت صدیقؓ کو تسلی دی لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا غم نہ کر! اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ تین دن اور رات غار میں رہنے کے بعد مدینہ منورہ پہنچنے سے پہلے محلّہ قبا میں پہنچے۔ پھر مدینہ شریف میں اگر ہر پروانہ شمعِ نبوت کی یہی خواہش تھی کہ یہ شمع میرے ہی غریب خانہ میں رونق افروز ہو مگر منشأ الٰہی نے اس کے لئے حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ کے دولتخانہ کو انتخاب فرمایا۔

کیا اس پورے واقعہ پر غور فکر کرنے کے بعد کوئی ذی عقل آدمی یہ باور کر سکتا ہے کہ حاضر و ناظر بھی مہاجر ہو سکتا ہے؟ اگر آپؐ ہر وقت ہر جگہ حاضر و ناظر ہوتے تو رات کو گھر کا کیسے محاصرہ ہوتا۔ آپؐ کیوں نکلتے؟ حضرت صدیقؓ کو کس لئے ساتھ لیتے؟ آپؐ حاضر و ناظر ہوتے کھوج کیسے لگایا جاتا۔ تلاش کیسی۔ اور کس کی مدینہ منورہ میں استقبال کی انتظار اور بوڑھوں جوانوں بچوں عورتوں سب کو کس چہرۂ انور کی ایک جھلک دیکھنے کی شوق اور تڑپ ترسا رہی ہے۔ اگر آپؐ ہر جگہ حاضر و ناظر اور موجود ہیں تو ہر ایک کی اپنے اپنے گھروں میں ٹھیرانے جذبہ اور خواہش و تمنّا کے کیا معنے؟ اور پھر قدرت کی طرف سے اونٹنی کی مہار کو چھوڑ دینے کا فیصلہ اور حضرت ابو ایوب انصاری رضؓ کے گھر کے انتخاب کی کیا حقیقت ہے۔

ہجرت کے بعد جہاد والی آیت پر غور فرمائیں۔

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ○ (پارہ ۴ رکوع ۴)

اور یاد کر اے پیغمبرؐ جب صبح تو اپنے گھر والوں سے نکلا ایمان والوں کو لڑائی کے مورچوں پر متعین کر رہا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ سننے اور جاننے والا ہے۔

اس آیت کریمہ میں بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے نکل کر باہر جانے اور سفر کا ذکر ہے۔ اور یہ جنگِ اُحُد کا واقعہ ہے کہ جس میں آن حضرتؐ نے صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا تھا کہ مدینہ میں رہ کر کفار و مشرکین سے مقابلہ کیا جائے یا باہر میدان میں ؟ اگرچہ بعض کی یہ رائے بھی تھی کہ اندر رہ کر مقابلہ کیا جائے مگر کثرتِ رائے سے جب آپؐ نے ہتھیار وغیرہ لگالئے اور باہر نکل پڑے تو یہی ارشاد فرمایا کہ اللہ کا نبی خدا کے بھروسہ پر نکلتا اب واپس نہیں ہوتا۔ اسی کو قرآن پاک نے ذکر فرمایا فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ (جب پختہ ارادہ ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کرو) اسی جنگ سے منافقین کی سینکڑوں کی بھاری تعداد واپس لوٹ آئی تھی کہ ہماری بات نہیں مانی گئی۔ مگر اللہ کے محبوبؐ ذرا بھر متاثر نہیں ہوئے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میدانِ اُحُد میں مسلمانوں کو جہاد کیلئے صف آراستہ کیا اور پہاڑی پر تیراندازوں کی ایک جماعت کو مقرر فرمایا۔ اسی کا ذکر قرآن پاک فرما رہا ہے۔ باقی جنگِ احد کا تفصیلی واقعہ قرآن پاک میں مذکور ہے۔ ا

آپؐ جب گھر والوں سے علیحدہ ہو کر باہر میدان میں تشریف لے گئے تو ہر جگہ حاضر و ناظر کہاں رہے اس جنگ میں جو عظیم اندوہناک اور غمناک واقعہ پیش آیا کہ محبوب کبریا مصطفٰے کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت سے پروانے شہید ہوئے آپ کے حقیقی چچا سیّد الشہداء حضرت امیر حمزہ رضؓ شہید ہوئے۔ ان کا مُثلہ کیا گیا اور ان کا پیٹ چاک کر کے کلیجہ نکال کر چبایا گیا۔ اور سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کو پتھر لگا جس سے چہرۂ انور و مقدس لہولہان ہو گیا۔ اور آپؐ کے اگلے دانت مبارک شہید ہو گئے۔ آئنا ٹڑ احادثہ اور یہ تمام واقعات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عالم الغیب اور آپؐ کے حاضر و ناظر نہ ہونے کا واضح اور کھلا ثبوت ہیں

باقی میدانِ جنگ میں نماز کا طریقہ، سفر میں قصرِ نماز اور تیمم کے مسائل کی آیات قرآن پاک میں موجود ہیں اور اس کے علاوہ سینکڑوں واقعات کی ایسی آیات مذکور ہیں جن میں آپؐ کے علمِ غیب اور حاضر و ناظر ہونے کی صریحًا نفی کی گئی ہے فی الحال اتنا ہی کافی

ہے - باقی پہلے کئی بار یہ بات دہرا چکا ہوں کہ حتّی الوسع اس کتاب کو مناظرانہ بحثوں سے بچانے کی پوری کوشش کی گئی ہے - اس لئے کئی غیر ضروری بحثوں کو ترک کر دیا گیا ہے

ذاتی اور عطائی کے ایک مغالطہ کی وضاحت

ہاں البتہ ایک اہم پہلو کی وضاحت کر دینا نہایت ضروری ہے - اور وہ اہم پہلو ہے -

ذاتی یا عطائی کا عمومی طور پر علمی طبقوں اور تدریسی و تعلیمی حلقوں اور تبلیغی و تحریری گوشوں میں نہایت زور دار انداز اور پُر جوش لہجہ میں ایک آواز سنائی دیتی ہے اور عوام الناس کے کانوں میں گونج کر ان کے ذہنوں اور دماغوں میں گھوم پھر کر دلوں کو مغالطہ میں ڈال دیتی ہے اور وہ مغالطانہ آواز یہ ہے کہ:

جن آیات قرآنی میں غیر اللہ انبیاء وغیرہ اور خاص کر رسولوں کے سرتاج حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سے علم غیب کی نفی کی گئی ہے وہ ذاتی علم کی نفی ھے عطائی کی نہیں یعنی علم غیب وہ ذاتی طور پر اپنے آپ نہیں جانتے بلکہ اللہ نے عطائی طور پر ان کو سارا غیب کا علم دے رکھا ہے -

عین ممکن ہے کہ ذاتی اور عطائی کے مفروضہ مذکورہ مغالطے کو کسی خاص حلقے میں جان بوجھ کر بد دیانتی کے ساتھ دھوکہ دہی اور گمراہی پھیلانے کے لئے استعمال کیا جاتا ہو اور ایسا ہو سکتا ہے - جیسا کہ دیکھنے میں آتا ہے کہ اسی حلقے کے احباب اس کو تقریر و تحریر میں خوب اچھالتے ہوئے توحید کے بالمقابل شرک کو سہارا دیتے ہیں اور اس پر بڑے یقین کے ساتھ اطمینان کر لیتے ہیں کہ ہم نے بہت بڑا دینی کام سر انجام دے دیا ہے - اور اس بات کو اگر نظر انداز بھی کر دیا جائے تب بھی یہ مغالطہ بظاہر تو بڑا دلکش اور بہت ہی خوشنما

ہے مگر فریب اور تلبیس کے سوا اس کی کوئی حقیقت نہیں
اول تو اس لئے کہ غیر اللہ کے لئے جب علم غیب کا ثبوت ہی ذاتی نہیں ہو سکتا تو غیر اللہ سے علم غیب کی نفی بھی ذاتی نہیں ہو سکتی۔

باقی رہا کہ بعض مفسرین نے ذاتی کی نفی کہی ہے تو اُن مفسرین کرام رحمہم اللہ کی مراد علم غیب کی ذاتی نفی غیر اللہ سے مراد نہیں۔ بلکہ ان کی مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیوں اور رسولوں کو جو علم عطا فرمایا ہے اور غیب کی جو خبریں عطا فرمائی ہیں یا غیب کی جن باتوں اور چیزوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اطلاع دی ہے وُہ بھی ان کی ذاتی نہیں کہ جب چاہیں ان چیزوں میں جس چیز کا علم جس وقت چاہیں معلوم کر لیں بلکہ وہ بھی اللہ کی عطا سے ہے جب اس کی مرضی ہو اس وقت اطلاع اور خبر دیتا ہے۔

اگرچہ یہ بات انہی الفاظ میں حل ہو جاتی ہے تاہم تسلی اور تشفی کے لئے بہر حال قرآن مجید کی چند آیات بیّنات ملاحظہ فرمائیں۔ جو آیات اس بات پر نص صریح ہیں۔

① وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَاهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ (پارہ ۶ رکوع ۲)

اور بعض ایسے پیغمبروں کو صاحبِ وحی بنایا جن کا اس سے پہلے آپؐ پر بیان کیا۔ اور ایسے پیغمبروں کو بھی جن کا حال ہم نے آپؐ پر بیان نہیں کیا۔

② وَلَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّن قَبْلِكَ مِنْهُم مَّن قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَمِنْهُم مَّن لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ (پارہ ۲۴ مؤمن رکوع ۸)

اور ہم نے آپؐ سے پہلے بہت سے پیغمبر بھیجے جن میں سے بعض کا حال ہم نے آپؐ پر بیان کیا اور ان میں سے بعض کا حال ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا۔

ان دونوں آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے نہایت وضاحت وصراحت سے فیصلہ فرما دیا ہے کہ تمام انبیاء کرام علیہم السلام کے حالات اور ان کے نام وغیرہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں بتائے گئے بلکہ انہیں سے بعض کا حال بتایا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عطائی علمِ غیب کی نفی پر نصِ قطعی ہیں۔

ائمۂ مفسرین کرام کے چند اقوال ملاحظہ ہوں۔ علامہ خازنؒ فرماتے ہیں۔

ای لم نسمّھم لك ولم نعرفك اخبارھم (تفسیر خازن ص۵۱۹ ج۱)

یعنی ہم نے نہ ان کے نام آپؐ کو بتائے ہیں اور نہ ہی ان کے احوال آپ کے علم میں لائے ہیں۔

اور امام فخر الدین رازیؒ لکھتے ہیں۔

قَدْ ذَکرنا حال بعضھم لك ولم نذکر حال الباقین (تفسیر کبیر ص۳۴۴ ج۷)

انبیاء علیہم السلام میں سے بعض کا حال ہم نے آپؐ سے بیان کیا ہے اور باقی پیغمبروں کا حال بیان نہیں کیا۔

اور عمدۃ المفسرین علامہ حافظ ابن کثیرؒ تحریر فرماتے ہیں

ای منھم من اوحینا الیك خبرھم وقصصھم مع قومھم کیف کذبوھم ثم کانت للرسل العاقبۃ والنصرۃ ومنھم من لم نقصص علیك وھم اکثر ممن ذکر باضعاف اضعاف (ابن کثیر ص۵۸۹ ج۱)

اور انبیاء علیہم السلام میں سے بعض ایسے ہیں جن کا حال ہم نے آپؐ سے بیان کیا اور یہ بھی بتایا کہ ان کی قوموں نے ان سے کیا سلوک کیا اور کس طرح ان کی تکذیب کی پھر بالآخر رسولوں کی مدد کی اور وہ کامیاب ہو گئے اور بعض ایسے پیغمبر ہیں جن کا حال ہم نے آپؐ سے بیان نہیں کیا۔ اور وہ پیغمبر کئی گنا ان سے زیادہ ہیں جن کا ذکر کیا گیا ہے۔

مفسرین حضرات کے اور بھی بہت سے اقوال ہیں سب کا مطلب اور خلاصہ ان آیتوں کے صریح اور واضح بیان کے مطابق ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام پیغمبروں کا حال آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو عطا نہیں فرمایا۔ بعض کا بتایا اور بعض کا نہیں بتایا۔

اور بھی کئی آیتیں اس بارے میں ہیں جن سے آپؐ سے عطائی طور پر بھی علم غیب کی نفی ہوتی ہے۔ جیسے سورۂ یٰسین کی آیت

وَمَا عَلَّمْنٰهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهٗ (یٰسین پ۲۳ رکوع ۵)

اور ہم نے ان کو شاعری کا علم نہیں دیا اور وہ ان کے شایانِ شان بھی نہیں۔

یہ آیت کریمہ بھی اس بات پر نص قطعی ہے کہ حضرت سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعری کا علم نہیں دیا گیا تھا۔ صحابہ کرامؓ سے لے کر تمام مفسرین اور ائمہ مجتہدین اور فقہائے امت نے اس آیت سے یہی سمجھا اور پوری امت مسلمہ کا اس پر اجماع ہے۔ کہ

آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ساری عمر شاعری کا علم نہیں دیا گیا۔ کتب تفاسیر اور کتب فقہ میں اس کی تفصیل موجود ہے۔ ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے نفی علم غیب و حاضر ناظر پر احادیث شریفہ

اگرچہ قرآن پاک میں اس سلسلہ کی بے شمار آیات ہیں اور اگر غور کیا جائے تو سارا قرآن مجید اس پر بیّن دلیل ہے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے وَالنَّاسِ تک بلکہ بسم اللہ کی ب سے والناس کی س یہ بھی غیر اللہ کے علم غیب کی نفی پر برہان قاطع ہے۔ اللہ کے سوا کون جانتا ہے کہ کتنی مخلوق چوبیس گھنٹے میں کتنی تعداد میں بسم اللہ شریف کو پڑھتے ہیں اور بسم اللہ کی ب پر رات دن کتنے ہونٹ جڑتے ہیں اور وَالناس کی س پر کتنے کھلتے ہیں اور تمام انسانوں کی تعداد تو درکنار صرف خطۂ ارض پر شریر انسانوں کی مجموعی اور یقینی تعداد کتنی ہے۔ مگر سلسلہ کلام کو مختصر کرتے ہوئے جو آیاتِ قرآنی بیان کی گئی ہیں انہی پر اکتفاء کی جاتی ہے۔

کتاب اللہ (قرآن مجید) کے بعد مذہب اسلام دین و شریعت کی دوسری حجت حدیث شریف ہے جو اللہ تعالیٰ کے پیارے رسول حضرت سیدنا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سُنّت ہے خواہ وہ قولی ہو (یعنی زبانی ارشاد) یا فعلی ہو (عملی نمونہ)

قرآن پاک کی متعدد نصوص قطعیہ جو بیان کی گئی ہیں ان کے بعد احادیث پاک بھی ملاحظہ فرمائیے۔ احادیث کا بہت بڑا ذخیرہ عقائد سے معاملات تک کے بیانات ہزاروں کی تعداد میں اس بات کا بیّن ثبوت ہیں۔ کہ سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں تھے بلکہ آن حضورؐ نے اپنی ذات سے نہایت تاکید اور بڑی صراحت و وضاحت سے علم غیب کی نفی فرمائی ہے۔ مختصراً چند احادیث پاک پیش کی جاتی ہیں تاکہ خود سید الانبیاء حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سے اس مسئلہ کی وضاحت ہو کر فیصلہ ہی ہو جائے۔

کیونکہ اللہ اور اس کے رسولِ مقبولؐ کے فیصلہ کے بعد کسی چونکہ چنانکہ جیسی چوں وچرا کی کوئی وقعت نہیں رہتی اور نہ ہی اس کی کوئی گنجائش ہی رہتی ہے۔

حدیث ① حضرت ربیّع بنتِ معوّذ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انکی شادی کے وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں انصار کی بچیاں دف بجاکر شہداء بدر کے مناقب گا رہی تھیں اور یہ بھی کہا کہ

وَ فینا نبیٌ یَعْلَم ما فی غدٍ (ہم میں پیغمبر ہیں جو کل کی باتیں جانتے ہیں)

تو آں حضرت سرورِ کائنات فخرِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً ٹوک دیا اور روک دیا کہ ایسی بات مت کہو۔ فرمایا

دعی ھٰذہٖ وقولی بالذی کنتِ تقولین (بخاری بحوالہ مشکوٰۃ ص۲۷۱)

اس بات کو چھوڑ دو۔ وہی کچھ کہو جو پہلے کہہ رہی تھیں

اللہ اکبر! بڑے غور وفکر اور سوچ بچار کی بات ہے۔ ذرا اندازہ لگائیے کہ درس وتدریس ہو رہی ہے بلکہ بچیاں شادی میں فرح وسرور کے شغل میں ہیں۔ اور بات صرف گانے اور گیت کے ایک مصرعہ کی ہے۔ کوئی حدیث و قرآن کی عبارت نہیں۔ اور گانے والی معصوم بچی ہے۔ کوئی علّامۃ الزمان فقیہ دوران محدّث اعظم شیخ الحدیث وغیرہ نہیں تھا۔ مگر رحمۃ للعٰلمین محبوب رب العٰلمین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی سی بات کو برداشت نہ فرمایا اور آپؐ قطعاً خاموش نہیں رہے بلکہ اپنی طرف علمِ غیب کی نسبت کی ایسے موقعہ اور محل میں بھی ذرا بھر اجازت نہ دی اور فوراً ٹوک کر روک دیا اور سختی سے "دَعِیْ" جیسے الفاظ سے منع فرمایا کہ اسے چھوڑ دو۔ اللہ اللہ! کتنی جامع تعلیم ہے کہ اس جملہ کا تعلق ایمان اور عقیدہ کے ساتھ ہے۔ فضائل اور مناقب میں نہیں۔ قرآن میں سورۂ لقمان کی آخری آیت میں واضح ہے کہ کل کی بات کوئی نہیں جانتا۔ یہ علمِ غیب ہے اور اللہ ہی کی صفت ہے اور بچیوں کا کلمہ اور جملہ یَعْلَمُ مَا فِیْ غَدٍ قرآن کے مخالف تھا اس لئے آپؐ نے فرمایا کہ یہ بات ہی غلط ہے خیال ہی باطل ہے اس کو چھوڑ دو۔ وہی مناقب کی باتیں کہو جو پہلے کہہ رہی تھیں۔ اگر

(نعوذ باللہ من تصورہ) بالفرض آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہتے اور نہ روکتے تو آج خدا جانے اس ایک مصرعہ کے کتنے قصیدے بنے ہوئے ہوتے اور بڑے ذوق و شوق سے چھاپ کر شائع کئے جاتے اور پڑھے جاتے اور ایک قطرہ کا سمندر بنا دیا جاتا۔ ایک پر کا پرندہ بنا کر دکھایا جاتا کہ میاں سارے مدینہ والوں کا انصار کا اور انصار کی عورتوں کا یہی عقیدہ تھا کہ حضورؐ عالم الغیب ہیں کیونکہ وہ اپنے قصیدوں میں حضورؐ کی یہ صفت کہتے تھے کہ کل کی بات جانتے ہیں اور دیدہ دلیر حضرات یوں کہتے ہوئے بھی نہ شرماتے کہ حضورؐ غیب جانتے ہیں کیوں کہ بچیاں آپ کے سامنے آپؐ کی موجودگی میں گا رہی تھیں۔ اگر یہ عقیدہ و ایمان کے خلاف بات ہوتی تو حضورؐ فوراً روک دیتے۔ حضورؐ کا نہ روکنا دلیل بن جاتا۔

حدیث (۲) ام المؤمنین حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ کچھ لوگ ایک جھگڑا لے کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا

انما انا بشر وانہ یاتینی الخصوم فلعلّ بعضًا ان یکون ابلغ من بعض فاقضی لہٗ بذالک واحسب انہ صادق فمن قضیتُ لہٗ بحقِّ مسلم فانما ھی قطعۃ من النار فلیاخذھا اولیدعھا (بخاری ومسلم)

میں بھی ایک آدمی ہی ہوں اور میرے پاس جھگڑے لے کر آتے ہیں ہو سکتا ہے کہ ایک فریق دوسرے سے زیادہ بلاغت میں تیز ہو اور میں اس کی باتوں سے اس کو سچا سمجھ کر اس کے حق میں فیصلہ کر دوں۔ اس لئے جس شخص کو میں کسی دوسرے مسلمان کا حق دے دوں تو وہ اس کے لئے جہنم کی آگ کا انگارا ہے۔ اب اس کا جی چاہے تو اس کو لے چاہے چھوڑ دے۔

متفق علیہ حدیث یعنی بخاری و مسلم دونوں اماموں نے اپنے صحیحین میں اس کو نقل فرمایا ہے اس کی صحت کے لئے اتنا ہی کافی ہے اس کے علاوہ تمام محدثین کے نزدیک اس قدر مسلم ہے کہ فقہائے اسلام نے احکام قضا کی بنیاد اسی کو بنایا ہے۔
حدیث پاک کا مطلب صاف واضح ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس

بات کا صریح اعلان فرما دیا ہے کہ مَیں کسی فریق کی چرب زبانی اور خوش کلامی سے متاثر ہو کر کسی جھوٹے کو سچّا سمجھ کر کسی دوسرے کا حق دلا دوں تو اس کے لئے وہ ہرگز جائز نہیں بلکہ جہنم کی آگ کا ٹکڑا ہے۔

اس ارشاد گرامی سے آن حضرتؐ نے اپنے متعلّق کس قدر صفائی کے ساتھ علمِ غیب کی نفی فرمائی ہے۔ بلکہ اس دعویٔ باطلہ کی بالکل بیخ کنی فرما دی کہ باطن کے احوال مَیں نہیں جانتا۔ اللہ جانتا ہے تسلّی و تشفی کے لئے شارحین کا حوالہ بھی ملاحظہ فرمالیجئے

شارحِ بخاری علامہ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ

ای کواحدٍ من البشر فی عدم علم الغیب (فتح الباری شرح صحیح بخاری ص۲۸۵ ج۱۲)

مَیں بھی آدمیوں میں ایک آدمی ہوں علمِ غیب کے نہ ہونے میں۔

علّامہ بدر الدین عینی رح فرماتے ہیں۔

یعنی کواحدٍ منکم ولا اعلم الغیبَ و بواطنَ الامور (عمدۃ القاری شرح بخاری ص۱۱۶ ج۲۴)

یعنی مَیں بھی تمہاری طرح غیب دان نہیں اور نہ ہی باطنی امور کو جانتا ہوں۔

حدیث ③ جنگ حنین میں قبیلہ ہوازن کے مال و اسباب اور قیدی مسلمان میں تقسیم ہو چکے تھے کہ قبیلہ ہوازن نے اسلام قبول کر لیا۔ ان کے مال و متاع اور قیدیوں میں سے ایک چیز واپس کرنے کے لئے مجمع عام میں صحابۂ کرام کی رائے معلوم کی۔ اگرچہ سب نے عرض کی کہ ہم راضی ہیں۔ مگر ہر ہر آدمی کی رائے معلوم نہیں ہو سکتی تھی۔ آپؐ نے فرمایا

انّی لا ادری من اذن منکم ممن لم یأذن فارجعوا حتی یرفع الینا عرفاءکم امرکم (صحیح بخاری ص۱۰۶۴ ج۲)

مجھے معلوم نہیں کہ تم میں سے کون اس پر خوش ہے اور کون ناخوش۔ تم سب واپس جاؤ۔ اور ہر قبیلے کا سردار تمہاری رائے مجھے بتائے۔

چنانچہ ایسا ہی ہوُا۔ ہر قبیلے کے سردار نے اپنے آدمیوں سے مشورہ کیا۔ اور سب نے اس بات سے اتفاق کیا اور یہ رپورٹ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت

اقدس میں عرض ہوئی۔

اس حدیثِ پاک میں بھی آں حضرتؐ نے اپنے متعلق کتنے صاف لفظوں میں دو ٹوک اعلان فرمایا کہ مجمع عام میں لوگوں کے کثرتِ ہجوم اور اژدھام کی وجہ سے ہر آدمی کی الگ الگ آواز مجھ تک نہیں پہنچتی اور نہ ہی مجھے فرداً فرداً تمام لوگوں کے ارادوں کا علم ہو سکتا ہے۔ خود زبانِ مقدس کے ارشادِ گرامی سے نفیِ علمِ غیب کی کتنی مضبوط دلیل ہے

حدیث ④ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دفعہ نماز میں بھول ہوگئی۔ صحابہؓ نے عرض کی کہ اے اللہ کے پیارے حبیب! نماز کے بارے کوئی نیا حکم نازل ہُوا؟ تو آپؐ نے ارشاد فرمایا۔

لو حدث فی الصلوٰۃ شیٔ انبأتکم بہ ولکن انما انا بشر انسیٰ کما تنسون فاذا نسیتُ فذکرونی (صحیح مسلم ص۲۱۲ ج۱)

اگر نماز میں نیا حکم نازل ہوتا تو میں تم کو بتا دیتا۔ لیکن میں بھی تو بشر ہوں مجھے بھی بھول لگ جاتی ہے جیسے تم بھول جاتے ہو۔ اگر میں بھول جاؤں تو مجھے یاد دلا دیا کرو۔

حدیث ⑤ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں عصر کی نماز پڑھائی تو دو رکعت پر سلام پھیر دیا۔ ایک صحابی جس کو ذوالیدین کہا جاتا تھا اس نے کھڑے ہو کر عرض کی کہ اے اللہ کے پیارے رسول کیا نماز کم ہو گئی ہے یا آپؐ بھول گئے ہیں؟ تو آپؐ نے فرمایا "یہ دونوں باتیں نہیں ہوئیں" تو ذوالیدین نے پھر عرض کی کہ یا رسول اللہ! دونوں باتوں میں سے ایک بات ضرور ہوئی ہے۔ اس پر

فاقبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی الناس فقال اَصَدَقَ ذوالیدین فقالوا نعم یارسول اللہ (صحیح مسلم ص۲۱۳ ج۱)

رسول اللہؐ نے دوسرے نمازیوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کیا؟ ذوالیدین صحیح کہتا ہے؟ تو انہوں نے عرض کی اے اللہ کے رسول! وہ ٹھیک کہتا ہے۔

دونوں حدیثوں میں لسانِ نبوت سے کس قدر صاف اقرار ہے کہ میں بھی آدمی ہوں

بھول جاتا ہوں۔ اور بھولنے والا عالم الغیب نہیں ہوتا۔ اسی لئے تو آں حضرتؐ نے صحابہ کرامؓ سے دریافت فرمایا کہ کیا ذوالیدین سچ کہتا ہے؟ آپؐ جانتے بوجھتے ہوئے (نعوذ باللہ) نماز جیسی عبادت میں ایسا مذاق تھوڑا فرما رہے تھے۔ بلکہ یہ حقیقت تھی کہ آپؐ کو معلوم نہیں تھا کہ کتنی رکعت پڑھی ہیں؟

حدیث ⑥ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا

واللہ ان شاء اللہ لا احلف علی یمین فاری غیرھا خیرا منہا الا اتیت الذی ھو خیر وتحللتھا (صحیح بخاری ومسلم)

بخدا اگر میں کسی کام قسم بھی کھا لوں پھر دیکھوں کہ اس کے خلاف میں بہتری ہے تو ان شاء اللہ وہ بہتر کام کر دوں گا اور قسم توڑ کر کفارہ ادا کر دوں گا۔

سبحان اللہ! اللہ بڑی شان والا ہے۔ اس حدیث شریف میں بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے غیر مبہم الفاظ میں کس طرح اس عقدہ کو حل فرمایا کہ میں ہر بات نہیں جانتا اور نہ ہی اس کے انجام کو ہی جانتا ہوں۔ بلکہ میں ایک کام کو کرنے کا پختہ ارادہ فرما کر قسم بھی کھا لوں اور بعد کو معلوم ہو کہ بہتری اس میں نہیں بلکہ اس کے خلاف میں ہے تو مجھے اللہ کے حکم کے سامنے جھکنے میں کوئی عار نہیں۔ میں قسم کو توڑ دوں گا اور کفارہ ادا کر دوں گا۔ مگر بہتر کام کر دوں گا۔ اللہ کا یہی حکم ہے کہ ایسے حال میں قسموں کو توڑ دو۔ اور کفارہ ادا کرو (ولا تجعلوا اللہ عرضۃ لایمانکم ان تبروا (قرآن مجید))

حدیث ⑦ غزوۂ خیبر میں اسی کے وقت ایک یہودیہ عورت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی اور بکری کا گوشت پکایا اور اس میں زہر ملا دی۔ آں حضرتؐ اور آپؐ کے ساتھ چند صحابہؓ بھی تھے۔ کھانا شروع کر دیا۔ حضرت ابوہریرہ رضؓ روایت کرتے ہیں۔

لما فتحت خیبر اھدیت لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شاۃ فیہا سم (بخاری ص۶۱۰ ج۲)

جب خیبر فتح ہوا اس وقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بکری کا زہر آلود گوشت پیش کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو مطلع فرما دیا کہ اس میں زہر ہے تو سب نے کھانا چھوڑ دیا۔ گرچہ

آن حضرتؐ پر فوری طور پر زہر کا شدید ردّ عمل نہ ہوا۔ بعض صحابہؓ ان چند لقموں سے ہی جان بحق اور شہید ہو گئے۔ چنانچہ سنن ابی داؤد میں ہے

فتوفی اصحابہ الذین اکلوا من الشاۃ (سنن ابی داؤد ص۲۴۶ ج۲)

وہ صحابہ فوت ہو گئے جنہوں نے بکری کا زہر آلودہ گوشت کھایا

اور خود آن حضرتؐ کا یہ حال تھا کہ تین سال تک اس زہر کی تکلیف محسوس فرماتے رہے۔ اور وفات کے وقت تو اس قدر تکلیف بڑھ گئی تھی کہ اس سے رگِ جان ہی کٹتی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔ چنانچہ آپؐ نے اپنی زوجۂ مطہرہ عائشۃ الصدیقہؓ کو فرمایا

یا عائشۃ ما ازال اجد الم الطعام الذی اکلتُ بخیبر فھذا اوان وجدتُ انقطاع ابھری من ذٰلک (صحیح بخاری ص۶۳۷ ج۲)

اے عائشہ! میں اس کھانے کی تکلیف برابر محسوس کرتا رہا ہوں جو خیبر میں کھایا تھا اور اب تو اس زہر کے اثر سے مجھے رگِ جان کٹتی ہوئی لگتی ہے۔

یہ واقعہ بھی اس بات پر زبردست اور محکم دلیل ہے کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو غیب کا علم نہیں تھا۔ بعد کو وحی کے ذریعہ سے اطلاع ملی اور انکشاف ہوا۔ اگر آپؐ عالم الغیب ہوتے تو نہ خود کھانا تناول فرماتے اور نہ صحابہ کرام کو زہر آلودہ کھانا کھانے دیتے کوئی عقلمند یہ نہیں کہہ سکتا کہ آن حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جانتے بوجھتے ہوئے اپنے پروانوں صحابہؓ کو موت کے مُنہ میں دیدیا۔ یقینی بات ہے کہ زہر آلود کھانا کھا کر موت کی آغوش میں جانے والے پیارے صحابہ کرام کی وفات پر آن حضرتؐ کو بہت بڑا صدمہ اور نہایت دُکھ ہوا ہوگا۔

حکایت ⑧ قبیلۂ عُرَینہ و عکل کے کچھ لوگ منافقانہ طور پر حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا اور بیعت بھی کی۔ مدینہ منوّرہ کی آب و ہوا موافق نہ آئی جس سے وُہ بیمار ہو گئے تو آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں باہر جنگل میں جہاں اونٹوں کے گلّے تھے وہاں بھیج دیا تو

فلما صحوا قتلوا راعی النبی صلی اللہ علیہ وسلم واستاقوا النعم فجاء الخبر فی اوّل النّھار

فبعث فی آثارھم (صحیح بخاری ص۳۳۴ صحیح مسلم ص۵۷)

جب وہ تندرست ہو گئے تو انہوں نے رسول اللہؐ کے چرواہے کو قتل کر ڈالا اور اونٹ ہانک کر لے گئے اس واقعہ کی خبر آپؐ کو صبح سویرے ہی مل گئی تو آپؐ نے ان کی تلاش میں ان کے پیچھے آدمی روانہ فرما دئے۔

کس قدر افسوسناک اور غمناک واقعہ ہے کہ یہ لوگ منافق تھے اور بُری نیّت سے آئے اور آن حضرتؐ نے ان کو بیعت سے بھی نواز دیا اور پورے وثوق اعتماد کے ساتھ جنگل میں اونٹوں کے گلہ میں بھیج دیا۔ آپؐ عالم الغیب نہیں تھے۔ ورنہ آپؐ کبھی بھی ان کو باہر نہ بھیجتے اور اپنے خادم اور چرواہے کے دردناک قتل کا صدمہ نہ اٹھاتے۔

روایات میں یہ بھی ہے کہ ان ظالموں نے چرواہے کو قتل کر کے ان کی آنکھیں وغیرہ نکال دیں۔ اور چہرہ اور جسم کے ساتھ ناروا سلوک کیا۔

حدیث ⑨ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ قبیلہ رعل وذکوان کے کچھ لوگ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اسلام قبول کیا اور کہا کہ کچھ صحابہؓ ہمارے ساتھ بھیج دیں کہ وہ تبلیغ وغیرہ کریں گے تاکہ ہمارے پورے لوگ مسلمان ہو جائیں چنانچہ نبی کریم علیہ السلام نے ان کو مخلص مومن سمجھ کر ان پر اعتماد فرمایا اور انصار میں سے بلند پایہ ستر (۷۰) صحابی ان کے ساتھ روانہ فرما دئے جو سارے کے سارے قرآن پاک کے چوٹی کے قاری اور نہایت ہی متقی صحابی تھے۔ چنانچہ جب بئر معونہ کے مقام پر پہنچے تو ان ظالموں اور منافقوں نے صحابہ کے ساتھ دھوکہ کیا اور چاروں طرف سے گھیر کر تیروں اور نیزوں اور تلواروں کی بارش کر کے بڑی بے دردی سے ان بے گناہوں کو شہید کر ڈالا۔ صرف ایک صحابی حضرت کعب بن زید زندہ رہے۔

یہ پورا واقعہ بخاری شریف میں ہے۔

قال انس کنا نسمیھم القرّاء یحطبون بالنھار ویصلون باللیل فانطلقوا بھم حتی بلغوا بئر معونۃ غدروا بھم وقتلوھم الخ (صحیح بخاری ص۱۳۴)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم ان صحابہؓ کو قاری کہتے تھے۔ دن کو تبلیغ میں رہتے۔

رات کو نماز میں مشغول رہتے۔ وہ لوگ ان کو لے کر جب بئر معونہ پہنچے تو اُن سے دھوکہ کیا اور ان کو قتل کر دیا۔

اس حادثہ فاجعہ کی صورت حال کا آپؐ کو ہرگز علم نہیں تھا کہ ایسا ہوگا یا وہاں یہ ہو رہا ہے تو بذریعہ وحی اطلاع ہوتی ہے۔

فاخبر جبرائیل النبی صلی اللہ علیہ وسلم انھم قد لقوا ربھم فرضی عنھم (بخاری ۱ ص ۳۹۳)

تو جبرائیلؑ نے نبی کریمؐ کو اطلاع اور خبر دی کہ وہ اپنے ربّ سے مل چکے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے

اندازہ کیجئے: ستر (۷۰) قرآن کے قاری اور قائم اللیل شب بیدار صحابیوں کی شہادت کا اتنا بڑا واقعہ اور سانحۂ عظیمہ خدا کی قسم وہ نقشہ ناقابلِ بیان ہے جسے سُن کر ہر صاحبِ ایمان تڑپ اٹھتا ہے خون کے آنسو روتا ہے اور کلیجہ منہ کو آتا ہے جب صحابی رسول نے بیان کیا ہوگا کہ حبیب خدا جب صحابہ کرام کو تیر لگتے تھے تو مسافری اور غریب الوطنی کے عالم میں نہایت عاجزی اور بے کسی سے اللہ تعالیٰ کو یوں پکارتے تھے۔ اللھمّ اخبر عنا نبیّک (اے اللہ! ہماری اس حالت کی اپنے نبیؐ کو خبر و اطلاع دے) وہ تو سمجھتے ہوں گے میرے پیارے صحابہ قاری قرآن پڑھا رہے ہے اور لوگوں کو نمازیں پڑھا رہے ہے اور تبلیغ دین میں مصروف ہوں گے۔ اور ہم یہاں اس حالت میں شہید ہو رہے ہیں، کتنا غمناک اور دردناک واقعہ ہے جو اس بات کی محکم دلیل ہے کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں تھے۔ اگر جانتے تو آپ کبھی بھی منافقوں پر اعتماد نہ کرتے، اور نہ ہی اتنی عظیم جماعت کو ساتھ بھیجتے۔ حاشا وکلا کون بیوقوف کہہ سکتا ہے کہ آپؐ نے یہ سب کچھ جان بوجھ کر کیا ہوگا۔ یہ واقعہ سن کر عام آدمی کا کلیجہ غم و صدمہ سے پھٹنے کو ہوتا ہے تو آن حضرتؐ کو جب جبرائیلؑ نے اطلاع دی ہوگی تو قلب مبارک پہ کیا گذری ہوگی۔ اس کی ایک جھلک ملاحظہ ہو۔

قنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم شھرًا حین قتل القرّاء فما رأیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حزن حزنًا قطّ اشدّ منہ (صحیح بخاری جلد ۱ ص ۱۴۳)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ پورا ایک مہینہ آن حضرتؐ نے ان ظالموں کے لئے بددعا کرتے رہے اور آپؐ کو اتنا صدمہ اور غم ہوا کہ میں نے کبھی اس سے زیادہ آپ کو غمگین نہیں دیکھا آپؐ کا اس قدر غمگین ہونا اور مسلسل لگاتار روزانہ صبح کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھ کر ان پر بددعا کرنا یہ سب آپؐ سے علم غیب کی نفی پر براہان قاطع ہیں

حدیث ⑩ ایک موقعہ پر آن حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عاصم بن ثابت رضؓ کی سرکردگی میں نو، دس صحابہ کرامؓ کا ایک دستہ مشرکین کے حالات معلوم کرنے کے لئے بھیجا۔ راستہ میں مقام ھدہ پر ان صحابہ کرام کو قبیلہ بنو لحیان نے گھیر کر شہید کر دیا صحابہ کرام ایک ایک ہو کر شہید ہو رہے تھے اور زبان سے یہ کہتے تھے ۔

اللھم اخبر عنا نبیك (بخاری ص۵۶۸ ج۲) اے اللہ! ہمارے اس حال کی اپنے نبی پاک کو خبر اور اطلاع دے ۔

آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اگر عالم الغیب ہوتے اور صحابہ کرام آپؐ کو عالم الغیب سمجھتے تو اللہ کو مخاطب کر کے کیسے کہتے کہ اے اللہ! اپنے نبی کو ہمارے حال کی خبر دے کیونکہ یہ یقینی بات ہے کہ آپؐ کو پہلے اس کی خبر نہ تھی اگر آپؐ غیب جانتے تو مشرکین کی مخبری اور حالات معلوم کرنے کے لئے صحابہ کو بھیجنے کی کیا ضرورت تھی۔ کیا آپؐ نے جانتے بوجھتے ہوئے صحابہ کرام کو محض قتل کرانے کیلئے بھیجا تھا معاذ اللہ ثم استغفر اللہ۔

حدیث ⑪ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ فرماتی ہیں کہ ایک سفر میں میں بھی آن حضرتؐ کے ساتھ تھی کہ واپسی پر ایک جگہ پڑاؤ کیا اور اسی جگہ میرا ہار گم ہو گیا۔ تو

فاقام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی التماسہ واقام الناس معہ

آن حضرتؐ اس کی تلاش اور ڈھونڈھنے میں رک گئے اور دوسرے لوگ بھی آپؐ کے ساتھ تلاش کرنے لگے۔

مگر پوری توجہ اور بڑی جدوجہد اور کوشش کے ساتھ تلاش کے بعد بھی ہار نہ مل سکا۔ آخر

قالت فبعثنا البعیر الذی کنت علیہ فاصبنا العقد تحتہ (بخاری ص۴۸ ج۱ مسلم ص۱۶۰ ج۱)

حضرت عائشہ فرماتی ہیں آخر ہم نے اونٹ کو اٹھایا جس پر میں سوار تھی تو نیچے سے ہار مل گیا۔

اس واقعہ سے صاف عیاں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب نہیں تھا۔ کیونکہ جانتے بوجھتے ہوئے تلاش کرنا اور پوری جماعت صحابہ کرام سے تلاش کرانا بے مقصد اور بے معنے لایعنی سی بات ہے۔

حدیث (۱۲) حضرت سہل بن سعد رضہ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضہ کے گھر تشریف لے گئے تو حضرت علی کو وہاں موجود نہ پایا آپؐ نے دریافت فرمایا کہ تمہارے چچا کا بیٹا کہاں ہے۔ حضرت فاطمہ رضہ نے عرض کیا کہ میرے اور ان کے درمیان کسی بات میں اختلاف ہو گیا اور وہ مجھ سے ناراض ہو کر کہیں باہر چلے گئے ہیں میرے ہاں انہوں نے قیلولہ بھی نہیں فرمایا تو

فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لانسان انظر این ہو فقال یا رسول اللہ ھو فی المسجد راقد فجاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وھو مضطجع قد سقط رداءہ عن شقہ واصابہ تراب فجعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یمسحہ عنہ ویقول قم ابا تراب قم ابا تراب (صحیح بخاری ص۶۳ ج۱)

آنحضرتؐ نے ایک آدمی کو تلاش کرنے بھیجا کہ جاؤ دیکھ کر آؤ علی کہاں ہے؟ اس نے آکر عرض کی کہ وہ مسجد میں سو رہے ہیں پھر حضور کریمؐ خود تشریف لے گئے تو وہ لیٹے ہوئے تھے اور چادر اُن کے پہلو سے اتری ہوئی تھی اور جسم پر مٹی لگی ہوئی تھی تو آنحضرتؐ ان کے جسم سے مٹی پونچھتے صاف کرتے ہوئے فرماتے تھے اٹھ اے مٹی کے باپ! اُٹھ اے مٹی کے باپ!

کس قدر واضح حدیث ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہر چیز کو نہیں جانتے تھے اور ہر چیز کو ہر وقت نہیں دیکھتے تھے نہ آپؐ عالم الغیب تھے نہ حاضر و ناظر تھے، ورنہ فلم یجد علیًا فی البیت کہ علیؓ کو گھر میں نہ پایا، جاننے اور دیکھنے والے سے حضرت علی کیسے غائب ہو سکتے تھے۔ پھر انظر این ھو کہ جا تلاش کر کہاں ہے۔ جانتے

پوچھتے ہوئے کس کی تلاش میں آدمی بھیجا۔ آدمی نے واپس آکر بتایا کہ وُہ مسجد میں ہیں۔ پہلے معلوم ہے تو واپسی والے کی اطلاع دینا بے معنٰے حقیقت ہے، صاحبزادی سے پوچھنا۔ تلاش کیلئے آدمی کا بھیجنا اور پھر خود جاکر مٹی جھاڑتے ہوئے قم اباتراب کے پیارے الفاظ فرمانا سب اس چیز کی بیّن دلیل ہیں کہ آپؐ عالم الغیب اور حاضر و ناظر نہیں تھے

حدیث (۱۳) غزوۂ تبوک کے سفر کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی گم ہوگئی۔ صحابۂ کرامؓ تلاش کر رہے ہیں تو ایک منافق زید بن یصب نامی کہنے لگا۔ کہ محمدؐ تو نبی ہونے کے مدّعی ہیں۔ مگر وُہ یہ بھی نہیں جانتے کہ ان کی اونٹنی کہاں ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

وانی واللہ ما اعلم الا ما علمنی اللہ وقد دلّنی اللہ علیہا الخ (سیرت ابن ہشام صفحہ ۱۶۶ جز ۲ توحید و شرک از بخاری)

اور بے شک اللہ کی قسم میں نہیں جانتا مگر جو چیز میرا اللہ مجھے بتادے اور ابھی اللہ نے مجھے اطلاع دی ہے کہ اس وادی میں اس درخت کے ساتھ اس کی مہار اٹکی ہوئی ہے۔ چنانچہ صحابۂ کرام گئے اور اونٹنی لے آئے۔

یہ واقعہ بھی اس بات کی کھلی شہادت ہے کہ پہلے آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم نہیں تھا۔ تب صحابۂ کرامؓ کو اونٹنی کی تلاش کیلئے بھیجا اور جب اللہ نے مطلع فرما دیا اور خبر دیدی تو صحابہؓ کو بھیجا اونٹنی لے آئے۔ کیونکہ عالم الغیب کو تلاش کرانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

حدیث (۱۴) حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ مسجد کا خادم یا خادمہ فوت ہوگئی، ولم یعلم النبی صلی اللہ علیہ وسلم بموتہ (اور نبی کریمؐ کو اس کی وفات کا علم نہ ہُوا، پتہ نہ لگا۔ اتفاقاً ایک دن آپؐ نے اس کے متعلق پوچھا تو صحابہ کرام نے عرض کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وُہ فوت ہوگیا۔ آپؐ نے فرمایا

افلا اذنتمونی (تم نے مجھے کیوں نہ اطلاع دی۔ صحابہ کرام نے کچھ ایسے جواب دیا کہ یہ معمولی مدت تھی، اس پر آپؐ نے فرمایا

قال فدلونی علی قبرہ فاتی قبرہ فصلّی علیہ (صحیح بخاری و صحیح مسلم)

چلو مجھے اس کی قبر بتاؤ۔ آپؐ اس کی قبر پر تشریف لائے اور اس کیلئے دعاء فرمائی ۔
اللہ اکبر! مسجد نبوی کا خادم ہو اور صفائی کرنے والا جھاڑو دینے والا۔ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس کو اس کی موت کا علم نہ ہو سکے ولم یعلم النبیؐ ہو تو صاف الفاظ ہیں۔ اور صحابۂ کرام بھی اس کو معمولی واقعہ سمجھ کر اطلاع نہ دیں کہ سردی اور رات میں آپؐ کو کیا تکلیف دینی ہے خود ہی نہلا کفنا کر نماز جنازہ پڑھ کر دفن کر دی۔ اور حضورؐ کو خبر تک نہ ہو اور صاف فرما دیں افلا اذنتمونی (تم نے مجھے کیوں نہ خبر کی) پھر ارشاد فرما دیں فدلونی علیٰ قبرہ (چلو مجھے اس کی قبر دکھاؤ۔ اس کی قبر کونسی ہے۔ کیا یہ سب علمِ غیب کی نفی کے لئے کافی و شافی دلیل نہیں ؟

حدیث (۱۵) ایک دفعہ فخرِ کائنات سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کے ساتھ باہر نکلے تو ایک تازہ قبر دیکھ کر آپؐ نے پوچھا کہ یہ قبر کس کی ہے تو صحابہ نے کہا

مولاۃ بنی فلان فعرفھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کہ حضور! یہ فلاں قبیلہ کی لونڈی ہے۔ تو آن حضرتؐ نے اسے پہچان لیا۔ آپ نے فرمایا کہ مجھے خبر کیوں نہ دی۔ تو صحابہ کرام نے عرض کیا محبوبؐ! آپؐ آرام فرما رہے تھے، ہم نے آپؐ کو تکلیف دینا گوارہ اور مناسب نہ سمجھا تو آپؐ نے اس کے لئے دعاء بھی فرمائی اور صحابہ کرامؓ کو آئندہ کیلئے ہدایت اور نصیحت فرما دی ۔

لا یموت فیکم میت مادمت بین اظھرکم الا اذنتمونی بہ (نسائی شریف ص۲۲)
جب تک میں تم میں موجود ہوں کوئی میّت مجھے اطلاع دئے بغیر دفن نہ کیا کرو۔
سابقہ حدیث پاک کی طرح یہ بھی بالکل صریح الدلالت ہے کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی موت کا علم نہیں تھا اور نہ ہی یہ معلوم تھا کہ یہ قبر کس کی ہے اور اس حدیث پاک کا خاص جملہ جو آن حضرتؐ نے صحابہؓ کو ہدایتی ارشاد فرمایا کہ مجھے اطلاع دئے بغیر کوئی میّت دفن نہ کیا کرو علم غیب کی جڑ ہی اکھیڑ کر رکھ دی ہے کہ جس کو خبر دی جائے اطلاع کی جائے وُہ عالم الغیب نہیں ہو سکتا ۔

حدیث (۱۶) حضرت ابوہریرہ رضؓ سے روایت ہے کہ ایک دفعہ صحابہ کرام رضؓ نے

بخدمتِ رسالت عرض کی۔ کہ

قالوا کیف تعرف من لم یأت بعدُ من امتك یا رسول اللہ

اے اللہ کے رسول آپؐ کی اُمّت کے جو لوگ ابھی پیدا نہیں ہوئے۔ آپؐ انہیں کسطرح پہچانیں گے۔ تو آپؐ نے ایک مثال دے کر سمجھایا کہ جس طرح سیاہ مشکی گھوڑوں میں پنج کلاں گھوڑے جلدی پہچانے جاتے ہیں مَیں بھی اپنی امت کو نشانیوں سے پہچان لونگا۔

فانہم یاتون غراً محجلین من الوضوء (صحیح مسلم ص۱۲۶ ج۱)

فرمایا کہ میری اُمّت پنج کلیاں ہوں گے وضو کی وجہ سے ان کے چہرے اور ہاتھ پاؤں چمکتے ہوں گے۔

یہ حدیث پاک بھی اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں ہیں اور نہ ہی صحابہ کرام آپؐ کو عالم الغیب سمجھتے تھے۔ اور اگر صحابۂ کرام کا عقیدہ ہوتا کہ آپؐ غیب جانتے ہیں تو یہ سوال ہی کیوں کرتے۔ اور غیب جاننے والے کو نشانیوں سے پتا لگانے کی کیا ضرورت ہے۔

حدیث (۱۷) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن میرے امتیونکی ایک جماعت سامنے آئیگی اور میں حوض کوثر پر پانی پلاتا ہوں گا اس جماعت کو فرشتے پیچھے دھکیلیں گے اور مجھ تک پہنچنے نہیں دیں گے تو مَیں اللہ سے عرض کروں گا۔

یا رب اصحابی فیقول انك لا علم لك بما احدثوا بعدك (بخاری شریف)

اے میرے رب! میرے امتی ہیں۔ اللہ فرمائے گا محبوبؐ! تو نہیں جانتا جو کرتوت انہوں نے آپؐ کے بعد کئے۔

یہ حدیث پاک مختلف طرق سے مختلف صحابہ کرام سے مروی ہے۔ حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ۔ حضرت حذیفہؓ۔ حضرت انسؓ۔ حضرت ابو سعید خدریؓ۔ حضرت سہل بن سعدؓ۔ حضرت عبد اللہ بن عباسؓ۔ حضرت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ الصدیقہؓ اور مذکورہ روایت کے راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم وعنہن۔ اتنے صحابہ سے

روایت ہے کم وبیش معمولی تغیر الفاظ سے سب کا ایک ہی مطلب اور مقصد ہے کہ کچھ شکلیں اور نشانیاں دیکھ کر اللہ کے حبیبؐ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اپنا امتی سمجھ کر اپنی طرف بلائیں گے مگر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہوگا میرے محبوبؐ! آپ کو ان کے کرتوتوں کا علم نہیں۔ آپؐ وضو اور نماز تہجد وغیرہ کی وجہ سے ان کے چہرے اور اعضاء کی ظاہری نشانیاں دیکھ کر امتی سمجھ رہے ہیں مگر آپؐ کو معلوم نہیں کہ آپؐ کے بعد ان لوگوں نے دین میں نئی نئی بدعات نکال کر دین کا حلیہ بگاڑ دیا۔ تو اس وضاحت کے بعد آپؐ انہیں یہ فرما کر ملامت فرمائیں گے۔

سحقا سحقا لمن غیّر بعدی (مجھ سے دور رہو، دور رہو جن لوگوں نے میرے بعد دین کو بدل ڈالا۔)

بیشمار احادیث پاک میں اس مسئلہ کی واضح حقیقت کا ثبوت موجود ہے۔ یہ چند احادیث پاک تو بطور نمونہ اشارۃً ذکر کی گئیں۔ ورنہ کتب حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر و حضر کے سینکڑوں سے زیادہ واقعات اور دن رات صبح شام کے تمام معمولات و وظائف میں ہزاروں احادیث موجود ہیں۔ آپؐ کی سیرت طیبہ کے اعمال و افعال کا ایک ایک خد و خال اور درس حیات کا ایک ایک ورق اس مسئلہ کی کھلی شہادت ہے کہ سرورِ کائنات فخرِ موجودات سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم عالم الغیب نہیں اور نہ ہی ہر جگہ ہر وقت ہر چیز پر حاضر و ناظر ہیں۔

اجماعِ امت کا بیان

کتاب اللہ (قرآن مجید) اور سُنّت رسول اللہ (احادیث پاک) کے بعد اسلام میں تیسری حجت اجماع امت ہے کہ جس مسئلہ پر امت کا اجماع ہو اور تمام ائمہ اور فقہاء اس پر متفق ہوں۔ اور لو پھر ملاحظہ فرمائیے۔

صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور تابعین و تبع تابعین اکابرین امت اور بزرگانِ ملت ائمہ کرام مشایخ اسلام اور فقہائے عظام کے مسلمہ عقیدہ اور اجماعی فیصلہ اور متفقہ فتوے کا بھی مختصراً بیان پیشِ خدمت ہے۔

① ام المؤمنین حضرت سیدہ طاہرہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جو شخص کہے کہ حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے رب کو دیکھا یا کلام اللہ میں سے کوئی چیز چھپالی یا

او یعلم الخمس التی کان قال اللہ تعالیٰ ان اللہ عندہٗ علم الساعۃ الیٰ اٰخر الاٰیۃ فقد اعظم الفریۃ

یا آنحضرت ؐ پانچ باتیں جانتے ہیں جو اللہ نے سورہ لقمان کی آخری آیت میں فرمائی ہیں تو اس شخص نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر بہت ہی بڑا افتراء اور بہتان باندھا (مشکوٰۃ)

② ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ ایک اور روایت میں فرماتی ہیں

ومن حدثک انہ ؐ یعلم الغیب فقد کذب وھو یقول لا یعلم الغیب الا اللہ (بخاری ص ۱۰۹۸ ج ۲)

جو شخص تیرے سامنے یہ بیان کرے کہ آں حضرت غیب جانتے ہیں وہ یقیناً جھوٹا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ خدا کے سوا غیب کوئی نہیں جانتا۔

③ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں۔

اعطی نبیکم صلی اللہ علیہ وسلم مفاتیح الغیب الا الخمس ان اللہ عندہ علم الساعۃ (مسند احمد جلد ۴ ص ۴۳۸)

تمہارے نبی پاکؐ کو غیب کے خزانے دئے گئے۔ مگر پانچ باتوں کا جو سورہ لقمان کی آخری آیت میں ہیں ان کا علم نہیں دیا گیا۔

④ حبر الامۃ مفسر قرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ قیامت کا معین مخصوص وقت کا علم اللہ تعالیٰ نے کسی برگزیدہ پیغمبر کو دیا اور نہ ہی کسی مقرب فرشتے کو دیا

فلم یطلع علیہا ملکًا ولا رسولاً (ابن جریر جلد ۹ ص ۸۹)

اس کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے کسی فرشتے کو بھی نہیں دی اور نہ کسی رسول کو دی۔

⑤ سید الاولیاء حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں

لم یعم علی نبیکم صلی اللہ علیہ الا الخمس من سرائر الغیب ھٰذہ الاٰیۃ فی اٰخر لقمان

تمہارے پیغمبر سے یہ پانچ چیزیں جو اسرارِ غیب ہیں سورت لقمان کی آخری آیت میں مذکور ہیں، پوشیدہ رکھی گئی ہیں۔ (درمنثور جلد ۵ ص ۱۷۰)

⑥ ماہر القرآن و حافظ الحدیث حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔

لقد مضى النبي صلی اللہ علیہ وسلم و مایعلم الروح (تفسیر مدارک ص۲۵۱ ج۲)
آن حضرتؐ دنیا سے رحلت فرما گئے تا حال آپؐ روح کی حقیقت نہیں جانتے تھے۔
⑦ حضرت عبداللہ بن بریدہ رضؓ فرماتے ہیں۔

ان اللہ لم یطلع علی الروح ملکا مقربا ولا نبیا مرسلاً (المسامرہ ص۲)
اللہ تعالیٰ نے روح کی حقیقت پر نہ کسی مقرب فرشتے کو مطلع کیا اور نہ کسی نبی مرسل کو
⑧ شاعر دربارِ رسالت حضرت حسان بن ثابت رضؓ نے سید دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم
کی وفات حسرت آیات پر جو حزن وغم سے بھرپور مرثیہ لکھا اس کا ایک شعر ملاحظہ ہو[1]

وراحوا بحزنٍ لیس فیھم نبیّھم ۔۔۔ وقد وھنت منھم ظھور و اَعضُدُ

صحابہ کرام آن حضرتؐ کو مرقد انور میں دفن کر کے بڑے مغموم لوٹے کہ اب ان کے
پیغمبر ان میں موجود نہیں ہیں۔ اور غم کے مارے ان کی کمریں اور بازو کمزور ہو گئے۔
ہزاروں صحابہؓ کی موجودگی میں یہ شعر کہا گیا۔ مگر کسی نے یہ نہ کہا کہ آن حضرتؐ
ہم میں حاضر و ناظر اور موجود ہیں۔ تمام صحابہ کرامؓ کا عقیدہ تھا کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ
وسلم عالم الغیب نہیں ہیں اور نہ ہی حاضر و ناظر ہیں۔
⑨ جلیل القدر تابعی حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں۔
ولعمری لقد اخفاھا اللہ من الملائکۃ المقربین ومن الانبیاء المرسلین (ابن جریر ص۹۹ ج۱۶)
مجھے اپنی زندگانی کی قسم اللہ نے قیامت کا علم تمام مقرب فرشتوں اور سب
برگزیدہ پیغمبروں سے چھپا رکھا ہے۔
⑩ امام سفیان بن عیینہ رحؒ فرماتے ہیں
ما کان فی القرآن وما ادراک فقد اعلمہ وما قال وما یدریک فانہ لم یُعلِمہ (بخاری ص۲۷ ج۱)
قرآن مجید میں وما ادراک فرما کر اللہ نے اس چیز کی خبر حضور کو دی لیکن وما یدریک
جہاں فرمایا اس کی خبر نہیں دی۔
⑪ اس ابن عیینہؒ کے قول کی شرح حضرت سید شیخ عبدالقادر جیلانی حنبلیؒ
فرماتے ہیں فکل ما فی القرآن وما ادراک فقد اعلمہ ایاہ وما فیہ وما یدریک فلم یُدرہ

[1] دیوان حسان رضؓ ص۹۱۔

ولم یُطلعہ علیہ کقولہ عز وجلّ وما یدریك لعل الساعة تکون قریبا وماتبیّن لہ وقتھا (غنیة الطالبین ص۳۷)

قرآن مجید میں جہاں وماادریٰك آیا ہے اس کی اطلاع اللہ نے آپؐ کو دی۔ اور جس چیز میں وما یدریك آیا ہے اس کی اطلاع نہیں دی۔ مثلاً قیامت کے بارے فرمایا وما یدریك تو اس کا معین ومقرر وقت آپؐ پر ظاہر نہیں فرمایا

(۱۲) امام الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں۔

الروح استاثرہ اللہ بعلمہ فلم یطلع علیہ احدا من خلقہ (فتح الباری ص۳۰۶ ج۸)

روح کی حقیقت کا علم اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ خاص ومختص فرمایا ہے اس پہ مخلوق میں سے کسی کو بھی اطلاع نہیں دی۔

علّامہ قاضی عیاض مالکیؒ فرماتے ہیں

فقد یعتقد فی امور الدنیا الشیٔ علیٰ وجہ ویظھر خلافہ اویکون منہ علی شك او ظن بخلاف امور الشرع (شفاء ص۱۰۳)

آں حضرتؐ بعض دنیاوی کاموں میں ایک رائے قائم فرماتے لیکن نتیجہ اس کے خلاف ہوتا اور بعض دنیوی کاموں میں شک اور ظن بھی ہوتا۔ بخلاف معاملات شرعیہ کے۔ ان کا دارومدار وحی والہام پہ تھا۔

(۱۴) امام محی الدین علامہ نووی شافعیؒ شارح صحیح مسلم شریف فرماتے ہیں

ورأیہ صلی اللہ علیہ وسلم فی امور وظنہ کغیرہ ولا نقص فی ذٰلك وسببہ تعلق ھممھم بالاٰخرۃ ومعارفھا

دنیوی باتوں میں آں حضرتؐ کی رائے اور تخمینہ دوسرے آدمیوں کی طرح ہے اور اس سے آپؐ کی شان کم نہیں ہوتی۔ کیونکہ آپؐ کی تمام تر توجہ آخرت کی باتوں اور انہی کی معرفت پر ہوتی

(۱۵) علّامہ شہاب الدین خفاجیؒ شارح شفاء فرماتے ہیں

فانہ لا یعلم جمیع المغیبات الا اللہ (نسیم الریاض ص۲۶۵ ج۴)

کیونکہ تمام مغیبات ہر چیز کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔

(۱۶) پیر بغدادی سید شیخ عبد القادر جیلانی حنبلیؒ فرماتے ہیں۔

من يعتقد ان محمدًا صلى الله عليه وسلم يعلم الغيب فهو كافر لان علم الغيب صفة مختصة بالله سبحانه (مرأة الحقيقة ص۱)

جو شخص یہ عقیدہ رکھے کہ حضرت محمد مصطفےٰ غیب جانتے ہیں تو وہ کافر ہے کیونکہ علم غیب کی صفت خاص اللہ کے ساتھ مختص ہے۔

صحابہ کرام تابعین تبع تابعین مالکی شافعی حنبلی مشایخ اسلام کے چند اقوال آپ نے ملاحظہ کئے۔ لیجئے اب ذرا ائمہ مجتہدین، متقدمین و متاخرین فقہاء احناف رحمہم اللہ کے چند اقوال ملاحظہ ہوں۔

(۱۷) امام ابو جعفر طحاوی حنفی رح مشہور محدث و فقیہ اور امام ہیں انہوں نے عقائد پر ایک مختصر سا رسالہ لکھا ہے جس کا نام "العقيدة الطحاوية" ہے اس میں امام موصوف رحمہ اللہ نے وہ عقائد جمع کئے ہیں جن پر امام سیدنا ابو حنیفہؒ و امام ابو یوسفؒ و امام محمدؒ متفق ہیں۔ گویا مذکورۃ الذیل عقیدہ تینوں اماموں رحمہم اللہ کا عقیدہ اور مسلک ہے فرماتے ہیں۔

واصل القدر سر الله في خلقه لم يطلع على ذلك ملك مقرب ولا نبي مرسل (ص۳)

اور تقدیر کی حقیقت اللہ کا ایک بھید ہے اس پر مخلوق میں سے نہ تو کسی مقرب فرشتے کو اطلاع دی نہ کسی برگزیدہ رسول کو خبر دی۔

(۱۸) یہی امام ابو جعفر طحاوی نقل کرتے ہیں کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بیماری میں حضرت صدیق رض امامت کرا رہے تھے اور آن حضرتؐ بھی حضرت عباس اور حضرت علی رضی اللہ عنہما کے کاندھے پکڑ کر مسجد میں پہنچے تو حضرت صدیقؓ پیچھے ہٹ گئے اور حضورؐ نے امامت فرمائی تو وہ نماز سری (یعنی جس میں قرأت خاموشی سے پڑھی جاتی ہے) تھی یا جہری تھی (جس میں قراءت زور سے پڑھی جاتی ہے) تو امام طحاویؒ فرماتے ہیں کہ وہ نماز جہری تھی۔ اور جہری ہونے پر اس طرح استدلال فرماتے ہیں کہ آن حضرتؐ نے وہیں سے قراءت شروع فرمائی جہاں سے حضرت ابوبکر صدیقؓ نے چھوڑی تھی۔ آن حضرتؐ کا اسی جگہ سے قراءت شروع کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ وہ نماز جہری تھی۔ کیونکہ اگر سری

نماز ہوتی تو نہ حضورؐ کو پتہ چلتا اور نہ کسی مقتدی کو ہی پتہ ہوتا کہ ابوبکر کہاں تک پہنچ چکے ہیں۔ کیونکہ

ولولا ذٰلك لما علم رسول الله صلی الله علیه وسلم الموضع الذی انتهی الیه ابوبکرؓ من القراءة ولا علمه مَنْ خلف ابی بکر (شرح معانی الآثار جلد ۱ ص ۱۹۸)

اگر وہ جہری نماز نہ ہوتی تو آن حضرتؐ رسولِ مقبول کو اس مقام کا پتہ نہ چلتا جہاں ابوبکر قراءت میں پہنچے تھے اور نہ ہی مقتدیوں کو اس کا پتہ چلتا۔

(۱۹) یہی امام ابوجعفر طحاویؒ احکام قضاء میں مجتہدانہ بصیرت سے ایک مسئلہ استنباط فرماتے ہیں کہ حرام وحلال اور نکاح وطلاق وغیرہ کے معاملات میں قاضی کی قضاء ظاہر پر ہوگی اور اس کا عملی نفاذ ظاہر و باطن دونوں پر ہوگا۔ اس استنباط پر آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے کا واقعہ بیان کر کے استدلال کرتے ہیں کہ حضورؐ کے زمانہ میں ایک شخص نے اپنی بیوی پر بدکاری کا الزام لگایا۔ آپؐ نے اس کی بیوی کو بلا کر پوچھا تو اس نے صاف طور پر اس کا انکار کیا تو دونوں کو "لعان" کا حکم فرمایا گیا "لعان" یہ ہے کہ اگر مرد اپنی بیوی کو بدکاری کی حالت میں دیکھے اور چار گواہ نہ ہوں تو مرد شرعی قاضی کے سامنے چار دفعہ قسم کھائے کہ اس نے یہ بدکاری کی ہے اور پانچویں دفعہ یہ کہے کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر خدا کی لعنت ہو۔ اسی طرح پھر قاضی کے سامنے عورت چار دفعہ قسم کھا کر پانچویں دفعہ یہی لفظ کہے کہ یہ کام میں نے نہیں کیا۔ خاوند جھوٹ کہتا ہے اور میں سچی ہوں۔ اگر میں جھوٹی ہوں (اور خاوند سچا ہو) تو مجھ پر خدا کا غضب ہو۔

چنانچہ آن حضرتؐ نے لعان کے بعد میاں بیوی میں جدائی کا حکم فرما دیا۔

اس پر امام طحاوی موصوف فرماتے ہیں کہ

آن حضرتؐ کا ان دونوں کو ملاعنت کا حکم فرمانا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کو معلوم نہیں تھا کہ خاوند سچا ہے یا بیوی؟ اور جھوٹا کون ہے؟ چنانچہ فرماتے ہیں

ان رسول الله لو علم الکاذب منهما بعینه لم یفرق بینهما ولم یلاعن لو علم ان المرأة صادقة لحد الزوج لها بقذف الزوج ایاها ولو علم ان الزوج صادق لحدت المرأة

بالزنا الذی کان منها فلما خفی الصادق منهما علی الحاکم وجب حکم اخر (شرح معانی الآثار ص ۲۳۹ ج ۲)

اگر آں حضرت ؐ کو یقینی معلوم ہو جاتا کہ ان دونوں میں فلاں جھوٹا ہے تو آپ ان دونوں میں جدائی نہ کرتے اور نہ لعان کا حکم دیتے۔ اگر آپ کو معلوم ہو جاتا کہ عورت سچی ہے تو خاوند پر حد قذف فرماتے۔ اور اگر معلوم ہو جاتا کہ خاوند سچا ہے تو عورت پر زنا کی حد جاری کرتے لیکن جب دونوں میں سے کسی کی سچائی معلوم نہ ہوئی تو دوسری طرح فیصلہ فرمایا۔

(۲۰) علامہ قرطبیؒ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے قول کو استدلالاً نقل فرماتے ہیں۔

فمن ادّعیٰ انه یعلم شیئًا من هٰذه فقد کفر بالقراٰن لانه خالفه (تفسیر قرطبی ص ۸۲ ج ۱۴)

جو شخص دعویٰ کرے کہ پانچ چیزوں سے کسی کو بھی جانتا ہوں تو اس نے قرآن کا انکار کیا کیونکہ اس کا دعویٰ قرآن کے مخالف ہے۔

(۲۱) امام زجاجؒ فرماتے ہیں

من ادعیٰ انه یعلم شیئًا من هٰذه الخمس فقد کفر بالقراٰن العظیم (عمدۃ القاری ص ۶ ج ۱)

جس شخص نے دعویٰ کیا کہ ان پانچ چیزوں سے کسی چیز کو جانتا ہوں تو وہ قرآن عظیم کا منکر ہے۔

(۲۲) سند الفقہاء امام حسن بن منصور المعروف قاضی خان حنفی فرماتے ہیں۔

رجل تزوج امرأۃ بغیر شهود فقال الرجل للمرأۃ خدائے را و پیغامبر را گواہ کردیم قالوا یکون کفرًا لانه اعتقد ان رسول الله صلی الله علیه وسلم یعلم الغیب و هو ما کان یعلم الغیب حین کان فی الاحیاء فکیف بعد الموت (فتاویٰ قاضی خان ص ۸۴۳ ج ۴)

ایک آدمی کسی عورت سے بغیر گواہوں کے نکاح کرتا ہے اور خدا و رسول کو گواہ بناتا ہے تو فقہاء کہتے ہیں کہ اس نے کفر کیا کیونکہ اس نے آں حضرت ؐ کو غیب دان سمجھ لیا۔ حالانکہ آپ جب زندوں میں موجود تھے تو غیب نہیں جانتے تھے۔ تو موت کے بعد کیسے غیب جاننے لگے۔

(۲۳) امام طاہر بن عبد الرشید حنفی فرماتے ہیں۔

رجل تزوج ولم یحضر شاهدًا فقال خدائے را و رسولِ خدائے راگواہ کردم و فرشتگان راگواہ کردم یکفر فی الفتاویٰ لانہ اعتقد ان الرسول والملک عالم الغیب (خلاصۃ الفتاویٰ ج ۴ ص ۳۸۵)

ایک آدمی نے نکاح کیا اور کوئی گواہ نہ تھا پس کہا کہ خدا اور رسول اور فرشتوں گواہ بناتا ہوں تو وہ کافر ہو جائے گا کیونکہ اس نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم اور فرشتوں کو عالم الغیب سمجھا۔

(۲۴) امام ولوالجی حنفی رح فرماتے ہیں۔

تزوج امرأة ولم یحضر شاهد فقال تزوجتُك بشهادة الله ورسوله یكفر لانه یعتقد بان النبی صلی الله علیه وسلم یعلم الغیب اذلا شهادة لمن لا علم له ومن اعتقد هٰذا كفر

ایک آدمی کسی عورت سے نکاح کرتا ہے اور کوئی گواہ نہیں تو عورت کو کہتا ہے کہ میں نے اللہ اور رسول کو گواہ بنا کر تیرے ساتھ نکاح کرتا ہوں تو وہ شخص کافر ہو جائے گا کیونکہ اس کا عقیدہ ہے کہ نبی علیہ السلام غیب جانتے ہیں اور جو شخص یہ اعتقاد رکھے وہ کافر ہے۔

(۲۵) الفقیہ الشہیر علامہ زین الدین ابن نجیم حنفی کنز الدقائق کی شرح میں فرمایا

لو تزوج بشهادة الله ورسوله لا ینعقد ویكفر لاعتقاده ان النبی یعلم الغیب (البحر الرائق ج ۳ ص ۹۴)

اگر کسی نے اللہ اور رسول کو گواہ بنا کر نکاح کیا تو نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ اور وہ شخص کافر ہو جائے گا اس اعتقاد سے کہ نبی کریم غیب جانتے ہیں۔

(۲۶) فتاویٰ جواہر اخلاطیہ میں ہے

ان زعم ان النبی صلی الله علیه وسلم یعلم الغیب یكفر فما ظنك بغیره

اگر کسی نے نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق یہ سمجھا کہ آپؐ غیب جانتے ہیں تو کافر ہو جاتا ہے۔ کسی دوسرے کے متعلق تو کیا ہی کہنا ہے

(۲۷) فقہ حنفی کی مشہور و معروف کتاب فتاوٰے تاتارخانیہ میں ہے۔

رجل تزوج امرأة ولم یحضره شهود فقال خدا و رسول را یا فرشتگان را گواہ کردم بطل

النکاح و کفر الناکح لاعتقاد ان الرسول والملٰئکۃ تعلم الغیب وتسمع النداء بلا ریب
(فتاویٰ تاتار خانیہ بحوالہ مجموعۃ الفتاویٰ ج ۳ ص ۷۷)

کسی آدمی نے عورت سے نکاح کیا گواہ حاضر نہیں ہیں پس اللہ اور رسول اور فرشتوں کو گواہ بنا کر نکاح کیا تو یہ نکاح بھی باطل ہے اور نکاح کرنے والا بلا ریب بلا شبہ کافر ہے اس اعتقاد سے کہ رسول اور فرشتے غیب جانتے ہیں اور غائبانہ پکار سنتے ہیں۔

(۲۸) فتاوٰی بزازیہ حنفیہ میں ہے۔

تزوج بلا شہود وقال خدائے را و رسولِ خدا و فرشتگان را گواہ کردم یکفر لانہ اعتقد ان الرسول والملک یعلمان الغیب (فتاوٰی بزازیہ بحوالہ مجموعۃ الفتاویٰ ج ۱ ص ۲۴۵)

کسی آدمی نے گواہوں کے بغیر نکاح کیا اور کہا کہ میں خدا اور رسول اور فرشتوں کو گواہ کرتا ہوں تو کافر ہو جائے گا کیونکہ اس نے یہ اعتقاد کیا کہ رسولِ کریم اور فرشتے غیب جانتے ہیں۔

(۲۹) فتاوٰی عالمگیری میں فصول عمادیہ سے اس طرح منقول ہے

رجل تزوج امرأۃ ولم یحضر الشہود وقال خدائے را و رسول را گواہ کردم او قال خدائے را و فرشتگاں را گواہ کردم کفر (فتاوٰی عالمگیری ج ۲ ص ۲۸۳)

کسی مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا اور گواہ موجود نہ تھے اور کہا کہ خدا اور رسول کو یا خدا اور فرشتوں کو گواہ بناتا ہوں تو کافر ہو گیا

(۳۰) فتاوے مجموعہ خانی میں ہے

مردے زنے را می گوید کہ خدائے را و رسولِ خدائے را گواہ کردم این نکاح روا نیست امام ابو القاسم رحمۃ اللہ علیہ می گوید کہ این محض کفر است و این کافر می شود۔ زیرا کہ اورا این اعتقاد است کہ رسول علیہ السلام این نکاح را می داند و غیب جز خدائے تعالیٰ نمی داند (فتاوٰی مجموعہ خانی ج ۲ ص ۶)

ایک شخص ایک عورت سے کہتا ہے کہ میں نے خدا اور رسول کو گواہ کیا تو یہ نکاح

جائز نہیں۔ امام ابوقاسم رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ صریح کفر ہے اور وہ آدمی کافر ہو جاتا ہے کیونکہ اس کا اعتقاد ہے کہ حضرت رسول کریم اس نکاح کو جانتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا۔

(۳۱) مشہور فتاوی برہنہ حنفیہ میں ہے

یا گوید خدائے و رسول خدائے و ملائکہ را برین نکاح گواہ کردم کافر شود (فتاوی برہنہ ص۱۴۷)

یا وہ کہے کہ میں نے خدا اور رسول اور فرشتوں کو گواہ کیا اس نکاح پر، تو کافر ہو جائے گا

اور اسی کے حاشیہ میں لکھا ہے لانہ اعتقد ان الرسول و الملک یعلمان الغیب

کیونکہ اس کا اعتقاد ہے کہ آں حضرتؐ اور فرشتے غیب جانتے ہیں

(۳۲) بیہقیِ وقت سند الفقہاء حضرت العلامہ مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں

اگر کسے بدونِ شہود نکاح کرد و گفت کہ خدا و رسولِ خدا را گواہ کردم یا فرشتہ را گواہ کردم کافر شود (مالابد منہ ص۱۴۶)

اگر کسی نے بغیر گواہوں کے نکاح کیا اور کہا کہ میں نے خدا اور رسول اور فرشتہ کو گواہ کیا تو کافر ہو جائے گا۔

(۳۳) ایک دوسرے قول میں حضرت علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی حنفی اسطرح فرماتے ہیں

اگر کسے گوید کہ خدا و رسول برایں عمل گواہ اند کافر شود (ارشاد الطالبین ص۲۸)

اگر کوئی کہے کہ خدا اور رسولؐ اس کام پر گواہ ہیں تو وہ شخص کافر ہو جاتا ہے

ان تمام جلیل القدر اور شہرۂ آفاق فقہاء کرام اور علمائے اسلام کی ان تمام عبارتوں کا مرکزی اور محوری نکتہ اور اصلی مقصد اس مسئلہ کی صراحتہً وضاحت کرنا ہے کہ یہ اعتقاد کفر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور فرشتے غیب کا علم جانتے ہیں اور جس کا یہ عقیدہ ہو وہ کافر ہو جاتا ہے۔ گویا اللہ تعالیٰ کے سوا کسی نبی، ولی، جن، یا فرشتہ، یا سید الانبیاء حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق یہ اعتقاد کہ وہ غیب جانتے ہیں یہ اعتقاد کفر ہے۔ اور ایسا عقیدہ رکھنے والا شخص کافر ہو جاتا ہے۔ اس میں تمام فقہاء

کرام متفق ہیں۔ کسی کا کوئی اختلاف نہیں۔

مزید اسی عقیدۂ باطلہ کے کفر اور باطل ہونے پر چند اقوال اور ملاحظہ فرمالیجئے!

(۳۴) محدث کبیر اور فقیہ شہیر علامہ ملا علی قاری حنفی امام ابن الہمام رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں۔

ثم اعلم ان الانبیاء علیہم الصلوٰۃ والسلام لا یعلموا المغیبات من الاشیاء الا ما علمہم اللہ تعالیٰ احیانا، وذکر الحنفیۃ تصریحًا بالتکفیر باعتقاد ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعلم الغیب لمعارضۃ قولہ تعالیٰ قل لا یعلم من فی السمٰوٰت والارض الغیب الا اللہ (شرح فقہ اکبر ص۱۸۵ وکذا فی المسامرۃ ص۱۲۹ وکذا فی شرح الشفاء للقاضی عیاض المالکی رحمہ اللہ تعالیٰ

پھر یقین سے جان لو کہ انبیاءؑ غیب کی باتوں کو نہیں جانتے مگر جس بات کی جب کبھی اللہ اطلاع دیدے اور فقہاء وعلماء احنافؒ نے ایسے شخص کو صاف کافر بتایا ہے جس کا یہ اعتقاد ہو کہ نبی علیہ السلام غیب جانتے ہیں کیونکہ یہ عقیدہ قرآن کے خلاف ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ کے سوا غیب کو نہیں جانتا۔

(۳۵) امام محمد بن شہاب بزازی، علامہ زین الدین بن نجیم، علامہ عبدالرحمٰن آفندی اور خاتم الفقہاء علامہ حضرت مولانا محمد عبد الحیؒ لکھنوی رحمہم اللہ فرماتے ہیں

من قال ان ارواح المشایخ حاضرۃ تعلم یکفر (فتاوی بزازیہ ص۳۲۶ البحر الرائق ص۱۲۴ ج۵ مجمع الانہر ص۶۹۹ ج۲ - مجموعۃ الفتاوی ص۵ ج۳)

جو شخص یہ کہے کہ بزرگوں کی روحیں حاضر و ناظر ہوتی ہیں اور سب کچھ جانتی ہیں، تو وہ کافر ہو جاتا ہے۔

(۳۶) حضرت العلامہ مولانا قاضی حمید الدین ناگوری جو حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ کے استاذ تھے فرماتے ہیں۔

ومنہم الذین یدعون الانبیاء والاولیاء عند الحوائج والمصائب باعتقاد ان ارواحہم حاضرۃ تسمع النداء وتعلم الحوائج وذٰلک شرک قبیح وجہل صریح۔

اور ان مشرکوں میں سے کچھ ایسے لوگ ہیں جو انبیاء اور اولیاء کو حاجات اور

مشکلات میں اس اعتقاد سے پکارتے ہیں کہ ان کی روحیں حاضر ہیں۔ پکار کو سُن رہی ہیں، اور ان کو حاجات کا علم ہے۔ اور یہی عقیدہ بدترین شرک اور کھلی جہالت ہے

(۳۷) ملا حسین خبازؒ فرماتے ہیں۔

واز کلماتِ کفر ہست ندا کردنِ اموات غائبان را بہ گمان آن کہ حاضر اند مثل یارسول اللہ ویا عبد القادر و مانند آن (مفتاح القلوب)

اور یہ کلماتِ کفر میں سے ہیں جو بزرگوں کو حاضر سمجھ کر پکارنا اور سمجھنا کہ وہ پکار سُن رہے ہیں۔ مثلاً یارسول اللہ یا عبد القادر وغیرہ۔

(۳۸) حضرت العلّامہ مولانا محمد عبد الحیّ صاحب لکھنویؒ فرماتے ہیں۔

فی الواقع ہمچو اعتقاد کہ حضرات انبیاء و اولیاء ہر وقت حاضر و ناظر اند وبہمہ حال بہ نداء ما مطلع می شوند اگرچہ از بعید باشد شرک ہست چہ این صفت از مختصات حق جل جلالہ است کسے را در آن شرکت نیست (مجموعۃ الفتاوٰی ج ۱ ص ۳۴۵)

ایسا اعتقاد رکھنا کہ حضرات انبیاء اور اولیاء ہر وقت حاضر و ناظر ہوتے ہیں اور ہمارے ہر حال کو جانتے ہیں اگرچہ دُور سے پکارا جائے یہ واقعی شرک ہے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کی مخصوص صفت ہے اس میں کوئی بھی اس کا شریک نہیں ہے۔

اور ایک سوال کے جواب میں مولانا محمد عبد الحی لکھنوی رح فرماتے ہیں۔

سوال اگر کسے اعتقاد دارد کہ ارواحِ مشایخ حاضر اند وہرچند می داند بحقِ او چہ حکم است۔

اگر کوئی شخص یہ اعتقاد رکھے کہ بزرگوں کی روحیں حاضر و ناظر ہیں اور سب کچھ جانتی ہیں تو اس کے متعلق کیا حکم ہے

جواب او کافر است فی البزازیۃ من قال ارواح المشائخ حاضرون یعلمون یکفر وہ کافر ہے۔ فتاویٰ بزازیہ میں ہے جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ بزرگوں کی روحیں حاضر و ناظر ہیں اور سب کچھ جانتی ہیں، وہ کافر ہے (مجموعۃ الفتاوٰی ص ۵)

(۳۹) سند المحدثین شیخ المشایخ حضرت مولٰنا شاہ محمد اسحاق دہلوی رحمۃ

اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں مسئلہ ع۲۷

ہیچ کسے را در علم غیب و قدرتِ مطلقہ و تصرف در امورِ عالم شریک بخدائیتعالیٰ نباید ساخت۔ پس این قسم نداکردن غیر خدا را موجب شرک و کفر ست (مسائل اربعین ص۴۲)
کسی کو علمِ غیب اور قدرت اور تصرف میں اللہ تعالیٰ کا شریک نہیں بنانا چاہیئے لہٰذا خدا کے سوا کسی کو اس طرح پکارنا شرک اور کفر ہے۔

(۴۰) رئیس المحدثین و امیر المفسرین حضرت العلامہ شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

وانبیاء و مرسلین علیہم السلام را لوازم الوہیت از علم غیب و شنیدن فریاد ہرکس در ہر جا و قدرت بر جمیع مقدورات ثابت کنند (تفسیر عزیزی ص۵۲)
اور وہ (مشرکین) انبیاء اور مرسلین علیہم السلام کے لئے صفات الوہیت مثلاً علم غیب دور اور نزدیک سے ہر کسی کی فریاد سننا اور تمام کاموں کی طاقت کا ہونا ثابت کرتے ہیں۔

(۴۱) سرتاج المحدثین امام المفسرین ماہر فی ترجمۃ القرآن سید الطائفہ حضرت العلامہ مولٰنا شاہ عبد القادر محدّث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔
شرک یہ ہے کہ اللہ کی صفت کسی اور میں جانے۔ مثلاً کسی کو سمجھے کہ اس کو ہر بات معلوم ہے یا وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ ہمارا بھلا یا بُرا کرنا اس کے اختیار میں ہے۔
(تفسیر موضح القرآن حاشیہ بر آیت ولا تنکحوا المشرکات پارہ ع۲ سورہ بقرہ رکوع ع۲۷)
اس باب میں یہ ساری گفتگو اصولی طور پہ کی گئی ہے۔ ورنہ تشریحات و تفصیلات کا سلسلہ کافی طویل ہے۔

آخر میں اس باب کو آیت الکرسی کے ایک جملہ پہ ختم کیا جاتا ہے جس میں وحی اور علم غیب کی واضح حقیقت بیان کی گئی ہے۔
وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ (قرآن مجید پارہ ع۳ رکوع ۲)
(اور نہیں احاطہ کر سکتے اس کے علم میں سے کسی چیز کا مگر جتنا وہ چاہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی پسندیدہ اور برگزیدہ ہستیاں انبیاء علیہم السلام بھی اس کے علم میں سے کسی چیز کا احاطہ نہیں کر سکتے مگر جتنا اور جس قدر وہ پسند کرتا ہے اور مصلحت سمجھتا ہے وہ ان کو بذریعہ وحی و الہام کے مطلع کرتا ہے۔

واللہ ھو الولی وھو یھدی السبیل

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے چوتھا باب ختم ہُوا۔

فالحمد للہ الذی بعزتہ وجلالہ وکرمہ تتم الصالحات۔

اللہ تعالیٰ باقی ابواب کی تکمیل کی بھی توفیق محض اپنے فضل و رحمت سے مرحمت فرمادیں۔

وما توفیقی الا باللہ۔ علیہ توکلت والیہ انیب۔ آمین۔

باب پنجم

دعوت و تبلیغ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○ اَلَّذِیْنَ یُبَلِّغُوْنَ رِسٰلٰتِ اللّٰہِ وَیَخْشَوْنَہٗ وَلَا یَخْشَوْنَ اَحَدًا اِلَّا اللّٰہَ ○ وَکَفٰی بِاللّٰہِ حَسِیْبًا ○ (قرآن مجید پارہ ۲۲ رکوع ۲)

اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ (قرآن مجید پارہ ۱۴ آخری رکوع)

قُلْ ھٰذِہٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓا اِلَی اللّٰہِ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ وَسُبْحٰنَ اللّٰہِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ ○ (قرآن مجید پارہ ۱۳ رکوع ۶)

حضرات گرامی! اس سے پہلے آپ چار ابواب کی تفصیل پڑھ چکے ہو۔ ۱۔ ضرورت رسالت۔ ۲۔ منصب رسالت۔ ۳۔ بشریت و رسالت۔ ۴۔ وحی اور علم غیب۔

اب پانچواں باب دعوت و تبلیغ کی قدرے تفصیل پیش کی جا رہی ہے کہ جو رسول علیہم السلام انسانوں کے لئے خدا کی حجت تامہ تھے (لئلا یکون للناس علی اللہ حجۃ بعد الرسل۔ قل فللہ الحجۃ البالغۃ۔ قرآن مجید) اور عصمت و کاملیت کا جنہیں بہت بڑا مقام ملا۔ ذٰلک فضل اللہ یؤتیہ من یشاء (قرآن) نوع بشر آدمی اور انسان ہونے کے باوجود اللہ تعالیٰ سے کلام اور وحی کا عظیم القدر اعزاز حاصل ہوا مَا کَانَ لِبَشَرٍ اَنْ یُّکَلِّمَہُ اللّٰہُ اِلَّا وَحْیًا

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ (قرآن مجید) عالم الغیب نہیں تھے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے پیغام کی وحی سے اطلاع اور خبر پاتے تھے مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ (قرآن مجید)

اب غور و فکر سے سوچنا ہے کہ وہ پیغام کتنا مقدس اور کس قدر عظیم الشان ہے جس کی طرف دعوت دینے کے لئے انبیاء علیہم السلام کو یہ سب اعزازات اور مناصب و کمالات نصیب ہوئے ہیں۔ اور انہوں نے اس پیغام کو کس طرح پہنچایا، ان کی دعوت کتنی مصلحانہ اور حکیمانہ تھی۔

دو باتیں
دعوت و تبلیغ

گو یا اس باب میں دو باتوں کی کچھ تفصیل بیان کی جائے گی
ایک دعوت کہ پیغام کیا تھا جس کی طرف دعوت دی اور بلایا۔
دوم تبلیغ پیغام پہنچانے کا انداز کیا تھا۔

ان دونوں کی اجمالی حقیقت اور مختصر سا خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کا سب سے پہلا اور اہم ترین فرض دعوت اور تبلیغ ہے یعنی جو سچائی ان کو خدا کی طرف سے ملی ہے اس کو دوسروں تک پہنچا دیں اور جو علم ان کو عطا ہوا ہے اس سے دوسروں کو بھی بہرہ ور کریں۔ خدا کا جو پیغام ان تک پہنچا ہے وہ عام لوگوں تک پہنچا دیں اور انہیں سُنا دیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے انبیاء کو صداقت اور سلامتی کی راہ کے لئے اس لئے منتخب فرمایا کہ وہ اس سے اپنے ہم جنسوں کو باخبر کر دیں۔ اور اس بات پر اللہ کے پیارے مامور کئے گئے کہ جو مالی، جانی، زبانی، دماغی، روحانی، اور اخلاقی نعمتیں اور کمالات انہیں بخشے گئے ہیں ان کو اسی راہ میں صرف کرنا۔ اور سمجھانے بجھانے اور راہِ راست پر لانے میں ہمہ تن جانفشانی سے اور صداقت کی ہر تاثیر سے کام لینا۔ اس اعلان اور دعوت

میں جو مصیبتیں آئیں ان کو آرام سمجھنا، جو تکلیفیں پیش آئیں ان کو راحت جاننا، جو کانٹے بھی اس وادی میں تمہارے پاؤں کے تلووں میں چبھیں ان کو پھول کی پتیاں سمجھنا حق کی آواز کو دبانے اور کچلنے کے لئے جو قوت وطاقت سر اٹھائے اور پورے جوش وخروش سے میدان میں ابھرے اس کے خلاف صبر واستقامت کے پہاڑ بن کر سینہ سپر ہو جانا، غرضیکہ مال ومنال۔ اہل وعیال جو چیز بھی اس سفر میں سنگ راہ ہو کر سامنے آئے اس کو ہٹا کر پس پشت ڈال دینا اور قطعاً کسی چیز کی بھی ذرا برابر پرواہ تک نہ کرنا۔ پیغمبرؑ کی اس ساری کوشش وکاوش اور محنت ومشقت کا مقصد خدا تعالیٰ کی رضامندی، مخلوق کی خیر خواہی وبھلائی اور اپنے فرضِ رسالت کی ادائیگی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ لَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا۔ یہ ہے انبیاء علیہم السلام کی دعوت وتبلیغ کا مختصر مفہوم۔

دنیا میں جس قدر پیغمبر مبعوث ہوئے انہوں نے اپنے فرض کو اسی ایثار اور قربانی کے جذبہ کے ساتھ انجام دیا اور ایک لمحہ بھی اپنے فرض کی ادائیگی سے غافل نہیں ہوئے اور نہ ہی ذرہ بھر کوتاہی کی۔ بلکہ آج دنیا میں جو کچھ خداوند قدوس کی محبت بھائیوں کا پیار۔ انسانوں کی خیر خواہی بے کسوں کی ہمدردی غریبوں کی بھلائی یتامیٰ اور مساکین کی اعانت اور دوسری نیکیوں کا اس سطح زمین پر وجود ہے وہ سب بواسطہ یا بلاواسطہ انہی کی دعوت وتبلیغ اور جد وجہد کا اثر اور نتیجہ ہے۔

انبیاء کی دعوت واحدہ

دنیائے عالم میں جتنے رسولؑ آئے۔ وہ ایک ہی دین اور ایک ہی عقیدہ لیکر آئے

شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا وَّالَّذِيْٓ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهٖٓ اِبْرٰهِيْمَ وَمُوْسٰى وَعِيْسٰٓى اَنْ اَقِيْمُوا الدِّيْنَ وَلَا تَتَفَرَّقُوْا فِيْهِ كَبُرَ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ مَا تَدْعُوْهُمْ اِلَيْهِ (قرآن مجید پارہ ۲۵ رکوع ۳)

مشروع کیا تمہارے لئے وہی دین جو حکم دیا تھا نوحؑ کو اور جو وحی کیا ہم نے تیری

طرف اور جس کا حکم کیا ہم نے ابراہیم کو اور موسیٰ اور عیسیٰ کو کہ دین کو قائم کرو۔ اور اختلاف اس میں نہ ڈالو۔ مشرکین پر وہ دعوت بھاری ہے جس کی طرف تُو انہیں بلاتا ہے۔

سب انبیاء علیہم السلام کا متفقہ دین اور ان کی ساری تعلیمات و ہدایات کا اصل حقیقی نچوڑ اور سب سے ضروری جزو توحید ہے اور یہ توحید ہی نبوت و رسالت کے ساز کا اصل اور ازلی ترانہ ہے۔ اور انبیاء علیہم السلام اسی دعوتِ توحید کے داعی اور اشاعتِ توحید کے مبلغ تھے اور مشرکین پر صرف اور صرف یہی دعوت بھاری سے بھاری بوجھ تھی۔ اور ان کو صرف توحید سے ہی سخت نفرت اور چڑ لگتی تھی

اس کی شناخت اور پہچان قرآن مجید میں اس طرح بیان فرمائی گئی ہے۔

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَيْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ (پ ۱۷ ع ۲)

اور ہم نے آپ سے پہلے کوئی رسول نہیں بھیجا لیکن اس کو یہ وحی کی کہ میرے سوا کوئی الٰہ کارساز نہیں میری ہی پوجا کرو مجھے ہی پکارو۔

لا الٰہ الا اللہ کی دعوت کو مرسلین اور نبیین مبلغین و داعین توحید نے اس غیر متزلزل عزم و استقلال کے ساتھ اپنی اپنی قوموں میں پیش کیا کہ مشرکین و مکذبین و معاندین کی مخالفتوں کے طوفان چاروں طرف سے پورے زور و شور سے ابھر کر مقابلے میں آئے مگر ان کی چشم تک میلی نہیں ہوئی اور ہر مشکل و تکلیف کو جو اس راہ میں آئی بآسانی جھیلتے ہوئے اپنے مبارک سروں کو ہتھیلیوں پر لئے ہوئے توحیدِ الٰہی کا ڈنکا بانگ دہل بجاتے پھرتے۔ منکرین و مخالفین کے لشکر اور ان کے تیغ و خنجر اور خوف و خطر اور ہر قسم کے ظلم و ستم کے باوجود اپنی دعوت و تبلیغ کے فریضہ سے باز نہیں آئے اور کسی حالت میں بھی کسی دام پر بھی مخالفوں سے صلح پر آمادہ نہیں ہوئے۔ اگرچہ مشرکین و کافرین ان کی ظاہری بیچارگی، مسکینی، کمزوری اور تنہائی کو دیکھ کر ان کو ان کے مشن میں ناکام بنانے کا پورا پورا زور لگا کر ان کو مٹا دینے کا تہیّہ کر لیتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں اور رسولوں کو اپنے پروردگار کی تایید و نصرت اور مدد و حفاظت کا مکمل بھروسہ اور یقین کامل ہوتا ہے اور ان کے دل اللہ تعالیٰ کی غیبی

امداد سے مطمئن اور مسرور رہوتے ہیں۔ اور وُہ ہمہ تن دعوتِ توحید کے نشہ سے سرشار ہوتے ہیں۔

اخلاق وعناد کا مقابلہ

انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت و تبلیغ کی اصل نبیاد نہایت اخلاص پر مبنی تھی جس میں بے لوث خدمتِ خلق کا جذبہ کارفرما تھا اور صرف انسانی اخوت اور بھائی چارہ کی محبت و بھلائی اور محض ان کی خیر خواہی مقصود تھی کہ ہمارے انسانی بھائی دنیا میں بھی خدا کی پکڑ سے محفوظ رہیں اور آخرت میں بھی اس کے عذاب دوزخ جہنم کی سخت آگ سے بچ جائیں۔ کیونکہ جنّت کے حصول کا دار ومدار اور دوزخ کے عذاب سے نجات کا انحصار اللہ تعالیٰ کی خالص توحید کے اقرار اور شرک کے چھوڑنے اور اس سے پرہیز کرنے پر ہے۔

انبیاءؑ کے اخلاص ومحبت کا اندازہ ان کی دعوت کے انہی الفاظ سے لگالیں کہ

اُعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ اِنِّيْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ○ (قرآنؐ)

اللہ ہی کو کارساز سمجھ کر اپنی حاجات میں پکارو۔ اس کے بغیر کوئی کارساز اور حاجت روا نہیں ہے۔ میں تمہیں آخرت کے دِن کے بڑے سخت عذاب سے ڈراتا ہوں

توحیدِ خالص کے بغیر مشرک کیلئے جنّت میں داخلے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بلکہ جنّت کی خوشبو بھی حرام ہے۔

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ ○

جس نے شرک کیا اس پر جنّت اللہ نے حرام کر دی۔

کیونکہ جنّت ایمان اور اعمال صالحہ نیک کاموں اور اللہ کی رحمت سے ملے گی۔ اور یہ یقینی بات ہے کہ مشرک شرک کرنے والے آخرت میں خدا کی رحمت سے بالکل ہی محروم ہوں گے۔ جیسا کہ ائمہ مفسرین کرام رحمہم اللہ نے صاف اور

واضح طور پر لفظ الرحمٰن اور الرحیم کے معانی اور مطالب میں لکھا ہے۔ کہ رحمٰن اللہ کی وہ رحمتِ واسعہ ہے جس کا تعلق دنیا کے ساتھ ہے اور وہ ہر مومن و کافر۔ موحد و مشرک۔ نیک و بد۔ صالح و گنہگار۔ سب ادنیٰ و اعلیٰ کیلئے یکساں ہے سب کو پیدا کرتا ہے اور اپنی رحمت سے روزی اور باقی نعمتوں سے نوازتا ہے۔ اور رحیم اللہ کریم کی وہ رحمت ہے جس کا تعلق آخرت کے ساتھ ہے۔ جو صرف ایمانداروں خالص توحید پرستوں کو اپنی رحمت سے جنت میں داخل فرماوے گا۔ اور مشرکین اس کی رحمت سے محروم ہوں گے ان کو دوزخ میں ڈال دے گا

باقی رہا اعمالِ صالحہ تو وہ توحید خالص کے بغیر قابلِ قبول نہیں بلکہ شرک کی وجہ سے مشرکین کے نیک اعمال سب کے سب برباد اور خاکستر ہو جائیں گے۔ قرآن مجید کی بہت سی آیات میں اس کا ذکر موجود

فَحَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ (مشرکین کے اعمال برباد ہو جائیں گے۔)

جب مشرکین کے لئے خدا کی رحمت بھی نہ ہوگی اور بوجہ شرک نیک اعمال اگر ہوئے تو وہ بھی برباد ہوں گے۔ مثلاً نمازیں' روزے' حجیں' زکوتیں' تہجد' صدقات اور خیرات سب ضائع ہوں گی۔ اور ایمان کا صفایا تو شرک کے کرتے ہی ہو جاتا ہے تو نہ ایمان اور نہ نیکیاں قبول اور نہ خدا کی رحمت کا مستحق تو اس مشرک کی کبھی بخشش نہیں ہوگی۔ سیدھا بڑی آسانی کے ساتھ جہنم میں جائے گا جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۤءُ (پ ع)

بے شک اللہ تعالیٰ مشرک کو کبھی نہیں بخشے گا۔ اور اس کے سوا جس کو چاہے گا بخش دے گا۔

گویا یہ بات اللہ کے وعدے اور اس کے اعلان کی حد تک یقینی امر ہے کہ مشرک کی بخشش کی کوئی صورت نہیں۔

توحید و شرک کا نتیجتاً اثر

توحید کی وجہ سے گناہ بھی قابلِ بخشش ہیں۔ اور شرک کی وجہ سے نیکیاں بھی مسترد ہیں مقبول نہیں۔ ایمان دار موحد توحید پرست کی غلطیاں اور گناہ اللہ کی رحمت سے معاف ہوں گے اور یقینی طور پر جنت میں داخل ہوگا۔ اور شرک کرنے والے مشرک کے نیک اعمال بھی خداوند قدوس ناپسند فرما کر رد کر دیں گے اور جہنم میں داخل ہوگا۔ مشرک جو توحید و ایمان سے محروم ہیں ان کو اپنی بڑی بڑی عبادتوں اور نیکیوں، بھلائیوں یتیموں غریبوں بیوہ عورتوں اور مسکینوں کے ساتھ ہمدردیوں، اور ان کی خدمتوں جیسے نیک کاموں پر قطعاً فخر کر کے مغرور نہیں ہونا چاہئے۔

قرآن پاک نے ان کے اعمال اور نیکیوں کی مثال اس راکھ جیسی بیان کی ہے جس کو ہوا کے جھونکے اڑا اڑا کر فنا کر دیتے ہیں۔ اسی طرح ان کی ان نیکیوں کا کوئی وجود نہیں رہتا۔ کیونکہ یہ اعمال بے اصل اور بے بنیاد ہیں۔ جس طرح پتھر پر مٹی پڑی ہوئی ہو، اور اس پر کھیتی کرنے والے کسان کو پتھر پر کی ہوئی کھیتی پر امید نہیں رکھنی چاہئے۔ اسی طرح مشرک کو بھی بغیر خالص توحید کے اقرار کے اپنے اعمال صالحہ پر اترانا اور پُر امید نہیں ہونا چاہئے۔ یہی انبیاء علیہم السلام کی دعوت و تبلیغ کی ابتدائی و انتہائی غرض و غایت تھی اور یہی مقصد واحد تھا اور یہی فکر دامن گیر تھی کہ اللہ کے بندے ہمارے انسانی بھائی خدا کے عذاب سے نجات پا جائیں اور اس کی رحمت کے مستحق بن جائیں اسی کے لئے سب تگ و دو کی۔ اور اسی راہ میں سب ناروا سلوک بے ہودہ گالیاں اور بکواس اور بہت بڑی مصیبتیں اور تکلیفیں اٹھائیں اور برداشت کیں مگر اس مشن کو نہیں چھوڑا۔

مخالفین کی ہٹ دھرمی

مگر انبیاء علیہم السلام کے مخالفین مشرکین کی ہٹ دھرمی اور ضد اور عناد اور تمرّد وتنفّر اور بدبختی کی انتہا تھی کہ ایسے عظیم القدر محسنوں اور مشفقوں اور محبوبوں اور بہی خواہوں اور خیر خواہوں کا دعوتِ صادقہ کو قبول کرنے اور ماننے کی بجائے اُلٹا پُرزور مخالفت کی اور داعین ومبلّغین مصلحین ومنذرین کو طرح طرح کی تکلیفیں اور اذیتیں پہنچائیں یہاں تک کہ ان کے قتل تک کے ناپاک منصوبے تیار کئے اور بہت سے ان بے گناہوں اور معصوموں کو اسی وجہ سے قتل کر دیا۔

حقیقتِ دعوتِ انبیاءؑ

یعنی

توحید وشرک کی پہچان

توحید وشرک پر مختصر تفصیل اس سے پہلے ہم نے "کتاب توحیدِ الٰہ العٰلمین" میں بیان کر دی ہے اس کا مطالعہ نہایت ضروری ہے۔ اس پوری تفصیل کو یہاں دُہرانا طویل کام ہے۔ تاہم یہ کتاب چونکہ رسالت کے موضوع پر لکھی جا رہی ہے اور رسالت کی تعلیمات کا اہم موضوع اور لازمی اور بنیادی جزو **دعوت الی التوحید** ہے تو یہ ہو نہیں سکتا کہ کتاب کا موضوع رسالت ہو اور مقصدِ رسالت کی نشان دہی اور کسی قدر وضاحت نہ کی جائے۔ چنانچہ توحید وشرک کی حقیقت اور اس کی پہچان کے لئے ایک خلاصہ پیش کیا جاتا ہے جس سے اس کی تفصیل وتشریح خود بخود واضح ہو جائے گی ان شاء اللہ!

اکثر پڑھے لکھے طبقے کی مبہم اور غلط قسم کی گمراہ کُن تلبیسانہ دھوآں دھار اور لچھے دار تقریروں سے عوام الناس جہلا یہی سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ماننا توحید ہے۔ اور خدا کا انکار کرنا اس کو نہ ماننا یہ شرک ہے۔ حالانکہ یہ بات قطعاً غلط ہے اور اصلیت

سے کوسوں دُور ہے۔ بلکہ حقیقت اس کے بالکل خلاف ہے۔ کیونکہ جس طرح رات اور
دن۔ اندھیرا اور اُجالا۔ دھوپ اور چھاؤں۔ گرمی اور سردی۔ عاقل اور پاگل۔ عالم اور
جاہل۔ بینا اور اندھا۔ سُننے والا اور بہرا۔ مُردہ اور زندہ۔ ایمان اور کفر۔ نیکی اور گناہ
وغیرہا صدہا چیزیں آپس میں بالکل مقابل اور متضاد ہیں۔ اسی طرح توحید و شرک بھی آپس
میں مقابل و مخالف ہیں۔ ان دونوں مخالف چیزوں میں سے ضروری ہے کہ ایک کے ماننے
سے دوسرے کا انکار لازمی طور پر ہو جاتا ہے۔ مثلاً رات ماننے سے اس وقت دن کا
انکار خود بخود ہو جاتا ہے۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ کوئی شخص اندھیرا کہتے ہوئے روشنی کا تصوّر
کرے۔ یا دھوپ میں کہے کہ کیسا خوب سایہ کا مزا ہے۔ یا سخت گرمی میں اُف اُف کرتے
ہوئے سردی جیسی حالت میں دانتوں کے بجنے کا کہنا بے معنیٰ بات ہے۔ پاگل سے عقل
کی گفتگو اور جاہل سے علمی نقاط کا مطالبہ لایعنی ہے۔ اندھے کو دیکھ کر چلنے کا کہنا اور
بہرے کو سُنانا اور مُردے سے زندوں جیسا خیال سب غلط ہے تو بعینہٖ اسی طرح توحید
کا اقرار شرک کی نفی کرنا ہے۔ اور شرک کرنا توحید کو جُھٹلانا ہے۔ یہ دونو قطعاً اکٹھی
جمع نہیں ہو سکتیں۔ اور یہ کبھی بھی ممکن نہیں کہ شرک بھی ہو اور توحید بھی رہے۔ شرک
کرکے شرک بھی ہو اور پھر ساتھ ہی توحید پرستی کا مدعی ہو کر موحّد بھی کہلائے، یہ
خیال بالکل ہی باطل اور سراسر غلط ہے۔

توحید پر ایک باریک نکتہ

بلکہ اس سے بھی قدرے اور زیادہ غور و فکر اور سوچ وچار اور نہایت
فہم و تدبر سے کام لیں تو فقط ایک لفظ "توحید" ہی اس ساری تفصیل کو سمجھنے
کے لئے کافی ہے کیونکہ "توحید" نفی اور اثبات دونوں کے مجموعے کا نام ہے۔ اور
۱ لَا اِلٰہَ ۲ اِلَّا اللّٰہُ کے معنے اور مطلب کا خلاصہ ہے اور اگر اس نفی اور
اثبات لا الٰہ الا اللہ سے بھی چھوٹا خلاصہ توحید کا نکالیں تو یہ ہوگا "اللہ کو اکیلا ماننا"

کہ اللہ ہی کی ذات ہے جو ان تمام کمالات کی صفتوں سے متصف ہے مثلاً
(۱) عالم الغیب ہے ہر چیز کو ہر وقت ہر حالت میں جانتا ہے۔ تمام مخلوقات کی تمام ضروریات اور حاجات کو جانتا ہے اور ان کی انہی کی زبان دحال کی سب پکاروں اور التجاؤں کو سنتا اور جانتا ہے۔ کوئی ذرہ کسی بھی وقت اس سے پوشیدہ نہیں۔
(۲) قادر مطلق مالک الملک مختار کل ہے۔ ہر چیز کا بنانا اور مٹانا۔ سنوارنا اور بگاڑنا۔ ہر ایک کے نفع اور نقصان کا مالک۔ غرضیکہ ہر ذرہ سے بڑی سی بڑی مخلوقات کا مکمل اختیار اور تصرف جس طرح چاہے کرے، صرف اسی کو ہے۔ اسی قادر کریم مالک و مختار کی غلامی کا اقرار اور اسی کی محبت کا دم بھرتے ہوئے اپنی بے کسی و مسکینی و محتاجی اور عجز و نیاز کے حد درجہ کے تذلل آمیز آداب و تعظیمات مثلاً ہاتھ باندھ کر زاری کرنا اور رکوع و سجود و دو زانو قعدہ جیسی حالت میں بیٹھنا اور دعائیں مانگنا التجائیں اور درخواستیں عرضیاں پیش کرنا اور اس کی رضا اور خوشنودی کے لئے اس کے دئیے ہوئے مال سے اس کے حصے مقرر کرنا۔ قربانی کرنا۔ اس کے نام کی نذر و نیاز اور منتیں چڑھاوے دینا۔ حتّٰی کہ اپنے دل میں پوری طرح صرف اسی کا تصور جمانا۔ اور خوف اور امیدمیں صرف اسی پر بھروسہ کرنا۔ یہاں تک کہ دل میں اس کے اسی تصور اور یقین کی پختگی کے ساتھ اس کے سامنے آرزوؤں اور حاجتوں میں گڑگڑا گڑگڑا کر رو رو کر آہوں اور سسکیوں میں اس ذات کبریا کو پکارنا اور سمجھنا کہ وہی اکیلا مالکِ حقیقی ہمارا کارساز مشکل کشا حاجت روا اور وہی ایک ہمیں کافی و وافی ہے۔ یہ ہے توحید کا جامع اور مختصر خلاصہ

شرک کیا ہے؟

شرک یہ ہے کہ مشرکین اللہ تعالیٰ کو خالق و مالک اور رازق وغیرہ صفات سے متصف جانتے اور مانتے ہوئے کہ کارخانۂ کائنات کی ہر چیز کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے اور وہ ہر چیز کا مالک ہے۔ آسمان و زمین، چاند و سورج، انسانوں، جنّوں، ملائکہ، نباتات، جمادات، حیوانات، چرند و پرند سب پیدا تو خالق و مالک و ربّ العٰلمین نے کئے ہیں۔ مگر یہ سارا نظامِ عالم اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے بندوں، ولیوں، اماموں، نبیوں، اور رسولوں کیلئے بنایا ہے اور اس پورے عالم کا نظام اپنے پیاروں کے حوالے کر دیا۔ اور ان کو پورے اختیارات دے کر اپنے پیاروں برگزیدہ اور پسندیدہ بندوں کو مالک و مختار بنا دیا ہے۔ اور مشرکین کا عقیدہ تھا کہ اللہ کے دیئے ہوئے اختیارات سے اللہ کے پیارے نبی ولی ہمارے نفع و نقصان کے مالک ہیں۔ وہ ہمارے حاجت روا، مشکل کشا ہیں۔ اور ہمارے سب حالات کو جانتے ہیں۔ اسی عقیدہ اور محبت کی بنا پر ان کیلئے ذلّت آمیز تعظیمات اور عبادت کے آداب بجالاتے اور دور و نزدیک سے ان کو پکارتے۔ یہاں تک بزرگوں نبیوں اور ولیوں کے دنیا سے فوت ہوجانے کے بعد بھی ان کی قبروں اور یادگاروں کو اسی انداز سے پوجتے اور ان کے نام کی نیازیں نذریں اور منتیں اور چڑھاوے چڑھاتے تھے اور یہ اعتقاد رکھتے تھے کہ ہماری ان تمام عبادتوں سے بزرگ خوش ہوتے ہیں۔ اور خدا کے پیارے خوش ہو گئے تو اللہ خوش ہوگا۔ اور ان تمام اختیارات اور حاجت روائی اور مشکل کشائی میں یہ اللہ کے پیارے ہمارے وسیلہ اور سفارشی ہیں۔

یہی شرک ہے۔ قرآن پاک نے اس کو اس طرح بیان فرمایا ہے۔

اَفَحَسِبَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْٓا اَنْ یَّتَّخِذُوْا عِبَادِیْ مِنْ دُوْنِیْٓ اَوْلِیَآءَ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَہَنَّمَ لِلْکٰفِرِیْنَ نُزُلًا ○ (قرآن مجید پارہ ۱۶ رکوع ۳)

کافر لوگوں نے کیا سمجھ کر میرے پیارے بندوں کو میرے سوا کارساز، مددگار بنا یا۔ ہم نے ایسے کافروں کے لئے جہنم کا عذاب مہانی تیار کر رکھی ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ یَّتَّخِذُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَنۡدَادًا یُّحِبُّوۡنَهُمۡ كَحُبِّ اللّٰهِ (پ۲ ع)

اور لوگوں میں مشرک وہ ہیں جو اللہ کے سوا بھی شریک بنا کر ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی محبت اللہ کی ہے

وَالَّذِیۡنَ اتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِهٖۤ اَوۡلِیَآءَ مَا نَعۡبُدُهُمۡ اِلَّا لِیُقَرِّبُوۡنَاۤ اِلَی اللّٰهِ زُلۡفٰی

اور مشرک لوگوں نے اللہ کے سوا کارساز و مددگار بنا لئے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم ان کی عبادت اور پکار اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ کے قریب کر دیں۔

وَاتَّخَذُوۡا مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اٰلِهَةً لِّیَكُوۡنُوۡا لَهُمۡ عِزًّا ۝ كَلَّا سَیَكۡفُرُوۡنَ بِعِبَادَتِهِمۡ وَیَكُوۡنُوۡنَ عَلَیۡهِمۡ ضِدًّا (قرآن مجید پارہ ۱۶ سورۂ مریم رکوع ۵)

اور مشرکوں نے اللہ کے سوا کئی الٰہ کارساز حاجت روا بنا رکھے ہیں تاکہ وہ ان کی مدد کریں۔ ہرگز نہیں وہ تو ان کی پکاروں کا انکار کریں گے اور ان کے مخالف ہو جائیں گے

وَیَعۡبُدُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ مَا لَا یَضُرُّهُمۡ وَلَا یَنۡفَعُهُمۡ وَیَقُوۡلُوۡنَ هٰۤؤُلَآءِ شُفَعَآؤُنَا عِنۡدَ اللّٰهِ (قرآن مجید پارہ ۱۱ سورہ یونس رکوع ۲)

اور مشرک اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہیں جو انہیں نفع اور نقصان پہنچانے کی طاقت نہیں رکھتے اور کہتے ہیں کہ یہ لوگ اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔

مشرکین کے الٰہ اور مِنۡ دونِ اللہ حاجت روا اور مشکل کشا کون تھے؟ عبادی اللہ کے پیارے بندے، نبی، ولی، شہید جیسے حضرت وَدّ، سُواع، یَغُوث، یَعُوق نَسۡر، حضرت ابراہیمؑ، اسمٰعیلؑ، عزیرؑ، عیسٰیؑ، اور ان کی والدہ محترمہ حضرت مریم صدیقہ اور ملائکہ کرام حضرت جبرائیل، میکائیل، اور اسرافیل وغیرہ۔

یہ تصریحات خود قرآن کریم کے الفاظ اور احادیث پاک میں سرورِ کائنات فخرِ موجودات سید المرسلین حضرت محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات اور مفسرین حضرات رحمہم اللہ کے واضح بیانات میں موجود ہیں۔ تفصیلات ہماری کتاب توحید الٰہ العلمین

میں ملاحظہ ہوں۔ یہاں صرف . دو حوالے پیش خدمت ہیں۔ ملاحظہ ہوں۔
علامہ صاحب روح المعانی سید محمود آلوسیؒ فرماتے ہیں کہ من دون اللہ اولیاء سے مراد فرشتے اور پیغمبر اور نیک بندوں کی مورتیاں ہیں۔
کالملٰئکۃ وعیسٰی والاصنام (روح المعانی جلد ۲۳ ص ۲۳۵)
کہ جیسے فرشتے اور عیسیٰ اور نیز رگوں کی مورتیاں اور یادگاریں ہیں۔
امام المفسرین علامہ فخر الدین رازی فرماتے ہیں۔
انہ متی مات منہم رجل کبیر یعتقدون فیہ انہ مجاب الدعوۃ ومقبول الشفاعۃ عند اللہ تعالیٰ اتخذ واصنما علیٰ صورتہ یعبدونہ علی اعتقاد ان ذلک الانسان یکون لہم شفیعا (تفسیر کبیر جلد ۲ ص ۱۱۲ و ۱۱۳)
جب ان لوگوں میں سے کوئی بہت بڑا نیک آدمی فوت ہو جاتا تو مشرک یہی عقیدہ بنا لیتے کہ اس کی دعا قبول ہوتی ہے اور اس کی سفارش مقبول ہوتی ہے اللہ کے ہاں اسی عقیدہ کے مطابق اس کی مورتی بنا کر یہ اعتقاد کرتے کہ یہ بزرگ ہی ان کیلئے شفیع ہے

خلاصۂ کلام

اس ساری بات کا خلاصۂ کلام یہ ہے کہ انبیاء کرام اور رسلِ عظام علیہم السلام کی تبلیغ دعوت الی التوحید تھی کہ ان سب صفات و اختیارات کا مالک حاجت روا اور مشکل کشا کارساز صرف ایک اللہ ہی ہے اور کوئی نہیں۔ گویا انبیاء کی دعوت تھی کہ اللہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ اور مشرکین کا عقیدہ تھا کہ اللہ خالق و مالک ہے مگر تمام اختیارات اس نے اپنے پیاروں کو دے رکھے ہیں۔ اس کے پیارے بھی الٰہ یعنی کارساز و مشکل کشا ہیں

توحید کا مفہوم

انبیاء علیہم السلام کی دعوت و تبلیغ۔ توحید کا کلمہ لاالٰہ الااللہ ”اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں“ (اللہ کے سوا کوئی الٰہ حاجت روا نہیں)

شرک کا مفہوم

ہے کہ کئی الٰہ ہیں اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ...... اَنِ امْشُوْا وَاصْبِرُوْا عَلٰٓى اٰلِهَتِكُمْ
کیا اس نے بہت سے الٰہوں مشکل کشاؤں کا ایک ہی الٰہ بنا دیا ..... چلو اس کی

بات نہ سنو۔ اور اپنے الٰہوں پر پکے جمے رہو

کفار و مشرکین کی شرک سے محبت و توحید سے نفرت

وَ اِذَا ذَکَرْتَ رَبَّکَ فِی الْقُرْاٰنِ وَحْدَہٗ وَلَّوْا عَلٰٓی اَدْبَارِہِمْ نُفُوْرًا ○ (پ۱۵ ع۵)

اور جب اے محبوب تو قرآن میں اپنے رب کی توحید بیان کرتا ہے تو مشرک پیٹھیں پھیر کر نفرت سے بھاگ جاتے ہیں

وَ اِذَا ذُکِرَ اللّٰہُ وَحْدَہُ اشْمَاَزَّتْ قُلُوْبُ الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَۃِ وَاِذَا ذُکِرَ الَّذِیْنَ مِنْ دُوْنِہٖٓ اِذَا ہُمْ یَسْتَبْشِرُوْنَ ○ (پارہ ۲۴ رکوع ۲)

اور جب اللہ کی توحید بیان کی جائے تو مشرکوں کے دلوں کو برا لگتا ہے۔ اور جب اللہ کے سوا دوسروں کا اس طرح بیان کیا جائے تو خوش ہو جاتے ہیں۔

اسی وجہ سے مشرکین ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جہنم کی آگ میں جلتے ہی رہیں گے اور کبھی بھی ایک سیکنڈ لمحہ بھر کیلئے بھی دوزخ سے نہیں نکالے جائیں گے۔ کیونکہ ان کو توحید کے بیان پر غصہ آتا ہے اور اس سے نفرت اور انکار کرتے ہیں۔ اور شرک کے بیان پر مارے خوشی کے باچھیں کھلاتے ہوئے نعلیں بجاتے ہوئے اس پر یقین کرتے اور اس کو مان لیتے ہیں۔

ذٰلِکُمْ بِاَنَّہٗٓ اِذَا دُعِیَ اللّٰہُ وَحْدَہٗ کَفَرْتُمْ وَاِنْ یُّشْرَکْ بِہٖ تُؤْمِنُوْا فَالْحُکْمُ لِلّٰہِ الْعَلِیِّ الْکَبِیْرِ ○ (قرآن مجید پارہ ۲۴ سورہ حم مومن رکوع ۲)

مشرکین تمہارے لئے دوزخ سے نکلنے کا کوئی ذریعہ نہیں کیونکہ جب خدا کی توحید کی طرف دعوت دی جاتی بلایا جاتا تھا تو تم انکار کرتے تھے اور اگر اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جاتا تھا تو تم مان لیتے تھے پس یہ فیصلہ اللہ علی الکبیر کا ہے۔

انبیاءؑ کی دعوت و تبلیغ
کا
بصیرانہ انداز

توحید و شرک پر مدلل بحث اور مسئلہ الٰہ کی پوری وضاحت چونکہ ہماری کتاب توحیدِ الٰہ العالمین میں بیان کی جا چکی ہے اس لئے یہاں استدلالی بحث نہیں ہوئی۔ ان اوراق میں انبیاءؑ کی دعوت کا بصیرانہ اور بلیغانہ انداز کا بیان ہوگا کہ انبیاءؑ کرام علیہم السلام دعوتِ توحید کو عقلی دلائل کے کس قدر مؤثر اور دلنشین طریقہ سے اور نقلی دلائل سابقہ انبیاء اور امتوں کے واقعات کے کتنے دلپذیر اور عبرت انگیز اور نصیحت آمیز دل کپکپا دینے والے انداز سے حقائق و معارف سے بھرپور اخوت و بھلائی کے جذبہ میں بیان فرماتے کہ سخت ترین مخالفین بھی اسے جادوگری سے تعبیر کرتے تھے۔ اس نصیحت آموز اور بصیرت افروز بیان کی مختصر جھلک قرآن پاک ہی سے ملاحظہ ہو۔

حضرت نوحؑ کا طرزِ استدلال

حضرت نوح علیہ السلام دنیا میں پہلے داعیٔ توحید اور اس کے مبلغ تھے۔ شرک کی ابتدا بھی اِنہی کی قوم سے ہوئی۔ جیسا کہ مفسرین کرام نے اس کا ذکر فرمایا ہے کہ حضرت شیثؑ کے بعد شیطان لعین نے لوگوں کو شرک کی طرف لگایا۔ حضرت شیثؑ اور چار ان کے صاحبزادے یہ اللہ تعالیٰ کے نیک صالح اور برگزیدہ اور پیارے بندے تھے۔ ان کی وفات کے بعد لوگوں نے کچھ عرصہ اپنی حاجات و مشکلات میں ان کی مقابر اور مزاروں کو صرف توجہ کا مرکز بنایا کچھ عرصہ کے بعد ان کی صورتوں پر پتھر کی مورتیاں اور مجسمے بُت گھڑ لئے تاکہ دور جانا ہی نہ پڑے ان کو مشکلات و حاجات میں خدا کے دربار میں وسیلہ وغیرہ بنانے لگے اللہ تعالیٰ نے سیدنا حضرت نوحؑ کو اس قوم میں مبعوث فرمایا جنہوں نے قوم

کو ساڑھے نو سو سال (۹۵۰) تبلیغ کی۔ قرآن پاک میں ہے کہ حضرت نوح ع نے رات دن۔ انفرادی اور اجتماعی پوشیدگی کے ساتھ اور اعلان کر کے اس مسئلہ کو بیان فرمایا نوح ع کو جس قدر تبلیغ میں سخت انہماک تھا اور اسی لگن میں لگے ہوئے تھے کسی چیز کی باقی پرواہ تک نہیں کی اسی قدر قوم نوح ع سے متنفر تھی اور دور بھاگتے تھے یہاں تک کہ کانوں میں انگلیاں ڈالتے تھے تاکہ آواز ہی نہ سنیں۔ اور نوح ع کی شکل مبارک اور چہرہ پاک دیکھنا بھی گوارا نہ کرتے مگر ایسے حالات و مواقع میں بھی نوح ع کا بصیرانہ بیان ملاحظہ ہو

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا وَّيُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّبَنِيْنَ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّيَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝ مَا لَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا ۝ (پارہ ۲۹ سورہ نوح رکوع ۱)

نوح ع نے قوم کو فرمایا شرک چھوڑ کر اپنے رب سے معافی مانگو۔ بے شک وہی ہے بخشنے والا۔ برسائے گا تم پر آسمان سے لگاتار اور بڑھائے گا تم کو مال اور بیٹوں سے۔ اور دے گا تم کو باغ اور نہریں۔ کیا ہوا تم کو اللہ سے عزت کی امید کیوں نہیں کرتے

ایسے بلیغانہ وعظ و نصیحت کے باوجود بھی نوح ع کی قوم میں سے بہت تھوڑے آدمیوں نے توحید کو قبول کیا۔

وَمَآ اٰمَنَ مَعَهٗٓ اِلَّا قَلِيْلٌ ۝

نوح ع کے ساتھ توحید پر ایمان لانے والے قلیل یعنی چند آدمی تھے۔

باقی سب کے سب تکبر اور ضد و عناد اور ہٹ دھرمی سے اسی شرک اور قبر پرستی پر ہی ڈٹے رہے اور اولاد در اولاد کو نسلاً بعد نسل یہی وصیت کرتے گئے کہ بزرگوں کی پوجا پاٹ نہ چھوڑنا اور بڈھے نوح ع کے فریب میں نہ آنا

وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا ۝ (پارہ ۲۹ نوح رکوع ۲)

اور کہتے رہے کہ ہرگز نہ چھوڑیو۔ اپنے حاجت رواؤں کو۔ اور نہ چھوڑیو ود کو اور نہ سواع اور نہ یغوث، یعوق، نسر کو۔

یہی اندازِ تبلیغ حضرت ہودؑ، صالحؑ، لوطؑ، شعیبؑ علیہم السلام کا اپنی اپنی قوموں میں تھا جس کی تفصیل قرآن پاک کے پارہ ع۸ کے اواخر اور پارہ ع۹ کی ابتدا اور پارہ ۱۲ سورۂ ہودؑ اور سورۂ ابراہیمؑ۔ سورۂ حجر وغیرہا میں مذکور ہے۔ ملاحظہ ہو آخر میں سب انبیاء کا درد و سوز کا بھرا ہوا بڑے تاسفانہ لہجہ میں یہ کلمہ موجود ہے

لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّيْ وَ نَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِيْنَ [1]

میں نے اپنے رب کا پیغام توحید تمہیں پہنچا دیا اور تمہاری خیر خواہی کر چکا۔ لیکن تم خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے

حضرت ابراہیمؑ کا طرزِ استدلال

حضرت سیدنا ابراہیمؑ نے اپنی قوم کے سامنے توحید الٰہی کے اثبات اور شرک کی نفی پر ایسے دلائل قاہرہ اور براہین قاطعہ پیش فرمائے جس کو اللہ تعالیٰ نے زبردست حجت فرمایا ہے

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ (پارہ ع۷ رکوع ۱۶)

یہ ہماری زبردست دلیل ہے جو ہم نے ابراہیمؑ کو دی تھی اس کی قوم کے مقابلہ میں۔ وُہ حجت و برہان کیا تھی۔

وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ۝ (پارہ ع۷ رکوع ۱۵)

اور اسی طرح ہم نے ابراہیمؑ کو آسمان و زمین کے عجائبات دکھلائے تاکہ اس کو یقین کرانے کی دلیل بنائے۔

اس کی تفصیل اسی رکوع میں ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ستارے۔ چاند اور سورج کے محکومانہ انقلاب اور افق پر نظروں کے سامنے مشاہدہ اور غائب ہونے کے مناظر سے استدلال فرمایا کہ نمودار ہو کر اتر جانے والوں کو میں کسی حالت میں بھی کسی قیمت پر بھی اِلٰہ نہیں مانتا اور تم انہیں خدائی صفات کا حامل سمجھ کر ان کو اِلٰہ بناتے ہو۔ اور ان سے اپنے نفع و نقصان حاجات و مشکلات میں متصرف و کارساز سمجھتے ہو جو شرک ہے۔ اور میں اس شرک سے قطعاً بیزار ہوں۔

[1] پارہ ۸ ع ۱۷

فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّىْ بَرِىْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ○ (پارہ ۷ رکوع ۱۵)

جب سورج بھی غروب ہو گیا تو فرمایا اے میری قوم میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں۔

یعنی عالم علویات و سفلیات کے نہایت محکم اور عجیب و غریب نظام ترکیبی سے خداوند قدوس وحدہٗ لاشریک کی وحدانیت پر بہترین استدلال فرمایا اور مخلوقات سماوی وارضی کے محکومانہ عجز و بیچارگی کو اپنی قوم کے عقیدۂ شرکیہ کواکب پرستی وغیرہ کو علی وجہ البصیرت ردّ فرمایا کیونکہ بلاشبہ عالم کا یہ اکمل و احکم اور بہترین نظم و نسق ایسی دلیل ہے کہ جسے دیکھ کر بالبداھۃ یہ اقرار کرنا پڑتا ہے کہ اس عظیم الشان کارخانہ اور مشین کا بنانے والا اور چلانے والا اس کے پُرزوں کو نہایت مضبوط ترتیب و سلیقہ سے جوڑنے والا اور ہزاروں لاکھوں برس سے ایک ہی انداز سے اس کی حفاظت کرنے والا بڑا زبردست حکیم و قدیر صانع ہے جس کے حکیمانہ تصرّف اور نفوذ اقتدار سے مشین و کارخانہ کا کوئی چھوٹا بڑا پُرزہ باہر نہیں جا سکتا۔ یہ ستارے اور قمری اور شمسی نظام سب کے سب خدا کے مزدور ہیں جو وقت معین پر آتے اور چلے جاتے ہیں۔ ایک منٹ کی تقدیم و تاخیر پر قادر نہیں۔ پھر ان کو خدائی اختیارات و تصرّفات میں شریک کرنا کس قدر گستاخی اور قابل نفرت فعل ہے۔

سوچیے یہ کتنی بڑی زبردست دلیل اور حجت تامہ ہے جس پر حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ نے فرمایا لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ، اِنِّىْ وَجَّهْتُ وَجْهِىَ لِلَّذِىْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ

حضرت ابراہیمؑ کا ردِ شرک پر ایک دوسرا نہایت بلیغانہ و تعریضانہ انداز بیان

قَالَ هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ○ (پارہ ۱۹ ع ۹)

ابراہیمؑ نے فرمایا جن کو تم پکارتے ہو کیا وہ تمہاری پکاریں سنتے ہیں؟ یا تمہیں نفع اور نقصان بھی دے سکتے ہیں؟

حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے نہایت مؤثرانہ اور لطیفانہ پیرایہ میں مشرکین پر تعریض فرمائی۔ اپنے باپ کو بھی اور پوری قوم کو بھی کس قدر صاف اور واضح اعلان کر کے فرمایا کہ جن کو تم حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر پکارتے ہو کیا وہ تمہاری پکاریں سنتے ہیں اور کیا وہ تمہیں نفع اور نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں۔

مقصود یہ تھا کہ جو پکاریں نہیں سنتے اور بھلے اور برے کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے ان کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھنا اور حاجتوں اور مصیبتوں میں پکارنا پرلے درجہ کی حماقت اور سراسر گمراہی ہے۔ پکارنے کے لائق تو "رب العالمین" کی ذات ہے جو فلاحِ دارین کی راہ دکھاتا ہے۔ اور اعلیٰ درجہ کے فوائد و منافع کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ نبی ہو یا ولی سب کے سب ادنیٰ سے ادنیٰ ضروریات میں بھی اسی کے محتاج اور اسی کے آگے بھکیاری ہیں۔ اس کے فضل و رحمت کے بغیر کسی کا کام نہیں چل سکتا۔ سب پر اسی کی مہربانیاں ہیں۔ جیسے کہ حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا کہ۔

وَالَّذِیْ هُوَ یُطْعِمُنِیْ وَیَسْقِیْنِ ○ وَاِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ یَشْفِیْنِ ○ وَالَّذِیْ یُمِیْتُنِیْ ثُمَّ یُحْیِیْنِ ○ (پارہ ۱۹ سورہ شعراء رکوع ۵)

رب العالمین وہی مجھ کو بھی کھلاتا ہے اور پلاتا ہے۔ اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی شفا دیتا ہے اور وہی مجھے موت دے گا اور پھر وہی زندہ کرے گا۔

مقامِ غور ہے کہ کس طرح بلیغانہ انداز میں حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے اپنی ذات کے متعلق اور اپنے آپ کے بارے میں اپنی کامل احتیاج اور حق تعالیٰ سبحانہٗ کے استغناء کا اظہار فرمایا کہ کھلانا پلانا، صحت و شفا، موت و زندگی سب اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ بندے سب محتاج ہیں۔ محتاجوں کو پکارنا اور ان سے مانگنا اور امیدیں رکھنا اور ان پر بھروسہ رکھنا شرک اور ظلمِ عظیم نہیں تو کیا ہے؟

حضرت یوسفؑ کا مکمل اور مدلل بیانِ توحید

یَا صَاحِبَیِ السِّجْنِ ءَ اَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَیْرٌ اَمِ اللّٰہُ الْوَاحِدُ الْقَھَّارُ ○ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِہٖٓ اِلَّآ اَسْمَآءً سَمَّیْتُمُوْھَآ اَنْتُمْ وَاٰبَآؤُکُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰہُ بِھَا مِنْ سُلْطٰنٍ اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ○ (پارہ ۱۲ سورہ یوسف رکوع ۵)

اے قید خانہ کے ساتھیو! بھلا بہت سے حاجت روا جُدا جُدا بہتر ہیں یا ایک اللہ ہی زبردست۔ کچھ نہیں پکارتے تم سوائے اللہ کے مگر نام ہیں جو رکھ لئے ہیں تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے۔ اللہ نے ان کی کوئی سند نہیں بھیجی۔ سب فیصلے اللہ ہی کے قبضے میں ہیں۔

حضرت سیدنا یوسف علیہ السلام جب جیل خانہ میں قید تھے تو وہاں کے قیدیوں میں سے دو قیدیوں کو الگ الگ خواب آئے۔ دونوں حضرت یوسفؑ سے تعبیر پوچھتے ہیں۔ کیونکہ یوسفؑ کی دیانت و امانت، تقویٰ و طہارت اور نیکی و ایمانداری سے متاثر تھے۔ حضرت یوسفؑ نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کو توحید کی دعوت دی اور دینِ حق کی تبلیغ کا فریضہ ادا فرمایا جو تمام انبیاء و مرسلین کا فرض منصبی ہے۔

حضرت سیدنا یوسفؑ کا دعوت و تبلیغ کا طریقہ بہت پیارا ہے اور نہایت مؤثر طرز میں اتنا صاف اور واضح اور ٹھوس انداز میں مکمل اور مدلل بیان تھا کہ سوائے پیغمبر کے اس کی نظیر نہیں ہو سکتی۔ یوسفؑ نے ان قیدیوں کو اپنی طرف متوجہ اور مائل و مانوس کرنے کے لئے یہ نہیں کہا کہ اے قیدیو! میری بات سنو بلکہ فرمایا "یَا صَاحِبَیِ السِّجْنِ" اے میرے قید خانہ کے رفیقو! ساتھیو! محبوبو! خواب کی تعبیر بھی ابھی کھانے سے پہلے بتاؤں گا۔ پہلے میری ایک نصیحت اور خیر خواہی کی بات سنو جو صرف میری طرف سے نہیں بلکہ میرے رب پروردگار کی طرف سے ہے اور وہ یہ ہے کہ خدا کی توحید کے خلاف شرک بہت ہی بُری ملت اور بالکل باطل دین اور نرا جہالت کا مذہب ہے بھلا بھائیو! ساتھیو! تم ہی انصاف سے بتاؤ کہ مختلف بیماریوں، مصیبتوں اور حاجتوں

کے لئے الگ الگ کئی مشکل کشا بنانے بہتر ہیں یا ایک ہی زبردست حاجت روا اور مشکل کشا متصرف وکارساز کیا بہت پر بھروسہ کرنا اچھا ہے یا اکیلے قہار کلی اختیارات کے مالک پر۔ تم خود ہی سوچو اور غور وفکر کرو کہ جن کو مختلف حاجتوں کیلئے تم نے خدائی اختیارات تقسیم کر رکھے ہیں۔ ان کو کچھ بھی اختیار نہیں۔ یہ یونہی تمہاری بے سند اور بے دلیل جہالت کی باتیں اور جھوٹی بے سروپا کہانیاں ہیں جن کی وجہ سے تم نے ان کے کچھ نام داتا، دستگیر، مشکل کشا، غوث، فریاد رس وغیرہ رکھ رکھے ہیں۔ یقیناً ان ناموں کی کوئی حقیقت اور اصلیت نہیں۔ ذرہ برابر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان ناموں پر کوئی اشارہ تک نہیں ملتا۔ محض فرضی ڈھکوسلوں سے خدائی صفات و اختیارات کے نام دے کر ان کی پوجا پاٹ کرنا ساتھیو! ایسے جہل اور شرک پر انسان کو شرمانا چاہیئے۔ ساتھیو! پھر کہتا ہوں کہ سب اختیارات اور فیصلے اللہ کے قبضہ اور ہاتھ میں ہیں اس کا حکم ہے کہ پوجا اسی کی کرو اور حاجت روا و مشکل کشا صرف اسی کو سمجھو

اللہ اللہ توحید کی دعوت اور اس کی تبلیغ کی اہمیت کا اندازہ لگائیں کہ معصوم پیغمبر ابن پیغمبر ابن پیغمبر ابن پیغمبر حضرت یوسف علیہ السلام بے گناہ جیل خانہ میں قیدی کی حیثیت سے بھی اس فرض کو نہیں بھولتے۔ اسی لگن اور تاک میں ہیں کہ کوئی ایسا موقعہ ہاتھ آئے کہ ان کو توحید کا درس دوں۔ چنانچہ اس مناسب موقعہ کو ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ اور صاف صاف مسئلہ جیل کے اندر بھی سُنا دیا

اور ایک آج کئی ہمارے معزز اور محترم ساتھی ہیں کہ مسجد خانۂ خدا میں مسندِ رسول اور منبرِ رسول پر بھی اس کو بیان نہیں فرماتے۔

اللہ تعالیٰ کماحقہ توحید کے بیان کرنے کی توفیق محض اپنے فضل و رحمت سے مرحمت فرمائیں۔ آمین

خاتم النبیین سید المرسلین صلی اللہ علیہ کی دعوت و تبلیغ
کا
خصوصی و امتیازی انداز

اگرچہ تمام انبیاء علیہم السلام کے درسِ تعلیم کا پہلا سبق اور روحانی معارف وحقائق اور جسمانی اعمال و اخلاق کی اصلی بنیاد توحید کی حقیقت کا اظہار ، اور شرک کی تردید و مذمت تھی کہ اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ (شرک بہت بڑا ظلم ہے)

مگر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین (آخری پیغمبر) تھے۔ اور اللہ کی طرف سے اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا تمام قیامت تک آنے والے انسانوں کے لئے رسول تھے اور روئے زمین پر خدا کی توحید کے من جانب اللہ آخری داعی اور مبلغ تھے۔ آپؐ کی دعوت و تبلیغ بھی کامل و مکمل اور اتنی مدلل اور جامع تھی کہ توحید کے ہر پہلو کی تکمیل اور شرک کے ہر ہر پہلو کی نفی و تردید آپؐ کی دعوت و تبلیغ کی امتیازی شان ہے۔ آپؐ نے اپنی دعوت میں رموز و اسرارِ توحید کو اس قدر روشن دلائل کے ساتھ بیان فرمایا کہ صرف مخاطبین ہی نہیں بلکہ آنے والے لوگوں کے بھی رگ و ریشہ میں ولولہ، اور ان کے دل و دماغوں میں جذبۂ جوش کا ایک نشہ پیدا ہو جائے اور شرک کے تمام اسباب اور وجوہات کی دھجیاں فضا میں بکھرتی ہوئی نظر آئیں۔ اور شرکیہ عقائد کی ایک ایک رگ اس طرح کٹے کہ شرک کی ہمیشہ کے لئے بیخ کنی کی جائے

دعوتِ نبویؐ ایک چشمۂ ہدایت ہے

آفتابِ رسالت اور خورشیدِ نبوت جو دنیائے عالمین کی روشنی کے لئے طلوع ہوا اس کی پہلی کرن اس کے قریبی ماحول میں نمودار ہوئی اور بڑھتے ہوئے اطراف و اکنافِ عالم میں پھیل گئی۔ دعوتِ نبوّت یعنی پیغامِ الٰہی حق و صداقت کا ایک بہتا ہوا چشمہ ہے۔ جو

آہستہ آہستہ قدرتی رفتار سے ابتدائً پہلے اپنے قریب و نزدیک کی نزدیک کو پھر آگے کو پھر اس سے آگے کو سیراب کرتا چلا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ زمین کے کناروں تک پہنچ جاتا ہے۔ آں حضرتؐ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کو اس دعوت و تبلیغ کا حکم بھی اسی تدریج کے ساتھ ہوُا۔ سب سے پہلے خاص اپنے گھر اور خاندان اور نہایت قریبی رشتہ داروں کو کو سمجھانے کا حکم ہوُا۔

وَاَنْذِرْ عَشِیْرَتَکَ الْاَقْرَبِیْنَ (پ ۱۹ ع ۱۹ رکوع ۱۲) اور

اور سب سے زیادہ قریبی رشتہ داروں کو خبردار کر

اس کے بعد دعوت و تبلیغ کا یہ دائرہ بڑھ کر شہر مکّہ اور اس کے اطراف کی آبادیوں تک پہنچتا ہے

لِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰی وَمَنْ حَوْلَهَا (پارہ ۲۵ ع ۲۵ رکوع ۱)

تا کہ آپ مکّہ اور اس کے آس پاس آبادی والوں کو ہشیار کریں

اب تبلیغ کا دائرہ اس سے بھی اور آگے بڑھتا ہے کہ اہل خطاب زندہ انسان یعنی سمجھ و احساس اور سوجھ بوجھ شعور و عقل وغیرہ حقیقی زندگی کی علامتیں جن میں موجود ہوں۔ سب اس کے مخاطب ہیں۔ یہ دعوت ان کو پہنچا دو۔

لِیُنْذِرَ مَنْ کَانَ حَیًّا (پارہ ۲۳ سورہ یٰسٓ ع ۵)

تا کہ خبردار کرے اس کو جو زندہ ہے۔

پھر اس دعوت کی حدود کا دائرہ اس قدر آگے بڑھتا ہے کہ جس حد تک بھی یہ آواز پہنچے سب سے اس کا خطاب ہے

لِاُنْذِرَکُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ (سورہ انعام رکوع ۲ پ)

تا کہ میں تمہیں اور جن کو میری آواز پہنچے خبردار کر دوں۔

پھر اس دعوت کی وسعت بڑھتے اور پھیلتے ہوئے عام دنیا کے انسانوں کے لئے پیغام ہے۔

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ (پارہ ۱۳ سورۃ ابراهیم رکوع ۷) یہ قرآن عام انسانوں کے لئے پیغام ہے

حکم ہوتا ہے کہ تمام انسان اسی دعوت کے مخاطب ہیں۔

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيۡرًا وَّنَذِيۡرًا (پارہ ۲۲ سورۂ سبا رکوع ۳)

اور ہم نے آپ کو تمام انسانوں کے لئے خوشخبری سنانے والا اور خبردار کرنے والا بنا کر بھیجا ہے

آنحضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا کہ تمام انسانوں کو خطاب کر کے یہ اعلان کر دیں

قُلۡ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىۡ رَسُوۡلُ اللّٰهِ اِلَيۡكُمۡ جَمِيۡعًا (پارہ ۹ سورۂ اعراف رکوع ۲۱)

فرما دیجئے کہ اے لوگو! تم سب کی طرف مَیں رسول اللہ کا پیغام پہنچانے والا ہوں)

اس سے بھی زیادہ وسعت کے الفاظ یہ ہیں کہ تمام کائنات آپ کی دعوت و تبلیغ کے دائرہ میں داخل ہے۔

تَبٰرَكَ الَّذِىۡ نَزَّلَ الۡفُرۡقَانَ عَلٰى عَبۡدِهٖ لِيَكُوۡنَ لِلۡعٰلَمِيۡنَ نَذِيۡرًا ۙ (پ ۱۸ فرقان ع ۱)

برکت والا ہے وہ خدا جس نے حق و باطل میں فرق کرنے کے لئے کتاب (فرقان) اپنے بندہ (محمدؐ) پر نازل کی تاکہ وہ جہان والوں کو خبردار کر دے۔

اس سے بھی زیادہ اہم اور قابلِ غور بات یہ ہے کہ اس دعوت و تبلیغ کی وسعت اور اس کی اشاعت کی کامیابی اور آنے والے زمانے میں ترقی کی خوشخبری عین اسی وقت دی گئی تھی جب حالات کا رُخ مسلمانوں کے بالکل خلاف تھا۔ بظاہر مسلمانوں کے حالات نہایت کمزوری سے مایوسی کی حد تک ہو چکے تھے اَنۡ يَّتَخَطَّفَكُمُ النَّاسُ کہ ایسا ہو چکا تھا کہ لوگ تمہیں ختم کر دیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے خوشخبری اور کامیابی کی پیش گوئی کی آیت نازل ہوتی ہے۔

اِنۡ هُوَ اِلَّا ذِكۡرٌ لِّلۡعٰلَمِيۡنَ ○ ولتعلمن نباہ بعد حین ○ (پ ۲۳ صٓ ع ۵)

یہ قرآن تو دنیا جہان والوں کے لئے نصیحت ہے۔ اور تم ایک زمانہ کے بعد اس کی خبر جانو گے۔

داعیٔ توحید صلی اللہ علیہ وسلم کے کردار و اقوال کا اعجاز

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تبلیغ جس قدر وسیع اور عمومی تھی اتنی آپ کی ذات کامل و اکمل۔ تمام اوصاف حمیدہ۔ اور اخلاق عالیہ کی جامع تھی۔ آپ کے تمام محاسنِ اخلاق۔ جود و سخا۔ حسنِ معاملت۔ و رفق و ملاطفت۔ اور عفو و درگذر اور عدم تشدد کے سیکڑوں واقعات جن کی تفصیل کتب احادیث و سیرت میں بیان کی گئی ہے وہ درحقیقت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ تھا جو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت و مہربانی سے تسخیرِ قلوب ہی کے لئے عطا فرمایا تھا۔ قرآن پاک نے اس نکتہ کو خود بیان کیا ہے۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (پارہ ع۴ آل عمران رکوع ۷)

پس اللہ کی رحمت سے تو اُن کے لئے نرم ہے اور اگر آپؐ غصّے والے سخت دل ہوتے۔ تو لوگ آپؐ کے گرد جمع نہ ہوتے۔

آپ کے امتیاز و شناخت کا ذریعہ آپؐ کی معصوم شکل و صورت تھی۔ دراصل چہرۂ مقدس اس حقیقت کا شفاف آئینہ تھا۔ آپؐ کی ایک ایک ادا صداقت و معصومیت کی پیکر تھی۔ آپؐ کی شکل مبارک نہایت پُر جلال تھی۔ چہرۂ مطہر پُر نور تھا۔ آواز موقر اور پُر رعب تھی۔ یہ سب معجزانہ کشش تھی جو لوگوں کے دلوں کو کھینچ کھینچ کر دائرۂ اسلام میں داخل کر لیتی تھی۔ حضرت عبداللہ بن سلامؓ یہودیوں کے مشہور ترین چوٹی کے سردار ابن سرار دلم عالم جن کی سیادت و قیادت آبا و اجداد سے چلی آ رہی تھی ان کا خاندان اور گھرانہ علم و فضل میں ممتاز اور ان کی پیشوائی مسلّم تھی۔ یہ عبداللہ بن سلام یہودی عالم جب مدینہ منورہ میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو آپؐ کی گفتگو کو سن کر اور چہرۂ مبارک کو دیکھ کر اتنے متاثر ہوئے کہ ایمان لے آئے اور بے اختیار بول اُٹھے۔

وجہہ لیس بوجہ کذاب (ترمذی ص۲۰۹) (جھوٹے آدمی کا ایسا چہرہ نہیں ہو سکتا)۔

اور چہرۂ مبارک کی یہی کشش تھی جس کا اظہار حجۃ الوداع میں اعراب بادیہ کی زبان سے ان الفاظ میں ہوا تھا۔

هٰذَا وَجْهٌ مُّبَارَكٌ (ابوداؤد ص۱۴۲) (یہ مبارک چہرہ ہے)

آپؐ کی حسنِ صورت اور حسنِ سیرت کا مجموعہ گفتار کے وہ موتی تھے جو آپ کی زبان پاک سے پُراثر اور پُرکشش انداز سے نکلتے تھے۔ آپ کی دعوت کی صداقت سے لبریز تقریر و تبلیغ کا ایک ایک حرف دل میں اترتا جاتا اور نبوت کے اصلی مشن کا حقیقی معیار سامع کے سامنے بالکل صاف روشن ہو جاتا تھا۔

دعوت الی التوحید کا احسن طریقہ بہترین انداز

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ (پارہ ۱۴ النحل رکوع ۱۶)
دعوت دے بلا خدا کی توحید کی طرف حکمت یعنی دانائی اور عمدہ نصیحت کے ساتھ

وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ ○
اور جھگڑ اُن سے اچھے طریقہ سے

قرآن مجید جو ہدایتِ آسمانی کا آخری صحیفہ ہے جس میں اسلام دینِ حق کی مکمل تشریح ہے۔ مذہب اسلام کے اہم ترین فریضہ دعوت و تبلیغ کا نہایت ضروری اور لازمی اصول بخطاب سید المرسلین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام مبلغین توحید کو نہایت اختصار لیکن پوری تشریح و تصریح کے ساتھ یہ بتادیا ہے کہ پیغام الٰہی کو کس طرح لوگوں تک پہنچایا جائے۔ اور ان کو قبولِ حق کی دعوت کس طرح دی جائے۔

آیت بالا میں تبلیغ و دعوت کے تین اصول' طریقے' یا انداز بتائے گئے ہیں۔

(۱) دانش و حکمت (۲) عمدہ نصیحت (۳) جدال و مناظرہ۔

مطلب یہ ہے کہ دینِ حق کی دعوت توحید کے بیان میں اپنے مدعا دعویٰ توحید کو علم و حکمت کی روشنی میں محکم ٹھوس عقلی دلائل سے ثابت کیا جائے ۲؎ نہایت دل پذیر اور

دل نشین طریقے اور پورے مؤثرانہ انداز اور مخلصانہ نصیحت کے پیرایہ میں اپنے مدّعا دعویٰ توحید کے ماننے پر انجام خیر کی خوشخبری اور انعام الٰہی کی رحمتوں کی بارش، اور اس کے نہ ماننے کے انجام بد اور اس پر عذاب جہنم کی دعیدات اور اس کے درد انگیز اور ہیبت ناک مناظر کا بیان کیا جائے۔ ۳؎ توحید کے منکروں اور مخالفوں کی احمقانہ اور جاہلانہ مشرکانہ دلیلوں کو بڑی تحمّل مزاجی، بردباری اور مناسب و احسن طریقہ سے رد کر کے ان کی غلطی اور بطلان کو ان پر واضح کیا جائے۔

قرآن پاک نے اس مختصر مگر جامع اصولِ تبلیغ کی اس قدر واضح تشریح کی کہ متعدد آیات اس کی توضیح پر شاہد ہیں۔ اور قرآن نے پوری طرح اس ضرورت اور حقیقت پر زور دیا ہے کہ داعیِ توحید ہمیشہ حکیمانہ استدلال وعظ و نصیحت کا عمدہ انداز اور جدال کے احسن طریقہ سے نرمی اور خیر خواہی کی باتیں کرے اس لئے کہ سختی اور شدّت کا طریق دوسرے کے دل میں بجائے محبت کے نفرت اور عداوت کے جذبات پیدا کرتا ہے اور کیسی ہی اچھی اور سچی بات ہی کیوں نہ ہو۔ اس قسم کے جذبات اس کے قبول کرنے کے راستہ میں رکاوٹ کا باعث بن جاتے ہیں اور اس کی فطری صلاحیت و استعداد اس سے سلب ہو جانے کا سبب بن سکتے ہیں۔ اور سننے والے میں اپنی غلطی پر ضد اور ہٹ پیدا کرنے کا ذریعہ ہوتے ہیں جس سے دعوت و تبلیغ کا فائدہ اور نصیحت کا اثر باطل ہو کر رہ جاتا ہے۔ اسی لئے خداوند قدوس اپنی توحید کے مبلغین انبیاء و مرسلین علیہم السلام کو اس اصول کی رعایت اور اس کی پابندی کا خاص طور پر تاکیدی ارشاد فرماتے ہیں کہ سخت سے سخت مخالف سے مخالف دشمن کو نرم لہجہ میں پیغام پہنچانا تاکہ تمہاری نرمی کی باتیں اس کے غرور و تکبر کے مقابلہ میں نصیحت کا سبب اور حجتِ کاملہ ہوں۔ جیسا کہ حضرت سیدنا موسیٰ ؑ اور ہارون ؑ علیہما السلام کو فرعون جیسے ظالم و متکبر و سرکش کے سامنے پیغام ربانی لیکر جانے اور اس کی تبلیغ و دعوت کا حکم ہوتا ہے تو ساتھ ہی ارشاد خداوندی ہوتا ہے

اِذْهَبَآ اِلٰى فِرْعَوْنَ اِنَّهٗ طَغٰى فَقُوْلَا لَهٗ قَوْلًا لَّيِّنًا لَّعَلَّهٗ يَتَذَكَّرُ اَوْ يَخْشٰى (پ ۱۶ طٰہٰ ع ۲)

تم دونوں فرعون کے پاس جاؤ وہ بڑا سرکش ہے پس اس سے نرم لہجہ میں بات کرنا شاید

وہ نصیحت قبول کرے یا خدا سے ڈرے۔

اللہ تعالیٰ کے ازلی اور لامحدود اور یقینی علم میں فرعون ہدایت یافتہ نہیں تھا مگر سیدنا موسیٰؑ و ہارونؑ کے محدود اور عدم علم کی بنا پر اور تبلیغ و دعوت کے اصول و طریقہ کی اہمیت اور اس کی یکسانیت و مساوات کی خاطر حکم ہوا کہ اسبابِ تبلیغ میں کوئی تفاوت نہیں ہونا چاہئے بلکہ سختی کے مقابلہ میں اس سے زیادہ نرمی کا طریقہ اختیار کیا جائے تاکہ دعوت و تبلیغ اور اتمام حجت میں کوئی کمی نہ رہے۔

دعوت و تبلیغ میں رفق و نرمی اور لطف و تحمل کی تعلیم کی مثال اس سے بہتر نہیں ہو سکتی کہ کوئی داعی و مبلغ اور واعظ و ناصح پیغمبروں سے بہتر ہو سکتا ہے اور نہ فرعون سے بڑھ کر کوئی مجرم و سرکش ہو سکتا ہے پھر ایسے مجرم و متکبر کے سامنے اس لطف و نرمی سے وعظ و نصیحت کی تعلیم اور حکم جب پیغمبروں کو ہوتا ہے تو عام داعیوں مبلغوں اور واعظوں کو عام مخالفوں، مجرموں، اور سرکشوں متکبروں کے ساتھ بدرجہا زیادہ نرمی اور رفق و ملاطفت سے اپنا فرضِ تبلیغ ادا کرنا چاہیئے

غلط فہمی کا ازالہ

تشدد یا مداہنت

اگرچہ اس اصول تبلیغ کی اس مختصر سی تشریح میں یہ بات بالکل واضح ہے کہ دعوائے توحید کو صاف اور واضح طور پر بیان کرے مگر طریقہ حکیمانہ، نصیحانہ، نرمانہ اور ہمدردانہ ہو مگر کئی حضرات خالص توحید کے صاف اور کھلے بیان کو "تشدد" اور توحید و شرک کے ملے جلے گول مول بیان اور مداہنت کو اصل "تبلیغ حق" سمجھتے ہیں اور اس پر انہی آیات سے عموماً استدلال پیش فرماتے ہیں کہ تبلیغ بڑی حکمت اور نرمی سے کرنی چاہیے یکدم سر میں لاٹھی نہیں مارنی چاہیئے وغیرہا من الخرافات

اس کے متعلق مختصراً عرض ہے کہ اگر حکمت و موعظت اور نرمی کا یہ مقصد ہے کہ

ایک ہی بار صاف اور کھلی بات نہ کہو جس سے سامعین ناراض اور مخالف ہو جائیں، بلکہ آہستہ آہستہ اس انداز سے وعظ کریں کہ سامعین پوری طرح اصل مدعا کو نہ سمجھ سکیں یعنی دودھ میں پانی زیادہ نہ ڈالیں جس سے دودھ زیادہ پتلا ہو۔ پانی دودھ میں الگ نظر آئے۔ بلکہ تھوڑی مقدار میں ڈالیں تاکہ دودھ میں پانی کا پتہ نہ لگے۔ تو یہ مفہوم حکمت و نرمی کا بالکل غلط ہے۔ اور سراسر کتاب اللہ کے خلاف ہے اور نری گمراہی ہے

کیونکہ انبیاء علیہم السلام کی پاکیزہ زندگی اور ان کی ابتدائی دعوت و تبلیغ کے کلمات سے ہی بات صاف ہو جاتی ہے اور دو گروہ اور جماعتیں الگ الگ ہو جاتی ہیں۔

مثلاً تمام انبیاء علیہم السلام کی تبلیغ کا پہلا کلمہ

اُعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ

ایک اللہ کو پکارو اس کے سوا کوئی حاجت روا نہیں۔

کتنا واضح اور کھلا اور صاف اعلان ہے یہ پیغام سنتے ہی دو جماعتیں ہو جاتی ہیں جن کا آپس میں نزاع اور جھگڑا ہو جاتا ہے۔

فَاِذَا هُمْ فَرِيْقَانِ يَخْتَصِمُوْنَ ○ (پارہ ۱۹ آخری رکوع)

پس اسی وقت دو گروہ بن کر جھگڑا کرتے تھے۔

بالحکمۃ، والموعظۃ الحسنۃ۔ حکمت اور نرمی وغیرہ سے مسئلہ توحید کو نرم اور ڈھیلا کرنا قطعاً مقصود نہیں۔ بلکہ مقصود طرز بیان لب و لہجہ اور طریقۂ بیان میں نرمی اور حکیمانہ استدلال مراد ہے۔ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ دعوتِ حق کے مقابلہ میں مخالفین کتنے بھی اوچھے ہتھیاروں پر اتر آئیں، تو مبلغینِ توحید کا کام ان کے مقابلہ میں ان جیسا رویہ اور ان کی طرح طرز تکلم نہیں بلکہ پہلے سے بھی زیادہ ان کے جاہلانہ مقابلہ کی بدمزگی کو یکسر بھول کر مسئلۂ توحید اور زیادہ واضح انداز میں دلائل و حکمت اور نصیحت و موعظت کے پیرایہ میں اور ہمدردی و خیر خواہی کے جذبہ میں نرمی اور محبت سے بیان کریں۔ خود اس کی وضاحت قرآن پاک نے صاف لفظوں میں تصریح فرمائی ہے۔ چنانچہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مخالفین و منافقین کے بارے میں جو آپ کی نافرمانی اور گستاخی کے جرم کے

مرتکب ہوتے ہیں۔ ارشادِ باری ہوتا ہے

فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِيْغًا ۝ (پ۵ نساء ع)

اے محبوب! تو اُن سے درگذر کر اور ان کو نصیحت کر اور ان کے حق میں ان کے فائدہ کی بات صاف کہہ۔

اس حکم خداوندی میں بھی تین ہدایتوں کی تعلیم دی گئی ہے

اوّل یہ کہ دعوت و تبلیغ میں مخالف کی بدسلیقگی اور بدتہذیبی اور درشتی دشنام طرازی سے درگزر کرکے ان کو برداشت کرنا چاہیئے۔

دوسری یہ کہ نصیحت و موعظت کرنا اور ان کو سمجھانے کے عمل کو روکنا اور چھوڑنا نہیں چاہیئے بلکہ وعظ و نصیحت اور خیر خواہی و ہمدردی کا سلسلہ برابر جاری رکھنا چاہیئے

تیسری مسئلہ کی بات کسی لاگ لپٹ کے بغیر صاف اور واضح طور پہ مؤثرانہ طرز و انداز اور ایسا طریقہ گفتگو اختیار کرنا چاہیئے جو دل میں گھر کرے۔

دعوۃ بالقرآن

فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ ۔ حکمت و موعظت اور قولِ بلیغ۔ اسلامی عقائد اور خصوصًا توحید کی نشر و اشاعت کا سب سے مقدم اور اصلی سبب معجزۂ قرآنی تھا اسی میں حکمت کے موتی اور نصیحت کے جواہرات ہیں۔ اور بات کا نہایت صاف اور واضح انداز بلکہ قولِ فیصل ہے۔ حقیقت میں اسلامی تبلیغ کا درسِ اولین قرآن اور صرف قرآن ہے۔

قرآن پاک صداقتِ اسلام توحید کے دعویٰ اور دلیل دونوں کا مجموعہ ہے۔ اور قرآن ہی مذہب حق کا صحیفہ ہے۔ خود سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے مبلغ صحابہؓ تبلیغی بھائی بھی دعوت و تبلیغ میں صرف قرآن کی سورتیں اور آیات پڑھ کر سناتے

تھے۔ اور جہاں ان کو اس کا موقع مِل جاتا وہاں اس کی تاثیر اپنا کام کر جاتی تھی۔
یہ فرض خود قرآن نے اپنا آپ قرار دیا تھا۔ اس کی تبلیغ کے لئے جہاد کی ضرورت تھی۔ مگر اس جہاد کا ہتھیار لوہے کی تلوار نہیں۔ بلکہ قرآن کی تلوار تھی جس کی ضرب نہایت کامیاب تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی تلوار سے جہاد کا حکم دیا۔ ارشاد فرمایا

فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِيْنَ وَجَاهِدْهُمْ بِهٖ جِهَادًا كَبِيْرًا ○ (پارۂ ۱۹ رکوع ۴)
کافروں کی بات نہ مان اور اس قرآن کے ساتھ ان کے ساتھ بڑے زور سے جہاد کر
یہی وجہ ہے کہ اسلام نے مذہب کی اشاعت کیلئے زبردستی اور جبر کرنا ناپسند فرمایا ہے۔ بلکہ قرآن پاک میں اس کا فلسفہ بتایا کہ دین و مذہب زبردستی کی چیز نہیں۔ اسلام میں دین و مذہب کا پہلا اور اہم جزو ایمان ہے اور ایمان یقین کی عبارت کا نام ہے۔ جو لوحِ قلب پر لکھی جاتی ہے کَتَبَ فِیْ قُلُوْبِهِمُ الْاِيْمَانَ (قرآن)
اور دنیا کی کوئی طاقت کسی کے دل میں یقین کا ایک ذرّہ بھی بزور پیدا نہیں کر سکتی۔ بلکہ جبر و اکراہ کی تیز سے تیز تلوار کی نوک بھی کسی لوح دل پر یقین کا کوئی حرف نقش نہیں کر سکتی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

لَا اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ○ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ (قرآن پارہ ۳ رکوع ۲)
دین میں کوئی زبردستی نہیں۔ ہدایت گمراہی سے صاف الگ ہو چکی ہے۔
قرآن مجید میں ایک آیت بھی ایسی نہیں ملے گی جس میں کسی کافر کو زبردستی مسلمان بنانے کا حکم ہو۔ بلکہ اگر ہے تو یہ ہے

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ ○ (پارہ ۱۰ توبہ ع ۱)
اور اگر کوئی مشرک تجھ سے پناہ کا طالب ہو، تو اس کو پناہ دے۔ یہاں تک کہ وہ خدا کا کلام سُن لے۔ پھر اس کو اس کی امن کی جگہ پر پہنچا دو۔ کیونکہ یہ بے علم لوگ ہیں۔
قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ جب تک وہ مشرک مسلمان نہ ہو جائے

اس کو پناہ نہ دو بلکہ یہ فرمایا کہ اس کو پناہ دے کر اس کی جائے امن تک پہنچا دیا جائے اور اس کو کلام اللہ قرآن پاک سنایا جائے تاکہ اس کو غور و فکر کرنے کا موقع ملے۔

ظاہر ہے کہ جو مشرک اس طرح مسلمان ہوگا اس کے تبدیلِ مذہب کا محرک تلوار کے بجائے پیامِ حق اور اس کی حقانیت و صداقت ہوگی۔ یہ حقیقت قیامت تک اسی طرح رہیگی کہ قتال اور جہاد فی سبیل اللہ حق کی حمایت اور باطل کی شکست، مظلوموں کی امداد، جلاوطنوں کے حق دلانے اور مذہب و عقیدہ توحید کی آزادی حاصل کرنے کیلئے تھا اور دین اسلام مذہب حق خالص توحید کی اشاعت کا سلسلہ تبلیغ قرآن تھا۔ صدیوں سے اس حقیقت کی صدا ہر در و دیوار سے گونجتی ہوئی کانوں میں آج بھی سنائی دے رہی ہے کہ توحید اور شرک دو میں سے کسی ایک کو اختیار کرنے پر کوئی زبردستی نہیں ہے۔ عقل و بصیرت والے اسے خود قبول کریں گے اور ضدی و نالائق اس سے محروم رہیںگے۔ یہ اس عظیم الشان حقیقت کا اظہار بصورت تلقین آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ مقدس سے اعلان عام ہے۔

ارشادِ ربانی ہے۔

وَقُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ (پارہ ۱۵ کہف ع ۴)

اور کہہ دیجئے کہ حق بات تمہارے رب کی طرف سے ہے۔ پس جو چاہے قبول کرے اور جو چاہے انکار کرے۔

کیونکہ قرآن پاک میں عقائد توحید۔ رسالت۔ قیامت، جزا و سزا، اور اعمال و عبادات نماز، روزہ حج زکوٰۃ۔ اخلاق و معاملات وغیرہ کی تعلیم و تلقین کرتے وقت ان کی صداقت کی عقلی دلیلیں پیش کیں اور ہر مسئلہ کی مصلحتیں اور حکمتیں علی الاعلان ظاہر کی ہیں خصوصاً توحید کیلئے صرف دعوت و تبلیغ کا راستہ بتایا ہے۔ قرآن پاک کے اوراق میں جابجا توحید الٰہی کے اثبات اور شرک کی نفی پر عقلی استدلال اور مصلحانہ اور حکیمانہ انداز اختیار فرماکر عقل و بصیرت اور فہم و تدبر کا لوگوں سے مطالبہ کیا۔ اور بڑے زوردار لہجہ میں ببانگ دہل اس اعلان کا اظہار فرمایا

هٰذَا بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ (پ ۲۵ جاثیہ ع ۲) قرآنی دلائل لوگوں کیلئے بصیرتیں ہیں۔)

هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ (پ۹ اعراف ع۲۴)
قرآن تمہارے پروردگار کی طرف سے روشن دلائل ہیں
اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا (پ۲۶ محمد ع۳)
قرآن میں غور کیوں نہیں کرتے کیا ان کے دلوں پر تالے ہیں؟
تَبْصِرَةً وَّذِكْرٰى لِكُلِّ عَبْدٍ مُّنِيْبٍ ○ (پ۲۶ قٓ ع۱)
قرآن بصیرت اور نصیحت ہے ہر منیب رجوع کرنے والے بندے کے لئے۔
اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَذِكْرٰى لِمَنْ كَانَ لَهٗ قَلْبٌ اَوْ اَلْقَى السَّمْعَ وَهُوَ شَهِيْدٌ ○ (پ۲۶ قٓ ع۳)
قرآن میں سوچنے کا مقام ہے اس کے لئے جس کے اندر دل ہے یا دل لگا کر سُنے۔
وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ○ (پ۲۲ یٰسٓ ع۱)
قسم ہے قرآن حکمت والے کی۔
تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ○ (پ۱۱ یونس ع۱ و پ۲۱ لقمان ع۱)
یہ آیتیں قرآن حکمت والی کتاب کی ہیں۔
كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اللّٰهَ (پ۱۱ ہود ع۱)

یہ کتاب قرآن کی آیتیں حکمت سے بھری ہوئی ہیں۔ پھر حکیم وخبیر کی طرف سے کھول کر بیان کی گئی ہیں کہ اللہ کے سوا کسی کو نہ پکارو

سورۂ ہود کی پہلی آیت میں قرآن کریم کی کتنی عظمت بیان کی گئی ہے کہ وہ عظیم الشان اور جلیل القدر کتاب ہے جس کی آیتیں لفظی ومعنوی ہر حیثیت سے سولہ آنے جچی تلی ہیں نہ ان میں تناقض ہے نہ ہی کوئی مضمون حکمت یا واقع کے خلاف ہے باعتبار معجزانہ فصاحت وبلاغت کے ایک حرف پر نکتہ چینی نہیں ہوسکتی جس مضمون کو جس عبارت میں ادا کیا ہے محال ہے کہ اس سے بہتر تعبیر ہو سکے الفاظ کی قبا معانی کی قامت پر ذرا بھی نہ ڈھیلی ہے نہ تنگ۔ جن اصول وفروع، اخلاق واعمال اور قیمتی پند ونصیحت پر یہ آیات مشتمل ہیں اور جو دلائل وبراہین اثبات دعاوی کے لئے استعمال کی گئی ہیں وہ سب علم وحکمت

کے ترازو میں تلی ہوئی ہیں۔ قرآنی حقائق و دلائل ایسے مضبوط و محکم ہیں کہ زمانہ کتنی پلٹیاں کھائے ان کے بدلتے یا غلط ہونے کا قطعاً کوئی امکان نہیں۔ عالم کے مزاج کی پوری تشخیص کے مطابق قیامت تک کے لئے ہدایت کی ایسی معتدل اور ابدی غذائے روح مائدۂ قرآنی نازل فرمائی۔ جو تناول کرنے والوں کے لئے ہر وقت اور ہر حالت میں مناسب و ملائم ہو ان تمام حکیمانہ خوبیوں کے باوجود یہ نہیں کہ اجمال وابہام کی وجہ سے کتاب معمّہ اور چیستان بن کر رہ جاتی بلکہ معاش و معاد کی تمام مہمّات کو خوب کھول کر سمجھایا ہے اور موقعہ موقعہ دلائل توحید، احکام، مواعظ، قصص ہر چیز بڑی خوبصورتی اور نہایت قرینہ سے الگ الگ رکھی ہے۔ اور تمام ضروریات کا کافی تفصیل سے بیان ہوا ہے۔ یہ حکمتیں اور خوبیاں اگر حکیم مطلق اور خبیر برحق کے کلام میں جمع نہ ہوں گی تو اور کس کلام میں توقع کی جا سکتی ہے۔ اس کی مثل ایک جملہ بھی غیر اللہ سے ناممکن اور اصلاً محال ہے۔

آیت کے ساتھ ہی فرمادیا اَنْ لَا تَعْبُدُوْٓا اِلَّا اللّٰهَ کہ اس محکم و مفصل کتاب کے نازل کرنے کا حقیقی اور سب سے بڑا مقصد یہ ہے کہ دنیا کو خالص توحید الٰہی کی طرف دعوت دی جائے اسی عظیم و جلیل مقصد کے لئے پہلے انبیاء علیہم السلام تشریف لائے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن مجید نے توحید پر دلائل کا عجیب و غریب جو رنگ جمایا ہے ہر پڑھنے اور سننے والے پر لذت اور پُر لطف کیف کا ایک سماں سا بندھ جاتا ہے اسی لئے ارشاد فرمایا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ عَلٰی عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ یَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ۝ قَیِّمًا لِّیُنْذِرَ بَاْسًا شَدِیْدًا مِّنْ لَّدُنْهُ وَیُبَشِّرَ الْمُؤْمِنِیْنَ ۝ (پ۱۵ کہف ع۱)

سب تعریف اللہ کی جس نے اپنے بندے پر کتاب نازل کی اور نہ رکھی اس میں کچھ کجی۔ ٹھیک اتاری تاکہ اللہ کے عذاب سے ڈراوے اور مؤمنوں کو خوشخبری سنا دے۔

قرآن پاک ساتھ خود ہی وضاحت کرتا ہے کہ کن کو خدا کے عذاب سے ڈراتا ہے۔ فرمایا

وَّیُنْذِرَ الَّذِیْنَ قَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۝ (ر)

خدا کے عذاب سے ان مشرک لوگوں کو ڈراوے جنہوں نے اللہ کے نائب بنا رکھے ہیں۔

قرآن کریم تمام عالم کے لئے خدا کی رحمت کا پیام عمومی ہے اور یہی اس کے نازل ہونے کی

غرض و غایت ہے۔ فرمایا

تَبَارَكَ الَّذِيْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا ○ (پ ۱۹ فرقان ع ۱)

اللہ بہت برکت والا ہے جس نے اتاری حق و باطل میں فرق کرنے والی کتاب اپنے بندے پر تاکہ وہ تمام دنیا جہان والوں کو خبردار کر دے بتا دے۔

توحید الٰہی کو کھول کھول کر دلائل کی روشنی میں بیان کرنے والی کتاب صرف قرآن ہے اور تبلیغی مشن کا مکمل و مدلل نصاب یہی قرآن ہے۔

هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○ (پارہ ۱۳ ابراھیم ع ۷)

یہ قرآن ہی لوگوں کے لئے تبلیغ کا پیغام ہے تاکہ اسی سے ان کو سمجھایا جائے۔ اور تاکہ یقین کریں کہ کارساز صرف وہ ایک ہی ہے اور عقل والوں کیلئے نصیحت ہے

یہی وجہ ہے کہ سید المرسلین حضرت جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ ○ (پ ۲۶ قٓ ع ۳)

پس تو سمجھا قرآن سے اس کو جو ڈرے میرے ڈرانے سے۔

یہ داستان بڑی طویل اور پُر لطف ہے یہی قرآن دعوت و تبلیغ کی وُہ زبردست طاقت اور داعیٔ توحید حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے جان نثار صحابہ کرام مبلغین توحید کا وہ اصل ہتھیار تھا کہ جس کی کاٹ نے کبھی خطا نہیں کی۔

تمام بڑے بڑے صحابہ بڑے بڑے رؤسائے قبائل بڑے بڑے مشہور شعراء و خطباء قرآن کو ہی سن کر ایمان لائے۔

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ تعالیٰ عنہ بہت بڑے پایہ کے صحابی اور سابقین اسلام میں ہیں۔ وہ ایک دفعہ خانہ کعبہ کو جا رہے تھے کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے راستہ میں اپنے پاس بٹھا لیا۔ پھر فرمایا کہ۔

ابھی مجھ پہ یہ کلام اترا ہے۔ یہ کہہ کر آپؐ نے یہ آیتیں پڑھیں

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَالْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝ (پ۱۴ نحل ع۱۳)

خدا تعالیٰ انصاف اور احسان اور رشتہ داروں کو دینے کا حکم دیتا ہے۔ اور بے حیائی اور برائی اور ظلم سے منع فرماتا ہے۔ وہ تم کو سمجھاتا ہے تاکہ تم سمجھ جاؤ۔

یہ آیتیں سُن کر ان کے ذہن کی آنکھوں نے اسلام کا جو جلوہ دیکھا اور اس کا جو اثر اُن کے دل پہ ہوا اس کا ذکر وہ خود بیان فرماتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ پہلا موقعہ تھا کہ اسلام نے میرے دل میں گھر کر لیا

اور حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسے جلیل القدر صحابی نے کفر کے زمانہ میں آن حضرت صلی اللہ علیہ سلم کو سورۂ طور پڑھتے سنا جب آپؐ اس آیت پہ پہنچے

أَمْ خُلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُونَ ۝ أَمْ خَلَقُوا السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ ۚ بَل لَّا يُوقِنُونَ ۝ أَمْ عِندَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُونَ ۝ (پ۲۷ طور ع۲)

کیا وہ خود بخود پیدا ہو گئے یا وہ خود خالق ہیں۔ یا آسمان و زمین کو ان لوگوں نے بنایا۔ نہیں۔ بلکہ یقین نہیں کرتے۔ کیا ان کے پاس خدا کے خزانے ہیں کیا یہی لوگ داروغے لگے ہوئے ہیں۔

تو خود حضرت جبیرؓ کا بیان ہے کہ مجھ کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ میرا دل اڑنے لگا ہے (صحیح بخاری کتاب التفسیر ص۲۲۰)

اور طفیل بن عمرو الدوسی مشہور شاعر اور عرب کے شرفا میں سے تھے۔ ہجرت سے پہلے جب وہ مکّہ پہنچے تو لوگوں کو اُن کے آنے کی خبر پہنچی تو لوگ ان کے پاس آئے اور بڑی ہمدردی سے آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کہا کہ ان کے پاس نہ جانا وہ لوگوں پہ جادو کر دیتے ہیں لیکن جب حرم کعبہ میں اتفاقیہ آن حضرتؐ کی زبان مبارک سے قرآن سنا تو ضبط نہ کر سکے اور مسلمان ہو گئے۔

ہجرت سے پہلے جب آن حضرتؐ نے طائف کا سفر کیا اور مشرکین کو توحید کی

دعوت دی تو اگرچہ ادھر سے پتھروں اور ڈھیلوں کا جواب تھا اور پیغمبر اسلام کا مذاق اُڑایا گیا اور نہایت سخت تکلیف اور ایذاء دی گئی تاہم خالد العدوانی رضؓ نے جو طائف کے رہنے والے تھے آپؐ کو بار بار وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ (قسم ہے آسمان کی اور چلنے والے ستارہ کی) سورۂ طارق پڑھتے ہوئے سنا تو وہ اس قدر متاثر ہوئے کہ انہوں نے اسی حالتِ کفر میں پوری سورہ یاد کر لی اور آخر اسلام لائے۔

متعدد ایسے واقعات ہیں۔

حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ جو عرب کے چوٹی کے رؤساء و شرفاء اور نہایت جری اور بہادر اور علم کے ماہر اور بڑے سمجھ دار تھے۔ گھر سے ننگی تلوار لے کر کس ارادہ سے نکلے اور چلے تھے۔ کیا بہن فاطمہؓ بنت الخطاب سے قرآن کی آیتیں سُن کر کانپ نہیں اُٹھے۔ قرآن سنتے ہی غصّہ ٹھنڈا اور سب کفر کا نشہ کافور ہو گیا اور اسلام قبول کر لیا

حضرت اصحمہ نجاشی کس کلام سے متاثر ہو کر پھوٹ پھوٹ کر رویا۔ واقعہ قدرے طویل ہے۔ مختصر الفاظ میں خلاصہ یہ ہے کہ مشرکین مکّہ کے ظلم و ستم سے تنگ آکر صحابہ کرام کی ایک مختصر جماعت نے ملک حبشہ کو ہجرت کی اور مشرکین نے وہاں بھی ان کا پیچھا نہیں چھوڑا اور توحید اور موحدین کے خلاف وہاں حبشہ کے بادشاہ نجاشی کے دربار میں سخت پروپیگنڈا کیا کہ یہ گستاخ اور بے ادب ہیں حضرت عیسیٰ کو بھی نہیں مانتے۔ بلکہ ان کی توہین کرتے ہیں۔ تو بادشاہ نے بلایا۔ اور عقیدہ دریافت کیا۔ اس پر دربار میں حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ نے سورۂ مریم کی آیات پڑھیں۔ بادشاہ نجاشی قرآن سن کر بے انتہاء متاثر ہوا اور بے اختیار رو پڑا اور کہنے لگا خدا کی قسم یہ کلام اور انجیل ایک ہی چشمہ سے نکلے ہیں۔ اور زمین سے ایک تنکا اٹھا کر اس نے صاف اعلان کر کے کہا کہ خدا کی قسم جو کچھ عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ قرآن نے بیان کیا ایک تنکے جتنا بھی اس سے زیادہ نہیں ہے

انجام کار ملک حبشہ میں جب چرچا ہوا تو عیسائیوں کا ایک وفد تقریباً ستر آدمی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے اور قرآن کریم کے سماع سے لذت اندوز ہوئے اور کلام الٰہی سُن کر زار و قطار رونے لگے آنکھوں میں آنسو تھے اور

زبان پر " رَبَّنَا اٰمَنَّا " کے کلمات جاری تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے حیرت انگیز تاثر اور گریہ و بکا، اور شرک کو چھوڑ کر توحید کو قبول کرنے کی تبدیلیِ مذہب کا ذکر اس طرح شاندار الفاظ میں فرمایا گویا قیامت تک آنے والے انسانوں کو ان کے خراجِ تحسین کے مبارک مژدہ اور خوشخبری کے انداز میں بیان فرماتے ہیں۔

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ۝ (پ ع ۱)

جب سنتے ہیں قرآن کو جو رسول پر اُترا تو دیکھے تو اُن کی آنکھوں کو ابلتی ہیں آنسوؤں سے اس وجہ سے کہ انہوں نے حق بات کو پہچان لیا۔ کہتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہم ایمان لائے ہمیں ایمان والوں میں لکھ۔

کتبِ احادیث وسیرت میں سینکڑوں ایسے واقعات ہیں کہ قرآن کا بیان اس قدر دلنشین اور مؤثر تھا کہ دل میں گھر کر جاتا تھا اور رسم وعادات کا بھاری اور جمودی بند بھی اس سیلابِ عظیم کو کسی طرح روک نہیں سکتا تھا۔ جو لوگ ذاتی اغراض اور آباء و اجداد کی مذہبی رسم و رواج اور ضد و عناد کی سخت زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے اور کسی طرح بھی توحید ربانی کو ماننے کیلئے اور شرک کو چھوڑنے کے لئے تیار نہ تھے وہ بھی اس کلام مقدس قرآن کے بیان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے اور بے اختیار بول اٹھتے کہ اس میں زبردست کشش ہے جو اپنی طرف کھینچ لیتی ہے اسی کو دوسرے عام لوگ جادوگری سے تعبیر کرتے۔

رئیس المشرکین عتبہ جو قریشِ مکہ کا سردار اور علوم عرب کا ماہر تھا تمام قبیلوں کے مشورہ سے ان کے نمائندہ کی حیثیت سے جب آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہنے لگا کہ محمدؐ تم اس توحید کی دعوت سے باز آجاؤ ہم تمہارے لئے سب کچھ مہیا کر دیتے ہیں۔ آپؐ نے قرآن کی حٰمٓ سجدہ کی شروع کی آیتیں پڑھیں۔ جب اس آیت پر پہنچے۔ فَاِنْ اَعْرَضُوْا فَقُلْ اَنْذَرْتُكُمْ صٰعِقَةً مِّثْلَ صٰعِقَةِ عَادٍ وَّثَمُوْدَ (پ حٰم سجدہ ع ۱)

پس اگر وہ توحید کو نہ مانیں تو صاف کہہ دو کہ میں تم کو اس کڑک سے ڈراتا ہوں جو عاد

و ثمود کی کڑک کی طرح ہے

تو عتبہ نے بے تاب ہو کر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور کہا خدا کیلئے بس کر۔ تجھے قرابت کی قسم دلاتا ہوں۔ پھر واپس جاکر قریش میں صاف طور پر سیدھے سادھے الفاظ میں کہہ دیا کہ محمدؐ جو کلام "قرآن" پیش کرتے ہیں وہ نہ تو شعر ہے، اور نہ جادو اور نہ ہی کہانت ہے۔

اور ولید بن مغیرہ (یہ اسلام کے مشہور جرنیل سیف اللہ حضرت خالدؓ بن ولید کا باپ تھا) اور عرب کا مانا ہوا آدمی تھا۔ لوگوں میں بڑا رعب اور بڑی شہرت تھی غرضیکہ قریش کا چوٹی کا آدمی تھا اور توحیدِ الٰہی کی وجہ سے آں حضرتؐ کا بہت بڑا دشمن تھا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک دفعہ حاضر ہوا اور آپؐ نے پارہ ۱۴ سورۃ نحل کی یہ آیات پڑھیں

اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِیْتَاۗءِ ذِی الْقُرْبٰی وَیَنْھٰی عَنِ الْفَحْشَاۗءِ وَالْمُنْکَرِ

کہ اللہ تعالیٰ انصاف و احسان کا اور رشتہ داروں سے بھلائی کا حکم دیتا ہے اور بےحیائی اور بُرے کاموں سے روکتا ہے۔

تو ولید نے کہا: پھر پڑھنا! آپؐ نے دوبارہ پڑھا۔ سن کر جب واپس قریش کے پاس پہنچا تو اُن سے کہنے لگا کہ جو کلام محمدؐ سے میں سُن کر آیا ہوں وہ انسان کا کلام نہیں ہے۔

حضرت ابوذرؓ نے اسلام لانے سے پہلے اپنے بھائی انیس کو جو شعرائے عرب میں مشہور شاعر تھا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں تحقیقِ حال کیلئے بھیجا تھا۔ اس نے خدمتِ اقدس میں حاضر ہو کر قرآن سُنا تو جاکر اپنے بھائی حضرت ابوذرؓ سے کہا کہ لوگ ان کو کاہن اور شاعر وغیرہ کہتے ہیں لیکن میں شاعروں اور کاہنوں دونوں کے کلام سے واقف ہوں۔ اِن کا کلام دونوں سے بالکل الگ ہے۔

انیس کے بعد حضرت ابوذرؓ خود آں حضرتؐ کی خدمت میں گئے اور واپس آئے تو اُن کا آدھا قبیلہ اسی وقت مسلمان ہو گیا (صحیح مسلم فضائل ابی ذرؓ)
بہت سے ایسے واقعات آپ کو ملیں گے۔ اس بات کو ایک ہی واقعہ پیش کر کے

ختم کیا جاتا ہے کہ جو لوگ توحید کے مبلغ اور داعی بنا کر بھیجے جاتے ان کو قرآن ہی یاد کرایا جاتا۔ اور وہ جہاں بھی جاتے یہی کارگر آلہ تسخیر لے کر جاتے۔ کیونکہ بچوں سے لیکر بوڑھوں تک مَردوں سے لیکر عورتوں تک کے دلوں کو کھینچنے کی کشش قرآن سے زیادہ کسی کلام میں نہیں ہے جیسا کہ

حضرت سیدنا صدیق اکبرؓ کو قیام مکہ کے زمانہ میں بعض مشرکین نے اپنی پناہ میں لے رکھا تھا۔ اسی زمانہ میں ابوبکرؓ صدیق نے ایک مسجد بنوالی تھی اور اس میں نماز پڑھا کرتے تھے لیکن نماز میں قرآن بلند آواز سے پڑھتے تھے جس کو سُن کر محلہ کے نوجوان اور عورتیں جمع ہو جاتیں اور قرآن سنتیں۔ تو اُن کا دل خود بخود توحید کی طرف کھنچتا چنانچہ اسی بنا پر کفار نے حضرت ابوبکر صدیق رضؓ سے شکایت کی کہ قرآن پکار کر زور کی آواز میں نہ پڑھا کریں۔ اس سے ہمارے بچے اور عورتیں مفتون یعنی توحید کی طرف مائل ہوتی ہیں (صحیح البخاری ذکر الہجرۃ)

قرآن کی فصاحت و بلاغت

ہو سکتا ہے کہ قرآن مجید کی حیرت انگیز فصاحت و بلاغت سے یہ سمجھ لیا جائے کہ اہل عرب کا اس سے متاثر ہونا سب اسی کا کرشمہ ہے۔ کیونکہ عرب میں شعر و شاعری اور خطابت کا عام چرچا تھا اور قرآن کے مقابلہ میں کسی شاعر و خطیب کا کلام ایسا فصیح و بلیغ نہیں تھا **مگر** اصل حقیقت یہ ہے کہ قرآن پوری دنیا کیلئے ہدایت و راہنمائی کا پیغام تھا۔ اس لئے بلاشبہ ماننا ہوگا کہ قرآن مجید جہاں فصاحت و بلاغت عبارت و انشاء اور ترکیب الفاظ میں معجز ہے اور اپنا جواب نہیں رکھتا اس سے کہیں زیادہ مضامین اور معانی و مطالب میں، واقعات ماضیہ و آتیہ کی صداقت میں، امثال و مواعظ کی اثر انگیزی میں، دلائل و براہین کی جامعیت اور معقولیت میں معجز ہے۔ اور یہی اعجاز قرآنی تاثیر قلوب کا حقیقی سبب تھا۔ جیسا کہ کچھ تفصیل آئندہ اوراق میں آ

رہی ہے۔

قرآن نے ہر مسئلہ کو خصوصاً توحید کو اس طرح صاف اور ٹھوس دلائل سے روزِ روشن سے بھی زیادہ واضح کر کے اس حقیقت کا اظہار فرمادیا کہ۔

لِیَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَیِّنَةٍ وَّیَحْیٰى مَنْ حَیَّ عَنْ بَیِّنَةٍ وَاِنَّ اللّٰهَ لَسَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ○ (پ انفال رکوع ۵)

تو دلیل کی روشنی میں تاکہ جو ہلاک ہو وہ دلیل سے ہلاک ہو اور جو جیتا رہے تو دلیل کی روشنی میں جیئے۔ اور اللہ ہے ہر بات سننے والا اور ہر حال جاننے والا۔

قرآنی دلائل کا امتیاز

مسئلہ توحید (یعنی مسئلۂ الٰہ) کی پوری وضاحت کا اجمالی خاکہ تو کتاب جامع "توحیدِ الٰہ العالمین" میں ملاحظہ فرمائیں۔ یہاں تو صرف دلائل کے خصوصی انداز کی ادنیٰ سی جھلک دکھانا مقصود ہے جو آخرالزمان خاتم النبیین سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کی دعوت و تبلیغ کا خاص طغرۂ امتیاز تھا۔ اور آنحضرتؐ کو اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام میں افضل و اعلیٰ شان والا بنا کر تمام کتب الٰہیہ اور صحف سماویہ میں ممتاز کتاب قرآن عطا فرمائی۔ اس کی آیات بیّنات اور دلائل و براہین کی جامعیت اور معقولیت اور اس سمندر بے کراں کے ولولہ آمیز و حیرت انگیز طرز استدلال کے طوفان کی ایک معمولی سی لہر کا دکھانا مقصود ہے تاکہ آپ حضرات یہ اندازہ لگا سکیں کہ آنحضرتؐ کو دعوت و تبلیغ کیلئے کتنا عظیم سامان دیا گیا کہ جو پھول کی کلیوں سے زیادہ لطیف و نازک اور اثر انگیزی میں تلوار کی دھار سے زیادہ تیز۔ اور حقیقۃً قرآن اپنی اس عظمتِ شان کا پورا پورا مصداق ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے

لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَیْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ [1]

اگر اتارتے ہم اس قرآن کو پہاڑ پر تو دیکھتا تو کہ دبا جاتا پھٹا پڑتا اللہ کے خوف و خشیۃ سے

[1] پارہ ۲۸ سورۃ الحشر ع ۳)

دعوئ توحید پر قرآنی دلائل

① إِنَّ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِّلْمُؤْمِنِينَ ○ وَفِي خَلْقِكُمْ وَمَا يَبُثُّ مِن دَابَّةٍ آيَاتٌ لِّقَوْمٍ يُوقِنُونَ ○ (پارہ ۲۵ جاثیہ ع ۱)

بے شک آسمانوں اور زمین میں ایمان والوں کے لئے بڑی بڑی نشانیاں ہیں اور خود انسانو! تمہاری پیدائش میں اور جو چلنے والے جاندار پھیلائے ہیں ان میں بھی یقین کرنے والوں کے لئے بڑی دلیلیں ہیں۔

② وَفِي الْأَرْضِ آيَاتٌ لِّلْمُوقِنِينَ ○ وَفِي أَنفُسِكُمْ أَفَلَا تُبْصِرُونَ [۱]

اور زمین میں یقین والوں کیلئے بڑی نشانیاں ہیں۔ اور خود تمہاری جانوں کے اندر بھی۔ کیا تم نظر (غور و فکر) نہیں کرتے۔

کائنات کی ہر چیز اپنی خلقت، اپنی محکم روش، اور قانونِ فطرت کی پابندی سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور اس کی قدرتِ کاملہ کے عجائبات کی بے انتہائی کی گواہی دے رہی ہے۔

③ صُنْعَ اللَّهِ الَّذِي أَتْقَنَ كُلَّ شَيْءٍ (پارہ ۲۰ رکوع ۳)

اللہ کی قدرت کی کاری گری ہے جس نے ہر چیز کو ٹھیک بنایا جو چیز بھی بنائی، ہر لحاظ سے بہت بہتر اور اچھی بنائی۔

④ الَّذِي أَحْسَنَ كُلَّ شَيْءٍ خَلَقَهُ (پارہ ۲۱ الم سجدہ رکوع ۱)

اللہ کی ذات نے جو شے بنائی ہے خوب بنائی

⑤ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَآيَاتٍ لِّأُولِي الْأَلْبَابِ [۲] ○

آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور رات اور دن کے بدلنے میں عقلمندوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں۔

⑥ وَمِنْ آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ (پ ۲۴ رکوع ۱۹)

[۱] پارہ ۲۶ ذاریات ع ۱) [۲] پارہ ۴ آل عمران رکوع ۱۹)

اس کی توحید کی نشانیاں ہیں رات اور دن اور سورج اور چاند کے نظام میں سے۔

۷ وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ (پ۲۴ ع۱۹)

اور اسی کی قدرت کی نشانیوں سے ہے کہ زمین خشک پر بارش کر کے پانی برساتا ہے جس سے وہ نرم اور تر ہو جاتی ہے۔

۸ اَلَمْ يَرَوْا اَنَّا جَعَلْنَا الَّيْلَ لِيَسْكُنُوْا فِيْهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (پارہ نمبر۲۰ رکوع ۳)

کیا نہیں سوچتے کہ ہم نے رات کو اُن کے آرام اور دن کو کاروبار کے لئے بنادیا۔ اس بات میں توحید کی کتنی بڑی نشانیاں ہیں ایمان والوں کے لئے

۹ اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِيْ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيْفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ (پارہ ع۲ رکوع ۴)

بیشک آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور دن رات کے الٹ پھیر، اور جہاز جو انسانوں کے فائدے کے لئے سمندر میں چلتے ہیں۔ اور آسمانوں سے پانی برسا کر مُردہ زمین کو زندہ کرنے میں اور زمین میں بہت سے جاندار دں کے پھیلانے میں اور ہواؤں کو مختلف رُخ چلانے میں اور بادلوں کو آسمانوں و زمین کے درمیان حکم میں پابند کرنے میں، یہ سب عقل والوں کے لئے توحید کی بڑی بڑی نشانیاں ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ..... ......فَالِقُ الْاِصْبَاحِ وَجَعَلَ الَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ

مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ
اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ (پ ع)

بیشک اللہ ہی چیرتا ہے دانے اور گٹھلی کو۔ نکالتا ہے زندے کو مُردے سے اور نکالنے والا ہے مُردے کو زندے سے ۔۔ (اسی کے آگے ہے) صبح کو چیرتا ہے اور رات کو آرام کیلئے بناتا ہے۔ چاند اور سورج کا نظام حساب کیلئے بنایا ہے (پھر اسی کے آگے فرمایا) ستاروں کو اندھیرے جنگلوں اور دریاؤں میں راستہ دیکھنے کے لئے بنایا۔ (پھر ارشاد فرمایا) توحید کے سمجھنے کے لئے نشانیاں کھول کھول کر بیان کی گئیں ہیں جاننے والوں کے لئے۔ اور وہی ہے جس نے تم کو شخص واحد سے پیدا کیا۔ پھر تم کو کسی مقام پر ٹھیرنا ہے اور کسی جگہ سپرد ہونا ہے بے شک ہم نے توحید کے سمجھنے کے لئے نشانیاں کھول کھول کر بیان کی ہیں سمجھنے والوں کے لئے۔ اللہ کی ذات نے آسمان سے پانی اتارا۔ فرماتا ہے کہ۔ ہم نے تمام چیزیں اگائیں۔ پھر ہم نے ہی اس سے سبز خوشے نکالے جن سے ہم تہہ بتہہ جُڑے ہوئے دانے نکالتے ہیں۔ اور کھجور کے گابھے میں سے گچھے لٹکتے ہوئے اور انگور اور زیتون اور اناروں کے باغ ہم شکل اور الگ الگ شکل و رنگ والے جب پھلیں تو ان کے پھل اور پکنے کو دیکھو۔ بے شک ان سب نعمتوں میں ایمان والے لوگوں کے لئے توحید کی بہت بڑی دلیلیں ہیں۔

اور اسی طرح پارہ ۱۴ سورۃ النحل کے رکوع ۱، ۲، ۷، ۸، ۹، ۱۰ و ۱۱ میں بہت سی نعمتوں، احسانوں، اور احسانات و عنایات عظیمہ غذاؤں کے علاوہ عام جانوروں تک کا ذکر ہے۔ حتّٰی کہ شہد کی مکھی کیا کھاتی ہے اور اس کے پیٹ میں قدرت نے کیا مشین لگائی ہے کہ اس کے منہ سے شہد نکالتا ہے اس کا بھی ذکر ہے۔

فِيْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لِّقَوْمٍ يَّتَفَكَّرُوْنَ

جس میں لوگوں کے لئے اللہ نے شفا رکھ دی ہے بے شک سمجھنے والوں کے لئے اس میں بھی توحید کی بڑی نشانی اور دلیل ہے۔

جانوروں کے جسموں کے اندر اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے جو عجیب و غریب

نظام بنایا ہے وہ بھی غور کے قابل ہے۔ایک ہی گھاس پھوس کی غذا ان کے پیٹ میں جاتی ہے۔ پھر اسی کا کچھ حصہ لید' گوبر اور کچھ خون اور کچھ دودھ بن جاتا ہے اور موت وگوبر باہر آنے کے راستوں اور سرخ خون کی رگوں کے درمیان سے نہایت شیریں اور لذت دار خالص سفید دودھ کی دھاروں کا نکلنا کتنا عجیب نظارہ ہے۔اور یہ ایک ہی قسم کے پھل ہیں۔انگور کھجوریں وغیرہ اگر ان کو صحیح طرح سے کھائیں تو عقل بڑھاتے ہیں اور دوسری طرح نشہ بنا کر استعمال کریں تو عقل ضائع کر دیتے ہیں۔اسی کے متعلق فرمایا

۱۱ وَاِنَّ لَکُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَۃً نُسْقِیْکُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِہٖ مِنْ بَیْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِلشّٰرِبِیْنَ وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِیْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْہُ سَکَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ (پ۱۴ نحل ع۹)

اور بے شک تمہارے لئے جانوروں میں بڑی عبرت ونصیحت ہے۔ہم ان کے پیٹوں سے گوبر اور خون کے بیچ سے تم کو خالص دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کو بڑا مزہ دیتا ہے۔اور چھوہاروں اور انگوروں کے پھلوں کو دیکھو جن سے تم نشہ اور اچھی روزی حاصل کرتے ہو اس میں بھی عقل والوں کے لئے توحید کی بڑی دلیل ہے۔

۱۲ وَمِنْ اٰیٰتِہٖۤ اَنْ خَلَقَکُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ وَمِنْ اٰیٰتِہٖۤ اَنْ خَلَقَ لَکُمْ مِّنْ اَنْفُسِکُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْکُنُوْۤا اِلَیْھَا وَجَعَلَ بَیْنَکُمْ مَّوَدَّۃً وَّرَحْمَۃً اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ وَمِنْ اٰیٰتِہٖ خَلْقُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافُ اَلْسِنَتِکُمْ وَاَلْوَانِکُمْ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّلْعٰلِمِیْنَ وَمِنْ اٰیٰتِہٖ مَنَامُکُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّھَارِ وَابْتِغَآؤُکُمْ مِّنْ فَضْلِہٖ اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّسْمَعُوْنَ وَمِنْ اٰیٰتِہٖ یُرِیْکُمُ الْبَرْقَ خَوْفًا وَّطَمَعًا وَّیُنَزِّلُ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَیُحْیٖ بِہِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِھَا اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ وَمِنْ اٰیٰتِہٖۤ اَنْ تَقُوْمَ السَّمَآءُ وَالْاَرْضُ بِاَمْرِہٖ (پارہ ۲۱ روم ع۳)

اور اس کی توحید کی نشانیوں میں سے ہے کہ تم کو مٹی سے بنایا۔ پھر تم آدمی ہو کر چلتے پھرتے ہو۔ اور اس کی توحید کی نشانیوں میں سے ہے کہ اس نے تمہاری جنس سے

تمہاری بیویاں بنائیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو۔ اور تمہارے درمیان پیار د محبت رکھ دی۔ بے شک سوچنے والے لوگوں کے لئے اس میں بڑی دلیلیں ہیں، اور اس کی توحید کی نشانیوں میں یہ ہے آسمانوں اور زمین کی پیدائش۔ اور تمہاری بولیوں اور رنگوں کا اختلاف بے شک اس میں جاننے والوں کے لئے دلیلیں ہیں۔ اور اس کی توحید کی نشانیوں میں سے ہے تمہارا رات میں سونا، دن میں اس کا فضل تلاش کرنا۔ اس میں بھی یقین سے سننے والوں کے لئے دلیلیں ہیں۔ اور اس کی توحید کی نشانیوں میں سے ہے کہ تمہیں بجلی دکھاتا ہے جس کی تباہی سے ڈرتے بھی ہو۔ اور رحمت کی بارش کی امید بھی باندھتے ہو۔ اور اتارتا ہے بارش آسمان سے پھر بارش کے پانی سے مردہ زمین کو زندہ کرتا ہے۔ اس میں بھی عقل والوں کے لئے دلیلیں ہیں۔ اور اس کی توحید کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ آسمان اور زمین اس کے حکم سے قائم ہیں۔

اسی قسم کی اور بھی کئی آیتیں ہیں۔ اور کارخانۂ قدرت کے عجائبات اور توحید کے عقلی دلائل کی آیات تو قرآن پاک میں سیکڑوں نہیں ہزاروں سے بھی زیادہ ہیں۔

فی الحال انہی آیات کے طرزِ استدلال پر غور کرلیں کہ ع۱۲ کی آیتوں میں کس طرح انسان کی مٹی سے پیدائش کا آغاز پھر اس سڈول جسم کا بن جانا پھر اس مٹی کے قالب کا حیرت انگیز آلاتِ زندگی سے چلتے پھرتے نظر آنا انسان کے جسم و جان میں عجائباتِ قدرت کا کتنا خزانہ رکھا ہے۔ انسان کی زندگی اس کے اندرونی جذبات حواس۔ ذہنی قویٰ۔ اور دماغی حرکات انسان کے وجود کا پورہ پورہ کوئی لاینحل معمّہ نہیں بلکہ اس کی قدرت اور توحید کی دلیل کا کرشمہ ہے۔ لیکن انہی صاحبِ نظر انسانوں میں کتنے ہیں کہ اس طرف دھیان ہی نہیں کرتے۔ پھر انہی آیتوں میں توحید پر چند دلیلیں اس پُرکشش اور پُرسوز انداز سے پیش فرمائی ہیں کہ اللہ کے سوا دنیا کی ساری طاقتیں ملکر بھی اس عجیب و غریب قدرت کے کرشمہ کا دھندلا سا نقشہ بھی جمانے سے عاجز ہیں۔ مثلاً مرد اور عورت کا جوڑا اور ان میں مہر و محبت کے جذبات اور کشش کا ظہور اسی

قدرتی جذبات کی طوفانی لہروں میں مرد و زن کا محبت و پیار کی موجوں میں ٹکرانا قطرۂ پانی (نطفہ) کے ذریعہ سلسلۂ توالد و تناسل اسی ایک پانی سے مختلف قوموں اور ملکوں کی بولیوں، شکلوں، اور رنگوں کو ایک سے ایک الگ ہونا ایک نیند ہی کی حقیقت پر غور کرو نشہ نہیں سکون و آرام ہے۔ اور کتنا ہی اس راحت میں مزا ہے جو دنیا جہان سے ہی الگ۔ آخر میں آسمان و زمین کے محکم نظام کہ اتنے بڑے آسمان کا بغیر کسی ظاہری ستون و سہارے کے کھڑا رہنا حیرت میں ڈال دیتا ہے کہ اگر زمین پر گر پڑے تو تباہی مچ جائے۔ یہ سب اس کی توحید کی نشانیاں اور دلیلیں اور اسی کی قدرت کے کرشمے نہیں تو اور کیا ہیں۔ عقل و فکر سمجھ و بوجھ دل کے حقیقی یقین اور آنکھوں کی صحیح بصارت اور کانوں سے پوری توجّہ کی ضرورت ہے۔

اور ع۹ و ع۱۰ کی آیتوں میں ہے کہ آسمانوں اور زمین کی پیدائش دن اور رات کا الٹ پھیر بھی غور و فکر کا مقام ہے مگر دیکھنے کی عجیب چیز ہے کہ اتنے لمبے چوڑے سیکڑوں ہزاروں میلوں کے خطرناک سمندروں میں کس طرح لوگ ایک ملک سے دوسرے ملک کو تجارت کا سامان لے کر دوڑتے پھرتے ہیں اور سفر کر کے ملک بہ ملک آتے جاتے ہیں۔ اگر پانی میں مٹی یا لوہے کا ایک ذرّہ بھی ڈالو تو فوراً ڈوب جائے گا۔ مگر یہ ہزاروں آدمیوں اور لاکھوں من سامان کے لدے ہوئے جہاز کیسے پھول اور پتوں کی طرح پانی پر تیر رہے ہیں۔ نظامِ قدرت نے بادلوں اور ہواؤں کو کس طرح کنٹرول کر رکھا ہے۔ کس طرح اس کے قدرتی حکم سے بادل ہوا کے تخت پر بیٹھ کر ادھر سے ادھر ضرورت کے مطابق اڑتے پھرتے اور برستے ہیں۔ اور زمین کے تہوں میں بھی اسی کی حکمرانی چلتی ہے۔ جس دانے کو نہ اگائے کون ہے کہ ایک دانے کے اگانے کی بھی اس کے سوا طاقت رکھتا ہو۔ وہ کتنے درخت، باغات کے باغات، سبزیاں اور کیا کیا بوٹیاں زمین سے اگاتا اور پیدا کرتا ہے۔ نباتات اور ان کی نیرنگیوں میں اس کی قدرت کے کتنے عجیب و غریب کرشمے ہیں۔ اور تعجب کی بات ہے۔ کہ ایک ہی زمین ہے جس سے وہ اگتے ہیں۔ ایک ہی پانی سے وہ سینچے جاتے ہیں ایک ہی

فضا ہے جس میں وہ سانس لیتے ہیں سورج کی تپش اور چاند کی روشنی ایک ہی جیسی پڑتی ہے۔ مگر عام درخت اور پھل پھول کے بوٹے الگ الگ حیثیت رکھتے ہیں کوئی مہینوں پانی پہنچے بغیر تروتازہ ہے اور کئی رات دن کی خشکی برداشت نہیں کرسکتے اور کتنے ہی رنگ برنگ ہر ایک کا مزہ ہر ایک کی پتی ہر ایک کا قد و قامت ہر ایک کی لذت اور اس کے خواص و فائدے دوسرے سے بالکل الگ ہوتے ہیں یہ سب اس کی توحید کے دلائل نہیں تو اور کیا ہیں۔ کس کی طاقت اور اختیار کہ باریک سوٗا نکال کر اس کو درخت بنادے۔ درخت تو بڑی بات ہے ایک ٹہنی نہیں بلکہ ایک ایسی پتی ہی ایسے انداز سے لگا دے۔ هَاتُوْ بُرْهَانَكُمْ

اور ۱۱ و ۱۲ آیتوں میں ہے کہ زمین و آسمان کی مخلوقات اور گوناگوں قدرت کے کرشمے کے علاوہ سورج کا روشن چراغ اور چاند کی خوشنما قندیل کتنی عجیب ہے۔ ستاروں کا چمکتا ہوا نظارہ دیکھنے کے لائق ہے اور غور و فکر کرنے سے آنکھوں کی لذت آمیز بصارت دل کے ایمانی جذبات میں ڈوب کر محو ہو جاتی ہے اور دل دھڑک دھڑک پکار اٹھتا ہے سبحانك ۔ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبْحٰنَكَ ۔ اور سورج سال کے بارہ مہینوں میں کس طرح مختلف برجوں سے قدرتی حکم کے ماتحت اپنے فاصلہ کو روزانہ طے کرتے ہوئے زمین میں مختلف موسموں اور زمانوں اور دن اور رات کے چھوٹے بڑے ہونے کے اختلاف کو نمایاں کرتا ہے۔ یہ شب و روز کا نور ظلمت سورج اور چاند کی روشنی ان کی مقررہ رفتار اور باقاعدہ طلوع غروب سب خدا کی توحید پر محکم دلائل ہیں جن کا جواب اصلاً ناممکن اور محال ہے۔

اور ۱۳ و ۱۴ آیتوں میں ہے کہ نظام عالم کی ہر چیز اور کارخانہ قدرت کا ایک ایک پرزہ سب قدرت کے عجائبات اور نیرنگیاں اور پھر سب اس کے ایک ہی حکم اور قانون کے ماتحت ہیں۔ عالم کی ہر شے کا ایک مرتب سلسلہ اور نظم و نسق ہے جو بے انتہا مصلحتوں حکمتوں اور فائدوں سے بھرپور ہے

غرضیکہ یہ گوناگوں عالم یہ رنگا رنگ کائنات یہ تاروں بھرا آسمان یہ بوقلموں

زمین۔ یہ سورج۔ یہ چاند ستارے۔ یہ درخت۔ یہ سمندر۔ یہ پہاڑ۔ یہ لاکھوں کروڑوں جاندار اور بے جان اشیاء۔ یہ تغیر و انقلاب کا نظام۔ یہ کائنات کا نظم و نسق۔ اور اس کے ذرہ ذرہ کا قانون و قاعدہ۔ انسان کے اندرونی قویٰ اور ان کی باہمی ترتیب۔ موت و حیات کے اسرار۔ خواص قویٰ کے رموز۔ انسانی کی خیالی بلند پروازی اور عملی عجز و درماندگی حتےٰ کہ نیلگوں آسمان کی چھت اور زمین کا چٹیل اور سبزہ زار فرش اور ایک ہی حرکت سے شب و روز کا انقلاب یہ سب کا سب توحید اللہ العالمین ہی کے کھلے مناظر و دلائل ہیں۔ اور صرف اللہ واحد کا کھلے بندوں پرچار کر رہے ہیں۔ اور تا قیامت وحدہٗ لاشریک لہٗ کا پتہ دیتے رہیں گے۔

دلائل کی روشنی میں توحید کا حقیقی اور صحیح مفہوم

۱ وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ

اور بہت سی توحید کی نشانیاں (دلیلیں) آسمانوں اور زمین میں ہیں جن پر یہ لوگ گزر جاتے ہیں اور ان پر دھیان نہیں کرتے اور بہت سے لوگ اللہ پر ایمان نہیں لاتے مگر ساتھ ہی وہ شریک بھی بناتے ہیں

قُلْ هٰذِهٖ سَبِيْلِيْٓ اَدْعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ وَسُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (پارہ ۱۳ رکوع ۶)

فرما دیجئے اے پیغمبر! یہ میرا طریقہ ہے جو دعوت دیتا ہوں میں اللہ کی توحید کی طرف عقل و سمجھ کے دلائل کے ساتھ میں بھی اور میرے ساتھی بھی اور اللہ پاک ہے۔ اور میں شریک بنانے والوں سے نہیں ہوں۔

ذرا غور و فکر کا مقام ہے کہ دلائل توحید کی یہ ہزاروں آیتیں اور مذکورۃ الصدر

بارہ نمبروں میں تقریباً بیسیوں آیتیں جن میں بار بار اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں وَمِنْ اٰیٰتِہٖ یہ بھی اور یہ بھی سب میری قدرت کے کرشمے اور نشانیاں ہیں حالانکہ وہ لوگ پہلے سے یہ یقین اور اعتقاد رکھتے ہیں کہ اس سارے عالم کے کارخانے کا بنانے والا اور ہر چیز کا پیدا کرنے والا اللہ ہے۔ جو پہلے سے ہی اللہ کو مانتے ہیں ان کو بار بار یقین دہانی جیسے تاکیدی طرز سے سمجھانے کا کیا فائدہ ؟

اس سوال کا جواب' اس عقدہ کا حلّ اور دلائل کی روشنی میں توحید کا حقیقی اور صحیح مفہوم مذکورہ بالا تین آیتوں میں نہایت احسن پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے،

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے صاف ارشاد فرمایا ہے کہ مشرک لوگوں کا خدا کو ماننا محض سرسری طور پر ہے آیات اللہ قدرت کی ان نشانیوں میں دھیان ہی نہیں کرتے اور نہ غور و فکر کر کے توحید الٰہی کا سبق حاصل کرتے ہیں

دوسری آیت میں فرمایا کہ رسمی طور پر عام عادۃً صرف زبانی خدا کو ماننے سے "ایمان" کہاں سے حاصل ہو جب کہ اللہ کے ساتھ اس کی مخلوق میں سے فرشتوں کو' جنّوں کو' نبیوں کو' ولیوں کو' اماموں کو اس کا شریک بناتے ہیں ۔ فرشتوں کو نعوذ باللہ خدا کی بیٹیاں' اور عزیرؑ عیسٰیؑ پیغمبروں کو خدا کے بیٹے' جنّات کو غیب دان سمجھ کر ان کی پناہیں اور دہائیں چاہتے' اور اللہ کے بڑے بڑے اولوالعزم اور شان والے حضرت ابراہیمؑ حضرت اسماعیلؑ جیسے پیغمبروں اور ولیوں اور اماموں کو عالم الغیب اور مختارِ کل سمجھ کر کارساز' حاجت روا' اور مشکل کشا سمجھتے اور علماء اور پیروں کو خدائی اختیارات دیتے اور سیکڑوں خدا کے پیارے اور نیک بندوں کی مورتیاں بنا کر ان کی روحوں کو حاجتوں اور مشکلوں میں پکارنے کے خس و خاشاک جیسے شرک سے توحید کے صاف اور شفاف چشمہ کو مکدّر کر دیا تھا۔

آج اس دَور اور زمانے میں بھی فخرِ دو عالم سید المرسلین داعیٔ

الا افسوس! توحید صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کہلانے والے مسلمانوں کی اکثریت ایمان کے زبانی دعوٰی کے باوجود اسی شرکِ جلی' تعزیہ پرستی' قبر پرستی' پیر پرستی' ولی

امام نبی پرستی وغیرہ میں مبتلا ہی نہیں بلکہ غرقاب ہیں

تیسری آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب مصطفےٰ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرمایا کہ آپ یہ واضح اعلان فرما دیں کہ میرا راستہ یہی خالص توحید کا راستہ ہے میں دُنیا بھر کو اسی "اِلَی اللّٰہِ" توحیدِ الٰہی کی طرف دعوت دیتا ہوں۔ اور اسی کی تبلیغ کرتا ہوں کہ سب الٰہیت و توحید کے صفات و کمالات صرف ایک اللہ ہی کے لئے ہیں۔ وہی کارساز اور مشکل کشا متصرف و مختار ہے اور کوئی نہیں۔ اور باقی سب محتاج ہیں۔ میں اس سیدھے راستے دعوۃ توحید کو دلیل و برہان اور حجت و بصیرت کی روشنی میں اس طرح واضح کر کے بیان کرتا ہوں کہ کسی اندھی تقلید کی بجائے غور و فکر سے تدبّر و فہم سے خالص توحید کا راہ جو اور راہ رو (یعنی راستہ تلاش کرنے والا اور رستہ چلنے والا) ہر قدم پر اپنے باطن میں معرفت و بصیرت کی خاص روشنی اور مخلوق کی عبدیت محضہ کی خاص لذت محسوس کر کے خود بخود پکار اٹھے کہ

سُبْحٰنَ اللّٰهِ وَمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝

اللہ شرکت سے پاک ہے اور میں شریک بنانے والوں سے نہیں ہوں۔

یہ ہے اصل حقیقت قرآن مجید کے ان ہزاروں دلائل عقلیہ کی جو خدا کی ذات کے صرف وجود کے دلائل نہیں بلکہ اس کی توحید وحدانیت کے دلائل ہیں کہ الٰہیت و ملکیت میں اکیلا ہے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔

توحید کا جامع تخیل و عقیدہ

داعیٔ توحید محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس توحید کی دعوت دی ہے اور اس کو علی وجہ البصیرت دلائل واضحہ اور براہین قاطعہ کی روشنی میں بیان فرمایا ہے اس کے متعلق جامع عقیدہ اور پختہ ایمان ہونا چاہیئے کہ صرف اللہ کی ذات کی ایک ہی ہستی ہے جس کے علم کی وسعت کی کوئی انتہا نہیں۔ آسمان و زمین اور

ماورائے آسمان وزیرِ زمین اور آسمان وزمین کے درمیان غرضیکہ عرش وفرش بحر و بحر کائنات کا ذرّہ ذرّہ اور اندھیرے اور اجالے کی ہر چیز سب اس کے "علم" میں داخل ہے۔ دلوں کے اسرار، زبانوں کے الفاظ، اور ہاتھ اور پاؤں کے اعمال وحرکات ہر لحظہ وہر لمحہ سب کے سب اس کے رُو برُو ہیں۔ کوئی ذرہ اس سے پوشیدہ نہیں

۲۔ اور جس کی قوت وطاقت بھی غیر محدود ہے۔ آسمان وزمین دشت وجبل صحرا وسمندر، شجر وحجر، جن وانس و مُلک غرضیکہ کل مخلوق کا مختار کل ہے ہر ذرّہ پر اسی کی حکمرانی ہے اس کی مشیّت کے دائرہ سے کوئی نقطہ باہر نہیں۔

بِیَدِہٖ الْمُلْکُ نظامِ عالم کا کنٹرول اور اس پر مکمل قبضہ اسی کا ہے فنا کر دے تو کوئی پوچھنے والا نہیں۔ پھر جب چاہے رچا دے کوئی دم مارنے والا نہیں سب پر غالب زبردست ہے۔ مخلوق ساری کی ساری زیردست اور بے دست ہے۔ ساری کائنات کا محافظ وہی ہے ہماری گردن میں شہ رگ (رگِ حیات) سے بھی زیادہ قریب ہے۔ اسی کی محبت کی یاد ہمارے دلوں کی زندگی وراحت وسکون ہے، ہماری تمام عقیدت، ہماری تمام محبت، ہماری تمام امیدیں، اور خوف، ہماری تمام دعائیں، اور التجائیں، ہماری تمام عاجزیاں، کمزوریاں اور ذلتیں اسی کے سامنے ہوں، ہماری زندگی کا ہر لمحہ ہر لمحے کا نشیب وفراز اور نیچ نیچ دکھ سکھ تکلیف وراحت مشکل وآسانی سب کے سب غیر اللہ مخلوق کے آستانوں، درگاہوں، اور جھوٹوں کے کمزور ترین سہاروں کو چھوڑ کر صرف اسی ایک ہی کے رحم وکرم کا سہارا اور صرف اسی پر بھروسہ ہو۔

یہ تمام اوصاف کمالیہ صرف ایک اللہ بزرگ وبرتر ہستی کیلئے ہیں اور ان تمام عبادات کے لائق بھی صرف ایک اسی کی ذات ہے اور کوئی نہیں۔

یہ ہے توحید کا جامع عقیدہ۔ اسی پر سارا قرآن دلیل اور اسی کی وضاحت ہے۔

رَدِّ شرک پر قرآنی آیات سے عقلی طرزِ استدلال

عقیدۂ توحید کا مفہوم ہی شرک کی تردید کے لئے کافی ہے۔ لیکن شروع ہی سے لوگ اسی مسئلہ میں غلوّ اور زیادتی اور کج روی اور سخت غفلت ولاپرواہی سے توحید سے انحراف اور شرک میں انہماک کرتے چلے آرہے ہیں۔ اور دن بہ دن بجائے کمی کے ترقی کرتے ہوئے شرک کی عمارت میں نئی اینٹ لگا دیتے ہیں، اور شرک کے راستے کے لئے کئی نئے دروازے کھولتے رہتے ہیں۔

اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کامل مکمل اور آخری صحیفہ قرآن میں شرک کا ردّ بھی اس زور سے فرمایا کہ انتہاء فرما دی۔

قرآن پاک میں ہزاروں آیات میں صریحاً شرک کی تردید اور مذمت کا بیان ہے بطورِ نمونہ مختصراً چند آیات میں اس کی ایک جھلک ملاحظہ فرمائیں۔

توحید کا جامع مفہوم

کہ ہر چیز کا زمین و آسمان کے ذرہ ذرہ کا مالک قادر مختار تنہا ایک اللہ ہے

الٰہ، مختارِ کل، واحد ایک ہے۔

شرک کا جامع مفہوم

عین توحید کے مفہوم کے مخالف عقیدہ کہ آلٰہ اور بھی ہیں۔ اور ان کو اللہ نے اختیارات دے رکھے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس شرک کی تردید فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو بھی کوئی اختیارات دے کر الٰہ نہیں بنایا۔ الٰہ میں ایک ہوں۔ دوسرا کوئی نہیں۔ ارشاد فرمایا

لَوْ كَانَ فِيهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (پارہ ۱۷ رکوع ۲)

اگر ہوتے زمین و آسمان میں اور بھی الٰہ تو دونوں کا نظام برباد ہو جاتا۔

شرک کی تردید پر قرآن کریم نے اپنے مخصوص انداز میں کتنی زبردست نہایت پختہ اور واضح دلیل پیش فرمائی ہے جس میں عقلی طور پر شرک کا رد اور ابطال فرما کر اس کی بیخ کنی فرمائی ہے کہ الٰہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا ہو ہی نہیں سکتا۔ بفرض محال اگر کوئی دوسرا ہو تو اس کے لئے دو صورتیں ہی ہو سکتی ہیں کہ اس کا اختیار محدود ہے یا مختارِ کل۔

پہلی صورت میں وہ محدود اختیار والا الٰہ نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کا اختیار ناقص ہے اور ناقص اختیار والا عاجز و محتاج ہے فلہٰذا عاجز و محتاج کو الٰہ بنانا بے کار ہے وہ ہرگز الٰہ نہیں ہو سکتا۔

رہی دوسری صورت۔ اگر اختیارات غیر محدود اور وسیع اختیارات ہیں تو دونوں مساوی و متوازی برابر کے مختارِ کل ہوئے تو یہ نظام کو نہیں چلا سکتے۔ لامحالہ دو برابر کی طاقتوں میں ارادہ و مشیت اور تجویز میں اختلاف ضروری اور لازمی امر ہے تو (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) دو الٰہوں، مختاروں، مالکوں، قادروں کی رسہ کشی سے سرے سے عالم کی کوئی چیز موجود ہی نہیں رہ سکے گی۔ اور اگر موجود چیز پر زور آزمائی ہونے لگے تو اس کشمکش میں ٹوٹ پھوٹ کر نظامِ عالم تباہ و برباد ہو جائے۔ آسمان و زمین کے ذرّہ ذرّہ کا مستحکم نظام بتا رہا ہے کہ عرش سے فرش تک تختِ بادشاہی کا اکیلا مالک ہے اس کے ملک میں شرکت کی قطعاً کوئی گنجائش نہیں کیونکہ دو خود مختار بادشاہ جب ایک اقلیم میں نہیں سما سکتے جن کی خود مختاری بھی مجازی و عارضی ہے تو دو مختارِ کل ایک قلمرو میں کیسے شریک ہو سکتے ہیں

۲ وَمَا كَانَ مَعَهُ مِنْ اِلٰهٍ اِذًا لَّذَهَبَ كُلُّ اِلٰهٍۢ بِمَا خَلَقَ وَلَعَلَا بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ[1]

اور نہیں ہے اس کے ساتھ کوئی اور الٰہ۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر الٰہ اپنی مخلوق کو لے کر ایک دوسرے پر چڑھائی کر دیتا۔

اس آیت میں بھی سابقہ آیت کی طرح شرک کا رد کیا گیا ہے۔ قرآن پاک نے صاف الفاظ میں الٰہ واحد کے جلوے کا نمایاں اور واضح اعلان کیا ہے کہ آسمان کے اوپر سے لے کر زمین کے نیچے تک تنہا اللہ ہی مالک و مختار ہے اس کے کاروبار میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔ اس کی سلطنت اور شہنشاہی میں کسی دوسرے کا کوئی حصہ نہیں۔ اس کے کارخانۂ قدرت میں کوئی

[1] پارہ ۱۸ المومنون ۱۸ رکوع ۵

دوسرا ساجھی نہیں۔ کائنات کا کوئی ذرّہ اس کے حکم سے باہر نہیں ہے۔

اللہ اکبر! اس آیت کریمہ میں شرک کے خلاف عقلی دلیل کو اس انداز سے بیان فرمایا کہ شرک کے پرخچے اڑا کر رکھ دیئے۔ کہ اللہ مالک ومختار وہ ہو سکتا ہے جو خالق بھی ہو۔ جب خالق ایک ہی ہے باقی عرشی، فرشی، نوری، ناری، خاکی، سب مخلوق ہیں۔ ایک ذرّہ کا بھی خالق دوسرا کوئی نہیں تو مختارِ کل تو درکنار ایک ذرہ کا بھی مالک ومختار کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا، اگر ایسا ہوتا تو ہر ایک اپنے دائرۂ اختیار کی مخلوق ورعایا کو علیحدہ کر کے دوسرے کے دائرۂ اختیار کی جمعیت کے ساتھ لازمی ٹکراتا۔ سب پر ایک ہی کا تنہا حکم نہ چلتا اور اس طرح یہ مضبوط ومحکم نظام ہرگز کسی صورت میں بھی قائم نہ رہ سکتا۔ عالم کا حیران کن ابدی وازلی محکم تنظیمی نظام اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ قادرِ مطلق، مختارِ کل، مالک الملک ایک ہی ہے۔ اس کے ملک وقدرت اور اختیار میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔

۴ قُلْ لَّوْ كَانَ مَعَهٗٓ اٰلِهَةٌ كَمَا يَقُوْلُوْنَ اِذًا لَّابْتَغَوْا اِلٰى ذِى الْعَرْشِ سَبِيْلًا ۝ (پ۱۵ ع۵)

فرما دیجئے اے پیغمبر! اگر ہوتے اس کے ساتھ کوئی اور الٰہ جیسا کہ مشرک لوگ کہتے ہیں تو ضرور صاحبِ تخت کی طرف کوئی راستہ نکالتے۔

اس آیت میں بھی مضمون وہی ہے شرک کا بطلان اور اس کی تردید مگر قرآن مجید نے اپنے معجزانہ اندازِ بیان کی اس آیت میں حد ہی کر دی۔ اللہ ذوالجلال نے اپنے محبوبؐ صاحبِ جمال صلی اللہ علیہ وسلم کو ارشاد فرمایا کہ آپؐ اس ٹھوس دلیل عقلی کا گرز شرک کے ریتلے مصنوعی پہاڑ پر اس زور سے لگائیں کہ شرک کے ٹکڑے ٹکڑے ہو کر اس کے ذرات فضا میں بکھر جائیں اور تاقیامت استدلالی حیثیت سے جڑ نہ سکیں۔

فرمایا اے محبوب! مصطفےٰ کریم محمد رسول اللہ داعی برحق صلے اللہ علیہ وسلم آپؐ اعلان فرما دیں کہ صاحبِ عرش یعنی تختِ شاہی کا مالک اللہ ہی اکیلا ہے وہی الٰہ متصرف ومختار ہے۔ دوسرا کوئی نہیں۔ بالفرض جیسے مشرک لوگ کہتے ہیں کہ اللہ نے اپنے پیاروں کو۔ فرشتوں نبیوں اور ولیوں کو اختیارات دے رکھے ہیں۔ اگر ایسے کوئی الٰہ مختار ہوتے تو دوسرے کے محکوم رہنا کیوں پسند کرتے۔ ضرور الٰہ واحد کے تختِ سلطنت کو ہاتھ مارنے

کا سوچتے۔ اور کوئی راستہ ڈھونڈتے تاکہ اپنا حکم چلا سکیں۔

اور اگر یہی کہا جائے کہ مختار تو ہیں مگر صاحب عرش عظیم مالک قادر کریم کے مقابلہ میں کچھ نہیں چلتی تو پھر مختار کیوں بنایا بے کار۔ پھر ایسی عاجز و بے بس محتاج و محکوم مخلوق کو الٰہ مختار کل کا درجہ دینا پرلے درجہ کی حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔

شرک پر تُف ہے

خدائے بزرگ نے تمام انبیاء علیہم السلام کی زبانی اور فطرت انسانی اور واضح براہانی کی معرفت شرک کی تردید اس کی مذمت اور اس سے کامل بیزاری کا اظہار فرما چکا پھر تعجب ہے کہ یہ احمق مشرک کس راستہ پر اندھا دھند چلے جا رہے ہیں۔ تُف ہے اس شرک پر کہ جن کو الٰہ مالک و مختار سمجھ کر حاجتوں میں پکارا جاتا ہے وہ خود اپنی حاجتوں مشکلوں میں ربّ العرش خالق و مختار کو پکارتے اسی کے سامنے گڑگڑاتے روتے اپنی بے بسی، درماندگی، عاجزی اور خاکساری و ذلت کا اظہار کرتے اور امید و خوف کی ہر حالت میں اسی سے ڈرتے اسی کو خوش رکھتے اور اسی کا قرب حاصل کرنے کی فکر میں رہتے تھے۔

وَيَدْعُوْنَنَا رَغَبًا وَّرَهَبًا وَكَانُوْا لَنَا خٰشِعِيْنَ ○ (پارہ ۱۷ رکوع ۶)
اور پکارتے تھے ہم کو توقع اور ڈر سے اور ہمارے آگے وہ سب عاجز تھے۔

شرک توہین خدا ہے

گذشتہ تین آیتوں میں کس قدر صاف شرک کا رد کیا گیا ہے۔ مقصود یہ ہے کہ الٰہ مختار کل ایک اللہ ہے دوسرا کوئی الٰہ مختار نہیں۔ ہوتا تو گڑبڑ ہوتی۔ الٰہوں کا ٹکراؤ ہوتا اور جیسے مشرکین اللہ کے اختیارات کو تقسیم کرتے ہیں اور کئی الٰہ بناتے ہیں یہ اللہ کی توہین ہے اور اس کے ملک و اختیار اور اس کی قدرت کے صفات میں نقص ہے جس کو انہی تین

آیتوں کے آگے ساتھ قرآن پاک نے صاف صاف اس چیز کو بیان فرماکر نہایت واضح الفاظ میں ارشاد فرمایا۔ شرکت جیسے نقص وعیب سے بالکل پاک ہے۔

چنانچہ آیت ۴۳ کے آگے ارشاد ربانی ہے۔

سُبْحَانَهٗ وَتَعَالٰى عَمَّا يَقُوْلُوْنَ عُلُوًّا كَبِيْرًا ۝ (پارہ ۱۵ رکوع ۵)

وہ پاک ہے شرکیوں سے۔ اور بہت بلند ہے ان کی باتوں سے برتر نہایت بڑا۔

اور آیت ۹۱ کے بعد متصل ارشاد فرمایا

سُبْحَانَ اللّٰهِ عَمَّا يَصِفُوْنَ عَالِمِ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ فَتَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ (پ۱۸ ع۵)

پاک ہے اللہ جو اس کے ساتھ شرک جیسی باتیں بیان کرتے ہیں۔ عالم الغیب والشہادۃ غیب اور ظاہر کو جاننے والا ہے۔ وہ بہت ہی اونچا ہے ان سے جو یہ شریک بتلاتے ہیں۔

اور آیت ۲۲ کے ساتھ بھی یہ ارشاد فرمایا

فَسُبْحَانَ اللّٰهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝ (پارہ ۱۷ رکوع ۲)

پس اللہ عرش کا مالک پاک ہے اس شرکت سے جو یہ بیان کرتے ہیں۔

سب جگہ سُبْحٰنَ اللّٰهِ، تَعَالٰى، عَمَّا يَصِفُوْنَ، عَمَّا يُشْرِكُوْنَ۔ کہ مشرکین جو اللہ کی صفات علم غیب اور قدرت واختیار کو اللہ کے سوا فرشتوں، جنات، اور انبیاء واولیاء کی طرف منسوب کر کے ان کو الٰہ بناتے ہیں یہ خدا کے لئے عیب اور نقص ہے کہ اس کے ساتھ کوئی دوسرا بھی قادر ومختار ہو اور اس کی صفات میں اسکا شریک ہو۔ اللہ تعالیٰ اس شرک سے پاک ومنزہ ہے اور مشرکین جن کو خدا کا شریک بناتے ہیں ان سے بھی اور اختیارات تقسیم کرنے والی شرکیہ باتوں سے بھی اللہ تعالیٰ بہت بلند اور اس کی عظمت بہت بڑی اور اس کی شان نہایت ہی بے نیاز ہے۔ اللہ تعالیٰ خالق ہے اور باقی سب مخلوق۔ وہ مالک باقی سب غلام۔ وہ حاکم باقی سب محکوم۔

آگے فرمایا کہ اللہ کسی کو مختار بناتا تو پھر اس پر حکم کیسے چلاتا۔ اور اس سے اس کے اعمال کی باز پرس کیسے کرتا۔ کیونکہ مختار سے باز پرس کرنا بے معنے ہے۔

لَا يُسْئَلُ عَمَّا يَفْعَلُ وَهُمْ يُسْئَلُوْنَ ۝ (پارہ ۱۷ رکوع ۲)

نہ پوچھا جائے اس سے جو بھی وہ کرے۔ اور ان سے پوچھا جائے۔

کس قدر صریح بیان ہے کہ الٰہ ہونا اس ہستی کے لائق شان ہے جو عالم الغیب ہر چیز ہر کام کی ابتدا سے انجام تک پوری طرح علم و واقفیت رکھتی ہو اور قادر مطلق مختار کل ہو کہ ہر چھوٹے بڑے کام کو کرنے نہ کرنے کا پورا اور مکمل اختیار رکھتی ہو اس کی قدرت و مشیت کو روکنا تو درکنار کچھ پوچھ گوچھ کیلئے بھی دم نہ مار سکے۔ کہ مولیٰ کریم! آپ جل شانہ نے یہ فلاں کام کیوں کیا۔ اس وقت موزوں تھا یا نہیں۔ کسی کو اس کے سامنے اتنی جرأت تک نہو۔ ہاں اس الٰہ العالمین کو سب سے باز پرس کرنے کا حق ہے اور اولیاء اللہ سے لے کر انبیاء و مرسلین ؑ تک بڑی سی بڑی شخصیت سے وہ پوچھ سکتا ہے۔ اور پوچھتا ہے اور اکثر نامناسب باتوں پر تنبیہ بھی فرماتا ہے اور کئی امور میں اپنے پیارے بندوں کے مضبوط اور پختہ ارادوں کو بھی کامیاب نہیں ہونے دیتا اور ان کاموں میں اپنے پیاروں کو ناکام فرماکر حکم فرماتا ہے کہ مجھے منظور نہیں تھا۔

قرآن پاک اور احادیث پاک میں بہت سے واقعات ہیں جو اس پر شاہد ہیں۔ اور حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کا مشہور مقولہ ہے عرفت ربی بفسخ العزائم (کہ میں نے تو اپنے رب کو اسی سے پہچانا ہے کہ میرے پختہ اور مضبوط ارادوں کو بھی وہ ناکام بنا دیتا ہے۔

بہرحال آیت کریمہ میں صاف فرمایا کہ الٰہ وہ ہے کہ ہر ذرہ جس کے حکم کے تابع ہو وہ وہ ہرگز الٰہ نہیں ہو سکتا جس سے باز پرس اور مواخذہ ہو سکے۔

یوں تو یہ پوری سورۃ "الانبیاء" ہی انبیاء علیہم السلام کی دعوت و تبلیغ کے مشن توحید کے اثبات اور شرک کی نفی اور تردید کے بیان میں ہے۔ مگر ان آیات میں شرک کی تردید کا انوکھا ہی طرز ہے۔

مشرکین سے دلیل کا مطالبہ

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِہٖٓ اٰلِھَۃً قُلْ ھَاتُوْا بُرْھَانَکُمْ (پارہ ۱۷ رکوع ۲)

کیا بنا رکھے ہیں اللہ کے سوا بھی کئی الٰہ ؟ فرما دیجئے کہ لاؤ اپنی دلیل

پہلے تو شرک کے بطلان اور رد پر بہترین انداز سے عقلی دلیل بتائی گئی جو ابھی آپ ملاحظہ کر چکے ہیں - اب مشرکین سے ان کے دعویٰ پر دلیلِ صحیح کا مطالبہ ہے یعنی اللہ کے سوا جو الٰہ تم نے تجویز کر رکھے ہیں - اور جن الٰہ کی صفات سے متصف کرتے ہو اور خدائی اختیارات کا مالک اور قادر و متصرف مختار و کارساز سمجھ کر ان کو حاجات و مشکلات میں پکارتے ہو اس پر تمہارے پاس اگر کوئی عقلی یا نقلی دلیل موجود ہو تو پیش کرو - شرک کی تائید میں نہ کوئی دلیل عقلی نہ نقلی ہی مل سکتی تھی اور نہ ہی وہ کوئی دلیل و سند پیش کر سکے - تو پھر ارشاد فرمایا -

ھٰذَا ذِکْرُ مَنْ مَّعِیَ وَذِکْرُ مَنْ قَبْلِیْ (پارہ ۱۷ رکوع ۲)

یہی بات ہے میرے ساتھ والوں کی - اور یہی بات ہے مجھ سے پہلوں کی

حضورؐ کو حکم ہوتا ہے کہ ان کو فرما دو کہ میرے ساتھی صحابۂ کرام اور پہلے خدا پرست سب کی یہ ایک ہی دعوت اور آواز اور بات اور ذکر ہے کہ اس ربّ العرش کے سوا کوئی الٰہ نہیں - اگر تمہارے پاس اس اجماعی اور متفق علیہ عقیدہ کے خلاف کوئی دلیل صحیح ہے تو پیش کرو - میرا دعوے ہے کہ قرآن کریم اور پہلی کتب سماویہ تورات و انجیل وغیرہ سب اس دعویٰ اور عقیدہ پر متفق ہیں - چنانچہ آج بھی باوجود بے شمار تحریفات کے پہلی کتابوں کی ورق گردانی کرو تو توحید کا اعلان اور شرک کا رد صاف صاف پاؤ گے مگر مشرکین کے پاس بجز اوہام و ظنون اور سوائے باپ دادوں کی کورانہ تقلید کے اور کچھ نہیں - اسی لئے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر مشرکین کے عوام و خواص، علماء و جہلاء سب سے دلیل صحیح کا مطالبہ کیا گیا ہے -

ایک مقام پر قرآن پاک نے اس مطالبہ کو اس طرح بیان فرمایا

قُلْ أَرَأَيْتُم مَّا تَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ أَرُونِي مَاذَا خَلَقُوا مِنَ الْأَرْضِ أَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِي السَّمَاوَاتِ ائْتُونِي بِكِتَابٍ مِّن قَبْلِ هَٰذَا أَوْ أَثَارَةٍ مِّنْ عِلْمٍ إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ ۝ (پارہ ۲۶ رکوع ۱)

فرما دیجئے بھلا دیکھو جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا۔ دکھلاؤ مجھے انہوں نے زمین میں کیا بنایا یا ان کا کچھ ساجھا ہے۔ آسمانوں میں۔ لاؤ میرے پاس کوئی پہلی کتاب یا علم کی بات اگر تم سچے ہو

یعنی الہ العالمین اللہ رب العلمین خالق العلمین نے تو سب جہانوں کی کل مخلوقات کو پیدا کیا ہے۔ کیا سچے دل سے ایمان داری اور انصاف کے ساتھ بتا سکتے ہو کہ زمین کا کوئی ٹکڑا یا آسمان کا کوئی حصہ یا کوئی ایک چیز بھی کسی اور پیر فقیر جن فرشتہ یا کسی ولی یا نبی نے پیدا کی ہو یا پیدا کرنے کی طاقت رکھتا ہو۔ پھر اُن کو خدائے واحد کے ساتھ بلکہ اس سے بڑھ کر کیوں پکارا جاتا ہے۔ اور مشکل کشا اور حاجت روا کیوں سمجھا جاتا ہے اگر تم اپنے دعوے شرک میں سچے ہو تو کسی آسمانی کتاب کی سند صحیح لاؤ یا کوئی علمی صداقت کی چیز پیش کرو۔ جاہلانہ باتیں اور بے سند قول اور جھوٹی حکایات و کہانیوں سے شرک ثابت کرنا بڑی حماقت اور نہایت گمراہی ہے۔ جو کسی طرح قابلِ قبول نہیں۔

ایک اور مقام پر قرآن پاک میں اس مطالبہ کو اس طرح دُھرایا ہے

قُلْ هَلْ عِندَكُم مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ لَنَا إِن تَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ أَنتُمْ إِلَّا تَخْرُصُونَ ۝

فرما دیجئے کہ کچھ علم بھی ہے تمہارے پاس۔ پس اس کو ہمارے سامنے نکالو۔ تم تو نری اٹکل پر چلتے ہو اور صرف تخمینے ہی کرتے ہو۔

یعنی شرک پر باپ دادا کی پرانی روش اور عادت و رسم اور جھوٹی اور بناوٹی بے سروپا حکایتوں کی دلیلیں پیش کرنا بالکل ہی واہی اور لغو قسم کی بے ہودہ حرکت ہے۔ اگر تمہارے پاس کوئی علم کی بات ہے عقلی یا نقلی دلیل ہے تو لاؤ اس کو ہمارے سامنے باہر نکالو

۝ پارہ ۸ رکوع ۵)

یہ فرمایا۔ دلیل تمہارے پاس کیا ہوگی۔ مشرک پر تو تم اپنے ظن فاسد غلط گمان حسن عقیدت، اور خوش فہمی کے تخمینوں کی ہی پیروی کرتے ہو۔

قرآنی مثال سے شرک کی مذمت

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ؕ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَآءَ فِيْمَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَآءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ؕ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ۝ (پارہ ۲۱ روم رکوع ۴)

بیان کی تمہارے لئے ایک مثال تمہاری جانوں سے۔ کیا تم اپنے غلاموں کو اللہ کی دی ہوئی روزی میں برابر کا ساجھی بنا کر گوارہ کرتے ہو۔ ڈرتے ہو اُن سے اپنی جانوں جیسا ڈر۔ اس طرح کھول کر ہم بیان کرتے ہیں دلیلیں لوگوں کیلئے جو سمجھیں۔

شرک کی برائی اور بطلان سمجھانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے کتنی بہترین مثال بیان فرمائی ہے۔ ارشاد فرماتے ہیں کہ تمہارے غلام اور نوکر اور خادم جو تمہاری ہی جنس کے ہیں۔ تمام اعضاء اور قویٰ میں تمہاری طرح کے آدمی ہیں جن کے تم محض ظاہری مجازی اور صرف عارضی ان کے آقا و مالک ہو کیا تم اللہ کی دی ہوئی روزی جائیداد عزت و آبرو وغیرہ میں سے اپنے ادنیٰ غلاموں کو تقسیم کر کے اپنا حصہ دار بنانے کو تیار ہو؟ حالانکہ تم دونوں مالک اور غلام خدا کی مخلوق اور اسی کی دی ہوئی روزی کھاتے ہو۔ اگر تم مجازی اور جھوٹے مالک اپنے غلام کو اپنے مال و متاع اور اختیارات میں شریک کرنے کیلئے اگر تیار نہیں ہو تو حقیقی اور سچا مالک اللہ تعالیٰ اپنے غلاموں اور خادموں اولیائے کرام انبیاء عظام ملائکہ علیہم السلام کو اپنی صفات الوہیت اور اختیارات سونپ کر کیسے اپنا شریک بنا سکتا ہے۔ یہ بالکل مہمل بات ہے جو کبھی بھی ممکن نہیں ہو سکتی۔ اور نہ کوئی عقلمند اس کو قبول کر سکتا ہے

مشرکین اور موحّد کی ایک اور مثال

ضَرَبَ اللّٰہُ مَثَلًا رَّجُلًا فِیْہِ شُرَکَاءُ مُتَشَاکِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ ھَلْ یَسْتَوِیٰنِ مَثَلًا (پارہ ۲۳ رکوع ۱۷)

اللہ تعالیٰ ایک مثال بیان فرماتے ہیں۔ ایک آدمی ہے کہ اس میں کئی شریک ہیں کئی ضدی۔ اور ایک مرد ہے جو پورا ایک شخص کا ہے۔ کیا دونوں کی مثال برابر ہے یہ مؤمن اور مشرک کی تمثیل ہے کہ ایک غلام میں کئی آدمی حصہ دار ہوں ان میں سے ہر ایک بوقت ضرورت اس کو اپنی خدمت کے لئے بلاتا ہے اب وہ غلام حیران و پریشان ہے کہ کس کے حکم کی تعمیل کرے۔ ایک کو خوش رکھتا ہے تو دوسرا ناراض ہوتا ہے۔ اور ایک غلام وہ ہے جس کا صرف ایک ہی آقا اور مالک ہے۔ وہ پورے اخلاص اور محبت سے اسی کی خدمت کرتا ہے اور صرف اسی ایک کو خوش کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ اب خود ہی فیصلہ کرو کہ یہ دونوں غلام برابر ہو سکتے ہیں؟ کیا ان کا حال یکساں ہے؟ اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو دونوں میں سے کس کا حال اچھا ہے؟

مشرک کی مثال پہلے غلام جیسی ہے جو کئی الٰہوں کو حاجت روا، اور مشکل کشا سمجھتا ہے اور ان کو پکارتا ہے۔ اور مؤمن موحّد کی مثال دوسرے غلام کی سی ہے جو صرف الٰہ واحد ہی کو کارساز مالک و مختار سمجھتا ہے اور اسی کو پکارتا ہے اور اسے اسی کی رضا جوئی مقصود ہے

ظاہر ہے کہ موحد کا حال مشرک سے بدرجہا بہتر ہے

شرک کی لغویت پر قرآنی دلائل کا انوکھا انداز

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ هُمْ قَوْمٌ يَّعْدِلُوْنَ ○ اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ بَيْنَ الْبَحْرَيْنِ حَاجِزًا ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ وَيَجْعَلُكُمْ خُلَفَآءَ الْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ○ اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وَمَنْ يُّرْسِلُ الرِّيٰحَ بُشْرًاۢ بَيْنَ يَدَيْ رَحْمَتِهٖ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ تَعٰلَى اللّٰهُ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ اَمَّنْ يَّبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَمَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ ءَاِلٰهٌ مَّعَ اللّٰهِ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ (پارہ ۲۰ رکوع ۱)

بھلا کس نے بنایا آسمانوں اور زمین کو اور اتارا تمہارے لئے آسمان سے پانی، پھر اگائے اس سے باغ رونق والے تمہارے لائق ہی نہ تھا کہ اگا لیتے درخت۔ کیا کوئی اور الٰہ ہے اللہ کے ساتھ۔ نہیں۔ بلکہ مشرک یونہی خدا کی برابری بناتے ہیں بھلا کس نے زمین کو ٹھہرایا اور اس میں نہریں چلائیں اور رکھے پہاڑ بوجھ اور کر دیا دو دریاؤں میں پردہ۔ کیا ہے کوئی الٰہ اللہ کے ساتھ۔ نہیں۔ بلکہ اکثر مشرک جاہل ہیں۔
بھلا کون قبول کرتا ہے مجبور و بے کس کی پکار کو جب اس کو پکارتا ہے اور دور کر دیتا ہے تکلیف کو اور بنایا تم کو خلیفہ اگلوں کا زمین پر۔ کیا ہے کوئی الٰہ اللہ کے ساتھ۔ بہت کم نصیحت حاصل کرتے ہو۔ بھلا کون راہ دکھاتا ہے تمہیں اندھیرے جنگلوں اور دریاؤں میں اور کون چلاتا ہے ہواؤں کو جو اس کی رحمت کی خوشخبری لاتی ہیں کیا ہے کوئی الٰہ اللہ کے ساتھ۔ اللہ بہت ہی اونچا ہے اس سے جس کو شریک بناتے ہیں۔ بھلا پہلے کس نے پیدا کیا اور کون دوبارہ

لوٹائے گا۔ اور کون تم کو زمین و آسمان سے روزی دیتا ہے۔ کیا ہے اور الٰہ اللہ کے ساتھ فرما دیجئے لاؤ کوئی دلیل اگر سچے ہو۔

ان آیات میں بہت واضح دلائل اور صاف نشانات سے شرک کی قباحت، لغویت اور نامعقولیت کا بار بار ءالٰہ مع اللہ تذکرہ فرمایا۔ اور آخر میں صاف اعلان فرمایا اگر تمہارے پاس کوئی دلیل ہے تو لاؤ پیش کرو۔ ابھی تمہارا جھوٹ سچ کھل جائے گا۔

مگر مشرکین کے پاس دلیل و برہان کا کیا کام؟ وہاں تو محض اندھی تقلید وَجَدْنَا عَلَیْهِ اٰبَاءَنَا۔ مشرک بلا دلیل خدا کے ساتھ شریک بناتا ہے

وَمَنْ یَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ (پارہ ۱۸ مؤمنون رکوع ۶)

اور جو شخص اللہ کے ساتھ کسی اور الٰہ کو پکارتا ہے اس کے پاس کوئی دلیل نہیں

شرک کی تحقیر و توہین اور اس کا ابطال

قرآن پاک کا خاص الخاص موضوع ہے۔ قرآن مجید طرح طرح سے نہایت مؤثر ترین پیرایوں میں شرک کی مذمت اور شرک کی بیہودگی و حماقت کا اظہار فرماتا ہے۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَیْكُمُ الَّیْلَ سَرْمَدًا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ یَاْتِیْكُمْ بِضِیَآءٍ اَفَلَا تَسْمَعُوْنَ ۝ قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ جَعَلَ اللّٰهُ عَلَیْكُمُ النَّهَارَ سَرْمَدًا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ مَنْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ یَاْتِیْكُمْ بِلَیْلٍ تَسْكُنُوْنَ فِیْهِ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ ۝ (پارہ ۲۰ قصص رکوع ۷)

فرما دیجئے کہ اگر تم پر اللہ قیامت تک رات ہی کر دے تو ہے کوئی اللہ کے سوا الٰہ جو تمہارے لئے روشنی کہیں سے لائے۔ کیا پس سنتے نہیں تم اس بات کو؟ فرما دیجئے، کہ اگر کر دے اللہ تم پر قیامت تک دن تو ہے کوئی الٰہ اللہ کے سوا جو تمہارے لئے رات لائے تاکہ تم آرام کرو پھر کیا تم نہیں سوچتے۔

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰی قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ یَاْتِیْكُمْ بِهٖ اُنْظُرْ كَیْفَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ ثُمَّ هُمْ یَصْدِفُوْنَ ۝ [۵]

[۵] پارہ ۷ سورہ انعام رکوع ۵

فرما دیجئے کہ دیکھو اگر اللہ تمہارے کان اور آنکھیں چھین لے - اور دلوں پر مہریں لگا دے تو اللہ کے سوا ایسا کون الٰہ ہے جو یہ چیزیں تمہیں لا دے - دیکھ ہم کس کس طرح پھیر پھیر کر سمجھاتے ہیں پھر بھی وہ کنارہ ہی کرتے ہیں۔

مشرکین کی احمقانہ روش کا تذکرہ اور اللہ تعالیٰ کی شرک سے تنزیہ

اَمْ لَهُمْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ○ (پارہ ۲۷ ع)

کیا ان کیلئے اور الٰہ ہیں - اللہ کے سوا - اللہ پاک ہے ان کے شریک بنانے سے۔

مشرکین کی جہالت اور انتہائی حماقت پر سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی تعجب انگیز ناراضی

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ○ (پارہ ۲۴ ع ۴)

آپؐ اعلان فرما دیجئے کہ مجھے بھی بتلاتے ہو کہ اللہ کے سوا کسی کو پکاروں اے نادانو! جاہلو!

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ (پارہ ۸ رکوع ۷)

فرما دیجئے کہ کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں ؟ حالانکہ ہر چیز کا رب وہی ہے۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ

فرما دیجئے کیا اللہ کے سوا کسی اور کو مددگار بناؤں جب کہ زمین و آسمان کا بنانے والا وہی ہے - اور سب کو وہی کھلاتا ہے اور کسی سے کچھ نہیں کھاتا۔

آں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کس قدر عجیب مؤثر انداز اور نہایت سخت رعب و جلال کے پیرایہ میں مشرکین کی انتہائی درجہ کی بے وقوفی اور پرلے درجہ کی نادانی اور محض جہالت و حماقت کو ان پر واضح فرمایا کہ سب اسی کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں

(پارہ ۷ سورۂ انعام رکوع ۲)

ساری مخلوق کا پروردگار ہے۔ سب کو کھلاتا ہے اور خود ادنیٰ سے ادنیٰ چیز میں بھی کسی کا احتیاج نہیں رکھتا۔ نہ ہی کچھ مانگتا ہے نہ کھاتا ہے۔ سب چیزوں سے پاک ہے۔

اتنے بڑے مالک و مختار متصرف و پروردگار داتا کو چھوڑ کر محتاجوں اور اس کے در کے بھکاریوں سے مانگنا اور ان کو مددگار بنانا کھلی گمراہی، اور صریح جہالت و حماقت نہیں تو اور کیا ہے۔

سید المرسلین خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا شرک سے نفرت اور بیزاری کا فیصلہ کن اعلان!

ءَ اِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى قُلْ لَّآ اَشْهَدُ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۝ (پارہ نمبر ۷ رکوع ۵)

کیا تم ابھی بھی گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ کوئی الٰہ ہیں۔ آپؐ فرما دیجئے کہ میں تو کبھی بھی اس کی گواہی نہ دوں گا۔ آپؐ یہ اعلان فرما دیجئے کہ بیشک ھو اللہ واحد الٰہ ایک وہی ہے۔ اور میں تمہارے شرک سے بالکل ہی بیزار ہوں۔

آہ: کتنا عجیب و غریب اور لذیذ و لطیف پُرجوش و ولولہ انگیز لہجہ اور پیرایہ میں جناب سید المرسلین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ کن اعلان ہے کہ میرے دعویٰ دعوت توحید کی صداقت کا خدا گواہ، اور خدا کا کلام (قرآن مجید) گواہ، اس لاریب اور محکم کتاب قرآن کی قطعی حجت اور اس کی ناطق اور ناقابل تردید شہادت کے بعد بھی تم یہی کہتے رہو کہ اللہ نے اپنے پیاروں کو اختیارات الٰہیت دیے ہیں اور وہ الٰہ اور کارساز، مشکل کشا، حاجت روا، داتا، اور دستگیر ہیں تو تم اپنی جان کے خود ذمہ دار ہو۔ تمہیں اختیار ہے جو چاہو کہو۔ میں تو کبھی ایسا ایک حرف بھی زبان پر نہیں

لاسکتا بلکہ صاف صاف اعلان کرتا ہوں کہ ہو الٰہ واحد کہ الٰہ وہی ایک ہے اور جو کچھ تم شرک کرتے ہو اس سے قطعاً بیزاری اور حد درجہ کی نفرت کا اظہار کرتا ہوں۔

آنحضرت ص کا اپنے متعلق امر و نہی کے حکم خداوندی کا اعلان

قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَ لَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ۝

فرما دیجئے کہ مجھے حکم دیا گیا ہے کہ سب سے پہلے توحید کو مانوں اور تو شرک کرنے والوں سے ہرگز نہ ہو۔

قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَعْبُدَ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّیْنَ ۝ (پارہ ۲۳ زمر رکوع ۲)

کہہ دیجئے کہ میں حکم کیا گیا ہوں کہ خالص اسی ہی کی بندگی اور پکار کروں۔

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (پارہ ۷ انعام رکوع ۶)

فرما دیجئے کہ مجھے روکا گیا ہے اس سے کہ پکاروں میں ان لوگوں کو جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا۔

یہ بھی بیان کا کتنا صاف طریقہ ہے کہ دو جہانوں کے سردار امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم واضح اعلان کر کے فرماتے ہیں کہ میرا ضمیر، میری فطرت، میری عقل، میری بصیرت، میرا نور و شعور اور کلام اللہ وحی اور پیغام الٰہی کا سرچشمہ یہ سب مجھے جادۂ توحید پر پختہ اور مضبوط رہنے اور کامل طور پر اس کو لوگوں میں پہنچانے اور پھیلانے کا حکم کرتے ہیں اور مجھے اس شرک سے صاف اور کھلے طور پر روکتے ہیں کہ میں بھی تمہاری طرح غیر اللہ کی پکاریں کروں۔ یاد رکھو یہ محض تمہارا مصنوعی دین و مذہب ہے جو صرف تمہاری خواہشات کا گھڑا ہوا ہے، خواہ تم کتنے ہی حیلے بہانے اور مکر و فریب کی تدبیریں کر لو۔ میں کبھی بھی تمہارے خود ساختہ شرکیہ عقائد و اعمال میں تمہاری خواہش کی پیروی کر کے کبھی تمہیں خوش نہیں کر سکتا

پیغمبر ہو کہ امتی، سب کو منع فرمایا

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَر (پارہ ۲۰ رکوع ۱۲)
اور مت ٹھہراؤ اللہ کے ساتھ کوئی اور کارساز

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ فَتَکُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِیْنَ ○ (پارہ ۱۹ رکوع ۱۵)
پس مت پکار اللہ کے ساتھ دوسرا کارساز۔ پھر تو پڑے عذاب میں

لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ فَتَقْعُدَ مَذْمُوْمًا مَّخْذُوْلًا ○ (پارہ ۱۵ رکوع ۲)
مت بنا اللہ کے ساتھ دوسرا کارساز پھر تو بدحال و بیکس ہو کر بیٹھے رہے گا

وَلَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ فَتُلْقٰی فِیْ جَھَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا (پارہ ۱۵ رکوع ۴)
اور مت ٹھہرا اللہ کے ساتھ کوئی کارساز پھر ڈالا جائے تو دوزخ میں ملامت کیا ہوا دھکیلا ہوا۔

وَلَا تَجْعَلُوْا مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ (پارہ ۲۷ رکوع ۲)
اور مت ٹھہراؤ اللہ کے ساتھ کوئی اور کارساز

وَمَنْ یَّدْعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ لَا بُرْھَانَ لَہٗ بِہٖ فَاِنَّمَا حِسَابُہٗ عِنْدَ رَبِّہٖ اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الْکٰفِرُوْنَ ○
اور جو کوئی پکارے اللہ کے ساتھ دوسرا کارساز جس کی کوئی سند نہیں اس کے پاس۔ پس اس کا حساب اللہ کے نزدیک ہے بیشک وہ ایسے کافروں کو قطعاً نہیں چھوڑیگا

موحدین جنتی ہیں

وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ (پارہ ۱۹ رکوع ۴)
اور وہ لوگ کہ نہیں پکارتے اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا کارساز

مشرکین جہنمی ہیں

اَلَّذِیْنَ یَجْعَلُوْنَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ فَسَوْفَ یَعْلَمُوْنَ
جو لوگ اللہ کے ساتھ دوسرا کارساز بناتے ہیں، وہ عنقریب جان لیں گے

اَلَّذِیْ جَعَلَ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھًا اٰخَرَ فَاَلْقِیٰہُ فِی الْعَذَابِ الشَّدِیْدِ ○ (پارہ ۲۶ ع ۵ ق)

(پارہ ۱۴ رکوع ۶)

جس شخص نے خدا کے ساتھ دوسرا کارساز بنایا پس اس کو جہنم کے سخت عذاب میں ڈالدو

شرک پر توحید کا ایٹم بم

فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ (پارہ ۲۶)
پس سمجھ لے کہ بیشک اللہ کے سوا کوئی کارساز نہیں

وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ (پارہ ۳ رکوع ۱۴)
اور کوئی بھی کارساز نہیں اللہ کے سوا۔

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (قرآن پارہ ۲ رکوع ۳)
تم سب کا کارساز ایک ہے۔ اس کے سوا کوئی کارساز نہیں۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ (پارہ ۳ رکوع سورۂ آل عمران رکوع ۱)
اللہ۔ کوئی کارساز نہیں مگر وہی جو زندہ اور نگہبان ہے۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (پارہ ۵ و ۱۶ و ۲۸)
اللہ۔ کوئی کارساز نہیں سوائے اس کے

اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (پارہ ۶ و ۷ و ۱۳ و ۱۴)
بیشک یقینی بات ہے کہ وہی ایک کارساز ہے

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ (پارہ ۱۴ و ۱۶ و ۱۷)
اور تمہارا کارساز ایک ہی ہے

اِنَّ اِلٰهَكُمْ لَوَاحِدٌ (پارہ ۲۳ صافات رکوع ۱)
بیشک تمہارا کارساز ایک ہے

وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ (پارہ ۲۳ سورۂ ص رکوع ۵)
اور کوئی کارساز نہیں مگر اللہ اکیلا زبردست

هُوَ الْحَيُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ (پارہ ۲۴ مومن رکوع ۷)
وہی زندہ ہے۔ کوئی کارساز نہیں بغیر اس کے

اِبّا نہیں، رَبّا ہے

مشرک قومیں یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب "جنات" کو اللہ تعالیٰ کی صفات میں شریک بناتے ان کو عالم الغیب اور متصرف و کارساز سمجھ کر ان کو حاجات میں پکارتے اور ان سے استعانت یعنی مدد مانگتے اور ان سے پناہیں چاہتے تھے۔ اور ملائکہ کرام کو (نعوذ باللہ) خدا کی بیٹیاں کہہ کر ان کو اپنی حاجات میں پکارتے اور ان کو خدا کے دربار

یں سفارشی سمجھتے تھے۔ اور اولیاء اللہ و انبیاء اللہ کو (نعوذ باللہ خدا کی پناہ) خدا کے بیٹے کہتے۔ اور خدائی اختیارات کا مالک سمجھ کر اللہ کے نائب اور اس کے مختار کہتے تھے۔ قرآن مجید کے متعدد مقامات پر ان کے اس بدترین غالیانہ شرکیہ عقیدے کا ذکر کیا گیا ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا ○ (پارہ ۱۶ سورہ مریم رکوع ۶)

اور کہتے ہیں کہ اللہ مہربان نے اولاد بنالی ہے۔

وَجَعَلُوا لِلّٰهِ شُرَكَاءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوا لَهُ بَنِيْنَ وَبَنَاتٍ بِغَيْرِ عِلْمٍ سُبْحٰنَهُ وَتَعَالٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ○ (پارہ ۷ سورۂ انعام رکوع ۱۲)

اور جنوں کو خدا کا شریک بناتے ہیں۔ حالانکہ اسی نے ان کو پیدا کیا ہے اور گھڑتے ہیں اس کے واسطے بیٹے اور بیٹیاں جہالت سے! وہ تو پاک ہے اور بہت بلند ہے اس سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔

مبلغ برحق داعی توحید حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعوت و تبلیغ میں اس غلو کا پردہ چاک کیا اور خدائی قہر و غضب سے ڈرایا اور بتایا کہ یہ اس قدر گستاخی ہے کہ قہر خداوندی جوش میں آجائے اور غضب الٰہی بھڑک اٹھے اور سارا عالم تہ و بالا ہو جائے اور آسمان و زمین اور پہاڑوں تک کے پرخچے اڑ جائیں۔ قرآن کا ولولہ انگیز بیان ہے۔

تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ○ (پارہ ۱۶ مریم رکوع ۶)

ابھی اس بات سے آسمان پھٹ پڑیں اور زمین کے ٹکڑے ہو جائیں اور پہاڑ گر پڑیں اس بات سے کہ رحمٰن کے نائب کہتے ہیں۔

آخری پیغمبر علیہ السلام پر جو خدا کا آخری پیغام قرآن مجید نازل ہوا اس میں بار بار اس حقیقت کو واضح کیا کہ اللہ تعالیٰ کسی کا بھی "اب" یعنی باپ (نعوذ باللہ) نہیں ہے۔ بلکہ سب جنوں کا، فرشتوں کا، ولیوں، نبیوں، اماموں سب انسانوں کا بلکہ

ساری کائنات کا، دنیائے عالم کی تمام مخلوقات کا رَبّ، رَبّ العٰلمین ہے۔

وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ

وہ کائنات کی ہر چیز کا رب ہے

انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء کرام رحمہم اللہ اللہ کے نیک بندوں نے اپنے اپنے دور اور زمانے میں لوگوں کے سامنے دعوت و تبلیغ میں خدا کی توحید و وحدانیت پر سب سے بڑی دلیل اور اللہ کی جس صفت کا بار بار ذکر کیا ہے وہ یہی صفتِ ربوبیت ہے۔ حضرت نوح، ھود، صالح، لوط علیہم السلام سب کے وعظ و نصیحت میں ذکر ہے اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ (اپنے رب سے معافی مانگو)

حضرت ابراہیم ؑ کے بیان میں ہے۔

سَاَسْتَغْفِرُ لَكَ رَبِّيْ .... وَاَدْعُوْا رَبِّيْ (پارہ ۱۶ مریم رکوع ۳)

اے ابّا جان! میں تیرے لئے اپنے رب سے معافی مانگوں گا .... اور میں اپنی حاجات میں اپنے رب کو ہی پکاروں گا۔

حضرت موسیٰؑ و ہارونؑ کے بیان میں ہے کہ فرعون کے سامنے پہلی تقریر یہی فرمائی

اِنَّا رَسُوْلَا رَبِّكَ (پارہ ۱۹ شعراء رکوع ۲)

ہم دونوں تیرے رب کے رسول ہیں

قَالَ وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (پارہ ۱۹ شعراء رکوع ۲)

فرعون نے کہا رب العالمین کون ہے؟

قَالَ رَبُّكُمْ وَرَبُّ اٰبَآئِكُمُ الْاَوَّلِيْنَ ○ (ر)

موسیٰ نے فرمایا جو تمہارا اور تم سے پہلے تمہارے باپ دادا کا رب ہے

حضرت عیسیٰؑ کا تو وعظ ہی یہی تھا۔

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ○ (پ۳ آل عمران رکوع ۵)

میرا اور تمہارا سب کا رب صرف اللہ ہے۔ اسی کی بندگی کرو یہی سیدھا راستہ ہے۔

اصحابِ کہف جو اللہ کے ولی تھے، قوم کے سامنے جب توحید کا وعظ فرمایا تو اسی

لفظ سے شروع فرمایا۔ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ (وہ اپنے رب کے ساتھ ایمان لائے تھے
فَقَالُوْا رَبُّنَا رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ لَنْ نَّدْعُوَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلٰهًا (کہف ع۲)
انہوں نے قوم کو کہا ہمارا رب تو وہی ایک ہی ہے جو زمین و آسمان کا رب ہے،
اس کے سوا کسی کو کارساز الٰہ نہیں سمجھتے۔
آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تبلیغی دلائل کا جو بیان قرآن کریم میں ہے۔
بکثرت توحید کے اثبات میں اسی صفتِ ربوبیت کا ذکر ہے۔
یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ
تَتَّقُوْنَ ○ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ اَنْزَلَ مِنَ
السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّ اَنْتُمْ
تَعْلَمُوْنَ ○ (پارہ ۱ رکوع ۳)
اے لوگو! رب کی بندگی کرو جس رب نے تمہیں پیدا کیا اور تم سے پہلے لوگوں کو
پیدا کیا تاکہ تم بچو۔ رب وہ ہے جس نے تمہارے لئے زمین کو فرش، آسمان کو چھت
بنایا۔ اور آسمان سے پانی اتار کر زمین سے تمہاری روزی نکالی۔ پس مت بناؤ اللہ
کے ساتھ شریک اور تم جانتے ہو۔
اور بھی بہت آیات ہیں جن میں توحید کے ثبوت کے لئے اس صفت کا بیان ہے۔
کتاب لاریب پیام الٰہی صحیفۂ محمدی قرآنِ مقدس کی ابتدائی سورت جس
کو خود قرآن کی زبان میں **سبع مثانی** اور **قرآن عظیم** کا درجہ دیا گیا ہے
سورۂ فاتحہ شریف کی پہلی آیت کریمہ میں جہاں اللہ رب العزۃ نے اپنی ذات
پاک کا تعارف اپنی بے انتہاء غیر محدود تعریفوں سے کرایا ہے ان میں عظیم الشان
اور پہلی صفت یہی ارشاد فرمائی "رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ"
اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○
سب (تمام) تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں جو سب جہانوں کا رب ہے۔

معنیٰ ربوبیت

ربوبیت (پرورش) بندہ و مالک، عبد و معبود، خالق و مخلوق کے درمیان اس تعلق کا نام ہے جو آغاز سے لے کر انجام تک، پیدائش سے لے کر وفات تک بلکہ وفات کے بعد سے ابد تک قائم رہتا ہے جو ایک لمحہ کیلئے منقطع نہیں ہوتا نہ ہوسکتا ہے جس کے بل اور سہارے پر دنیا اور دنیا کی مخلوقات کا وجود ہے وہ گہوارۂ عدم سے لے کر فنائے محض کی منزل تک ہر قدم پر ہر سانس پر ہر موجود کا ہاتھ تھامے رہتا ہے انسان ذرہ ہو یا بصورتِ غذا، قطرۂ آب ہو یا قطرۂ خون، مضغۂ گوشت ہو یا مشتِ استخوان، شکمِ مادر میں ہو یا اس سے باہر، بچہ ہو یا جوان، ادھیڑ ہو یا بوڑھا، نیک ہو یا بد، عالم ہو یا جاہل، پیارا دوست سے دوست دلی ہو یا نافرمانوں میں سے نافرمان دشمن شیطان، بڑی سی بڑی شان والا پیغمبر ہو یا مخالفوں سے مخالف مشرک و کافر کوئی ہو کوئی آن کسی لمحہ رب کے مہر و کرم اور اس کے لطف و پرورش سے مستغنی اور بے نیاز نہیں ہوسکتا۔

اگرچہ اکثر لوگ اس رمزِ ربوبیّت سے تغافل کر کے نا آشنائی اور حق ناشناسی کا ثبوت دیتے ہیں، مگر اہل اللہ، عباد اللہ، ولی اللہ، انبیاء اللہ سب کے سب اس کی جود و بخشش، کرم و احسان، اور اس کے فضل و رحمت کی بے انتہا بارش کی خمخانۂ ربوبیت سے سرشار شکر گذاری سے اپنی زبانوں کو اس کی وصف رب سے تر رکھتے ہیں۔ سپاس گذاری کا یہ پُر کیف نغمہ دنیا نے سیدنا آدمؑ سے لے کر محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک تمام خدا کے برگزیدہ اور پسندیدہ اولوالعزم انبیاءؑ و مرسلین علیہم السلام کی مبارک زبانوں سے سنا۔ تسکین و حیاتِ قلب اور تسلی و تشفی کا یہ روح افزاء پیام سب انبیاء کرام کے مبارک زبانوں سے نکل کر ہونٹوں سے ٹکراتے ہوئے ان مقدس لبوں سے ادا ہوا۔ انعام و احسان، رحم و کرم کے بحرِ بیکراں

کا یہ ساحل انہی کے دکھانے سے ہمیں نظر آیا۔ اور ان پاکباز ذی شان غلاموں عاجزوں محتاجوں اور بندوں مقبولانِ بارگاہ پیغمبروں اور رسولوں کی پاک زبانوں سے "رَبِّ" "رَبَّنَا" کہہ کر پکارنے سے ہی شانِ ربوبیت اور عظمت ربوبیت ہم گنہگاروں کو معلوم ہوئی۔ کونسا ولی ہے یا کونسا پیغمبر ہے جس نے اللہ کو شانِ ربوبیت کے لفظ رَبِّ یا رَبَّنَا سے نہیں پکارا۔

قرآن مجید میں ان مخصوص دعاؤں کا ایک بہت بڑا ذخیرہ موجود ہے جن میں اللہ کی صفت رَبّ سے اس کو پکارا گیا ہے۔ جس سے مالک الملک احکم الحاکمین قادرِ مطلق، مختار کل، ربّ العالمین، کے سامنے عاجزی، بیکسی، محتاجگی، درماندگی، بے بسی، ذلّت آمیزی، غلامی، بندگی کا بہترین مظاہرہ ہے۔ اگر ضروری ہو تو سیّدنا آدمؑ سے نام بنام انبیاء علیہم السلام کی دعائیں، اصحاب کہف اور بزرگوں ولیوں کی دعائیں اور مختلف دعائیں جن کی ابتداء میں رَبِّ، رَبَّنَا ہو الگ الگ عنوان سے باترجمہ دیکھیں اور یاد کریں۔

سورۂ اخلاص

توحید کا کھلم کھلا اعلان اور شرک کی علانیہ تردید

اللہ کے متعلق یہود و نصاریٰ اور اہل عرب مشرکین کا جو پست تخیّل تھا اور جن معبودوں، ملائکہ، جنّات اور اولیاء و انبیاء کو خدائی اختیارات کا درجہ دے رکھا تھا، عشق و محبت کے رنگ میں ان کی تعریفیں کرتے اور ان کی حمد کے ترانے گاتے گاتے غلوّ میں آگے بڑھ گئے کہ خدا سے بھی بڑھا دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری رسولؐ پر قرآن مجید میں سب سے مختصر سورت نازل فرمائی جس میں توحید کی حقیقت کا کھلم کھلا بیان ہے اور شرک کا واضح بطلان ہے،

اسی وجہ سے اس چھوٹی سی سورت کا نام "سورۂ اخلاص" ہے کہ دلوں کو شرک کی نجاست، گندگی اور پلیدی سے پاک و صاف کر کے توحید کی پہچان کے لئے خالص کرتی ہے۔ ہے تو سب سے مختصر، مگر توحید کے اثبات اور شرک کی نفی و تردید کا جو سمندر اس کوزے میں بند کیا گیا ہے یہ محض کلام الٰہی قرآن مجید ہی کا اعجاز اور اس سورت کو یہ درجہ حاصل ہے۔ اسی لئے صحیح احادیث میں اللہ تعالیٰ کے محبوب داعیٔ توحید حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سورۂ اخلاص کو قرآن مجید کا ایک تہائی حصّہ بیان فرمایا ہے

غور کرو کہ جس سورت کو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قرآن کریم کا تیسرا حصّہ فرماتے ہیں وہ آپؐ کی دعوت و تبلیغ کی صداقت کا کتنا عظیم خزانہ ہے۔

ملاحظہ ہو :

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ ۝ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝

فرما دیجئے وہ اللہ ایک ہے ۔ اللہ بے نیاز ہے ۔ نہ کسی کو جنا، نہ کسی سے جنا گیا۔ اور نہیں اس کے جوڑ کا کوئی ۔

صحیفۂ الٰہی قرآن کریم کی اس چھوٹی سی سورت میں صفاتِ الٰہی سے توحید کا تخیل کتنا پاک، اعلیٰ، اور بلند و عظیم انداز سے بیان کیا ہے جس سے مذہبی دنیا کی صدیوں کی اجڑی ہوئی بستی آباد ہوئی۔ جس سے معبودانِ باطلہ کی جھوٹی عقیدت و محبّت کی کایا پلٹ گئی اور اس کی جگہ سچے معبودِ حقیقی کے ساتھ ایمان و یقین کی دولت نصیب ہوئی۔ اس کا اندازہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے بیان سے ہو سکتا ہے جو اسی عرب میں نژاد قبیلہ کے ایک ممتاز فرد تھے۔

غور کیجئے کہ اب قرآن کریم کی تعلیم سے ان کا دل کتنا منوّر ہو چکا تھا کہ وہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں اعلیٰ درجہ کے ماہرِ قرآن سمجھے جاتے تھے۔ وہ سورتِ اخلاص کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ "صمد" وہ ہے جو نہ جنتا ہو اور کسی نے اسے جنا ہو۔ کیونکہ جو جنا جاتا ہے وہ مرتا بھی ہے اور جو مرتا ہے وہ اپنا وارث و جانشین بھی

چھوڑ جاتا ہے۔ اور خداوند تعالیٰ نہ مرتا ہے نہ اس کا کوئی جانشین ہے اور کوئی بھی اس کا ہمسر نہیں ہے یعنی کوئی اس کے برابر نہیں اور نہ ہی اس کے کوئی مثل ہے۔ کذا فی المستدرک للحاکم ابی عبداللہ فی تفسیر سورۃ الاخلاص)

اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ یمنی عرب کے فرد ہیں قرآنی تعلیمات سے پہلے حقائقِ توحید سے بے بہرہ تھے، لیکن اب وہ خدا کی تنزیہ و تقدیس کے موتی اپنے منہ سے اگل رہے ہیں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ آدمؑ کے بیٹے نے مجھے جھٹلایا اور آدمؑ کے بیٹے نے مجھے گالی دی۔ اس کا جھٹلانا یہ ہے کہ اس نے کہا کہ خدا دوبارہ پیدا نہیں کریگا حالانکہ پہلی بار کے پیدا کرنے سے دوسری بار کا پیدا کرنا بہت آسان ہے۔ اور اس کا گالی دینا یہ ہے کہ اس نے کہا کہ خدا کی اولاد ہے حالانکہ میں "ایک آدر صَمَد" ہوں جس نے نہ کسی دوسرے کو جنا ہے اور نہ کسی دوسرے نے اس کو جنا ہے۔ اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہے (صحیح بخاری تفسیر سورۂ اخلاص)

غرض: اس مختصر سورہ میں سب سے چھوٹا لفظ "صمد" ہے لیکن درحقیقت قرآن کی بلاغت نے اس ایک لفظ میں صفات الٰہی کا بے پایاں دفتر چھپا رکھا ہے۔

صَمَد کے معنی لغت میں اونچی پتھریلی زمین یا چٹان کی چوٹی کے ہیں جو کسی ایسی وادی میں ہو جہاں جب سیلاب آتا ہے تو اس پر پانی نہ چڑھتا ہو اور لوگ اس وقت دوڑ دوڑ کر اسی پر چڑھ کر اپنی جانیں بچائیں۔

اسی لغوی معنے کی حیثیت سے صمد اس سردار کو بھی کہتے ہیں جو بزرگی اور شرافت میں انتہائی معراجِ کمال پر ہو جس کی موجودگی کے بغیر مجلس میں کوئی فیصلہ نہ ہو سکتا ہو جس کے اوپر کوئی دوسرا سردار نہ ہو اور ایسی جائے پناہ پر بھی مستعمل ہوا ہے جو سب کو مصیبت کے وقت اپنے دامن پناہ میں لے سکے اور اس مرکز اور مرجع کے معنی میں بھی آیا ہے کہ جس کی طرف ہر شخص دَوڑ دَوڑ کر جاتا ہے

صَمَد ٹھوس شئے کو بھی کہتے ہیں جس کے اندر خول نہ ہو۔ اسی سے اس کو بھی کہتے ہیں جو

کھاتا پیتا نہ ہو۔ اور جس کے آل اولاد نہ ہو۔

صمد اس کو بھی کہتے ہیں جو سب سے بے نیاز ہو اور اس سے کوئی بے نیاز نہ ہو

صمد اس بہادر کو بھی کہتے ہیں جس کو لڑائی میں بھوک اور پیاس نہ لگتی ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ صمد وہ سردار ہے جو اپنی بزرگی اور اپنی سرداری میں درجۂ کمال پر ہو، وہ شریف جس کی شرافت کامل ہو، وہ بڑا جس کی بڑائی میں کچھ نقص نہ ہو، وہ بردبار جس کی بردباری بدرجۂ اتم ہو، وہ بے پرواہ جس کی بے پرواہی و بے نیازی کی کوئی حد نہ ہو، وہ زبردست جس کے جبروت کی کوئی انتہاء نہ ہو، وہ علم والا جس کا علم وسیع ہو، وہ حکیم جس کی دانائی کا کوئی جواب نہ ہو، یعنی وہ بزرگی و بڑائی کے کمال کی ہر صنف اور صفت میں کامل ہو۔

ان معنوں کے علاوہ بھی صحابۂ کرام، تابعین عظام نے صَمَد کے لفظ کی تفسیر میں الفاظ فرمائے ہیں۔ تفسیروں میں حسب ذیل معانی بھی لکھے ہیں۔

حضرت ابن عباس رض : وہ جس کی طرف مصیبت کے وقت لوگ رجوع کریں

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ : جس کے اندر معدہ وغیرہ جسمانی اعضاء نہ ہوں

حضرت بریدہ رض : جس میں جوف (پیٹ) نہ ہو۔

حضرت عکرمہ رض : جس میں سے کوئی دوسری چیز نہ نکلے۔

حضرت قتادہ رح : باقی غیر فانی

حضرت عکرمہ رح دشعبیؒ : جو کھاتا نہ ہو

حضرت ربیع بن انس رح : جس کے اولاد نہ ہو نہ ماں باپ

حضرت حسن بصری رح : وہ حیّ وقیوم جس کو زوال نہ ہو اور جو باقی ہو

تفسیر ابن کثیر رح میں ہے کہ طبرانی رح نے بہت سے معانی نقل کئے ہیں۔ سب کو نقل کر کے فرماتے ہیں وکل ھٰذہ صحیحۃ وھی صفات ربنا عزّ وجلّ ھو الذی یصمد الیہ فی الحوائج الخ یعنی یہ سب معانی صحیح ہیں اور یہ سب ہمارے رب کی صفات ہیں وہ وہی ہے جس کی طرف تمام حاجات میں رجوع کیا جاتا ہے سب اسی کے محتاج ہیں وہ کسی کا محتاج نہیں

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ تمام معانی اس ایک لفظ کے اندر پوشیدہ ہیں۔ اور یہ سب کے سب معانی صرف ایک حقیقت کی مختلف تعبیریں ہیں۔ چٹان ہو سردار، مرکز و مرجع ہو یا جائے پناہ، سب کا نچوڑ اور خلاصہ یصمل الیہا فی الحوائج، مصیبتوں اور حاجتوں میں جس کی طرف رجوع کیا جائے۔ اور غالبًا اسی لسنبت سے اردو زبان کے پہلے مترجم حبرالہند ماہر روح القرآن مفسر قرآن شاہ عبد القادر محدث دہلویؒ نے صمد کا ترجمہ "نزا دھار" کیا ہے جس کا واضح مفہوم یہ ہے کہ ساری کائنات کی تمام مخلوقات اپنی تمام حاجتوں میں اسی کی طرف محتاج ہوں اور وہ کسی وقت بھی کسی چیز میں کسی کا محتاج نہ ہو

اس سورت میں خدا کی صفت کے دو لفظ ہیں اَحَد (ایک) صَمَد (جائے پناہ) اور یہ دونوں خدا کے ایسے کمالی اوصاف کو حاوی ہیں کہ اس کی یکتائی اور شانِ صمدیت کا نتیجہ تو یہی ہے کہ "اس جیسا کوئی نہیں"۔ نہ اس کو کسی کی حاجت نہ اس کو کسی سے غرض، وہ یکتا و تنہا اکیلا، بے نیاز، بے پرواہ، سب سے مستغنی اور سب سے الگ ہے۔ لیکن کمال اوصاف کا تقاضا یہ ہے کہ وہ سب کے ساتھ سب کا دستگیر، سب کی جائے پناہ، سب کا محتاج الیہ، سب کا مرکز، سب کا مرجع، سب کا ملجا، سب کا ماوٰی، یعنی سب کی چٹان ہے جو مصیبتوں میں سہارا، بلاؤں میں تسلی، اور اضطرابوں، اور پریشانیوں میں تشفی، مشکلوں میں ڈھارس ہے۔

فَفِرُّوْا اِلَى اللّٰهِ (ہر حاجت میں دوڑ کر اللہ کی طرف رجوع کرو۔)

باقی اس سورت میں لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ تو صرف شرک کے "شجرۂ خبیثہ" کے پرانے اور کھوکھلے تنے پر تیزدار آرہ ہے جس نے شرک کے ٹکڑے کر کے اس کے جاہلانہ کھوکھلے پن کو ظاہر کر دیا ہے۔ شرک کو مار بھگانے کیلئے **سورۂ اخلاص** کا مضبوط ڈنڈا اتنا زبردست کامیاب ہتھیار ہے کہ اس کی ایک ہی ضرب سے شرک کا کچومر نکل جاتا ہے

یہ سورۂ مقدسہ توحید باری کے ہر شعبہ کو حاوی ہے۔ اور اسی لئے اس کو ثُلُثُ القرآن (تہائی حصہ قرآن) کا درجہ دیا گیا ہے۔

سورۂ اخلاص سے صحابہؓ کی محبّت

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس سورۂ اخلاص سے کتنی محبت تھی اور ان کو اس سورت کے پڑھنے میں کتنا وجد اور کس قدر مزہ آتا تھا۔
اس کا اندازہ چند واقعات سے ہی لگائیں ۔

ایک صحابیؓ تھے جو نماز کی ہر دو رکعت میں قراءت کے اخیر میں سورۂ اخلاص کو پڑھا کرتے تھے ۔ لوگوں نے یہ بات آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کی ۔ آپؐ نے اس سے اس کی وجہ دریافت کی ۔ اس نے کہا۔ اس سورت میں میرے رب کی صفتیں بیان ہوئی ہیں جو مجھ کو بہت ہی محبوب ہیں ۔ آپؐ فرمایا بشارت ہو کہ خدا بھی تم سے محبت کرتا ہے (صحیح بخاری شریف کتاب التوحید ص۱۰۹۸)

ایک اور صحابی انصاری تھے جو مسجد قبا میں امامت کرتے تھے ، ان کا یہ حال تھا کہ ہر رکعت میں فاتحہ کے بعد پہلے سورۂ اخلاص کو پڑھ لیتے تھے تب کوئی دوسری سورت پڑھتے تھے
صحابہ نے اس پر اعتراض کیا تو انہوں نے کہا کہ مجھے تمہاری امامت چھوڑنی منظور ہے مگر اپنی روش بدل کر سورۂ اخلاص کی تلاوت چھوڑنی منظور نہیں ۔ لوگ بھی ان کی امامت پہ ہی راضی اور خوش تھے اور چاہتے تھے کہ یہی امام رہیں کیونکہ وہ ان سب میں قرآن کے زیادہ عالم و ماہر تھے ۔ آخر مقتدی صحابہؓ نے اپنا اعتراض و اضطراب اور ان کا جواب سب واقعہ کا تذکرہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں عرض کیا۔ آپؐ نے اس صحابی سے جو امام تھے ان سے پوچھا کہ اس کی کیا وجہ ہے ۔ تم مقتدیوں کی بات کیوں نہیں مانتے اور ایسا کیوں کرتے ہو ؟ تو اس نے عرض کی ۔ اے اللہ کے پیارے رسولؐ مجھے یہ سورۃ بہت ہی محبوب ہے ۔ اس پہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ یہ محبّت تمہیں جنت میں لے جائیگی (صحیح بخاری کتاب الصلوٰۃ باب الجمع بین السورتین ص۱۰۶)

اور اس سے قدرے دوسرے انداز میں اسی طرح کا ایک واقعہ مسلم شریف میں ہے ،

کہ ایک دفعہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کو ایک جماعت کا امیر بنا کر بھیجا وہ جب نماز پڑھاتے تو ہر سورۃ کے آخر میں سورۂ اخلاص قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ضرور پڑھتے۔ جب یہ جماعت سفر سے لوٹ کر آئی تو خدمتِ اقدس میں یہ واقعہ عرض کیا۔ آں حضور ؐ نے فرمایا اُن سے پوچھو وہ ایسا کیوں کرتے ہیں۔ لوگوں نے پوچھا، تو جواب دیا کہ میں اس لئے ایسا کرتا ہوں کہ اس سورت میں رحم والے خدا کی صفت کا بیان ہے تو مجھے اس کے پڑھنے سے محبت ہے۔ آں حضرت ؐ نے فرمایا کہ جاؤ اس کو بشارت دو کہ رحم والا خدا بھی تم سے محبت کرتا ہے (صحیح مسلم کتاب صلوٰۃ المسافر و قصرہا)

حضرت قتادۃ بن النعمان رضؓ ایک صحابی تھے جو رات بھر اسی ایک سورۂ اخلاص کو دہراتے اور لطف حاصل کرتے رہتے تھے۔ لوگوں نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا تذکرہ کیا۔ تو آپؐ نے فرمایا یہ قرآن کا تہائی حصہ ہے

اور بھی بہت سی احادیث ہیں۔

بتانا صرف یہ مقصود ہے کہ یہ سب توحید کی محبت تھی کہ اتنا لطف اور مزہ آتا تھا۔

دراصل اس حقیقت کا صحیح اندازہ وہی لگا سکتا ہے جس کو "حلاوۃ ایمان" کا ذوق ہو اور خدا کی توحید کے سمندر کی لہریں اس کے دل میں موجیں مار رہی ہوں۔

اس سورۃ کی تلاوت میں مزہ تھا جس میں توحیدِ باری کی صفات کا ذکر تھا۔ اگر اس گمراہی اور تاریکی کا اندازہ لگائیں جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے عرب میں چھائی ہوئی تھی۔ اور جب آں حضرت ؐ تشریف لائے اور خدا کی توحید کا پیغام پہنچایا جن نفوسِ قدسیہ کے دل و دماغ میں توحیدِ الٰہی کی حقیقت جم گئی اور اس کی محبت جن کے دلوں میں رچ گئی۔ پھر اندازہ لگاؤ کہ آگ کے انگارے بھی اس کا ادنیٰ سا نشان بھی نہ مٹا سکے کوئلوں کی آگ تو ان کے جسمِ اطہر کے خون و پسینہ سے ٹھنڈی ہو گئی۔ مگر توحید کی محبت ٹھنڈی نہیں پڑی۔ وہ ولولہ توحید کا جوش وہ لطف و مزہ اور زیادہ ہوتا گیا۔ کیا یہ توحید کا روحانی لطف اور نورانی مزہ نہیں جو توحید کیلئے آگ پر لیٹنے میں ہی اور مصیبتوں اور تکلیفوں کے تختۂ مشق بننے میں ہی آتا تھا۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تبلیغ سے توحید کی معرفت و محبت کے خمار اور نشہ سے صحابۂ کرام کس قدر سرشار تھے اور اس حقیقت سے کتنے آشنا اور اس لطف و مزہ سے کس طرح بہرہ اندوز تھے کہ حضرت بلالؓ دیکھو، ٹھیک دوپہر کے وقت عرب کی جلتی ہوئی ریت پر ان کو لٹایا جاتا ہے ایک گرم پتھر سینہ پر رکھا جاتا ہے۔ اور خدا کی توحید سے انحراف کیلئے ان کو مجبور کیا جاتا ہے وُہ سب تکلیفیں برداشت کرتے ہیں۔ مصیبتیں جھیلتے ہیں۔ مشکلات اٹھاتے ہیں۔ ہر قسم کا ظلم و ستم سہتے ہیں۔ مگر زبان سے وہی احد احد (ایک۔ ایک) کا ترانہ نکلتا ہے۔ مکّہ کا ذرہ ذرہ صدائے توحید کا مخالف و دشمن ہے۔ حضرت ابو ذر غفاری رضؓ یہ جان کر بھی جوش وحدت سے سرشار ہو کر **صحن کعبہ** میں کلمۂ توحید کا باآواز بلند اعلان کرتے ہیں۔ ہر طرف سے پتھروں ہڈیوں جوتوں وغیرہ کی بارش ہوتی ہے۔ خوب مار پڑتی ہے۔ بعض لوگ آکر چھڑا دیتے ہیں۔ لیکن جب دوسرے دن کی صبح نمودار ہوتی ہے تو پھر توحید الٰہی کی معرفت و محبّت اور لطف و مزہ کے کیف و مستی کا وہی عالم نظر آتا ہے۔ اور مشرکین کی طرف سے وہی سزا ملتی ہے۔

سیکڑوں نہیں ہزاروں ایسے واقعات ہیں۔ خدا کی قسم بعض صحابہؓ نے توحید کے جوش جنون میں اور اس کے لطف و مزہ کی کیف و مستی کے نشہ میں فُزْتُ بِرَبِّ الْکَعْبَۃِ کا حقانی نعرہ لگاتے ہوئے جان کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے فخر محسوس کیا کہ اللہ کی قسم میری جان توحید کی خاطر قربانی ہوئی میں کامیاب ہو گیا۔

یہ نامکمل سلسلہ یہیں چھوڑتا ہوں۔ اور آخر میں سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تبلیغ کا خاص الخاص موضوع توحید اور محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم میں اس کی خاص اہمیت اور توحید کی عظمت پر قرآن عظیم کی شہادت کی ایک ہی آیت پیش کر کے اس باب کو ختم کیا جاتا ہے۔

آخری قاصد و مبلغ اور داعیٔ توحید مصلح برحق سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

کونصابِ تبلیغ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے کہ اعلان فرمادو
قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً قُلِ اللّٰهُ (پارہ ۷ انعام رکوع ۲)
میرے محبوب! تو پوچھ سب سے بڑی گواہی کس کی ہے۔ قُلْ کہہ دے اللہ کی
وہ گواہی کیا ہے۔ اور کہاں ہے
ساری کائنات کو اللہ تعالیٰ نے اسی گواہی کے لئے پیدا کیا، فرشتوں پیغمبروں
سب کو اسی گواہی کے لئے بنایا۔ اور سب کتابیں اور صحیفے اسی گواہی کے لئے
اتارے۔ وہ گواہی کیا ہے۔ فرمایا۔
شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا
بِالْقِسْطِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ○ (پارہ ۳ آل عمران رکوع ۲)
اللہ نے خود شہادت دی ہے کہ اس کے سوا کوئی کارساز نہیں ہے۔

باب ششم

معجزات النبی

وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (پارہ ۱۳ رکوع ۱۳)
اور کسی رسول کے بس میں یہ بات نہ تھی کہ وہ حکم الہٰی کے بغیر کوئی نشان لا سکے۔
قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝
فرما دیجئے کہ اللہ تو قادر ہے کہ وہ منہ مانگی نشانی اتار دے لیکن اکثر اس کے نتائج سے واقف نہیں
وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۝ (پارہ ۱۱ رکوع ۱۵)
اور جو ایمان لانے والے نہیں ان کو نہ دلائل کچھ سود مند ہوتے ہیں اور نہ ڈرانے والے

حضرات گرامی! اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے پہلے پانچ ابواب کی تکمیل کی توفیق بخشی (۱) ضرورت رسالت (۲) منصب رسالت (۳) بشریۃ اور رسالت (۴) وحی اور علم غیب (۵) دعوت و تبلیغ

ان کی تفصیل آپ ملاحظہ کر چکے ہیں۔ اب یہ چھٹا باب معجزات النبی صلی اللہ علیہ وسلم شروع ہے۔ جس کی تفصیل ہدیۂ ناظرین کر رہا ہوں

اس حقیقت سے ہر شخص بخوبی واقف ہے کہ مذہب میں اعتقادات کی حیثیت کتنی اہم اور ضروری ہے۔ خصوصاً معجزات جو کہ اسلامی عقائد کا بہت ضروری حصہ ہیں۔ ان کی بحث کتنی نازک ہے۔ اس وادیٔ خارزار سے عقیدہ

توحید کے نازک ترین دامن کو بغیر الجھائے کے صحیح و سلامت بچا کر گزر جانا کس قدر مشکل ہے۔ ساتھ ہی اس عاجز بندہ نافہم و ہیچمدان کو اپنی علمی بے مائیگی کا پورا پورا اعتراف ہے۔ اس کے باوجود اس پُرخطر میدان میں محض اللہ تعالیٰ کے فضل و رحمت پر بھروسہ کر کے قدم رکھتا ہوں۔ مجھے اپنے ربّ کریم رحمٰن و رحیم کی ذات پاک بابرکات پر پورا یقین ہے کہ وُہ مجھ کمزور و ناتوان کی مدد فرما کر منزل مقصود تک پہنچائے گا

تاہم معجزات کے متعلق مسائل و نظریات کی بحث و تحقیق اور جد وجہد اور محنت و کاوش اور پوری طرح دیدہ ریزی کی جو حقیر سی کوشش اور ادنیٰ اور معمولی سی سعی کی گئی ہے اس کا ایک ہی جذبۂ محرکہ ہے کہ اللہ تعالیٰ حق کو صحیح حق سمجھنے اور سمجھانے کی توفیق عطا فرمادے۔ اور باطل اور گمراہی سے اللہ تعالیٰ بچائے۔ اور جو بھائی کسی غلط فہمی یا گمراہی میں مبتلا ہیں اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے انہیں راہِ راست نصیب فرمادے۔ اور اس مقصدِ عظیم میں کامیابی کا سب سے بڑا صلہ یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ آخرت میں ثواب کا بہترین ذخیرہ بنادے اور مجھ رُوسیاہ بدکار و گنہ گار کے گناہوں کو اپنی رحمت سے بخش دے اور معاف فرمادے۔

مسئلۂ معجزات کی عقیدہ کی حیثیت کے پیشِ نظر اس کی پوری احتیاط کی گئی ہے کہ مسئلہ کی تشریح و توضیح میں قدم صراطِ مستقیم سے ہٹنے نہ پائے اور حقیقت سے تجاوز نہ ہو۔ تاکہ منزل دُور تو کیا گُم ہی نہ ہو جائے۔

پھر بھی اس ربّ کریم غفور رحیم کی بارگاہِ اقدس میں نہایت عاجزی و درماندگی سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ غلطیوں سے بچائے۔ اور تو ہی عالم الغیب والشہادہ علیم خبیر ہے۔ جانتا ہے کہ قدم نے کہاں ٹھوکر کھائی ہے۔ تو میری غلطیوں اور خطاؤں کو معاف فرما۔ اور اے پروردگار! تو میری غلطی و لغزش کو دوسروں کی لغزش کا سبب نہ بنانا۔ اور ہم سب کو سیدھی راہ

دکھانا اور اسی پر قائم رکھنا رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَا اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَانَا
اٰمین یَا اِلٰہَ الْعٰلَمِیْنَ ○

قارئین حضرات سے ہمدردانہ گذارش ہے کہ انسان انسان ہے۔ خطاؤ ونسیان کا پتلا ہے۔ بندۂ ناچیز کو کوئی دعوٰے نہیں۔ اگر ناظرین کرام کو مسئلۂ معجزات میں یا کتاب کے کسی بھی مقام پر کوئی بات بھی جادۂ مستقیم مسلک اہل السنۃ والجماعت کے خلاف کوئی بھی غلطی معلوم ہو تو بغرض اصلاح ضرور بالضرور بادلیل مطلع فرماکر ممنونِ کرم کریں۔ بندۂ خاکسار کو اس کے قبول کرنے اور حق کو تسلیم کرنے میں کوئی عذر نہیں اور نہ ہی کسی قسم کا کوئی پس وپیش۔ اور نہ باعث خجلت و ندامت ہے۔ بلکہ غلطی کی اصلاح پر بندہ کو فخر محسوس ہوگا۔

حقیقتِ معجزہ

سب سے پہلے معجزہ کے متعلق یہ غور وفکر کرنے کی ضرورت ہے کہ
(۱) معجزہ کی اصل حقیقت کیا ہے۔
(۲) اور معجزہ کی شرعی حیثیت کیا ہے۔

معجزہ کی عام فہم تعریف یہ سمجھنی چاہیئے کہ جو فعل خارقِ عادت یا مافوق العادت اللہ کی طرف سے پیغمبر علیہ السلام سے صادر ہو اس کو معجزہ کہتے ہیں۔

مزید اس کی حقیقت کی وضاحت اس طرح سمجھیں کہ عالمِ کائنات ایک خاص نظام پر قائم ہے۔ مادی دنیا کی ہر ایک چیز اسی نظام خاص پر چل رہی ہے۔ رات کے بعد دن نمودار ہوتا ہے، خزاں کے بعد بہار آتی ہے، موسم کے حساب سے گرمی اور سردی آتی جاتی ہے۔ ہر شے کی ایک علت اور ہر حادثہ کا ایک سبب

ہے۔ علت اور سبب کے بغیر کوئی شے پیدا نہیں ہوتی۔ علت و معلول کا جو سلسلہ اشیاء میں نظر آتا ہے ان میں باہم اس قدر لزوم ہے کہ ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے۔ ہر چیز میں ایک خاصیت ہے جو اس سے الگ نہیں ہو سکتی۔

عام طور پر عادت یہی ہے کہ جس چیز میں جو خاصیت نہیں ہے اس کا ظہور و صدور بھی اس سے نہیں ہو سکتا۔ مثلاً آگ جلاتی ہے، سمندر بہتا ہے۔ درخت و پتھر ساکن ہیں چلتے اور بولتے نہیں۔ سنکھیا زہر قاتل ہے۔ انسان مرنے کے بعد قیامت سے پہلے پھر جیتا نہیں۔

اب اگر آگ نے کسی کو نہیں جلایا (جیسا کہ نارِ نمرود نے حضرت سیدنا ابراہیم خلیل اللہ کو نہیں جلایا) یا سمندر دفعتہً تھم گیا ہو اور درمیان سے صاف خشک راستے بن گئے ہوں اور پھر دفعتہً چل پڑے (جیسے دریائے نیل حضرت موسیٰؑ اور بنی اسرائیل کے لئے تھم گیا اور راستے بن گئے۔ اور فرعون کے لئے چل پڑا اور فرعون اور اس کا سارا لشکر غرق ہو گیا) اور یا مُردوں کا دوبارہ قیامت سے پہلے جی اُٹھنا (جیسے حضرت عزیر علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بیان میں)

عام عادت کے مطابق ایک شہر سے دوسرے شہر، ایک ملک سے دوسرے ملک تک سفر میں دنوں اور مہینوں کا وقت لگ جاتا ہے۔ مگر آن حضرت سرورِ کائنات فخرِ موجودات خاتم النبیین سید المرسلین محمد مصطفےٰ احمد مجتبےٰ صلی اللہ علیہ وسلم رات کے مختصر وقت میں بیت اللہ خانۂ کعبہ سے بیت المقدس شام تک اور زمین سے آسمانوں اور سدرۃ المنتہیٰ جہاں تک اللہ نے چاہا سفر کیا، یہ اس نظام کائنات کی عام عادت اور اسباب کے خلاف ہے اسی کو خارقِ عادت، مافوق العادت کہتے ہیں

یاد رکھئے معجزہ کے لئے مافوق العادت، خارق عادت ہونا ضروری ہے

ورنہ جو عمل اسباب و عادت جاریہ کے مطابق ہو تو معجزہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اور اس پر معجزہ کا اطلاق کیسے درست ہو سکتا ہے۔

اس مختصر سی حقیقت کے سمجھنے کے بعد اس امر پر سوچنا بہت ہی ضروری ہے کہ

معجزہ کی شرعی حیثیت کیا ہے

حضرات انبیاء کرام علیہم السلام سے جو یہ مافوق العادت امور صادر اور ظہور پذیر ہوتے ہیں اس کے باوجود بھی وہ اللہ کے محتاج و عاجز بندے اور بشر ہی ہوتے ہیں اور یہ جو کچھ عجائب قدرت افعال ظاہر ہوتے ہیں وہ ان کے نہیں بلکہ ان کے رب کا فعل ہوتا ہے۔ اکثر ان کے ارادے کا اور ان کی مشیت اور قدرت کا تو قطعاً اس میں دخل تک نہیں ہوتا۔ وہ صرف ان کے رب ہی کی مشیت و قدرت سے ان کے دعوئی کی تصدیق کیلئے صادر اور ظاہر کیا جاتا ہے۔

معجزہ اس بات کی دلیل و برہان اور اس دعوئی کی صداقت و ثبوت کی نشانی ہوتی ہے کہ پیغمبر علیہ السلام جو دعوئی بیان کر رہے ہیں وہ بالکل سچا اور برحق ہے

تمام انبیاء علیہم السلام کا متفقہ دعوئی ایک ہی تھا لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

اس نظام عالم میں اللہ کے سوا کوئی متصرف و کارساز مالک و مختار نہیں ہے

معجزات حقیقۃً دعوۃ الی التوحید اور مشن نبوت کی نشانی اور دلیل ہیں۔

اسی لئے قرآن مجید میں بجائے "معجزہ" یا "معجزات" کے الفاظ کے بار بار اس کی جگہ "آیت" "آیات" "برہان" کے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں۔ جو اپنے اصلی اور حقیقی مفہوم کو زیادہ صحیح طریقے سے وسیع طور پہ نہایت خوبی سے ظاہر کرتے ہیں۔

اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ (سورۂ انعام رکوع ۱۳ و عنکبوت رکوع ۵)

بے شک نشانیاں خدا کے قبضہ میں ہیں۔

بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ (پارہ ۶ رکوع ۴)

یہ دلیل بھی تمہارے رب کی طرف سے ہی ہے

معجزہ کے متعلق
افراط و تفریط

حضرات اہل بیت اچھی طرح جانتے ہیں کہ معجزہ کی ایک اصطلاح اور اس کے عام استعمال اور اس کے مفہومِ حقیقی سے ناواقفیت کی بنا پر اکثر لوگ افراط و تفریط کا شکار رہیں

ایک گروہ مادہ پرست فلسفہ پرست، عقل پرست محض اپنی عقل اور فلسفہ کے زور سے صرف اسباب و علل کے اختیارات کو ہی تسلیم کرتا ہے اور خرقِ عادت کو ممتنع و محال سمجھ کر ان کے وقوع تک کا انکار کر دیتا ہے۔ باوجود مدعیِ اسلام ہونے کے اور مسلمان کہلانے کے معجزات پر عقلی حیثیت سے اعتراضات وارد کر کے ان کی حقیقت کو تاویلاتِ رکیکہ سے رد بلکہ مسخ کرنے کی ناپاک کوشش کرتا ہے

اور دوسرے گروہ نفس پرست رسمی مذہب پرست۔ شرک پرست لوگوں نے یہ سمجھ لیا کہ معجزہ خود پیغمبر کا فعل ہوتا ہے جس کا ظہور و صدور خاص اس کے اعضاء و جوارح سے ہوتا ہے اور خاص لوازم ذہنی سے یہ اختراع یعنی گھڑ کے فرض کر لیا کہ انبیاء علیہم السلام کو یہ خدائی اختیارات مل جاتے ہیں جس طرح چاہیں وہ تصرف کرتے ہیں۔

عقل پرست اور معجزات

معجزہ کے الفاظ سننے کے ساتھ ہی دلوں میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ حیرت انگیز عجائبات معجزات عقل و فلسفہ کے ترازو میں صحیح ہیں یا نہیں؟ صدیوں سے عقل و نقل اور فلسفہ و مذہب کی یہ جنگ تاہنوز چلی آ رہی ہے۔ اس پر بڑی بڑی معرکۃ الآراء بحثیں ہوتی چلی آئی ہیں اور ہوتی جا رہی ہیں۔ فلسفیوں کی ایک

بڑی جماعت اسی پہ اپنا پورا زور صرف کر رہی ہے کہ معجزات کوئی چیز نہیں وہ عقلی طور پہ ان کو محال قطعی تصور کرتے ہیں اور بعد کو آنے والے موجودہ زمانے کے عقل پرست مدعیانِ فلسفہ انہی کی تقلید کرتے ہوئے اسی بات کو دہراتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں

اور اکثر محققین متکلمین و مفکرین علمائے اسلام نے معجزات کے وقوع اور برحق ہونے کو عقل و نقل سے مدلل طور پہ ثابت کیا ہے اور نہایت عجیب نفیس بحثیں کی ہیں۔ عقل و فہم کا یہ اختلاف دنیا میں ہمیشہ سے قائم تھا اور قائم ہے اور قائم رہیگا۔ مجھے اس وقت ان بحثوں میں پڑنا نہیں ہے اور نہ ہی حقیقۃً اس کے اہل ہوں۔ عین ممکن ہے کہ میں کج فہمی کی خوش فہمی سے اس پہ قلم اٹھاؤں۔ اور اس پورے تانے کو اوراق پہ بکھیر دوں اور پھر ان منتشر تاروں کو آپس میں جوڑ ہی نہ سکوں۔ میں اپنی نفس کو کسی غلط فہمی میں مبتلا نہیں کرتا۔ صاف کہتا ہوں کہ یہ انہی بزرگوں کے لائق شان تھی کہ جنہوں نے ارسطو اور افلاطون کے دانت کھٹے کر دئے۔ اور فارابی اور بوعلی سینا جیسے کٹر مذہبی فلسفیوں کے نظریات کی اصلاح کی۔ ا

البتہ بقدرِ ضرورت بفضل اللہ و توفیقہ معترض کے خلاف دفاع کی سکت رکھتا ہوں۔ بہرحال ان اوراق میں مجھے ان عوام الناس کی اصلاح کے لئے معجزات کے بارے میں کچھ کہنا ہے جو ان کے متعلق غلط فہمی میں مبتلا ہیں۔ عقلی لحاظ کی تردید بھی اسی عوامی سطح پر محدود رہے گی۔ تاکہ بات صحیح واضح ہو کر سمجھ آجائے۔ اور ان شاء اللہ العزیز اسی مختصر سی تحریر میں فائدہ کے لئے بہت کچھ آجائے گا۔

نقل کی تردید عقل سے

جو حضرات محض عقل سے معجزات کا مذاق اڑا دیتے ہیں کہ صاحب! یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ یہ بالکل عقل کے خلاف ہے وغیرہ۔ درحقیقت یہ ان کی طفل مزاج عقل پرستی کا ثبوت ہے۔ جیسے بچوں کو اعلیٰ مقاصد سے زیادہ مٹھائی سے لگاؤ ہوتا ہے اور بار بار اسی کا مطالبہ کرتے ہیں، یہ حضرات بھی اعلیٰ حقیقت کی طرف ملتفت نہیں ہوتے اور اس طرف دھیان تک ہی نہیں کرتے اور صرف عقل عقل کی رٹ لگا کر نقل کو ردّ کر دیتے ہیں۔ اگر اسی کا نام عقل ہے تو پھر بے عقل کا وجود کہاں ہے۔

گذشتہ واقعات و حالات پر اپنی عقل اور خیالی حاشیہ آرائی کرنا خود بے اصل اور مضحکہ خیز چیز ہے۔ اگر یہ سب معجزات عقل کے زاویے میں آنے والی حقیقت تھی تو منکر سحر (جادو) کیسے کہتے تھے۔ ایسی عقل تو عقل کے نام سے بھی وحشت و مرعوبیت آتی ہے کہ خود عقل تک رسائی نہیں ہوتی

ذرا بہ نظرِ عمیق جائزہ لیجئے اور غور کیجئے تو معلوم ہوگا کہ عقل کے لفظی پابندوں نے جس چیز کو اپنی عقل کے زاویے میں ایک ناقابلِ تردید حقیقت سمجھ کر اس کو تقدس کی حد تک درجہ دے رکھا ہے۔ وہ بھی دراصل ان کی عقلِ ناقص ہی کا فتور و قصور ہے۔

اس کی مثال اسی طرح سمجھ لیجئے کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ غریب و مسکین اور غلام ہونے کے باوجود لا الٰہ الا اللہ کی حقیقت کو پا گئے۔ اور ابو جہل جو مکہ کا بڑا سردار، چوہدری، ابوالحکم یعنی داناؤں کا باپ جس سے لوگ بڑے بڑے فیصلے کراتے تھے اور مانا ہوا عقل مند تھا لا الٰہ الا اللہ کی حقیقت کو نہ پاسکا۔ اور اسلام میں "ابو جہل" جاہلوں کا باپ لقب لے کر مرا۔

عقل کے یہ مدعی بھی جس گورکھ دھندے میں پھنسے ہوئے ہیں وہ صرف

یہی ہے کہ ان کا یقین صرف اسباب اور علل معلول پر ہے اور یہ سمجھ رکھا ہے
کہ یہ تمام کائنات کا نظام صرف باہمی تاثیر و تاثر کا نتیجہ ہے۔ اور یہ فرض کر لیا
ہے کہ نظام عالم کا سلسلۂ اسباب ناقابل شکست ہے۔ اور عجیب
طرفہ و تماشا یہ ہے کہ اپنے اس عقیدۂ باطل کے ضمن میں چند اور موہوم باتوں کو بھی
بلا دلیل تسلیم کئے بیٹھے ہیں۔ اور اسی زعم و غرور میں خرقِ عادت معجزات کے
قبول کرنے کی جرأت نہیں کرتے۔ مثلاً

(۱) گویا انہوں نے اپنے ذہن میں یہ تسلیم کر لیا ہے کہ کائنات کے علل اور اشیاء
کے جو خواص انہوں نے دریافت کر لئے ہیں وہ نظام کائنات کے چلانے کے لئے
کافی ہیں۔ اس کے لئے کسی اور کی دست اندازی کی ضرورت نہیں

(۲) کائنات کے چہرۂ اسرار کو انہوں نے تمامتر بے نقاب کر لیا ہے اور ہر شے
کی علت اور خاصیت انہوں نے دریافت کر لی ہے۔ حالانکہ انسانی معلومات اس
کے مجہولات کے مقابلہ میں بہت ہی کم ہیں۔ آسمانوں سے لے کر زمین کی تہوں تک
اس فضائے کائنات کی بے شمار آبادیوں میں معمولی سی بعض اجزائے کائنات تک
ان کی رسائی ہو سکی ہے۔ اتنے سے مبلغ علم پر اتنا بڑا عظیم الشان دعویٰ کسی طرح بھی
زیب نہیں دیتا۔ اور جن چیزوں تک ان کی رسائی ہوئی بھی ہے ان کے متعلق جو کچھ
ان کی معلومات ہیں وہ بھی کیسے؟ اور کیوں؟ کے چکر میں آکر پھنس اور الجھ کر رہ
جاتی ہیں۔ اور آج تک کوئی ایک متحد الخیال جماعت قائم نہیں رہ سکی۔ اتنے مختلف
الخیال گروہ ہوئے کہ ایک نے پہلے کے خیال و تحقیق کو رد کر کے دوسرا خیال قائم
کر دیا اور ان میں آراء اور خیالات کا اتنا شدید اور وسیع اختلاف ہے کہ اس کا
احاطہ بھی مشکل ہے اور کسی کو بھی اس اختلاف سے اختلاف نہیں اور نہ ہی اس کا
انکار۔

حقیقت یہ ہے کہ کرۂ عقل کی سب سے اونچی سطح پر بسنے والے ان فلاسفہ
کے باہمی اختلافات بلکہ تضادِ آراء کا یہ عالم ہے کہ جتنے منہ اتنی باتیں۔ بظاہر مہمل

بے معنی بات بھی تم کو ایسی نہ ملے گی جس کا باور کرنے والا کوئی عاقل سے عاقل فلسفی نہ ملتا ہو۔

مدعیانِ عقل نے جس رنگ میں عقیدۂ معجزات کا مضحکہ اڑایا ہے اور غلط تاویلات کر کے اس عقیدہ کو ہنسی مذاق میں اڑا دیا ہے۔ انہوں نے اسی نظامِ علل و اسباب میں ہی مختلف حیران کن اور تعجب و حیرت میں ڈالنے والی باتوں کو سوچنے کی کبھی زحمت ہی گوارہ نہیں کی۔

سوچیئے! اس عالم میں جس قدر انسان ہیں ان کے نفسانی خصوصیات میں نہایت عجیب و غریب اختلافات نظر آتے ہیں۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے تو آدمی کو حیران کر دیتے ہیں کہ ایک کم فہم اور کودن ہے تو دوسرا زیرک اور ذی فہم ہے ایک کو بولنے کا شوق ہے تو دوسرا سننے کا عادی ہے۔ ایک علم کا عاشق ہے تو دوسرا جہالت کا پروانہ، ایک کے بلند عزم و ہمت کے سیلاب کے سامنے مشکلات کے بڑے بڑے پہاڑ بھی خس و خاشاک ہیں، دوسرا اتنا پست ہمت اور ضعیف الارادہ ہے کہ وہ تنکے کو بھی پہاڑ جانتا ہے، ایک اس قدر قوی الحافظہ ہے کہ عرصۂ دراز کی باتیں ذہن میں محفوظ ہیں، دوسرے کو وقت کا کھانا بھی یاد نہیں رہتا، پھر علم و فن کے عشاق میں بھی کو ادبیات سے لگاؤ ہے کسی کو عقلیات کا چسکا ہے کسی کو معقولات میں مزہ ملتا ہے؛ قوت شہوانیہ کے لحاظ سے دیکھو تو کسی کو سواری کا ٹھرک ہے، کسی کو لباس پوشاک اور وضع قطع کا کسی کو کھانے پینے کا شوق ہے، ایک دولت جمع کرنے میں مزہ ملتا ہے، تو دوسرے کو اس کے اڑانے میں لطف حاصل ہوتا ہے؛ کوئی طبعاً حلیم ہے تو دوسرا غضب کا شعلہ ہے؛ ایک خلقی طور پر قانع و صابر ہے تو دوسرا حریص و طماع؛ کوئی بدزبان ہے مگر بدکردار نہیں، تو دوسرا بظاہر سنجیدہ اور متین نظر آتا ہے مگر بباطن نہایت خبیث اور خفیف الحرکت ہے؛ ان میں سے بھی ہر وصف و خاصیت کے سینکڑوں مدارج و مراتب ہیں۔ الغرض صفات و خواص انسانی کے مظہر اس قدر گوناگوں اور بوقلموں ہیں کہ وہ حصر و تحدید میں بھی نہیں آسکتے۔ غور کرو تو معلوم ہوگا کہ ہر انسان کے نفس میں جو

خصوصیات ہیں ان کے مطابق جو اعمال و آثار اس سے صادر ہوتے ہیں ان پر اس
کو مطلق تعجب نہیں آتا۔ لیکن دوسرے اعمال و آثار جن کے خصائص اس کے نفس میں
نہیں ہیں ان پر اس کو سخت تعجّب آتا ہے، بلکہ اگر ان اشخاص کو اس نے خود دیکھا
نہ ہو تو اس کو ان خصائص کا یقین مشکل سے آئے گا۔ مثلاً ایک بخیل و کنجوس کے
نزدیک بذل و کرم اور سخاوت کی راہ میں تمام گھر لٹا دینا ایک مافوق البشریّۃ جیسا
کارنامہ ہے۔ ایک دنیادار جاہ پسند اور حریص آدمی کو ایک زاہد قانع اور متواضع
آدمی کو دیکھ کر تعجب آئیگا۔ کند ذہنوں سے کوئی کہے کہ امام بخاری رح کو چھ لاکھ
(۶۰۰،۰۰۰) حدیثیں مع ان کے طُرُق کے یاد تھیں، اور اندلس کے ایک نابینا ادیب
کو اغانی کی بیس جلدیں نوک زبان یاد تھیں تو ان کو یقین نہیں آئیگا۔ سکندر،
تیمور، بابر، نپولین، ہٹلر وغیرہ کی قوت عزم کے واقعات و قصّے کمزور اور ضعیف
الارادہ آدمیوں کو تعجب انگیز معلوم ہوں گے۔ ایک کمزور دماغ کا آدمی خود اپنی
اولاد، اعزہ و اقارب اور خدّام وغیرہ کو بھی قابو میں نہیں رکھ سکتا۔ لیکن غیر معمولی
عزم و ارادہ کے لوگ ہزاروں اور لاکھوں آدمیوں پر سالوں مسلّط رہتے ہیں۔
یہی حال دوسرے بہت سے خصائص کے اختلاف کا ہے۔

سوال تو یہ ہے کہ کبھی بنظرِ انصاف اس پر غور و فکر کیا اور غائر تدبّر سے
سوچا کہ تمام نفوسِ انسانی کے اتحادِ ماہیت کے باوجود یہ اَن گنت اختلافات
کہاں سے آئے؟ اور کیسے آئے؟ اور کیوں آئے؟ یقیناً آخر میں مُسبّب الاسباب
کی حکمت و قدرت اور اسی کے علم و تصرف پر بات ختم ہو گی تو خرقِ عادت یا مافوق
العادت بھی مخلوق کے لئے یعنی انسانوں پیغمبروں اور ولیوں کے لئے خرقِ
عادت ہے جو اُن کے لئے بظاہر ان کے عام قانونِ عادت کے خلاف ہے خالق
کے لئے کوئی چیز بھی خلافِ قانون نہیں اور نہ اس کی ذات کسی قانون و عادت
کی پابند ہے۔ غالباً اسی نسبت سے معجزہ کی اصطلاح عام طور پر مستعمل ہے کہ مخلوق
خرقِ عادت کے امور کے کرنے سے بالکل ہی عاجز ہے حتّٰی کہ انبیاء علیہم السلام بھی

اس سے عاجز ہیں۔ یہ صرف اس قادر مطلق کی مشیّت و قدرت سے ہوتا ہے جب چاہتا ہے اپنی قدرت کی نشانی ظاہر فرماتا ہے۔

مذہبی دلیل

یہاں تک جو کچھ عرض کیا گیا ہے اگرچہ وہ اہل منطق اور صاحب فلسفہ حضرات کے لئے ناکافی ہے کیونکہ براہ راست وہ مخاطب نہیں ہیں اور نہ ہی ان کو قائل ہی کرنے کیلئے یہ جدوجہد ہے بلکہ عام پڑھے لکھے سمجھ دار لوگوں کو اس خوش فہم مگر گمراہ کن نظریّے سے ہشیار کرنا مقصود ہے۔

یہ عقل کے دعوے دار فلسفی حضرات انسانی افکار وخیالات کی ہر ممکن دسترس تک تشریحات وکوشش کرنے کے باوجود جب محسوس کرتے ہیں کہ لوگوں کے اذہان وقلوب کی تسکین وتسلّی اور طمانینت نہیں ہوتی بلکہ ان کے دل مذہبی دلیل کے لئے تشنہ ہیں کیونکہ یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ عملی دنیا کا کاروبار افلاطون یا ارسطو کے بنائے ہوئے اصول وقواعد پر نہیں چل رہا اور نہ یہ نظام عالم ان کے وضع کردہ قوانین کا پابند ہے۔ بلکہ خالق فطرت اپنی قدرت کے اصول وقواعد پہ اس کو چلا رہا ہے۔ واقعات کسی حدّ تک تعجب انگیز اور دور از عقل ہوں تاہم انسانوں کی بڑی تعداد دلیل وبرہان منطقی کے بغیر صدق دل سے ان پہ یقین رکھتی ہے۔ ان کے نزدیک کسی واقعہ پہ یقین رکھنے کے لئے اس کا فہم انسانی میں آجانا اور عقل واستدلال کی میزان میں اس کا پورا اتر جانا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ عقل سے زیادہ مذہبی دلیل مضبوط اور پختہ ہے۔ اگرچہ مذہب اسلام عقل کے کلیۃً مخالف نہیں لیکن مسلمانوں کے نزدیک رشد وہدایت کا اصلی سرچشمہ قرآن مجید ہے اس لئے مذہبی عقائد ونظریات کے متعلق آخری فیصلہ اسی کی عدالت کا معتبر ہے جو قطعی ویقینی اور محکم واٹل ہے۔

قرآنی آیات
فطرۃ اللہ ۔و۔ سنۃ اللہ
سے غلط استدلال!

چنانچہ آیات و دلائل (یعنی معجزات) کے خلاف مدّعیانِ عقل کا گروہ پورے قرآن پاک سے فطرۃ اللہ اور سُنَّۃ اللہ والی آیات ہی کو اپنے ثبوت و استدلال میں پیش کرتا ہے۔ اور عام پڑھے لکھے لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتا ہے کہ عالم میں جو کچھ ہوتا ہے وہ انہی مادی عِلل و اسباب کے ماتحت ہوتا ہے اور ان میں کسی قسم کا ردّ و بدل اور نسخ و تغیّر نہیں ہو سکتا۔ اور معجزہ چونکہ عام قانونِ عادت کے خلاف چیز ہے اس لئے یہ محال ہے یعنی واقع نہیں ہو سکتا۔

(۱) فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ (پارہ ۲۱ ع ۷ رکوع)
خدا کی فطرۃ جس پر اس نے لوگوں کو بنایا۔ خدا کے بنائے میں بدلنا نہیں

(۲) سُنَّةَ اللّٰهِ فِی الَّذِیْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِیْلًا ○ (پارہ ۲۲ ع ۵)
دستور پڑا ہوا ہے اللہ کا ان لوگوں میں جو پہلے ہو چکے ہیں اور نہ دیکھے گا تو اللہ کا دستور بدلتا۔

یہی دو قسم کی آیات ہیں پورے قرآن میں جن کو یہ لوگ بیان کرتے ہیں اور بڑے زور و شور سے ان سے یہ ثابت کرتے ہیں کہ یہ نظامِ عالم خدا نے جس فطرت اور سنت پر بنایا ہے اس میں کو تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ معجزہ کا قائل ہونا فطرۃ اللہ اور سنۃ اللہ کو بدلنا ہے۔ اور ساتھ ہی آج کل کے عقلی دعوے دار یہاں تک کہہ دیتے ہیں کہ معجزات کو ماننا قرآن کے خلاف ہے اور (نعوذ باللہ) قرآن کو جھٹلانا ہے۔
مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ محض ان حضرات کی دانستہ یا نادانستہ طور پر دھوکہ دہی اور فریب کاری ہے، قرآن پاک کی آیاتِ کریمہ کا قطعاً یہ مفہوم نہیں کہ خرقِ عادت

سے فطرتِ الہٰی اور سنت الہٰی کی تبدیلی ہوتی ہے۔ بلکہ پورے قرآن مجید کا غور وفکر سے مطالعہ کیا جائے تو یہ بات بالکل واضح ہو جائے گی کہ ان آیاتِ قرآن کا ایسا مفہوم خود قرآن کی معنوی تحریف ہے۔

آئیے! ذرا غور کیجئے کہ قرآن پاک میں فطرۃ اللہ اور سنۃ اللہ کا کیا مطلب ہے؟

فطرۃ اللہ کا صحیح مفہوم

قرآن مجید کی اصطلاح میں فطرۃ اللہ سے مقصود توحید ہے جس کو وہ دینِ فطرۃ سے تعبیر کرتا ہے۔ آیت کا سباق سیاق پوری طرح اگر پیشِ نظر رکھ کر پوری آیت کو سامنے رکھ کر غور کیا جائے تو یہ مفہوم و مقصود خود بخود صاف آئینہ ہو جاتا ہے۔

پوری آیت ملاحظہ ہو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا ۚ فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا ۚ لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ ۚ ذٰلِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ ۙ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ

پس سیدھا رکھ اپنے آپ کو دین پر یک سُو ہو کر وہی اللہ کی فطرت جس پر اس نے لوگوں کو بنایا ہے۔ خدا کے بنائے میں تو کوئی بدلنا نہیں۔ یہی سیدھا دین ہے۔ لیکن بہت سے لوگ نہیں جانتے۔

اس آیت کریمہ سے پہلے اور بعد والی آیات میں توحیدِ باری تعالیٰ کو مختلف شواہد و دلائل اور بہت عمدہ عنوانات میں بتلایا گیا جو ہر انسان کے دل میں اتر جائے۔ اور آیت مذکورہ میں بھی یہی خطاب ہے کہ شرک کا جب کہ نامعقول اور ظلم عظیم ہونا واضح ہے تو سب خیالاتِ مشرکانہ کو چھوڑ کر اپنا رُخ صرف توحید کی طرف قائم رکھو۔ کیونکہ توحید وہ دینِ فطرت ہے جس کی اجمالی معرفت کی ایک چمک انسان کی پیدائشی فطرت میں بطورِ تخمِ ہدایت کے ڈال دی ہے۔ کہ اگر گرد وپیش کے احوال اور

ے پارہ ۲۱ رکوع ۷)

ماحول کے خراب اثرات سے متاثر نہ ہو اور اصل طبیعت پر چھوڑ دیا جائے، تو یقیناً دینِ حق کو اختیار کرے کسی دوسری طرف متوجہ نہ ہو۔ عہد اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ میں اسی کی طرف اشارہ ہے۔ تمام انسانوں کی فطرت اللہ تعالیٰ نے ایسی ہی بنائی ہے جس میں کوئی تفاوت اور تبدیلی نہیں ہے۔ مشرک سے مشرک، کافر سے کافر، ملحد سے ملحد کا توحید کو کسی نہ کسی رنگ میں جاننا اور اپنی زبانوں سے نکالنا فطرتِ انسانی کی اسی یکسانیت کا اثر ہے۔

قرآن مجید کی اس آیت کی تفسیر و تشریح ایک صحیح حدیث سے پوری طرح ہو جاتی ہے۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مَامِنْ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ اِلَّا عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ الیٰ ان قال ثُمَّ يَقُوْلُ فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا (صحیح البخاری باب التفسیر سورۃ الروم ص۷۰۴ طبع مجتبائی دھلی)

کوئی بچہ ایسا نہیں جو فطرت پر پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن ماں باپ اس کو یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا دیتے ہیں۔ جس طرح ہر جانور صحیح و سالم بچہ جنتا ہے۔ کیا تم نے دیکھا کہ کوئی کان کٹا بچہ بھی جنتا ہے۔ اس کے بعد آپؐ نے یہ آیت پڑھی خدا کی فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا (آخر آیت تک)

سُنّت اللہ کا صحیح مفہوم

وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا جیسی آیات سے خرقِ عادت (معجزات) کے عدم وقوع پر جو استدلال پیش کیا جاتا ہے کہ چونکہ یہ خلافِ اسباب ہے۔ اور اسباب و علل سُنّتِ الٰہی ہیں۔ اور سُنّتِ الٰہی میں تبدیلی نہیں ہو سکتی

یہ مفروضہ مفہوم دیدہ دانستہ قرآن پاک سے زیادتی ہے اور قرآنی اسلوبِ بیان کے

سراسر خلاف ہے۔ اور قرآن کے مفہوم کی ایک قسم کی کھلی تحریف ہے، کیونکہ قرآن مجید میں "سنۃ الٰہیہ" کا بھی ایک خاص مفہوم ہے اور اسی اصطلاح خاص میں یہ لفظ کئی جگہ قرآن کریم میں استعمال ہوا ہے۔ حق و باطل، کفر و اسلام، خیر و شر، ظلم و انصاف جب باہم ٹکراتے ہیں تو بالآخر اللہ تعالیٰ خیر کو شر پر، حق کو باطل پر، اسلام کو کفر پر، انصاف کو ظلم پر، فتح اور کامیابی عطا فرماتا ہے۔ مشرک و مجرم قومیں جب دعوت حق کو قبول نہیں کرتیں اور موعظت و نصیحت ان کے لئے مؤثر نہیں رہتی اور ان کا کفر و نفور، تمرد و سرکشی حد سے بڑھ جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان قوموں پر اپنا عذاب نازل کرتا ہے اور وہ بالآخر بجلی کی کڑک آسمان کی گرج زلزلہ و آندھی کی تباہ کن تھرتھراہٹ، دریا کے طوفان، پہاڑ کی آتش فشانی یا دشمن کی تلوار سے ہلاک اور برباد ہو جاتی ہیں۔ اور انبیاء علیہم السلام اور ان کے ساتھی توحید کے ساتھ کامل ایمان لانے والے مؤمنین و مسلمین صحیح و سلامت بچائے جاتے ہیں یہ "سنت الٰہی" ہے جو ہمیشہ سے قائم ہے اور ہمیشہ قائم رہے گی۔ اس میں کبھی کوئی فرق پیدا نہیں ہوا اور نہ ہو گا۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر یہ الفاظ آئے ہیں چنانچہ ان تمام آیات کو ایک نظر ملاحظہ کریں تاکہ کسی قسم کا شک و شبہ باقی نہ رہے

اس مفہوم کو واضح کرنے کے لئے سورۂ فاطر کی حسب ذیل آیت سے بڑھ کر اور کونسی آیت ہو سکتی ہے جس میں دو دفعہ "سنت اللہ" کی عدم تبدیل کا ذکر ہے

مَا زَادَهُمْ إِلَّا نُفُورًا اسْتِكْبَارًا فِي الْأَرْضِ وَمَكْرَ السَّيِّئِ ۚ وَلَا يَحِيقُ الْمَكْرُ السَّيِّئُ إِلَّا بِأَهْلِهِ ۚ فَهَلْ يَنْظُرُونَ إِلَّا سُنَّتَ الْأَوَّلِينَ ۚ فَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَبْدِيلًا ۖ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّتِ اللَّهِ تَحْوِيلًا ○ أَوَلَمْ يَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَيَنْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوا أَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً (پارہ ۲۲ فاطر ع ۵)

نبی کے آنے سے بس ان میں نفرت کے جذبات کو ہی ترقی ہوئی وہ یہ کہ ملک میں مزید سرکشی اور بری بری تدبیریں کرنے لگے حالانکہ بری چال اس چال چلنے والے ہی کو گھیر لیا کرتی ہے سو کیا اب یہ لوگ پہلی قوموں کے دستور کی راہ دیکھتے ہیں تو تم اللہ کے دستور کو ہرگز بدلتے

نہ پاؤ گے۔ اور کبھی اللہ کے دستور کو ٹلتے نہ پاؤ گے۔ کیا وہ زمین میں پھرے نہیں کہ دیکھتے کہ ان سے پہلی قوموں کا کیا انجام ہوا جو اُن سے بہت زیادہ سخت طاقت والے تھے۔

قریش مکہ داعیٔ توحید حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت حق کو قبول کرنے سے علانیہ انکار کر دیتے ہیں اور آپؐ کو شہر مکہ سے نکالنے کی تیاری کرتے ہیں، تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں۔

وَاِنْ كَادُوْا لَيَسْتَفِزُّوْنَكَ مِنَ الْاَرْضِ لِيُخْرِجُوْكَ مِنْهَا وَاِذًا لَّا يَلْبَثُوْنَ خِلَافَكَ اِلَّا قَلِيْلًا ○ سُنَّةَ مَنْ قَدْ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنْ رُّسُلِنَا وَلَا تَجِدُ لِسُنَّتِنَا تَحْوِيْلًا ○ (پارہ ۱۵ رکوع ۸)

اور کفار آپؐ کو گھبرانا چاہتے ہیں اس زمین میں تاکہ آپؐ کو یہاں سے نکال دیں۔ اور اگر ایسا ہو تو وہ بھی تیرے بعد تھوڑا ہی ٹھیریں گے۔ یہ دستور پڑا ہوا ہے ان رسولوں کا جو آپؐ سے پہلے ہم نے بھیجے اور تُو اللہ کے دستور کو ٹلنے نہ پاوے گا۔

مدینہ منورہ کے منافقین اپنی خباثتوں اور شرارتوں سے باز نہیں آتے تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں

اَيْنَمَا ثُقِفُوْٓا اُخِذُوْا وَقُتِّلُوْا تَقْتِيْلًا ○ سُنَّةَ اللّٰهِ فِي الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ○ (پارہ ۲۲ رکوع ۵)

وہ جہاں پائے گئے اور مارے گئے۔ دستور پڑا ہوا ہے۔ اللہ کا ان لوگوں میں جو پہلے گذر چکے اور تُو اللہ کے دستور کو بدلتا نہ پائے گا۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر مسلمانوں کو تسلی و تسکین دی جاتی ہے اور مشرکین قریش کو تنبیہ کی جاتی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے۔

وَلَوْ قٰتَلَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوَلَّوُا الْاَدْبَارَ ثُمَّ لَا يَجِدُوْنَ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ○ سُنَّةَ اللّٰهِ الَّتِيْ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلُ وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا ○

اور کافر تم سے لڑتے تو پیٹھ پھیر دیتے۔ پھر نہ کوئی حامی پاتے اور نہ کوئی مددگار۔ اللہ کا دستور پہلے سے چلا آتا ہے اور تو اللہ کے دستور کو ہرگز بدلتے نہ پائے گا۔

اب ان آیتوں کے پڑھ لینے کے بعد بھی سنۃ اللہ کے مفہوم میں کسی کو غلطی ہو سکتی ہے؟

ـــہ پارہ ۲۶ سورۃ فتح رکوع ۳)

ایک ضروری وضاحت گذشتہ تحریر سے کہیں یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ ہمارا مقصد اس نظام علل و اسباب کا نفی کرنا ہے۔ ایسا ہرگز نہیں علل و اسباب سے انکار جہالت اور قرآن سے ناواقفیت کا ثبوت ہے۔ قرآن مجید اسباب و علل، مصالح و حکم اور طبائع و خواص کے وجود کو صرف تسلیم ہی نہیں کرتا بلکہ قرآن ان عجائبات قدرت کو بھی "آیات اللہ" کے نام سے تعبیر کرتا ہے اور ان کے اسرار و خواص پر غور و فکر کرنے کا حکم دیتا ہے اور جابجا قرآن مجید نے مخلوق الٰہی میں تدبر و تفکر کی دعوت دیتا ہے۔ بلکہ حقیقۃً انہی محکم اور کھلی نشانیوں کو قرآن خدائے واحد کی توحید پر دلیل پیش کر کے ان سے خدا کی الٰہیت پر استدلال کرتا ہے۔ اگر یہ صحیفۂ قدرت اسباب و علل اور مصالح و حکم سے خالی ہوتا تو اس میں غور و فکر کرنا ہی بے کار ہوتا۔

قرآن مجید میں بے شمار آیات ہیں جن میں آسمانوں اور زمین پہاڑوں تک کی پیدائش کی مصلحت کا بیان ہے چاند، سورج، ستاروں، رات، دن، سایہ، دھوپ وغیرہ کی غرض و غایت نہایت وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے۔ قرآن مجید میں جابجا بارش اور پانی کو کھیتی اور پھل پھول اور ہر قسم کے نباتات کے پیدا ہونے اور اگانے کا سبب بتایا ہے۔ پانی پیاس بجھاتا ہے۔ تو غلہ اور پھل غذا بنتے ہیں۔ آگ جلاتی ہے تو آندھی اور زلزلہ ہلاکت و بربادی کا ذریعہ ہیں۔ یہاں تک بیان فرما دیا کہ بھیڑوں کے بالوں (اُون) میں گرمی کی خاصیت ہے۔

غرضیکہ قرآن مجید نے آسمان و زمین، چاند، سورج، بادل، ہوا، پھول، پھل، جسم و جان، رنگ اور زبان کے فرق ان میں سے ہر شئے کو اللہ کی وسیع قدرت اور دقیق مصلحت کا اعلانِ عام قرار دیا۔ اور انسان کو بار بار ادھر متوجہ کیا ہے کہ اشیاء اسباب و علل سے پیدا ہوتی ہیں اور ان میں طبائع اور خواص ہیں۔

لیکن یہ اسباب و علل اور طبائع و خواص خود **خلّاقِ عالم** کے پیدا کردہ اور مقرر کردہ ہیں۔ قرآن مجید کی ایسی تمام آیات میں غور کر دتو صاف ظاہر ہوگا کہ ان سب میں فعل کی نسبت اللہ تعالیٰ نے خود اپنی طرف کی ہے جس کا یہ مطلب

ہے کہ ان مسببات کے اسباب وعلل اور اشیاء کے طبائع وخواص خود اس نے اپنی مشیّت اور ارادہ اور اپنے امر اور حکم سے بنائے ہیں اور ہر جگہ اس کی توضیح کردی ہے تاکہ ظاہر بین انسان ان ظاہری اسباب کو ہی مستقلاً شریک تاثیر مان کر الحاد پرستی کا شکار نہ ہو جائیں۔ قرآنِ حکیم کی تعلیم کا یہ خاص انداز وطریقہ ہے کہ علۃ حقیقیہ قادرِ مطلق کی مشیّت و ارادہ کو قرار دیتا ہے اور متنبّہ کرتا ہے کہ وہ اپنی مشیّت و ارادہ کو نظامِ عالم میں نافذ و کامیاب کرنے کا پورا پورا اختیار اور قدرت کاملہ رکھتا ہے۔ وہ اسباب کا اس درجہ مجبور و پابند نہیں کہ وہ ان میں تغیّر نہ کرسکتا ہو اور کبھی خاص اپنے حکم و ارادہ سے بھی ان کو شکست نہ کرسکتا ہو۔ کیونکہ اس عقیدہ سے کفر پرورش پاتا ہے اور خدا کی قدرت وعظمت میں فرق آتا ہے اور اس کی توحید کے خلاف ہے اسی لئے ہر موقعہ پر قرآن مجید اپنی تعلیم میں اس نکتۂ خاص کو ملحوظ رکھ کر اس کو بڑی اہمیت دیتا ہے کہ اسباب وعلل پر خدا کی مشیّت و ارادہ کی سلطنت ہے اور اسی کو فوقیت رہے گی۔ دسیوں پچاسیوں جگہ قرآن اس دعویٰ پر حسبِ ذیل حاکمانہ انداز میں دلیلیں پیش فرماتا ہے۔

فَعَّالٌ لِّمَا يُرِيْدُ (بروج)	اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ (حج)
وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے	بیشک اللہ جو چاہتا ہے کرتا ہے
وَيَفْعَلُ اللّٰهُ مَا يَشَآءُ (ابراہیم)	اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ (مائدہ)
اور خدا جو چاہتا ہے وہی کچھ کرتا ہے	بیشک اللہ اپنی مرضی کا فیصلہ کرتا ہے
اِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ (حج)	وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ (بقرہ)
بیشک اللہ اپنی مرضی کرتا ہے	اور لیکن اللہ تعالیٰ اپنی مرضی کے مطابق کرتا ہے
كَذٰلِكَ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ (آل عمران)	وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ
اسی طرح جو خدا چاہتا ہے وہی کرتا ہے	اور اللہ سب کچھ کرنے پر قادر ہے۔

اِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ (مریم و آل عمران)

جب کسی چیز کا فیصلہ کرے تو حکم کرنے کی دیر ہوتی ہے پس وہ ہو جاتی ہے۔

آیاتِ قرآنی کا صحیح محمل اور اس نکتۂ عجیبہ کی تصریح

نہایت دلچسپ اور بہت پُر لطف اور عجیب اتفاق کی بات ہے کہ قرآن مجید میں جہاں بھی اس نکتۂ عجیبہ کا ذکر ہے اکثر وہاں انبیاء کرام اور بزرگانِ خاص کا ذکر ہے، کہ ان اللہ کی برگزیدہ ہستیوں کو بھی جب عادتِ جاریہ اور ظاہری اسباب کے خلاف پر استعجاب و استبعاد ہوا ہے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت و مشیّت کے عملی مشاہدات سے ان کے استعجاب و استبعاد کو رفع کر دیا اور اپنی مشیّت و ارادہ کے حاکمانہ فیصلے سے ان کو متنبّہ فرما دیا۔

حضرت عزیر علیہ السلام جو بنی اسرائیل میں بڑے اولوا العزم بڑی شان والے پیغمبرؑ تھے۔ سفر کے دوران راستہ میں برباد شدہ شہر کو دیکھ کر تعجب میں کہنے لگے

قَالَ اَنّٰی یُحۡیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعۡدَ مَوۡتِهَا فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ (پارہ ۳ ع)

بولا کیونکر زندہ کرے گا اللہ اس کو مرے پیچھے، پھر مُردہ رکھا اللہ نے اس کو سَو سال۔ پھر اٹھایا۔

حالانکہ سیدنا حضرت عزیرؑ کا کھانا پانی بھی ساتھ تھا اور گدھا بھی تھا۔ خود بھی فوت ہو گئے اور سو سال مردہ حالت میں رہے اور گدھے کا تو نشان بھی نہ رہا۔ مگر کھانا اور پانی صحیح و سالم رہا۔ بُو تک نہیں ہوئی۔ اب حضرت عزیرؑ کو اللہ نے زندہ کیا اور فرمایا کتنی دیر ٹھیرے ہو؟ عرض کی ایک دن یا آدھا دن اللہ نے فرمایا نہیں تم تو سَو سال ٹھیرے ہو۔ گدھا بھی ان کے دیکھتے ہی دیکھتے ہڈیاں ظاہر ہوئیں پھر گوشت لگ کر زندہ ہو گیا۔ تو عزیرؑ یہ منظر دیکھ کر کہنے لگے

قَالَ اَعۡلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ (پارہ ۳ رکوع ۳)

کہا معلوم ہوا مجھ کو کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

سیّدنا عزیرؑ دنیا میں ہونے والے تمام واقعات و انقلابات سے بے خبر تھے نہ تو رات دن کے اختلاف سردی گرمی کے انقلاب کا ان کو پتہ چلا اور نہ ہی انہیں

بیرونی آوازیں ہی سنائی دیں۔ مگر اللہ تعالیٰ نے انہیں یہ منظر دکھا کر اپنی قدرت ومشیت اور توحید کی نشانی بنا دیا

وَ لِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ (پارہ ۳ رکوع ۳)

اور ہم نے تجھے لوگوں کے لئے اپنی توحید کی نشانی بنایا ہے۔

اسی طرح سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام جن کو اللہ کی قدرت علی الاحیاء کا پورا پورا یقین تھا، وہ اس کی کیفیت کا مشاہدہ کر کے مزید اطمینانِ قلب حاصل کرنا چاہتے تھے تو تعجب کے لہجے میں عرض کی۔

رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِي الْمَوْتٰى (پارہ ۳ رکوع ۳)

اے میرے رب مجھے دکھلا دے تو مُردوں کو کیسے زندہ کرے گا۔

تو چار پرندے اپنی طرف خوب مانوس اور ہلا لینے کا حکم ہوتا ہے پھر انہیں ذبح کر کے ان کے ٹکڑے الگ الگ رکھنے کا حکم ہوتا ہے کہ جب تم انہیں اپنی طرف بلاؤ تو وہ دوڑتے ہوئے تمہارے پاس آئیں۔ یہ کیفیت دیکھ کر تمہیں عین الیقین ہو جائیگا کہ

وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ (پارہ ۳ رکوع ۳)

اور جان لے کہ بے شک اللہ بڑا زبردست حکمت والا ہے

اور حضرت ابراہیمؑ کی اہلیہ محترمہ حضرت سارہؑ کو پیرانہ سالی میں جب حضرت اسحاقؑ کی پیدائش کی بشارت دی گئی تو اس پر سخت متعجب ہو کر کہنے لگیں

يَا وَيْلَتٰى ءَ اَلِدُ وَ اَنَا عَجُوْزٌ وَّ هٰذَا بَعْلِيْ شَيْخًا اِنَّ هٰذَا لَشَيْءٌ عَجِيْبٌ (پ ۱۲ ع)

اے خرابی! کیا میں جنوں گی بچہ اور میں بڑھیا اور یہ میرا خاوند بوڑھا۔ یہ تو بڑے تعجب کی بات ہے۔

جواب ملتا ہے جو ان کے ایمانِ کامل اور یقینِ راسخ کی تازگی کے لئے کافی تھا۔

اَتَعْجَبِيْنَ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ (پارہ ۱۲ رکوع ۷)

(اے سارہ) کیا تو خدا کے کام میں تعجب کرتی ہے؟

اور حضرت زکریاؑ خدا کے جلیل القدر نبی جو بہت بوڑھے ہو گئے تھے اور اُن کی بیوی بانجھ تھیں۔ حضرت زکریاؑ کو اپنی اور اپنی بیوی کی اس حالت کا بخوبی یقین ہے مگر اس قادر مطلق کی قدرت و مشیت سے ناامید نہیں چنانچہ اسی حالت میں اپنے رب کی قدرت کی امید و بھروسہ پر دُعا مانگی۔

قَالَ رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاشْتَعَلَ الرَّأْسُ شَیْبًا وَّلَمْ اَكُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِیًّا ○ (پارہ ۱۶ سورۂ مریم رکوع ۱)

کہا اے میرے رب میری ہڈیاں کمزور ہوگئیں اور سر سے بڑھاپا ظاہر ہو گیا اور تجھ سے مانگ کر اے میرے رب میں کبھی محروم نہیں رہا۔

وَكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا (پارہ ۱۶ مریم ع ۱)

اور عورت بھی میری بانجھ ہے پس تو اپنی پاس سے ہی وارث بنا دے۔

مگر جب ان کی دعاء قبول ہوگئی اور لڑکے کی خوشخبری مل گئی تو پھر بہ تقاضائے بشریت تعجب کا اظہار کرتے ہیں۔

رَبِّ اَنّٰى یَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا وَّقَدْ بَلَغْتُ مِنَ الْكِبَرِ عِتِیًّا

اے میرے رب! کہاں سے میرے لڑکا ہوگا۔ میری بیوی بانجھ ہے اور میں بہت ہی بڑھاپے میں پہنچ گیا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں صرف اسی قدر فرمایا جس سے ان کا تعجب کافور ہو گیا

قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ یَفْعَلُ مَا یَشَآءُ (پارہ ۳ آل عمران رکوع ۴)

کہا اسی طرح اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے کرتا ہے

قَالَ كَذٰلِكَ قَالَ رَبُّكَ هُوَ عَلَیَّ هَیِّنٌ ○ (پارہ ۱۶ مریم رکوع ۱)

کہا یوں ہی تیرے رب کا حکم ہے کہ یہ مجھ پر آسان ہے۔

حضرت مریمؑ کو جب حضرت عیسیٰؑ کی خوشخبری دی گئی تو انہوں نے بھی ظاہری اسباب کے خلاف ہونے پر سخت تعجب اور حیرت کا اظہار کیا

قَالَتْ اَنّٰى یَكُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ وَّلَمْ یَمْسَسْنِیْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِیًّا ○ (پ مریم ع ۲)

ے پارہ ۱۶ مریم ع ۱

کہنے لگی میرے لڑکا کیسے ہوگا۔ اور نہ تو مجھ کو کسی آدمی نے چھُوا اور نہ میں بدکار تھی،
جواب ملتا ہے

قَالَ كَذٰلِكِ قَالَ رَبُّكِ هُوَ عَلَيَّ هَيِّنٌ (پارہ ع۱۶ مریم رکوع ۲)

کہا اسی طرح تیرے پروردگار کا فرمان ہے کہ وہ مجھ پر آسان ہے۔

قَالَ كَذٰلِكِ اللّٰهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ اِذَا قَضٰى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ

کہا اسی طرح اللہ جو چاہے پیدا کرتا ہے۔ جب ارادہ فرماتا ہے کسی کام کا تو یہی فرماتا ہے اس کو کہ ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے۔

کس قدر آیات مذکورہ بالا ان واقعات پر صاف چسپاں ہو کر اس حقیقت کو واضح کر رہی ہیں کہ خدا کی قدرت کی کوئی حد بندی نہیں ہوسکتی ایک کام کا فیصلہ اور امر کیا اور ہو گیا نہ وہ مادہ کا محتاج، نہ اسباب کا پابند۔

خلاصۃ الکلام: قرآن مجید نہ تو اسباب عادیہ کا منکر ہے۔ اور نہ اسباب کو مسبب کا درجہ دیتا ہے۔ بلکہ مسبّب قادرِ مطلق اور ذی ارادہ ہستی کو قرار دیتا ہے اور اسی ہستی کو فرمان روائے کل یقین کرتا ہے، جن کی مشیت و ارادہ کی قوت سے کارخانہ کائنات کی یہ ساری مشین چل رہی ہے۔

معجزات انبیاء علیہم السلام براہِ راست صرف اللہ ہی کی مشیّت و ارادہ ظاہر ہوتے ہیں جن سے انبیاء کے اس دعویٰ کی تصدیق ہوتی ہے جو اُن کی زندگی کا مشن ہوتا ہے **توحید** کہ یہ سارا نظام ایک اللہ ہی کے حکم اور امر کے تابع ہے۔ وہی اکیلا کارساز و متصرف اور مالک و مختار ہے۔ باقی سب مخلوق کیا فرشتے کیا جنات کیا انبیاء و اولیاء سب کے سب محتاج و غلام عاجز و بے بس ہیں۔

معجزہ درحقیقت اسی دعویٰ توحید کے ثبوت کی نشانی ہوتی ہے جو خلاف عادۃ مافوق الاسباب ہوتی ہے۔ جب عادت جاریہ کے مطابق ہو تو معجزہ کیسے کہلائے۔ اور اسباب کے تحت ہو کر یہ فلاں سبب سے ہوا ہے تو خدائی مشیّت و ارادہ کا نشان ہونے کا کیسے ثبوت بن سکتا ہے۔

سے پارہ ع۳ آل عمران رکوع ۵)

مذہب پرست اور معجزات

اس سے پہلے چند صفحات میں جو کچھ پھیلایا گیا ہے وہ عوام الناس کی راہنمائی کیلئے معجزات پر عقل پرستی کے عامیانہ اور احمقانہ حملہ کا دفاع تھا۔

اب معجزات کی نسبت مذہب پرستوں کے عقائد و نظریات اور خیالات کی مختصر وضاحت ملاحظہ ہو۔ کیونکہ معجزات کے بارے بیچارے عقل پرستوں کو تو خواہ مخواہ گھسیٹا جاتا ہے۔ اکثر عقل پرست فلاسفر اور مادہ پرست ملحد (العوذ باللہ) خدا کے وجود ہی کے منکر ہیں۔ اور اگر کچھ قائل ہیں بھی تو نامکمل۔ اللہ تعالیٰ کو قادر ذی ارادہ ہی نہیں مانتے۔ ناقابلِ شکست سلسلۂ علل و معلول کے چکر میں ہی پڑے ہوئے ہیں۔ ان سے معجزات کی بات ہی بالکل بے سود و بے معنیٰ ہیں۔ اسی لئے قرآن نے ان کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی۔ اور نہ ہی ان کو کسی گنتی میں شمار کیا۔ بلکہ قرآن مجید نے اپنی عدالت میں ان کو فریق ہی نہیں سمجھا۔ اس لئے قرآن پاک میں اس پر زیادہ بحث نہیں کی گئی بلکہ مذکورہ بالا قسم کے استدلالی اشارات و اعلانات کر دینا ہی کافی سمجھا گیا۔ اور یہی کچھ ہونا بھی چاہیئے تھا۔ کیونکہ اس مسئلہ کو موضوعِ بحث بنا کر اس پر لمبے چوڑے دلائل پیش کرنا اصولِ حکمت کے بھی خلاف ہے اور ان کے نشۂ عقل کو مخمور کرنا ہے۔ اور ایسا کرنے سے ایک آسان اور صاف سیدھا سادہ مسئلہ خواہ مخواہ مشکل اور نظری بن جاتا۔

قرآن پاک نے زیادہ تر معجزات کے بارے مذہب پرستوں کے خیالات و نظریات پر ہی بحث کی۔ اور بڑی کافی طویل تفصیل سے مختلف انداز اور عنوانات میں اس کا ذکر کیا۔ قرآن نے اس مسئلہ کو کس طرح وضاحت سے بیان کیا ہے اور اس مسئلہ کے اہم پہلوؤں کو اس قدر صاف تصریحات سے پیش کیا ہے جو مزید کسی تشریحات کی قطعاً محتاج نہیں۔ آپ معمولی سی جھلک سے اس کا اندازہ لگا لیں کہ قرآن پاک کے تقریباً

ہر پارہ میں خاص کر سورۂ بقرہ، آلِ عمران، نساء رکوع ۲۲، مائدہ، انعام، اعراف، یونس، ہود، رعد، حجر، نحل، بنی اسرائیل، مریم، طٰہٰ، انبیاء، حج، فرقان، شعراء، نمل، قصص، عنکبوت، روم، غرضیکہ آگے کی تقریباً سب سورتوں میں خصوصاً سورۂ قمر، وغیرہ قرآن مجید میں اس کی عجیب تفصیلی بحث ہے۔ حتی الوسع اِن شاءاللہ اس کا مختصر خلاصہ اور مختلف عنوانات کا جامع خاکہ بیان کرنے کی کوشش کروں گا۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرما دیں۔ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔

معجزات کی ضرورت اور تین گروہ

جس طرح کارخانۂ قدرت نظام کائنات کی ہر چیز کو اور خصوصاً انسان کے اپنے وجود کو اللہ تعالیٰ نے اپنی توحید کی نشانی اور دلیل میں پیش فرمایا اور لوگوں پر اتمام حجت کیا۔ اور ان دلائل و آیات سے تین گروہ وجود میں آئے۔

① **منیبین موقنین** جو لوگ سلیم الفطرت، طالبانِ حق، منیب اور رجوع کرنے والے ہیں ان کے لئے یہ دلائل اور قدرت کی نشانیاں ایمان و یقین کا سبب بنتی ہیں وہ ان میں غور و فکر کرتے ہیں اور خدا کی توحید پر ایمان لاتے ہیں۔ بہت سی آیات میں اس کا بیان ہے۔

وَفِي الْأَرْضِ اٰيٰتٌ لِّلْمُوْقِنِيْنَ ۝ (پارہ ۲۶ الذاریات رکوع ۱)

اور یقین لانے والوں کیلئے زمین میں ہماری بہت سی نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں۔

② **مؤمنین کاملین** جو ایمان لے آتے ہیں پھر انہیں اپنے رب کی صفات و تعریفیں اور قدرت کی نشانیوں اور کاریگریوں کی آیات اور بیانات سننے میں لطف و مزہ آتا ہے اور ان کے ایمان تازہ ہوتے ہیں۔

وَاِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ اٰيٰتُهٗ زَادَتْهُمْ اِيْمَانًا (پارہ ۹ سورۂ انفال رکوع ۱)

اور جب ان کے سامنے رب کی تعریف والی آیات و نشانیاں بیان کی جائیں تو ان کے ایمان تازہ ہو جاتے ہیں۔

(۳) **مشرکین و منکرین** : جو لوگ ایسے دلائل سن کر بھی ایمان نہیں لاتے اور ضد اور عناد میں شرک و کفر پر ہی ڈٹے رہتے ہیں۔ ان کی توحید کی مخالفت اور شرک پرستی کا اظہار اور ان کے لئے اتمام حجت ہوتی ہیں کہ خالص خدا کی توحید و قدرت کی آیتیں اور صرف اکیلے خدا کی تعریفیں سن کر مشرکین غصے میں آتے ہیں اور انہیں چڑ لگتی ہے اور نفرت کر کے بھاگتے ہیں، سننا تک گوارہ ہی نہیں کرتے

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ (پارہ ۱۶ رکوع ۳)

یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے رب کی نشانیوں کا انکار کیا۔

اَلَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ (پارہ ۱۱ سورۂ یونس رکوع ۱)

جن لوگوں نے خدا کی نشانیوں کو جھٹلایا۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ (پارہ ۸ انعام رکوع ۲)

اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جس نے خدا کی نشانیوں کو جھٹلایا۔

وَتِلْكَ عَادٌ جَحَدُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ (پارہ ۱۲ رکوع ۵)

اور یہ عاد کا قبیلہ ہے جس نے اپنے پروردگار کی نشانیوں کا انکار کیا

قُلِ انْظُرُوْا مَاذَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا تُغْنِي الْاٰيٰتُ وَالنُّذُرُ عَنْ قَوْمٍ لَّا يُؤْمِنُوْنَ ۞ (پارہ ۱۱ یونس ع ۱۱)

کہہ کہ دیکھو آسمان و زمین میں کس قدر نشانیاں ہیں اور نشانیاں اور سمجھانا نہ ماننے والوں کے لئے کچھ بھی مفید نہیں

اسی طرح معجزات بھی اللہ کی طرف سے توحید کے لئے مخصوص آیات یعنی علامات اور نشانیاں ہیں ان کے ذریعہ اللہ تعالیٰ اپنی صفاتِ الٰہیہ کو نمایاں فرماتا ہے اور ہدایت و گمراہی کے لئے اتمام حجت بناتا ہے

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ۞ (پارہ ۱۳ رعد رکوع ۴)

اور کافر کہتے ہیں کہ کیوں نہیں اترتا اس پر معجزہ رب کی طرف سے فرما دیجئے کہ خدا جس

کو چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے اور جو اس کی طرف رجوع کرتا اس کو ہدایت دیتا ہے۔

وَمَا نُرْسِلُ بِالْاٰيٰتِ اِلَّا تَخْوِيْفًا ○ (پارہ ۱۵ رکوع ۶)

اور نہیں بھیجتے ہم نشانیاں مگر صرف سمجھانے کو۔

وَمَا جَعَلْنَا الرُّءْيَا الَّتِيْٓ اَرَيْنٰكَ اِلَّا فِتْنَةً لِّلنَّاسِ (پارہ ۱۵ رکوع ۶)

اور نہیں بنایا اس دکھلاوے کو جو ہم نے تجھے دکھایا مگر صرف لوگوں کے امتحان کیلئے۔
معجزات کے دلائل و نشانیوں سے بھی تین گروہ وجود میں آتے ہیں ۱۔ مؤمنین ومخلصین ۲۔ منیبین یعنی طالبانِ حق ۳۔ مشرکین وکافرین۔

(۱) مؤمنین ومخلصین : اعلیٰ درجے کے سلیم الفطرت، راسخ الیقین لوگوں کو اگرچہ معجزات کی ضرورت نہیں ہوتی اور نہ ہی وہ معجزات کے طالب ہوتے ہیں بلکہ وُہ خدا کی توحید یعنی پیغمبر علیہ السلام کی دعوت کی تصدیق دوسرے دلائل وبراہین کی روشنی میں کرتے ہیں اور دعوتِ حق کو قبول کر کے اس پر ایمان لاتے ہیں تاہم معجزات ان کے لئے بھی باعثِ امتحان بنتے ہیں کہ کیا جس داعیِ توحید کے زبانِ پاک سے لا الٰہ الا اللہ خدا کی خالص توحید کا پیغام سن کر اس کو قبول کیا آج اسی پیغمبر کے دستِ پاک سے غیر معمولی خلافِ عادت واقعات کو دیکھ کر اس عقیدۂ توحید میں کچھ متزلزل تو نہیں ہوتے یا ان کے ایمان میں طمانیت اور تسکین وتسلّی اور تازگی اور زیادہ بڑھ جاتی ہے کہ یہ جو کچھ امور ہیں خدائے واحد کی قدرت وطاقت ہی کی نشانیاں ہیں پیغمبرؐ کو قطعاً کوئی اختیار نہیں۔ معجزات کو دیکھ کر پیغمبرؐ کی دعوت پر ان کے ایمان اور پختہ ومضبوط ہو جاتے ہیں اور یقین کامل ہو جاتا ہے۔

(۲) طالبانِ حق : حق کے متلاشی لوگ جو حقیقتاً نرم دل نرم مزاج، حق کی طرف رجوع کرنے والے اس کی ڈھونڈ اور ٹوہ کرنے والے ہوتے ہیں۔ اگرچہ یہ نیک طینت انسان معجزہ کے طالب نہیں ہوتے تاہم ان کو معجزات سے فائدہ پہنچتا ہے۔ وہ ان نشانیوں کو دیکھ توحید کو قبول کر لیتے اور سمجھ لیتے ہیں کہ پیغمبر بھی اگرچہ ہماری طرح کا انسان ہے یہ فعل اس کا نہیں اور نہ اس کے بس واختیار کی بات ہے بلکہ جس رب کی طرف

سے یہ رسول اور پیغمبر بنا کر بھیجا گیا ہے اور جس کا پیغام ہے بس یہ فعل بھی اسی کی قدرت کا کرشمہ ہے اور سب کچھ اسی کے اختیار میں ہے۔ باقی سب اسی کے محتاج ہیں۔ تو وہ لوگ متلاشیانِ حق اس حقیقت اور واضح دلیل کو دیکھ کر پیغمبر کی تصدیق کر دیتے ہیں۔ اور دعوتِ حق "توحیدِ الٰہی" کو قبول کر لیتے ہیں۔ جیسے سیّدنا موسیٰ ؑ کے مقابلہ میں فرعون کے جادوگر تھے مگر ضدّی نہ تھے حق دیکھ کر قبول کر لیا۔ قرآن کے مختلف مقامات پر سورۂ اعراف، طٰہٰ، شعراء، قصص وغیرہ میں اسکی بڑی عجیب دلچسپ اور پُر لطف تفصیل ہے جس کا مختصر خلاصہ یہ ہے کہ

جب موسیٰ ؑ نے فرعون کے سامنے دعویٰ توحید پیش کر کے اس پر ایمان لانے کی اس کو دعوت دی تو کہنے لگا وَمَا رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ (موسیٰ! رب العلمین کون ہے؟) پھر موسیٰ نے دلائل دئیے کہ جو آسمان و زمین اور تمہارا، اور تمہارے باپ دادا سب کا رب ہے وہ ہے رب العلمین۔ تو فرعون نے کہا اس پر کوئی نشانی بھی ہے؟ پھر معجزہ دکھایا جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملا تھا۔ لاٹھی زمین پر ڈالی، بہت بڑا سانپ اژدھا بن گیا۔ تو فرعون گھبرا گیا۔ اور اس نے کہا اچھا بہت بڑے ماہر جادوگر ہو۔ جادو کے ذریعے حکومت پر قابض ہونا چاہتے ہو۔ ہم تمہیں جادو کے مقابلہ میں ہی شکست دے کر تمہارا بھانڈا پھوڑ دیں گے۔ چنانچہ فرعون نے بڑی فراخ دلی سے کہا کہ موسیٰ ؑ! مقابلہ کے دن اور میدانِ مقابلہ کا تعین تو خود ہی کر دے۔ مقابلہ صاف ستھرے ماحول میں انصاف کے تقاضوں پر ہو تاکہ تیری شکست و فتح کا سب لوگ بے تکلف مشاہدہ کر سکیں۔

آخر ان کے سالانہ فرعون کی سالگرہ کے جشن کا دن مقرر ہوا جو ایک بہت بڑا میلہ اور پوری مملکت کے دور دراز سے وسیع اجتماع کا دن تھا۔ لمبی بات ہے۔ مقابلہ شروع ہو گیا۔ جادوگروں کو ناز و غرور تھا۔ فرعون سے اپنی کامیابی سے پیشتر ہی انعام و اکرام کے عہد و اقرار کر چکے تھے۔ کہنے لگے موسیٰ! تو مظاہرہ کر اپنے فن کا یا ہم کریں۔ موسیٰ ؑ نے فرمایا تم ہی پہل کرو

قَالَ بَلْ اَلْقُوْا فَاِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ اِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ اَنَّهَا تَسْعٰى

فَاَوْجَسَ فِیْ نَفْسِہٖ خِیْفَۃً مُّوْسٰی ○ قُلْنَا لَا تَخَفْ اِنَّکَ اَنْتَ الْاَعْلٰی ○ (پ ۱۶ طٰہٰ ع)

موسیٰ نے کہا۔ نہیں بلکہ تم ڈالو۔ پھر اُن کی رسیاں اور لاٹھیاں جادو سے دوڑتی ہوئی معلوم ہوئیں۔ پس موسیٰ نے اپنے دل میں ڈر پایا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا مت ڈر تو ہی اوپر رہے گا۔

پس اللہ کے حکم سے جب موسیٰ ؑ نے لاٹھی ڈالی تو اژدھا بن کر ان کے بنائے ہوئے سارے سانپ کو نگل گیا۔ جادوگروں نے دیکھا کہ یہ ہرگز جادو نہیں۔ یہ اُوپر اور ہی کوئی طاقت ہے جو کام کر رہی ہے۔ چنانچہ وہ فوراً سجدہ میں گر پڑے اور ایمان کا اقرار کیا۔ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِرَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ○ رَبِّ مُوْسٰی وَھٰرُوْنَ ○ (پارہ ۹ رکوع ۴)

کہنے لگے ہم رب العلمین پہ ایمان لائے جو موسیٰ ؑ و ہارون سب کا رب ہے۔

رحمتِ الٰہیہ کا کیا کہنا اور کیا ٹھکانا کہ جو لوگ ابھی پیغمبر خدا سے نبرد آزمائی کر رہے تھے سجدہ سے سر اٹھاتے ہی توحید اللہ اور تمنائے لقاء اللہ کی شراب میں مخمور ہو کر اولیاء اللہ اور عارف اللہ کامل بن چکے تھے۔ فرعون نے انہیں سخت سے سخت عذاب اور تکالیف کی دھمکیاں دیں کہ اچھا استاذ شاگرد سب مل کر حکومت پہ قبضہ جمانا چاہتے ہو تمہیں مزا چکھادوں گا۔ تمہارے جسم کے ٹکڑے کرا کر سولی پہ لٹکا دوں گا۔ تم نے کیا سمجھا ہے۔ تو ان اللہ والوں نے ایک ہی جواب دیا۔

قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَکَ عَلٰی مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَیِّنٰتِ وَالَّذِیْ فَطَرَنَا فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ ؕ

کہنے لگے ہم تجھ سے ہرگز متاثر نہیں ہوں گے اس چیز پہ جو ہم کو صاف دلائل سے معلوم ہو گیا ہے۔ اور وہی ذات ہے جس نے ہمیں پیدا کیا ہے۔ پس تو کرلے جو کچھ کرنا ہے۔

اللہ اکبر! زبانی دعویٰ کرنا تو آسان ہے مگر جب منظر بالکل سامنے ہو تو جان ہتھیلی پہ رکھ کر صاف مصائب و مشکلات اور ظالموں کے بے رحمانہ ظلموں سے ٹکرا جانا معمولی بات نہیں۔ اور نہ ہی کوئی حلوہ یا کھیر کی پلیٹ ہے کہ بآسانی گلے سے اتر جائے۔ آہ۔ ان توحید کے پروانوں متوالوں نے کیا ہی خوب جواب دیا۔ اتنے بڑے جابر و ظالم مغرور و متکبر کافر بادشاہ فرعون کو صاف کہہ دیا کہ ہم صاف دلائل سے جس توحید کو مان چکے ہیں تیرے

ﮯ پارہ ۱۶ طٰہٰ رکوع ۳)

رعب وتکبر سے ہم متاثر و مرعوب ہو کر اسے ہرگز کبھی نہیں چھوڑ سکتے۔ اور اپنے خالق حقیقی کی خوشنودی کے مقابلہ میں تیری قطعًا کوئی پرواہ نہیں کرتے۔ اب جو تُو کر سکتا ہے کر گزر۔ تیرا سب سے بڑا زور یہی چل سکتا ہے کہ ہماری اس فانی زندگی کو ختم کر دے سو کچھ مضائقہ نہیں ہم پہلے ہی دار الفناء کے مقابلہ دار البقاء یعنی دار القرار کو اختیار کر چکے ہیں ہم کو اب یہاں کے غم و رنج یا راحت و آرام کی فکر نہیں اب تو تمنا صرف یہ ہے کہ ہمارا رب سچا مالک و مختار ہم سے راضی ہو جائے اور ہمارے گناہوں کو معاف فرما دے۔ رہی انعام و اکرام کی بات تو جس قدر تو ہم کو دیتا ہے اس سے کہیں زیادہ اور بہت بہتر اور پائیدار اجر مؤمنین کو خدا کے ہاں ملتا ہے۔

حضرات! اس ایک ہی عجیب و غریب واقعہ سے اندازہ لگالیں کہ معجزات سے کن لوگوں کو فائدہ پہنچتا ہے اور کیسے پہنچتا ہے

(۳) مشرکین و کافرین: مذہب پرستوں کا یہ تیسرا گروہ ہے جس کا معجزات کے بارے بہت زیادہ بیان ہے۔ معجزات کی ساری بحث و تحیص کا دار و مدار اور مرکز و محور یہی گروہ ہے۔ قرآن پاک بار بار انہی کا ذکر کرتا ہے۔ انہی سے سوال کرتا ہے۔ انہی کو جواب دیتا ہے۔ انہی کا شکوہ کرتا ہے۔ انہی کی تردید کرتا ہے۔ انہی پر حجت قائم کرتا ہے۔ یہی مشرکین و کافرین ہیں کہ کبھی معجزہ کا مطالبہ کرتے ہیں لیکن معجزات کو دیکھ کر انکار کرتے ہیں اور جادو بتا دیتے ہیں۔ سارے قرآن پاک میں جگہ بجگہ یہی بحث پھیلی ہوئی ہے۔ اگرچہ اس تفصیل کے کئی عنوانات ہیں۔ مگر یہاں ان سب کا مشترک خلاصہ پیش کیا جاتا ہے تاکہ مسئلہ کی وضاحت ہو جائے۔

مطالبۂ معجزات

قرآن پاک معجزات کے سلسلہ میں زیادہ تر جس بات پر زور دیتا ہے وہ یہ ہے کہ معجزات کے طلبگار اکثر و بیشتر مشرکین و کافرین ہی ہوتے ہیں۔ جن کے دل توحید کے خلاف شرک کی گندگی سے بھرے ہوتے ہیں۔ ضد و عناد اور جہالت و تعصب کے تو بر تو پردوں کی وجہ سے ان کے دلوں پر غلاف لپٹے ہوئے ہوتے ہیں اور ان کی آنکھیں اندھی ہوتی ہیں

کانوں میں بوجھ ہوتے ہیں۔ وہی زیادہ تر بار بار معجزات کا مطالبہ کرتے ہیں۔

قرآن پاک جہاں انبیاء کرام علیہم السلام اور ان کی دعوت و تبلیغ اور اس پر ایمان لانے والوں کے حالات اور منکرین و کافرین کے واقعات کا تذکرہ بیان کرتا ہے تو اس بات کی واضح نشان دہی کرتا ہے اور طلبِ معجزات کی نسبت کفار کی طرف کرتا ہے

وَيَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ آيَةٌ (پارہ ۱۳ رعد رکوع ۴)

اور کفار کہتے ہیں کہ اس پیغمبر پر نشانی کیوں نہیں اترتی۔

وَقَالُوا لَوْلَا يَأْتِينَا بِآيَةٍ (پارہ ۱۶ طٰہٰ رکوع ۸)

اور کفار نے کہا کوئی نشانی ہمارے پاس کیوں نہیں لاتا

وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ (پارہ ۷ انعام رکوع ۴)

اور کفار نے کہا اس پیغمبر پر کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی۔

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللَّهُ أَوْ تَأْتِينَا آيَةٌ (پارہ ۱ رکوع ۱۵)

اور جاہلوں نے کہا کہ خود خدا ہم سے باتیں کیوں نہیں کرتا یا کوئی نشان ہمارے پاس کیوں نہیں آتا۔

مذکورۃ الصدر اور ان جیسی دوسری آیات بیّنات سے یہ حقیقت تو پوری طرح کھل جاتی ہے اور اس بات کی بالکل پوری تصریح کر دی ہے کہ معجزات کے طالب مؤمنین نہیں بلکہ ہمیشہ مشرکین و کفار ہوتے تھے۔

دیکھو حضرت سیدنا صالح ؑ ہیں یا موسیٰ ؑ ہیں۔ ایمان داروں نے یا بنی اسرائیل نے حتّٰی کہ ان متلاشیانِ حق ساحروں (جادوگروں) نے بھی معجزہ کا مطالبہ نہیں کیا تھا۔ بلکہ مطالبہ فرعون نے ہی کیا تھا۔ فَأْتِ بِهَا إِن كُنتَ مِنَ الصَّادِقِينَ (پ ۹ ع ۳)

اگر کوئی نشان لایا ہے تو دکھا اگر تو سچا ہے۔

اور آن حضرت خاتم النبیین سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے صدیق اکبرؓ، فاروق اعظمؓ، عثمانِ غنیؓ، حیدرِ کرارؓ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے نہیں بلکہ ابوجہل و ابولہب وغیرہ کفار نے معجزہ مانگا تھا۔

مشرکین کا عقیدہ معجزات کے بارے اصولی اختلاف

آپ نے کبھی غور کیا کہ معجزہ کے طلبگار مؤمنین نہیں بلکہ مشرکین و کافرین تھے آخر وُہ کیوں ؟ بار بار معجزات کا سوال کرتے تھے۔
آئیے ! اس بات کو معمّہ نہ رہنے دیں۔ بلکہ سوچ بچار اور تدبر و تفکر کر کے اس کی گرہ کھول دیں۔
یاد رکھیں یہی وہ اصلی اور مرکزی گرہ ہے جس نے اس پورے تانے بانے کو الجھا رکھا ہے۔ اِن شاء اللہ اس گرہ کے کُھل جانے کے بعد اس مسئلہ پر جس قدر بھی غلط فہمیوں یا گمراہیوں کے پردے پڑے ہوئے ہیں جنہوں نے مسئلہ معجزات کا چہرہ داغدار کر کے چھپا رکھا ہے۔ اس کی پوری طرح نقاب کشائی ہو جائے گی۔ اور اس کا چہرہ آئینہ کی طرح صاف نکھر کر سامنے آجائے گا۔
غور کیجئے ! مؤمنین معجزات کا سوال نہیں کرتے۔ مشرکین و کافرین معجزات مانگتے ہیں۔ حالانکہ معجزات اگر صرف نبیؐ کی فضیلت اور رسول و پیغمبر کی شان بڑھانے کے لئے ہوتے اور نبی اور رسول کا جلیل القدر اور عظیم الشان مقام کا دار و مدار اگر معجزات پر ہی ہوتا تو یقیناً معجزات کے طالب سب سے پہلے مؤمن ہوتے کیونکہ نبی کے اور نبی کے مقام کو اونچے سے اونچا دیکھنے کے خواہشمند ایماندار مؤمنین مخلصین سے زیادہ کوئی نہیں ہو سکتا۔ کفار تو نبی کی شان گھٹاتے اور تمسخر و مذاق اڑاتے۔ اور پیغمبر سے ہر گفتگو میں مضحکہ خیز طرز و انداز اختیار کرتے تھے۔ یہ کیا وجہ ہے کہ معجزہ نبی کی شان ہو اور مطالبہ کفار کریں ؟۔ زیادہ بات کو بڑھائے اور لمبا کئے بغیر ہی مؤمنین اور مشرکین کے اصولی اختلاف کو مدّنظر رکھیں ساری بات کُھل کر سامنے آجائے گی۔
مؤمن توحید کے ساتھ ایمان لانے والا۔ مشرک شرک کرنے والا۔ سیدھے

سادے لفظوں میں مؤمن وہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ کی صفات و کمالات کا صحیح علم اور پہچان ہو جائے۔ اور مشرک وہ ہے جس کو صفاتِ خداوندی کا صحیح علم اور پہچان نہ ہو یہی وجہ ہے کہ مؤمن خدا کی صفات میں ذرّہ برابر کسی کو شریک نہیں کرتا۔

لَا یُشْرِکُوْنَ بِہٖ شَیْئًا ایک ذرّہ میں بھی کسی فرشتے، نبی، ولی کو خدائی اختیارات میں قطعاً شریک نہیں کرتا۔ باعلانِ قرآن مؤمن خدا کے ملک میں کھجور کی گٹھلی پر باریک پتلے سے پردے میں بھی کسی دوسری ہستی کو شریک نہیں کرتا بہ مطابق ارشادِ خداوندی مؤمن کارخانۂ قدرت میں اختیارات و ملک تو درکنار مکھی کا پَر بنانے میں بھی کسی فرشتے اور کسی نبیؑ ولیؒ کو خدا کا شریک نہیں بناتا۔

مؤمن بہ مطابق فرمانِ الٰہی یہی سمجھتا ہے کہ

بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ (سورہ یٰسٓ رکوع ۵)

ہر چیز کا اختیار اسی کے قبضہ میں ہے۔

لَہٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ (پارہ ۲۵ سورہ شوریٰ رکوع ۲)

زمین و آسمان کے سب خزانوں کی کنجیاں صرف اسی کے پاس ہیں

بہرحال مؤمن خدائی اختیارات میں کسی کو بھی شریک نہیں کرتا۔ اور مشرک اللہ تعالیٰ کی صفات سے لاعلم اور غافل ہے۔ وہ اپنی جہالت و نادانی اور ہٹ دھرمی سے اللہ کے برگزیدہ پیغمبروں اور اس کے نیک بندوں ولیوں کو خدائی ملک و اختیارات میں شریک بناتا ہے۔ اور سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ان پیاروں کو اختیارات دے جس سے یہ جس طرح چاہیں بناؤ اور بگاڑ کر سکتے ہیں۔

یہ تھا مؤمن اور مشرک کے عقیدہ کا اصولی اختلاف۔ اور اسی اختلاف کی وجہ سے مؤمن اور مشرک کے نظریات و خیالات میں عقیدے کے ہر اہم مسئلہ میں اختلاف تھا۔ اور اسی عقیدے کی جنگ نے مؤمن اور مشرک کے عقائد و اعمال کی سرحدوں کو جدا جدا کر رکھا تھا۔ اسی عقیدہ کے اختلافی اثرات ہی تھے کہ مؤمن کبھی پیغمبر سے معجزہ دکھانے کا تقاضا نہ کرتے تھے۔ اور جو معجزہ پیغمبر علیہ السلام سے صادر ہوتا تھا اس کو اس عقیدہ

کا ثبوت و نشانی سمجھتے تھے کہ یہ سب کچھ اللہ ہی کے اختیار میں ہے جب چاہے جو چاہے وہ کر سکتا ہے۔ اور اگر وُہ نہ کرے تو اسے کرنے کی کوئی طاقت نہیں رکھتا

اور مشرک و کافر اپنی خرابیٔ عقیدہ کی بنا پر بار بار معجزات کا اور عجیب و غریب معجزات کا سوال کرتے تھے۔ اور یہی وجہ تھی کہ ان کے غلط شرکیہ عقائد کے معیار کے مطابق جب معجزات نہیں دکھائے جاتے تھے اور صحیح عقیدۂ توحید کے ثبوت کے لئے اللہ تعالیٰ اپنی حکمت و مشیت کے مطابق جو معجزات و نشانیاں ظاہر و صادر فرماتے تو مشرک اُن کو یہ کہہ کر انکار کر دیتے کہ جن معجزات میں پیغمبر کا اختیار نہیں وہ معجزات ہی نہیں ہیں بلکہ وہ جادو ہے (نعوذ باللہ)

قرآن پاک کی بہت سی آیات میں ہے کہ کفار و مشرکین ایسے معجزات کو جادو کہہ انکار کر دیتے تھے اور یہ بھی دراصل مشرکین کا ضد اور جہالت سے مسئلہ توحید سے اعراض کی بنا پر تھا۔ چنانچہ قرآن پاک کی تصریحات ملاحظہ ہوں۔

حضرت صالح علیہ السلام کو بھی قوم نے یہی کہا تھا کہ تُو ہماری طرح کا ہی ایک آدمی ہے۔ اگر کوئی نشانی ہو تو دکھاؤ تو اللہ کی طرف سے نشانی صادر کی جاتی ہے۔ جس کا عجیب و غریب ذکر سورۂ ھود میں اور پارۂ ۱۹ سورۂ شعراء و قمر میں ہے

یٰقَوۡمِ هٰذِهٖ نَاقَةُ اللّٰهِ لَكُمۡ اٰيَةً (سورۂ ھود رکوع ۶)

صالح ع نے فرمایا اے قوم! یہ اونٹنی اللہ کی توحید کی نشانی ہے

مگر وہ پھر بھی نہ مانے۔ اور مسلسل ضد و عناد میں توحید کی مخالفت کرتے رہے اور خدا کی نشانی کی بھی توہین کی اور برباد ہوئے۔

حضرت موسیٰ ع کے عصاء کے معجزہ کا کچھ اوپر ذکر ہو چکا ہے۔ فرعون نے یہی جواب دیا هٰذَا سِحۡرٌ مُّبِيۡنٌ (کہ یہ کھلا جادو ہے) اِنۡ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ (موسیٰ اور ہارون دونوں جادوگر ہیں)۔ فرعون اور اس کی قوم کی نصیحت کے لئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے عبرت اور تنبیہ کی نشانیاں جب ظاہر کی گئیں تو

فَاَرۡسَلۡنَا عَلَيۡهِمُ الطُّوۡفَانَ وَالۡجَرَادَ وَالۡقُمَّلَ وَالضَّفَادِعَ وَالدَّمَ اٰيٰتٍ

مُّفَصَّلٰتٍ (پارہ ۹ رکوع ۶)
تو ہم نے فرعون کی قوم پر طوفان اور ٹڈی اور جوئیں اور مینڈک اور خون یہ سب کھلی نشانیاں بھیجیں۔
فَلَمَّا جَآءَهُم مُّوسٰى بِاٰيٰتِنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّفْتَرًى (پ ۲۰ قصص رکوع ۴)
پس جب موسیٰؑ ان کے پاس ہماری نشانیاں لے کر آئے تو انہوں نے کہا یہ بنایا ہوا جادو ہے
آں حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی مشرکین عرب قریش مکہ نشانیاں دیکھ کر اعراض کرتے اور آپؐ کو کاہن، مجنون، اور جادوگر بتاتے۔
وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ (پ انعام ع)
اور اللہ کی نشانیوں سے ان کے پاس کوئی نشانی نہیں آتی مگر وہ اس سے اعراض کرتے ہیں
معجزہ شق القمر بھی دیکھ کر کفار نے اس کو جادو بتایا
اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ○ وَاِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَيَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ ○ (پارہ ۲۷ سورۃ قمر رکوع ۱)
قیامت قریب آ گئی۔ اور چاند پھٹ گیا۔ اور اگر وہ کوئی نشانی بھی دیکھیں تو منہ پھیر کر یہی کہیں کہ یہ تو جادو ہے جو ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے۔
کفار و مشرکین آپؐ کو جادوگر بتایا کرتے تھے اور ایک دوسرے کو منع کیا کرتے کہ جادوگر کے پاس نہ جانا۔
وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ ○ (پارہ ۲۳ سورہ صٓ رکوع ۱)
اور کافروں نے کہا یہ جادوگر ہے بڑا جھوٹا۔
فَقَالَ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ يُّؤْثَرُ ○ (پارہ ۲۹ سورہ مدثر رکوع ۱)
کافر کہنے لگے کہ یہ تو جادو ہے جو اگلے وقتوں سے چلا آتا ہے
هَلْ هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ اَفَتَاْتُوْنَ السِّحْرَ وَاَنْتُمْ تُبْصِرُوْنَ ○ (پ رکوع ۱)
یہ (محمدؐ) تمہارے جیسا ایک آدمی ہے کہ تم دیکھتے ہوئے بھی جادو کے پاس آتے ہو؟

قَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَ هُمْ هٰذَا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ○ (پارہ ۲۶ رکوع ۱)
کافروں کے پاس جب حق آیا تو انہوں نے کہا یہ تو کھلا جادو ہے
قَالَ الْکٰفِرُوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسَاحِرٌ مُّبِیْنٌ ○ (پارہ ۱۱ سورہ یونس رکوع ۱)
کافروں نے کہا یہ تو کھلا جادوگر ہے
معجزات اور نشانیوں کو دیکھ کر اُلٹا مذاق کرتے ہیں۔
وَاِذَا رَاَوْا اٰیَةً یَّسْتَسْخِرُوْنَ ○ وَقَالُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ○ [۱]
اور جب کوئی نشان دیکھتے ہیں تو ہنسی میں ٹال دیتے ہیں اور کہتے ہیں یہ کچھ بھی نہیں صرف جادو ہے

مشرکین اور مطالبۂ معجزات

مشرکین و کافرین کا پیغمبر علیہ السلام سے معجزات کا بار بار بڑے اصرار کے ساتھ مطالبہ کرنا اور جب کوئی معجزہ ظاہر ہوتا ہے تو انکار کرنا اور اس کو جادو، اور پیغمبر کو جادوگر بتا دینا یہ اس قدر حیران کن تضاد ہے کہ آدمی حیرت زدہ ہو جاتا ہے۔ بلکہ بعض نافہم اور ناداں کفار کے اس بار بار کے اصرار سے کہ پیغمبر ہم کو معجزہ کیوں نہیں دکھاتے، یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ ان کو کوئی معجزہ دکھایا ہی نہیں گیا۔ اگر وہ کوئی معجزہ دیکھ چکے ہوتے تو بار بار معجزہ کے لئے اصرار کیوں کرتے؛ اس بات کو وہ معجزات کی نفی پر دلیل بناتے ہیں۔ لیکن یہ استدلال سرتاپا غلط ہے۔ جیسے اوپر واضح ہو چکا ہے کہ معجزہ دیکھنے کے بعد "جادو" کہہ دیتے تھے۔

قرآن مجید صاف طور پر اس کی اصل وجہ اُن کے عقیدہ کی خرابی بتاتا ہے۔ قرآن مجید اس کی نہایت واضح انداز میں تصریح کرتا ہے کہ کفار و مشرکین کا عقیدہ تھا کہ خدا کی طرف

[۱] پارہ ۲۳ سورہ صٰفّٰت رکوع ۱)

سے جو رسول اور قاصد بن کر آتا ہے وہ اس رتبۂ بشریت سے بہت بالاتر ہوتا ہے اور اس کو بے انتہا، خدائی قدرتیں اور طاقتیں حاصل ہوتی ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اس کو ہر قسم کے اختیارات دے کر مختارِ کل بنا کر بھیجتا ہے۔ وہ جس طرح چاہے بگاڑ اور بنا سکتا ہے۔ اور امیری و غریبی، عزت و ذلت، آبادی و بربادی سب چیز کا پیغمبرؑ کو مکمل اختیار حاصل ہوتا ہے۔

چنانچہ قرآن کریم کی متعدد آیات میں اس کا ذکر ہے کہ مشرکین کا معجزات پر اصرار اور بار بار مطالبہ کا اصلی اور حقیقی سبب یہی ان کا مشرکیہ عقیدہ تھا۔

وَقَالُوْا مَالِهٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ لَوْلَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَلَكٌ فَيَكُوْنَ مَعَهٗ نَذِيْرًا ○ اَوْ يُلْقٰٓى اِلَيْهِ كَنْزٌ اَوْ تَكُوْنُ لَهٗ جَنَّةٌ يَّاْكُلُ مِنْهَا (پارہ ۱۸ سورہ فرقان رکوع ۱)

اور مشرکین نے کہا کہ یہ پیغمبر کیسا ہے جو روٹی کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔ اس کے ساتھ کوئی فرشتہ رعب داب کے لئے کیوں نہیں اور اس کے لئے کوئی خزانہ کیوں نہیں اور باغ کیوں نہیں جس سے کھائے۔

حیرت انگیز مناظر دکھانے کی طاقت کے لئے فرشتوں کے ہونے اور اترنے کا تو بہت ذکر ہے۔

لَوْ مَا تَاْتِيْنَا بِالْمَلٰٓئِكَةِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ (پارہ ۱۴ رکوع ۱)

فرشتے کیوں نہیں لے آتے اگر تم سچے ہو۔

اور عذاب کے مطالبہ کا ذکر بھی قرآن مجید میں متعدد بار ہے۔

فَاْتِنَا بِمَا تَعِدُنَآ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ○ (پارہ ۸ اعراف رکوع ۹)

پس تو جس عذاب کا وعدہ دیتا ہے وہ لے آ اگر تو سچا ہے۔

اور کئی آیتوں میں بیان ہے کہ جب ہم تیری دعوت کو نہیں مانتے اور عرصہ سے روزانہ تیری مخالفت اور تیرے ساتھ ٹکرا رہے ہیں۔ ہمیں مہلت کیوں دے رہا ہے تو جلدی عذاب کو ہم پر ڈال کر ہمیں برباد کیوں نہیں کر دیتا۔

وَيَسْتَعْجِلُوْنَكَ بِالْعَذَابِ (پارہ ۲۱ رکوع ۲)

یہ لوگ آپؐ سے عذاب کی جلدی کرتے ہیں۔

یہاں تک کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی کہتے کہ آسمان سے جلدی ہم پر عذاب لا۔ اور ایک پیغمبر کو تو قوم نے کہہ دیا کہ

وَاِنْ نَّظُنُّكَ لَمِنَ الْكٰذِبِيْنَ ۝ فَاَسْقِطْ عَلَيْنَا كِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ اِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝ (پارہ ۱۹ سورۂ شعراء رکوع ۱۰)

اور ہمارے خیال میں تو جھوٹا ہے۔ اگر سچا ہے تو ہم پر آسمان سے ایک ٹکڑا گرا دے

مشرکین قریش نے تو اپنے عقیدہ شرکیہ و باطلہ کے مطابق سیدالمرسلین خاتم النبیین حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عجیب و غریب معجزات کی ایک طویل فہرست پیش کر کے ان کا مطالبہ کیا

فہرست مطالبات

① ہمارے لئے زمین سے چشمہ جاری کر دو

② تیرے لئے کھجور اور انگور کا باغ ہو۔

③ اس باغ میں تم نہریں جاری کر دو۔

④ ہم پر آسمان سے کوئی ٹکڑا گرا دو۔

⑤ فرشتوں کا پرا تیرے ساتھ ہو۔

⑥ کبھی کبھی خود خدا اس کی ضمانت کے لئے سامنے آکر نمایاں ہو (نعوذ باللہ)

⑦ تیرا محل ہو سونے کا عجیب و غریب۔

⑧ تو ہمارے سامنے آسمان پر چڑھے۔

⑨ صرف آسمان پر تیرا چڑھنا قابلِ یقین نہیں جب تک کتاب ساتھ نہ لائے۔

اس طویل فہرست کے ان معجزات کے متعلق قرآنی الفاظ

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْبُوْعًا اَوْ تَكُوْنَ لَكَ

جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۝ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۝ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ ؕ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ (پارہ ۱۵ سورہ بنی اسرائیل رکوع ۱۰)

اور مشرکین نے کہا ہم تم پر اس وقت تک ایمان نہیں لائیں گے جب تک ہمارے لئے زمین سے ایک چشمہ نہ بہادو یا تمہارے قبضہ میں کھجور و انگور کا ایک باغ نہ ہو۔ اور تم اس باغ میں نہریں نہ بہادو۔ یا آسمان سے ٹکڑا نہ گرا دو جیسا کہ کہا کرتے ہو یا خدا اور فرشتوں کو ضامن بنا کر نہ لے آؤ یا تمہارے لئے سونے کا ایک گھر نہ ہو جائے یا تم آسمان پر نہ چڑھ جاؤ اور اس وقت تک تمہارے آسمان پر چڑھنے کا ہرگز یقین نہیں کریں گے جب تک کتاب نہ لاؤ جس کو ہم پڑھ سکیں۔

عقیدۂ فاسدہ پر دلیل فاسد

مشرکین کا انبیاء کرام علیہم السلام کی نسبت یہ غلط اور فاسد و باطل عقیدہ پیدا ہو گیا تھا کہ پیغمبر عالم کائنات کے تصرف پر قادر ہیں۔ سابقہ انبیاء و مرسلین علیہم السلام کے معجزات سے اسی شرکیہ عقیدہ پر یہ دلیل فاسد پیش کرتے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یا پہلے انبیاء کے جو معجزات ہیں وہ ان کے اختیارات سے تھے اور وہ جس طرح چاہتے تھے تصرف کرتے تھے گویا تمام کائنات کی بادشاہی ان کے سپرد تھی وہ جو کچھ چاہتے اسی طاقت اور اختیار سے کر دیتے تھے۔

حقیقۃً یہی وہ بنیادی پتھر ہے جس پر مشرکین نے عقیدۂ معجزات کی مذہبی عمارت کھڑی کر رکھی تھی۔ اور اسی کا نتیجہ تھا کہ ان سے اس عقیدۂ فاسدہ اور اس کی دلیل فاسد کے ہوتے ہوئے توحید کی عمارت قائم نہ ہو سکی۔ اور ہمیشہ وہ توحید کے مخالف رہ کر انبیاء کرام علیہم السلام سے ٹکراتے اور جھگڑتے رہے۔

چنانچہ ان کا مطالبہ تھا۔

وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؔ
اور جب ان کے پاس کوئی نشانی آتی ہے تو کہتے ہیں ہم اس وقت تک نہیں مان سکتے جب تک پہلے رسولوں کی طرح نہ دیا جائے۔
اس سے بھی واضح انداز میں

فَلْيَاْتِنَا بِاٰيَةٍ كَمَآ اُرْسِلَ الْاَوَّلُوْنَ ○ (پارہ ۱۷ رکوع ۱)
پس چاہئے کہ ہمارے پاس نشانی لائے جیسے پہلے پیغمبر بھیجے گئے

مشرکین کے اصرار معجزات کے عقیدۂ فاسدہ کی تردید اور اس کی دو وجوہ

وجہ اوّل ظاہر بین نگاہیں مشرکین کی اس پیہم طلب اور زوردار اصرار سے خیرہ ہو سکتی تھیں۔ اور ان کا اس قدر بار بار مطالبہ اور سوال سے عام خیال پیدا ہو سکتا ہے کہ اگر ان کو کوئی معجزہ دکھایا جائے تو وہ شاید ایمان لے آئیں۔ مگر جب غور سے مطالعہ کیا جائے تو قرآنِ مقدس کی تاریخ صادق میں تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی سیرتیں شہادتیں دیتی ہیں اور ان کی قوموں کے حالات اس پر گواہ ہیں کہ ایسا نہیں ہوا۔ انہوں نے معجزات بھی دیکھے مگر پھر بھی توحید کو قبول نہیں کیا اپنے عقیدۂ شرک پر ڈٹے رہے اور انکار واعراض پر نہایت استقلال سے قائم رہے۔ اسی لئے قرآن کریم اس نکتہ کو اس جامع انداز میں بیان فرماتا ہے کہ ان کو ان کے مطلوبہ معجزات کیوں دکھائیں۔ کیا مان لیں گے۔ ہرگز نہیں پہلے مشرک لوگوں نے کب مان لیا۔ ان کو بھی شرک وجہالت کی بیماری تھی۔ ان کو بھی وہی بیماری ہے

وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ ○ [1]
اور ہم کو نشانیوں کے بھیجنے سے صرف اسی بات نے باز رکھا کہ پہلے لوگوں نے ان کو جھٹلایا۔

فرض کرو کہ وہی ان کے مطلوبہ معجزات دکھا بھی دئے جائیں تو بھی ان کی مشرکانہ

[1] پارہ ۱۵ رکوع ۶) [2] پارہ ۸ رکوع ۲)

طبیعت ان سے کب تسلّی؟ اپنے مشرک پیشرؤں کی طرح یہ بھی فوراً یہ کہیں گے کہ یہ محض ساحرانہ کرشمہ ہے۔

لَا يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَقَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ ○ وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَآءِ فَظَلُّوْا فِيْهِ يَعْرُجُوْنَ ○ لَقَالُوْٓا اِنَّمَا سُكِّرَتْ اَبْصَارُنَا بَلْ نَحْنُ قَوْمٌ مَّسْحُوْرُوْنَ ○ (پارہ ۱۴ رکوع ۱)

وہ اس پر ایمان نہیں لائیں گے یہ رسم اگلوں سے ہوتی آئی ہے اور اگر ہم ان پر آسمان کا کوئی دروازہ بھی کھول دیں۔ اور وہ اس میں چڑھ بھی جائیں تو بھی کہینگے کہ ہماری آنکھوں کو متوالا بنا دیا گیا ھے بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔

مشرکین اگرچہ قسمیں بھی اٹھاتے رہیں تب بھی قابلِ اعتبار نہیں۔ اور ہرگز ان کے دلوں کو معجزات کے دیکھنے پر اطمینان حاصل نہیں ہوگا۔ کیونکہ ان کے دل شرک کی محبّت میں گرفتار ہیں۔ توحید کی طلب و تڑپ نہیں رکھتے۔ اگر حق طلبی مقصود ہوتی تو پہلے ہی دفعہ دیکھ کر ایمان لے آتے۔ کبھی شکوک و شبہات سے توحید کی نشانیوں کو نہ ٹھکراتے

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا (پارہ ۷ آخری رکوع)

یہ مشرک خدا کی بڑی بڑی قسمیں کھاتے ہیں کہ کوئی نشانی ان کے پاس آجائے تو وہ ایمان لے آئیں گے۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے جوابی ارشاد ہوتا ہے

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ○ (پ ۸ ع ۱)

اور اگر ہم ان کی طرف فرشتے بھیجیں اور مردے بھی ان سے باتیں کریں اور ہر چیز ان کے سامنے کر دیں تو وہ ایمان لانے والے نہیں مگر اللہ چاہے تو۔ لیکن یہ اکثر ہی نادان ہیں۔

ہو سکتا ہے کہ کوئی شرک کا مریض متعفّن الدماغ یہ سوچے اور کہے کہ محبوب کبریا حبیب خدا محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے شاید نہ چاہا ہو۔ اگر چاہتے تو

کیسے یہ نہ ہو سکتا۔ تو قرآن اس کی تصریح فرماتا ہے کہ مصطفےٰ کریم آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعلمین ہونے کی فرطِ شفقت و محبت سے یہ خیال بار بار آتا تھا کہ رؤسائے قریش ایمان کی دولت سے محروم نہ رہنے پائیں۔ مگر حکمتِ خداوندی کہ شرک میں سر کی چوٹی سے پاؤں کے ناخنوں تک ڈوبے ہوئے اور اس پہ پوری طرح ڈٹے ہوئے لوگوں کی قسمت میں ایمان کی سعادت کہاں سے ہے۔ ایمان کی سعادت تو انہیں کے نصیب میں ہے جو حق کے طالب ہیں ایمان انہیں کو ملتا ہے، ہدایت وہی پاتے ہیں جو دل کے کانوں سے حق کی آیتیں سنتے اور قبول کرتے ہیں۔ ضدی اور عنادی بدقسمتوں کے لئے معجزات بے کار ہیں۔ ارشاد خداوندی ہوتا ہے اے پیرے محبوب!

وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى[1]

اور اگر تجھ پہ ان مشرکین کی روگردانی بھاری ہو تو اگر تجھ میں طاقت ہو، تو زمین میں کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی ڈھونڈ کر ان کو نشانی لادے ہاں خدا چاہتا تو ان سب کو ہدایت پہ اکٹھا کر دیتا۔

چونکہ مشرکین شرک کی محبت اور توحید کی مخالفت میں ضد و عناد، تعصّب اور ہٹ دھرمی میں اس قدر حد سے بڑھ جاتے ہیں کہ ان کو حق و باطل میں تمیز کی قوت نہیں ہوتی اور وہ یقین کی دولت و سعادت سے محروم ہوتے ہیں۔ اس لئے بڑی سے بڑی بھی شرکیہ شکوک و شبہات کے گرداب سے ان کو باہر نہیں نکال سکتی، اس لئے قرآنِ پاک مشرکین کے شرکیہ عقیدہ کی وجہ سے سرے سے ان کے ہر جاہلانہ، باطلانہ، مفسدانہ مطالبہ کو رد کر دیتا ہے کہ چند لوگوں کے ایمان و عدم ایمان کی خاطر نفسِ پیغام و دعوت "توحید" کے اصول کی بیخ کنی نہیں کی جا سکتی۔

وجہ دوم قرآن مجید نے نہایت واضح الفاظ میں مشرکین کے اس عقیدہ کے اصرار کی تردید کی ہے کہ معجزات اور نشانات میں کسی بھی پیغمبر کی قوت و اختیار و ارادہ کا قطعاً کوئی دخل نہیں، بلکہ خدا کی مشیت اور صرف اسی کے حکم سے ہوتا ہے

[1] پارہ ۷

ارشادِ باری تعالیٰ ہے

وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (پارہ ۱۳ع رکوع ۱۲)

کسی رسول کے لائقِ شان نہیں کہ وہ کوئی نشانی لا سکے مگر خدا کے حکم سے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات قرآنِ پاک کی زبان و الفاظ میں جس لب و لہجہ میں بیان ہوئے ہیں نہایت شدت اور نہایت اصرار کے ساتھ اس عقیدۂ باطلہ کو ردّ کر دیا ہے۔ اور صاف تصریح کے ساتھ اس حقیقت کو واضح کر کے یہ ظاہر کر دیا کہ جو کچھ تھا خدا کی قدرت سے تھا۔ حضرت عیسیٰؑ کے اختیار میں نہیں تھا خود حضرت عیسیٰؑ کی زبان سے بار بار قرآن کہتا ہے۔ باذن اللہ، باذن اللہ، بِاِذْنِ اللّٰهِ، اور حضرت عیسیٰؑ کے بارے میں خود ان کی زبان سے قرآن کے الفاظ یہ ہیں اِنِّيْ عَبْدُ اللّٰهِ (میں تو اللہ تعالیٰ کا محتاج بندہ ہوں) اور حضرت عیسیٰؑ کی تعلیمات کا جامع خلاصہ قرآن ان الفاظ میں بیان فرماتا ہے

وَاِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ ؕ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ ۝ [1]

اور بیشک لوگو! میرا کارساز اور تمہارا کارساز سب کا ایک اللہ ہی ہے۔ اسی کی بندگی کرو۔ یہی صراط مستقیم ہے۔

خصوصاً سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانِ پاک سے قرآن مشرکین کے عقیدہ شرکیہ باطلہ کی تردید کرتا ہے۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ (پارہ ۷ع سورۂ انعام رکوع ۴)

مشرکین کہتے ہیں کہ پیغمبر پر رب کی طرف سے کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری گئی کہہ دے پیغمبرؐ! خدا کے اختیار و طاقت میں ہے نشانی اتارے۔ لیکن اکثر لوگ نادان ہیں۔

قرآنِ مقدس بار بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اعلان کراتا ہے کہ معجزات پیغمبر کے قبضہ و اختیار میں نہیں۔ بلکہ خدا کے اختیار میں ہیں۔

---

[1] پارہ ۱۶ع مریم رکوع ۲۔ قلت و مثلہ فی سورۃ آل عمران رکوع ۵ و سورۃ الزخرف رکوع ۶) دیلوی

قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ (پارہ ۷ سورہ انعام رکوع ۱۳ و پارہ ۲۰ رکوع ۱)
کہہ دے پیغمبر! کہ نشانیاں خدا کے اختیار میں ہیں۔
پیغمبر علیہ السلام سے اعلان کرایا جاتا ہے کہ پیغمبر کا کام تعلیم ہدایت ہے۔ معجزات دکھانا نہیں۔

وَیَقُوْلُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ اِنَّمَآ اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِکُلِّ قَوْمٍ هَادٍ ○ (پارہ ۱۳ سورہ رعد رکوع ۱)
اور کافر کہتے ہیں کہ پیغمبر پر کوئی نشانی کیوں نہیں اتاری جاتی اللہ کی طرف سے۔ اے پیغمبر! تو تو سمجھانے والا ہے۔ اور ہر قوم کے لئے ہدایت دکھانے والا۔

قُلْ اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِیْرٌ مُّبِیْنٌ ○ (پارہ ۲۱ رکوع ۱)
کہہ کیجئے کہ نشانیاں تو خدا کے قبضہ میں ہیں۔ اور میں تو واضح سمجھانے والا ہوں۔

عذاب کی نشانی لانا بھی میرے اختیار میں تو کیا میرے علم میں بھی نہیں۔ خدا کو معلوم ہے۔

وَیَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْهِ اٰیَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَیْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا اِنِّیْ مَعَکُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِیْنَ ○ (پارہ ۱۱ سورہ یونس رکوع ۲)
اور وہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا کی طرف سے اس پر نشان کیوں نہیں اترتا؟ پس فرما دیجئے کہ غیب صرف اللہ کے ساتھ مخصوص ہے تم لوگ بھی انتظار کرو۔ میں بھی تمہارے ساتھ منتظر ہوں۔

مشرکین نے طویل فہرست جس میں نو معجزات کا مطالبہ کیا تھا، اس کے جواب میں قرآن مجید خود سید الکائنات خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم سے نہایت وضاحت کے ساتھ اس حقیقت کا اعلان کرایا کہ پیغمبر علیہ السلام بشر اور خالص بشر ہیں ان میں الوہیت (یعنی خدائی اختیارات) کا کوئی شائبہ نہیں ہے۔

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّیْ هَلْ کُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا ○ (پارہ ۱۵ رکوع ۱۱)
فرما دیجئے اے پیغمبر! میرا رب شریکوں سے پاک ہے۔ میں کون ہوں ایک آدمی رسول ہوں
باقی قرآن مجید میں متعدد آیات میں تکرار کے ساتھ اس حقیقت کا اعادہ کیا گیا ہے،

کہ مختار کل اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہے۔ پیغمبر علیہ السلام نہیں ہیں۔

قُلْ لَآ اَقُوْلُ لَکُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰہِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَکُمْ اِنِّیْ مَلَکٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ ؕ (پارہ ۷ سورہ انعام رکوع ۵)

اے پیغمبر کہہ دو کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس خدا کے خزانے ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ تم سے کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں تو صرف اس کے حکم کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کیا جاتا ہے۔

قُلْ لَّآ اَمْلِکُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ ؕ وَلَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَاسْتَکْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّبَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ

فرما دیجئے کہ خود میرا نفع اور نقصان بھی میرے اختیار میں نہیں۔ لیکن جو اللہ چاہے۔ اور اگر میں غیب جانتا تو بہت سا فائدہ کر لیتا اور مجھے کوئی تکلیف نہ پہنچتی میں تو صرف ڈرانے والا اور خوشخبری سنانے والا ہوں یقین والے لوگوں کو۔

کتنا واضح اعلان ہے۔ سب سے زیادہ صاف اور صریح آیت ہے۔

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ یُوْحٰٓی اِلَیَّ اَنَّمَآ اِلٰـھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ (پارہ ۱۶ رکوع ۳)

فرما دیجئے اے پیغمبر میں تمہاری طرح ایک آدمی ہوں۔ مجھ پر وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا کارساز مالک و مختار ایک ہی ہے۔

آخری گذارش

حقیقت تو یہ ہے کہ جہاں مشرکین نے ہمیشہ اپنے فاسد عقیدہ کے مطابق انبیاء علیہم السلام خدا کے برگزیدہ اور پسندیدہ بزرگوں میں الوہیت اور خدا کے اختیارات و تصرفات کا عنصر تسلیم کرنا توحید اور نبوت کی اصل حقیقت جس پر دین الٰہی کی بنیاد ہے متزلزل کرنے کی ناپاک کوشش کی اور اس دین کی عمارت کو ہی گرانا چاہا۔ قرآن مجید کے نہایت صاف اور واضح اور نہایت صریح بیان کے مطابق حقیقۃً "معجزات" ہی نے ہمیشہ مشرکین کی اس غلط فہمی کا پردہ چاک کیا اور دنیا میں توحید اور نبوّت کی اصل حقیقت اس استواری اور

ے پارہ ۹ رکوع ۱۴

مضبوطی کے ساتھ قائم کر دی کہ فساد اور سوءِ عقیدہ کے سیل وطوفان سے اس کو کوئی گزند پہنچنے کا خطرہ باقی نہ رہے۔

اوپر قرآن پاک کے واضح اور غیر مبہم الفاظ میں جس طرح معجزات کے بارے میں اور خاص کر آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ گرامی کے متعلق اعلانات کا ذکر ہے۔ یہ قرآن مجید کے اسی اظہارِ حقیقت اور خالص تعلیم قرآنی کا اثر ہے کہ اسلام میں توحید اور نبوت کی حقیقتیں مشتبہ نہ ہو جائیں اور نہ ہو سکتی ہیں اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم میں الوہیت وخدائی اختیارات کا ادنیٰ سا شائبہ بھی مسلمانوں نے کبھی تسلیم نہیں کیا۔ اور تمام دنیا کے مذاہب میں توحید کامل کی علمبرداری آخر اسلام کے دست وبازو کو سپرد ہوئی۔ وما علینا الا البلاغ

مذہب پرست اور معجزات

آخر میں اس حقیقت کو واضح کر دینا بھی ضروری ہے کہ معجزہ جس طرح عجیب وغریب امر کے صادر وظاہر ہونے کا نام ہے، سحر یعنی جادو سے بھی اس قسم کی عجیب وغریب باتیں دکھائی جا سکتی ہیں۔ اس صورت میں معجزے اور سحر میں، اور پیغمبر اور ساحر میں کیا فرق ہو گا۔

اگر چہ اس پر اہلِ کلام نے بڑی بڑی بحثیں کی ہیں۔ بعض حضرات بڑے دعویٰ سے کہتے ہیں کہ سحر صرف طلسم، شعبدہ بازی، اور ہاتھ کی صفائی سے عجیب وغریب حیران کن اور حیرت انگیز کرتب دکھانے کا نام ہے۔ اس کے سوا جس کی کوئی اصلی حقیقت نہیں ہے مگر بجائے خود یہ ایک دعویٰ ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں۔ کیونکہ قرآن وسنت میں جادو کو کفر کہا گیا ہے اور محض ہاتھ کی صفائی کے کرشموں پر کفر کا اطلاق کرنا صحیح نہیں ہے۔ اور اکثر مفکرینِ اسلام نے معجزہ اور سحر میں خیر اور شر کا فرق بیان کیا ہے۔ کہ گو معجزہ اور سحر میں ظاہراً کسی قدر اشتباہ اور التباس ہوتا ہے۔ مگر صاحب معجزہ نبی و پیغمبر، اور ساحر وجادوگر ان دونوں کی زندگی کے آثار وخصائص میں بہت بڑا نمایاں

فرق ہوتا ہے جس سے ایک دوسرے کے حدود اور فرق و امتیاز کو فوراً پہچان لئے جاتے ہیں۔

نبی: اخلاق و اعمال کا مجسمہ، تقویٰ و طہارت اور پاکیزگی کا نمونہ، شریعت کا حامل گنہگاروں کا طبیب اور زنگ آلودہ قلوب کا معالج ہوتا ہے۔ اس کے برعکس ساحر (جادوگر) گندے ناپاک اور اللہ کے نام اور اس کی عبادت سے دور رہتے ہیں معجزہ اور سحر ہی کیا، دنیا کی بے شمار حقیقتیں اسی طرح اپنے مقابل سے مشتبہ اور ملی جلی ہوتی گئیں جن کا صرف علامات و قرائن سے ہی اعلانیہ فرق محسوس کیا جاتا ہے علامہ رومیؒ نے اس فرق مراتب کو مثنوی میں نہایت عمدہ تشبیہات سے ظاہر کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

صد ہزاراں ایں چنیں اشباہ بیں	فرقِ شاں ہفتاد سالہ راہ بیں
اس طرح لاکھوں ہم شکل چیزیں ہیں	لیکن ان میں کوسوں کا فاصلہ ہے
ہر دو صورت گر بہم مانند رواست	آبِ تلخ و آبِ شیریں را صفاست
دونوں کی صورتیں ایک جیسی ہوں تو کیا حرج	میٹھا اور کڑوا پانی ہر دو کا رنگ صاف ہے

اسی طرح صبر اور بے حمیتی، توکل اور کاہلی، کفایت شعاری اور بخل و کنجوسی، سخاوت اور اسراف، حق گوئی اور گستاخی و بے باکی۔ ان کے آثار و حالات سے پہچان ہوتی ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان جوابات سے اس اشکال کی اصلی گرہ نہیں کھلتی، کیونکہ ان عظیم الشان کرشموں اور عجائب کارناموں کے ڈانڈے باہم کچھ اس طرح ملے ہوئے ہیں کہ اس سے انسان اور پھر خاص کر شرک کے مریض انسان کی طبیعت اور قوت ممیزہ دھوکہ کھا سکتی ہے۔ اگرچہ اہلِ نظر سلیم الطبع انسان ان دونوں حقیقتوں کے ظاہری تشابہ سے فریب میں نہیں آتے۔

محققین مفسرین و محدثین علماء اسلام نے نہایت محققانہ بحث میں ان کی الگ حقیقت اور حیثیت سے ایسی تعیین کر دی ہے جس سے کبھی بھی کسی کو اختلاط و

اشتباہ نہیں رہ سکتا۔

فرق بیّن "معجزہ توحید" کی نشانی ہوتا ہے کہ یہ خرقِ عادت، مافوق العادت یعنی اسبابِ طبعیہ عادیہ جاریہ کے بلاواسطہ براہِ راست اللہ تعالیٰ کے قبضہ واختیار، اسی کی مشیت و ارادہ کا فعل ہوتا ہے۔ اس میں کسی پیغمبرؑ کے اختیار وقدرت کا کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اسی لئے معجزہ کے فعل کی نسبت بھی پیغمبرؑ کی طرف نہیں ہوتی۔ بلکہ اس قسم کا عامیانہ تغافل ہرگز جائز نہیں۔

یاد رکھیں: کہ معجزہ کا خوشبودار پھول کانٹوں کے درمیان ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ پھول حاصل کئے بغیر اپنے دامنِ ایمان کو زخمی کر کے خون آلود کرلیں۔ جیسا کہ پہلے تفصیل ملاحظہ کر چکے ہو۔

معجزہ کے صدور کی نسبت قرآنِ پاک جابجا اللہ کی طرف کرتا ہے اٰیۃ اللہ، اِنما الاٰیات عند اللہ، اِلّا باذن اللہ،

اور سحر کی اصل شرک ہے۔ سحر (جادو) اسبابِ عادیہ مخفیہ کا اثر ہوتا ہے۔

قرآن وسنّت کی اصطلاح میں سحر جادو کے اسبابِ مخفیہ شرکیہ اعمال وکلمات و وظائف ہیں جن سے غیر اللہ کو پکار کر شیطان کو خوش کیا جاتا ہے۔ اسی لئے سحر کے فعل کی نسبت بھی ساحر (جادوگر) اور شیطان کی طرف کی جاتی ہے۔ تفصیل کے لئے کتبِ تفاسیر تفسیر روح المعانی وغیرہ کو ملاحظہ کریں۔

اس بحث کو نہایت جامع اور پُرمغز انداز میں سند المحدثین عمدۃ المفسرین حضرت العلامہ شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ خلاصہ نکال کر فرماتے ہیں کہ

"جادو کی تیرہ ۱۳ قسمیں ہیں اور سب کا خلاصہ غیر اللہ کو پکارنا اور غیر اللہ کو قادر اور عالم الغیب سمجھنا ہے"۔ اس کے بعد فرماتے ہیں کہ

جادوگر کی سزا قتل ہے اور قتل کے بعد نہ اس کا جنازہ پڑھا جائے اور نہ ہی اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے (فتح العزیز ص۳۱۵ پارہ الم) جواہر القرآن ص۵۴)

جس طرح معجزہ اور سحر میں توحید و شرک کا یہ فرق ہے۔ مؤمنین ومشرکین، پیغمبرؑ اور

جادوگر میں۔ اسی نسبت سے فرق کرتے تھے
مؤمن باوجود معجزہ دیکھنے کے نبی کو نبی اور رسول اور اللہ کا عاجزو فرماں بردار اور محتاج بندہ ہی مانتے تھے۔ اور کبھی رسول کو آلہ کارساز و مشکل کشا نہیں سمجھا۔
اور مشرکین اسی نسبت سے کہ معجزہ چونکہ نبی کی طاقت نہیں۔ یہ گویا نبی ہی نہیں بلکہ (معاذ باللہ) جادوگر ہے۔ اور جادوگر چونکہ فعل کو اپنی طرف منسوب کرتا ہے (نعوذ باللہ واعاذنا اللہ) مشرک جادوگروں کو مقدس بزرگ، نبی، قابلِ اتباع اور الہیت کے درجہ کی حد تک سمجھ کر پوجنے لگ جاتے ہیں۔
مشرکین نبی کو نبی نہیں مانتے اور ساحر و جادوگر کو نبی سے بڑھا کر خدا ماننے کو تیار ہو جاتے ہیں۔ بلکہ اکثر تو ان کو خدا مان ہی لیتے ہیں۔ یہ سب "توحید" کی مخالفت اور شرک کی محبت کا کرشمہ ہے
اے اللہ تو محض اپنے فضل و رحمت سے ہمیں توحید پر پختہ فرما۔ اور شرک سے بچا، اور ہمارے سب بھائیوں کو اس کی طرف ہدایت نصیب فرما۔

معجزات سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم

حضرات! معجزات کی بحث کچھ اندازہ سے زیادہ ہو گئی ہے۔ تاہم خدا کا شکر ہے کہ معجزات کے متعلق اصولی اور ضروری گفتگو ہو چکی ہے۔ ارادہ تو تھا کہ آنحضرت سید المرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ان سیکڑوں معجزات میں سے چند اہم معجزات کا ذکر کر دوں گا۔
مثلاً خود معجزۂ قرآن جس کے متعلق خود اس کی اپنی زبان کا فیصلہ ہے کہ
قُلْ لَّئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ۝ (پارہ ۱۵ رکوع ۱۰)
اے پیغمبر! آپ فرما دیجئے کہ اگر تمام انسان اور جنات سب اس کے لئے جمع ہو

جائیں کہ اس جیسا قرآن بنا لائیں تو بھی اس جیسا قرآن نہ لاسکیں گے۔ خواہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے مددگار ہی کیوں نہ بن جائیں۔

(۲) اور معجزہ اسراء و معراج جیسے اہم اور بڑے بڑے معجزات کا ذکر ارادہ کے باوجود ملتوی کر رہا ہوں۔ کیونکہ کتاب کی ضخامت بہت طویل ہو رہی ہے۔ ابھی دو باب اور بھی باقی ہیں۔ ان شاء اللہ معجزات کے سلسلہ میں ایک الگ رسالہ مرتب کر دوں گا۔

اس باب کو انہی الفاظ پر ختم کرتے ہوئے اگلی منزل کی تیاری کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہی اپنی مہربانی و کرم نوازی سے کامیابی عنایت فرما کر منزلِ مقصود تک پہنچائیں گے

وَاللّٰہُ هُوَ الْوَلِیُّ

باب ہفتم

معمولات النبیؐ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٥ اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (پارہ ۶ سورہ المائدہ رکوع ۱)
قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ (پارہ ۳ سورۃ آل عمران رکوع ۴)
لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ (پارہ ۲۱ سورۃ الاحزاب رکوع ۳)
حضرات گرامی! الحمدللہ ثم الحمدللہ کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے چھ ابواب کو پورا کرنے کی توفیق مرحمت فرمائی۔ (۱) ضرورت رسالت (۲) منصب رسالت (۳) بشریت و رسالت (۴) وحی اور علم غیب (۵) دعوت و تبلیغ (۶) معجزات النبیؐ

اب یہ ساتواں باب ہے جو "معمولات النبیؐ" سے موسوم کیا گیا ہے۔ یہ باب تعلیمات نبوی کا ایک سمندر بے کراں ہے جس کو حتی المقدور بمصداق "سمندر کو ایک کوزے میں بند کر کے" ہدیۂ ناظرین کر رہا ہوں۔ کیونکہ

"معمولات النبیؐ" سے ہماری مراد آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری کامل و مکمل سیرت طیبہ ہے جو مسلمانوں کی "روحانی حیات" ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی محبت و رحمت اور مغفرت کا دار و مدار اسی کی اتباع پر ہے۔ اور آپ کی سیرت پاک کا ایک ایک خد و خال اور سیرت مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی کتاب مقدس کا ایک ایک

صفحہ اور اس کا ایک ایک لفظ کامل دینِ اسلام کا ایک مکمل اور بہترین نمونہ ہے۔
ہر زمانہ میں عموماً اور آج کل کے پُرفتن دور میں مسلمانوں کی زندگی بہت سے خطروں سے دوچار ہے۔ شہر بشہر گلی ہو یا بازار، گھر ہو یا مسجد نت نئی الجھنوں اور نئی مصیبتوں کا سامنا ہوتا ہے۔ جگہ بہ جگہ بے دینی و گمراہی کے جال پھیلے ہوئے ہیں۔ قدم قدم پر لغزش اور ٹھوکر کا سامان ہے۔ ہر طرف مایوسی اور ناکامی کے خطرات لاحق ہیں۔ بہ مطابقِ فرمانِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بَطْنُ الْاَرْضِ خَیْرٌ لَّکُمْ مِنْ ظَھْرِھَا ادکماقال کے فتنے اور فساد کا ایسا ماحول ہوگا کہ زمین پر زندہ رہنے سے مرکر زمین کی خاک میں مل جانا بہتر ہوگا۔
شہروں اور آبادیوں سے جنگل و بیابان کی زندگی بہتر ہوگی
ایسے خطرناک فتنوں اور پریشان کن حالات میں ہمت ہار بیٹھنا بھی کسی طرح مناسب اور ٹھیک نہیں۔ اس سے تو دینی و مذہبی اور روحانی حالت خراب و برباد اور زیادہ ابتر ہو جاتی ہے۔ آج ہی آپ اگر اپنی اصلاح اور دینی ترقی اور روحانی حیات کے لئے کمرِ ہمّت باندھ لیں تو ہر مشکل اور ہر پریشانی کا حل ڈھونڈا جاسکتا ہے اور آپ بفضلہ تعالیٰ بآسانی آخرت کی کامیابی حاصل کرکے دربارِ خداوندی میں سرخ روئی حاصل کرسکتے ہیں۔

اُسوۂ حَسنہ یعنی عُمدہ نمونہ

آج ہمیں پوری طرح نئی قوّت و ہمّت اور نئے ولولے و جذبے اور نئی قابلیت و لیاقت سے اس طرف توجّہ کرنا پڑے گی کہ جب تک ہم سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیّبہ کے اسوۂ حسنہ کو اپنی زندگی میں "عمدہ نمونہ" کی حیثیت سے نہیں اپناتے تو ہم ان مشکلات کے گرداب سے کبھی نہیں نکل سکتے اور نہ ہی ہماری دینی و مذہبی اصلاح اور نہ روحانی ترقی ہوسکتی ہے۔ کیونکہ تمام شعبہ ہائے زندگی میں

آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات و ہدایات ہمارے راہنمائی کے لئے کافی ہیں۔
ہماری زندگی کا ہر پہلو اور ہمارا کوئی معاملہ ایسا نہیں جس سے متعلق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہماری راہنمائی نہ فرمائی ہو۔ اسی لئے قرآن کریم میں آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت پاک کو سب مسلمانوں کے لئے اسوۂ حسنہ (بہترین نمونہ) قرار دیا ہے۔ رہنے سہنے، اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے، ملنے جلنے، کھانے پینے، نہانے دھونے کام کرنے اور آرام کرنے، عبادت و ریاضت، اخلاق و معاشرہ، عقائد و اعمال، تہذیب و تمدن، غرضیکہ ہماری زندگی میں پیدائش سے لے کر موت تک کے ہر مرحلے اور ہر معاملہ سے متعلق آن حضرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کی عملی تصویر اور قولی ارشاد کی راہنمائی موجود ہے۔ اور اسی کی اطاعت و پیروی اللہ تعالیٰ کو محبوب اور پسند ھے۔

تمام انبیاء کرام علیہم السّلام کی پاکیزہ سیرتوں میں سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کا امتیازی نشان

یہ بات اپنی جگہ ایک مسلّم حقیقت ہے کہ تاریخ کی دنیا میں ہزاروں اشخاص نمایاں ہیں۔ جنہیں آنے والی نسلیں بطور نمونہ یاد کرتی رہتی ہیں۔
شاہانِ عالم کی شان و شوکت اور سپہ سالاروں کے جنگی کارنامے، حکمائے و فلاسفروں کے دماغی حیرت انگیز نظریئے اور بلند خیالی کے عجیب دقیق نکتے یہ سب اپنے اندر زندگی کی ایک کشش رکھتے ہیں۔ لیکن انسان کی سعادت، فلاح و ہدایت کے ضامن نہیں ہو سکتے۔ اور روحانی زندگی کیلئے قابلِ تقلید نہیں بن سکتے۔ کیونکہ ان میں دلوں کے علاج کے لئے کوئی روحانی دوا نہیں۔ دلوں کی دنیا کے انقلاب کے لئے اگرچہ شعر و شاعری اور خوش الحانی کو بڑا دخل ہے مگر دنیا میں بڑے بڑے شاعر بھی پیدا ہوئے ہیں لیکن خیالی دنیا کے یہ شہنشاہ عملی دنیا میں روحانیت کے علاج میں بالکل بے کار ثابت ہوئے ہیں۔ اسی لئے انسانی زندگی میں فوری جوش و ہنگامہ برپا

کرنے والے سب سے بڑے گروہ شاعروں کے متعلق ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَالشُّعَرَاءُ يَتَّبِعُهُمُ الْغَاوُنَ ○ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِيْ كُلِّ وَادٍ يَّهِيْمُوْنَ ○ ؎

اور شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کرتے ہیں۔ کیا تو نہیں دیکھتا کہ وہ ہر وادی میں بھٹکتے ہیں۔

ان سب طبقوں میں انسانوں کی بھلائی و ہدایت کا مظاہرہ اور خلوص اور اپنے دل کی صفائی کا اجالا سب سے بلند اور سب سے اعلیٰ طبقہ انبیاء کرام علیہم السلام کا ہے دنیا کے کونے کونے میں اس برگزیدہ جماعت اور عظیم القدر گروہ کی تعلیمات کی روشنی کے اثرات دکھائی دیتے ہیں اور وہ جگہ بہ جگہ اپنے نقشِ قدم چھوڑ گئے جو اُن کی صداقت وحقانیت کا زندہ وتابندہ ثبوت ہے۔ تاہم اس طبقۂ انبیاءؑ میں ہر فرد انسانی فلاح ونجات کے اوصاف وکمالات میں کسی خاص وصف میں نمایاں ہے اور ہر ایک کو دوسرے پر فضیلت وبرتری ہے۔ جیسے قرآن کا واضح اشارہ ہے تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ، وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّيْنَ عَلٰى بَعْضٍ ، (ہم نے رسولوں میں بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ اور اسی فضیلت کا ایک مقام پہ اکثر انبیاء کا تذکرہ فرما کر ان کے خصوصی اوصاف کو نمایاں فرمایا۔ مثلاً

نوح علیہ السلام کا جوشِ تبلیغ ، ابراہیم علیہ السلام کا ولولۂ توحید ، اسحاقؑ علیہ السلام کی وراثت پدری ، اسماعیل علیہ السلام کا ایثار ، موسیٰ علیہ السلام کی سعی وکوشش ، ہارون علیہ السلام کی رفاقتِ حق ، یعقوب علیہ السلام کی تسلیم ورضا ، داؤد علیہ السلام کا زہد وذکر ، سلیمان علیہ السلام کا سرور حکمت وسلطنت ، زکریا علیہ السلام کی عبادت ، یحییٰ علیہ السلام کی عفت ، عیسیٰ علیہ السلام کا زہد ، یونس علیہ السلام کا اعتراف عجز ، لوط علیہ السلام کی جانفشانی ، اور ایوب علیہ السلام کا صبر ،

یہی وہ حقیقی نقش ونگار ہیں جن سے ہماری روحانی اور اخلاقی دنیا کا ایوان آراستہ وپیراستہ ہے۔ اور جہاں کہیں ان صفاتِ عالیہ کا وجود ہے وہ انہی بزرگوں

؎ پارہ ۱۹ سورۂ شعراء آخری رکوع)

کی مثالوں اور نمونوں کا ادنیٰ سا عکس ہے۔

لیکن یہ حضرات انبیاء کرام نفوسِ قدسیہ اپنے اپنے وقت میں آئے اور گذر گئے اس عالمِ فانی کی کوئی چیز ابدی نہیں۔ ان کی ہستیاں کتنی ہی مقدس و معصوم تھیں تاہم وہ دوام و بقاء کی دولت سے سرفراز نہ تھیں۔

اس لئے ایک ایسی برگزیدہ ہستی کی ضرورت تھی جو سلسلۂ نبوت کی آخری کڑی (یعنی خاتم النبیین) آخری پیغمبر ہوں اور ان کی سیرت پاک اتنی کامل و جامع ہو کہ بے شک وہ ہستی تو دنیائے فانی سے دار البقاء کی طرف رخصت ہو جائے مگر اُن کی سیرتِ طیبہ قیامت تک قابلِ تقلید نمونہ ہو۔

یہ ہستی کامل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے۔ کہ آپؐ کی حیاتِ طیبہ میں تمام انسانی طبقے مختلف صلاحیتوں کے افراد آپؐ کے سامنے آکر زانوئے ادب تہہ کرتے ہیں اور اپنے اپنے ذوق و فکر کے مطابق آپؐ کی تعلیمات سے بہرہ اندوز ہوتے ہیں۔

مدینۃ النبیؐ کی اِس درسگاہِ اعظم کو غور سے دیکھو جس کی چھت کھجور کے پتوں سے اور ستون کھجور کے تنوں سے بنائے گئے، جس کا فرش زمین کی مٹی تھا۔ اکثر بارش کے دنوں میں چھت ٹپکتی تھی۔ جس سے سجدہ ریز پیشانیاں کیچڑ میں خاک آلود ہو جاتی تھیں۔ اِسی کا نام مسجدِ نبوی تھا۔ وہیں حضرت ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ جیسے فرمان روا خلفاء زیرِ تعلیم ہیں۔ حضرت طلحہؓ زبیرؓ، معاویہؓ، سعد بن معاذ رضؓ، و سعید بن جبیرؓ جیسے اربابِ رائے اور صاحبِ تدبیر وہیں فیض پا رہے ہیں، حضرت خالدؓ، ابو عبیدہ رضؓ، سعد بن ابی وقاص رضؓ، اور عمرو بن العاص جیسے سپہ سالار وہیں کے تربیت یافتہ ہیں۔ جو بعد میں صوبوں کے حکمران، عدالتوں کے قاضی اور قانون کے مقنن بنے۔ وہیں زہاد و عباد کا مجمع جما ہوا ہے جن کے دِن روزوں میں اور راتیں نمازوں میں کٹتی تھیں۔ حضرت ابوذرؓ سلمان فارسی، اور ابو الدرداءؓ جیسے وہ درویش خرقہ پوش ہیں جو مسیحِ اسلام کہلاتے

تھے۔ اور اصحابِ صُفّہ کے طالب العلم مہمانانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی جماعت تو امتیازی شان اور حیثیت سے مسجد نبوی کے اس چبوترے کو ہی اپنا مسکن دَارُالاقامہ سمجھتے ہیں اور دن رات علم کے حصول وطلب میں مصروف رہتے ہیں، جنگل سے لکڑیاں لاکر بیچ کر مشترکہ گذارہ کر تے ہیں اور کچھ مل جائے تو کھا لیتے ہیں۔ اکثر فاقے برداشت کر کے صبر کر تے ہیں۔ اور کسی سے کھلے طور سوال نہیں کرتے۔ انہی کے حق میں قرآن پاک کا اشارہ ہے

اَلَّذِیْنَ اُحْصِرُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ ضَرْبًا فِی الْاَرْضِ یَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِیَاۤءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِیْمٰهُمْ لَا یَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا (پارہ ۳ رکوع ۵)

جو اللہ کی راہ میں بند کر دئے گئے ہیں۔ یہ لوگ کہیں ملک میں جا آ نہیں سکتے۔ ان کے سوال نہ کرنے کی وجہ سے ناواقف شخص ان لوگوں کو مالدار سمجھتا ہے۔ اے مخاطب! تو اُن کے فقر کو ان کے چہرے کی علامت سے پہچان سکتا ہے۔ وہ لوگوں سے لپٹ لپٹ کر سوال نہیں کرتے پھرتے۔

اور حضرت علی، حضرت عائشہ، حضرت ابن عباس، حضرت ابن مسعود، حضرت زید بن ثابت (رضی اللہ عنہم اجمعین) جیسے فقیہ و محدّث و مفسّر ماہر القرآن صاحب اجتہاد اصحاب بھی اسی درس گاہِ محمدی کے تعلیم یافتہ ہیں۔

غرضیکہ آنحضرت ؐ کی حیات طیّبہ میں یہ سب پروانے صداقت کی ایک ہی شمع کے گرد جمع ہیں سب پر توحید کا یکساں نشہ چھایا ہے۔ اور ان کے سینوں میں حق پرستی کا ایک ہی ولولہ موجیں لے رہا ہے۔ اور سب اخلاق و اعمال کے ایک ہی آئینۂ قدس کا عکس بننے کی کوشش میں ہیں۔

آنحضرت سیّدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیّبہ کے بعد آپ ؐ کی سیرتِ طیّبہ کا بعینہٖ وہی مقام و حیثیت ہے کہ آپؐ کی سیرتِ پاک ایک ایک عام ایماندار آدمی، ایک باپ، ایک شوہر، ایک خانہ دار، ایک دوست، ایک تاجر، ایک افسر، ایک امیر،

حاکم، قاضی، سپہ سالار، اور بادشاہ، اور ایک امام، مُرشد، استاذ، واعظ اور زاہد و عابد کی حیثیت میں سب کے لئے جُوں کی توں قابلِ تقلید نمونہ ہے۔

اور یہ نمونہ اس پاکیزہ ہستی کی سیرتِ طیّبہ کا ہے جسے اپنی سوانح میں کسی بھی معاملہ میں مبالغہ آمیزی قطعاً پسند نہیں۔ بلکہ بڑی سختی کے ساتھ تہدیدی رنگ میں اس سے منع فرمایا کہ خبردار! جس نے جان بوجھ کر میری طرف میرے متعلق کسی جھوٹی بات کو منسوب کیا تو اس کا ٹھکانا جہنم میں ہے

غور کیجئے سوائے انبیاء علیہم السلام کے اور خصوصاً سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم کے کون اپنی قولی و عملی زندگی کو اس ترازو پر تلوانے کے لئے آگے بڑھ سکتا ہے؟

اس عاجز و گنہگار بے چارہ و مسکین کی دعا ہے کہ اے ربّ العزّۃ وہی بات آن حضرت ؐ کی طرف منسوب کرنے کی توفیق عطا فرما جو آپ سے محقق طریقے سے ثابت ہے۔ اور اس بات سے بچا جس کی نسبت کا ثبوت آپؐ کی طرف کمزور و غریب ہو کیونکہ اس ناکارۂ خلائق کے اعمال نامے میں اور بے شمار گناہ ہیں جو محض اے غفور و رحیم تیری رحمت اور مغفرت سے پُر امید ہوں۔ لیکن اس رُو سیاہ کے نامۂ اعمال کو اس جُرمِ عظیم سے اور گناہِ کبیرہ سے بچا کہ ہر سنی سنائی بات کو آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کر دوں۔

سیدِ دو عالم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت انسانِ کامل

سب سے پہلے آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوّت سے پہلے کی زندگی بحیثیت انسان کے ملاحظہ کیجئے۔

کیا اس وقت پورے عرب میں کوئی ایسا انسان ہے جو اپنے بچپن کے طفلانہ حرکتوں سے اور جوانی کے جنونی نشہ کی بے اعتدالیوں سے مکمل طور پر صفائی کے لئے

بڑے دعویٰ اور اعلان کے ساتھ اپنے ہمعصروں کے سامنے عمر کا ایک طویل حصّہ تقریباً چالیس سال کے عرصہ کی زندگی کو لوگوں کے سامنے نقد و تبصرہ اور جرح و تعدیل کے لئے بلا خوف و خطر پیش کر سکے ؟

یقیناً **محمد عبد اللہ و رسولہٗ** کے سوا یہ عظیم الشان مقام کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہو سکتا - اس معیار پر پورا اترنے کی صرف آپؐ ہی کو جرأت ہو سکتی ہے - کیونکہ آپؐ کی زندگی اخلاق اور اخلاص، تقویٰ اور طہارت کا مجموعہ اور قابلِ تقلید نمونہ تھی - اور ہر قسم کے عیب و نقص اور گناہ و برائی سے بالکل مبّرا ، پاک ، اور بے داغ تھی -

فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّن قَبْلِهِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ○ (پارہ ۱۱ یونس رکوع ۲)
میں تمہارے درمیان اس سے قبل ایک عرصہ گزار چکا ہوں کیا تم نہیں سمجھتے -

بحیثیت تاجر " مکہ معظمہ میں چونکہ کھیتی باڑی نہیں تھی بِوَادٍ غَيْرِ ذِي زَرْعٍ (زمین جو کھیتی کے قابل نہیں) عام لوگوں کی زندگی کے گذر اوقات کے لئے عموماً بھیڑ بکریاں پالنا ، ان کو چرانا ، اور ان کے دودھ سے گذر بسر تھی - اور زیادہ تر لوگ تجارت پیشہ تھے - تجارت کے لئے بہت دُور دُور ملکوں اور علاقوں میں نکل جاتے تھے - سردیوں اور گرمیوں میں گرم و سرد علاقوں میں آتے جاتے تھے رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ - اکثر لوگ اپنا سرمایہ کسی تجربہ کار اور دیانت دار اور امین شخص کے ہاتھ دے کر تجارت کراتے اور نفع میں اس کو شریک بناتے تھے -

آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم چونکہ بچپن میں بکریاں چرا چکے تھے اب جوانی میں جب فکرِ معاش کی طرف توجہ ہوئی تو آپؐ کو کسب حلال کے لئے تجارت سے بہتر کوئی پیشہ نظر نہ آیا - آپؐ نے اپنے چچا ابو طالب کے ساتھ چند بار تجارتی سفر کیلئے جن سے تجارت میں آپؐ کو کافی تجربہ ہو گیا - اور تجارت میں آپ لین دین ، خرید و فروخت میں اپنا معاملہ بالکل صاف ستھرا رکھتے تھے - جو لوگ آپؐ کے رفیقِ کار تھے اور جن سے

تجارت میں آپ کا سابقہ اور واسطہ تھا۔ ان کو کسی معاملہ میں ادنیٰ سی شکایت کبھی نہیں ہوئی۔ وہ بھی آپ کی راستبازئ معاملہ کی شہادت دیتے تھے۔

حضرت سائبؓ نامی ایک صحابی جب مسلمان ہو کر خدمتِ اقدس میں حاضر ہوئے تو لوگوں نے ان کی تعریف کی۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ میں انؓ کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ سائبؓ نے کہا کہ میرے ماں باپ آپؐ پر قربان جائیں آپؐ میرے شریک تجارت تھے۔ لیکن ہمیشہ معاملہ صاف رکھا۔ کبھی اختلاف اور جھگڑے کی بات نہیں کی

اسی طرح ایک اور صحابی قیس بن سائب مخزومی جو آپؐ کے شریکِ تجارت تھے انہی الفاظ کے ساتھ آپؐ کے حسنِ معاملہ کی شہادت دیتے ہیں (ابوداؤد ج ۲ ص)

کاروباری تاجر کی حیثیت سے آپؐ کے حسنِ معاملہ کی احسن کارکردگی، راست بازی ایفاءِ عہد اور اتمامِ وعدہ، صدق و وفا، امانت و دیانت، اور کردار کی پاکیزگی جیسے نادر المثال محاسنِ اخلاق کی شہرت کا عام چرچا ہو چکا تھا۔ یہاں تک کہ سیکڑوں اور ہزاروں تاجروں میں صرف آپؐ کو ہی لوگ عرب میں الصادقُ الْاَمِین کا خطاب دیتے تھے،

حضرت خدیجہؓ جو ایک معزز خاندان (بنی مخزوم) کی بزرگ ترین خاتون تھیں دو شادیاں ہونے کے بعد بیوہ تھیں۔ چونکہ نہایت شریف النفس اور پاکیزہ اخلاق تھیں لوگ ان کو اَلطَّاهِرَة کے نام سے پکارتے تھے۔ بہت بڑی دولت مند خاتون تھیں۔ اہلِ مکّہ میں سب سے زیادہ تجارت میں انہی کا کاروبار تھا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت و دیانت کی غیر معمولی شہرت سُن کر آپؐ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپؐ میرا مالِ تجارت لے کر شام کو جائیں جو معاوضہ میں اوروں کو دیتی ہوں آپؐ کو دو گنا دُوں گی۔ آپؐ نے قبول فرمالیا۔ اور مالِ تجارت لے کر بصریٰ تشریف لے گئے۔ بہت خوب نہایت شاندار کامیابی کے ساتھ جب واپس آئے، تو حضرت خدیجہؓ آپؐ کے محاسنِ اخلاق سے آپؐ پر فدا ہو گئیں اور آپؐ کے پاس شادی کا خود پیغام بھیجا۔ حالانکہ اس سے قبل خاندان کے بڑے بڑے معزز اور رؤساء ان کو شادی کا پیغام دے چکے تھے کسی کا پیغام منظور نہیں کیا تھا۔ اعیانِ مکّہ

مُحَمَّد صلی اللہ علیہ وسلم کی پاکیزہ خوبیاں اور اخلاق کی اعلیٰ صفات کو دیکھ کر خود شادی کا مطالبہ کیا۔ اس وقت حضرت خدیجہؓ کی عمر چالیس برس کی تھی اور سیدنا حضرت محمد مصطفیٰ صلے اللہ علیہ وسلم کی عمر پچیس برس کی تھی۔ عمر کے اتنے تفاوت اور کمی بیشی کے باوجود آپؐ نے ان سے شادی پر انکار کا ادنیٰ سا اشارہ تک بھی اظہار نہیں فرمایا۔ بلکہ بڑی خوشی سے شادی کی اور آپؐ کی یہ پہلی شادی تھی۔

پچیس برس تک آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نکاح میں زندہ رہیں۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے چھ (۶) اولاد ہوئیں۔

دو (۲) صاحبزادے (عبداللہ و قاسم) جو بچپن ہی میں انتقال کر گئے۔ اور چار صاحبزادیاں (حضرت رقیّہ، زینب، ام کلثوم، فاطمہ رضی اللہ تعم عنہن)

عمر کے اتنے بڑے حصے میں ایک دن بھی آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی اخلاقی کمزوری نہیں دیکھی۔ بلکہ آپؐ کے اخلاق و کردار کی پاکیزگی اور بلندی ہی کے سبب وہ مسلمان ہوئیں،

تجارت کے کارآمد اصول اور تاجر کے عمدہ خصائل و اخلاق میں نبوت سے پہلے مکّہ کا تاجر صادق الامینؐ سب محاسنِ اخلاق کی منفرد اکیلے عدیم المثال تصویر اور اخلاقی نظیر کا بہترین نمونہ تھا۔ صلی اللہ علیہ وسلم۔

بحیثیت شوہر

یہ ایک واضح حقیقت ہے کہ انسانی آبادی کی اصلی بنیاد میاں بیوی یعنی مرد، عورت کا جوڑا ہے۔

اگر حقوق کے لحاظ سے ماں باپ کا درجہ سب سے زیادہ ہے مگر قریب ترین تعلقات کی وجہ سے عورت و مرد کا رشتہ نرالا اور عجیب ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ باپ اور بھائیوں کے لئے باعثِ نفرت و شرمندگی ہے جو بات مرد کے لئے باعثِ سرور ہے۔ اور مرد کے لئے ماں اور بہن سے وہ تصوّر تک نہیں ہو سکتا

جس میں عورت ہمراز اور رفیقۂ حیات ہے۔ قرآن کریم کا کتنا مختصر جملہ ہے مگر کتنا جامع ہے

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ (پارہ ۲ رکوع ۷)

عورتیں مردوں کا اور مرد عورتوں کا لباس ہیں (وہ گویا تمہاری چولی ہیں، اور تم گویا ان کے دامن ہو یعنی چولی دامن کا ساتھ ہے)

عورت مرد کی تسکین و راحت اور اسباب زندگی کی جان ہے۔

پہلے فردِ انسانی ابوالبشر سیدنا حضرت آدمؑ کو بھی جنت جیسے اعلیٰ اور بہترین مقام پر جہاں عیش و بہار کی کسی چیز کی کمی نہیں تھی، اسی عورت کے جوڑے سے تسکین ہوئی

وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا (پارہ ۹ رکوع ۱۴)

اور اسی کی ہم جنس اس کی بیوی پیدا کی تاکہ اس کی طرف آرام و تسکین حاصل کرے دنیا کی آبادی کا لطف و مزہ اور جوانوں سے بوڑھوں تک ہر گھر کے عیش و مسرت کا انحصار و مدار اور شخصی مسرت کی تکمیل کا راز رفیقۂ حیات کی رفاقت میں ہے۔ یہ قدرتی بات ہے اس کے سوا کوئی دوسرا راستہ نہیں ہو سکتا۔ ہر انسان کو اپنی رفاقت کے لئے اپنے ہم جنس کی تلاش ہوتی ہے۔ یہ ایک فطری امر ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے عالم کے اتنے بڑے مسئلہ کو ایک مختصر سے راز میں پنہاں کر دیا ہے ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔

وَمِنْ اٰيٰتِهٖۤ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْۤا اِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً (پارہ ۲۱ سورۃ الروم رکوع ۳)

اور خدا کی قدرت ہے کہ اس نے تمہاری جنس سے تمہاری بیویاں پیدا کیں، تاکہ تم ان کے پاس سکون و آرام پاؤ۔ اور تمہارے آپس میں پیار و محبت پیدا کر دی۔

قرآن پاک نے ایک لفظ سکون سے بیوی کی رفاقت و ضرورت کی جس حقیقت کو ظاہر کیا ہے وہ اس ازدواجی تعلق کے فلسفہ کے پورے دفتر کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ عورت انسان کے خلوت خانۂ عالم کی کشاکش ہے۔ اس دنیا کے حوادث و مشکلات کے تلاطم میں امن و سکون ہے۔ اور اس کے دکھ درد میں چین کا گوشہ

مرد و عورت کا جوڑا معاشرتی، تمدّنی، اور معاشی زندگی کی تکمیل کا نہایت ضروری اور اہم ذریعہ ہے۔ غور سے دیکھو تو معلوم ہوگا کہ ہر قسم کی قرابتوں اور رشتہ داریوں کی جڑ نکاح ہے۔ یہ نہ ہوتا تو دنیا کا کوئی رشتہ پیدا نہ ہو سکتا۔ اس لئے دنیا کی ہر قرابت اور تعلق کا رشتہ اسی کی بدولت وجود میں آیا ہے۔

اور اس نقطۂ خیال سے بھی دنیا میں نکاح کی اہمیّت و ضرورت بہت بڑی ہے کہ اسی سے ساری دنیا کے عزیزانہ مہر و محبّت اور الفت و مودّت کا آغاز ہوتا ہے۔

نکاح کی اصلی غرض اور مقصد جس سے اکثر دماغ خالی ہیں اور جس کی حقیقی لذّت سے اکثر دل محروم ہیں اور جس کی اصلی چمک سے آنکھیں چشم پوشی کرتی ہیں وہ غرضِ نکاح قرآن پاک کے الفاظ میں یہ ہے

مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ (پارہ ۵ رکوع ۱)

عزّت کی حفاظت کے لئے، نہ مستی نکالنے کے لئے۔

حقیقت میں ان دو لفظوں کی تشریح میں اسلامی صداقت کی ایک پوری کتاب لکھی جا سکتی ہے۔ نکاح کا یہ اتنا بلند ترین مقصد اور تصوّر ہے کہ نکاح پاکدامنی کے لئے ہے۔ شہوت رانی اور شہوت پرستی کے لئے نہیں ہے۔ نکاح سے انسان کامل بنتا ہے کہ اس سے نگاہیں نیچی اور شرمگاہیں محفوظ ہوتی ہیں۔ لیکن دنیا کے اکثر انسان نکاح کے اس حقیقی اور اسلامی تصوّر و غرض سے نابلد اور غافل ہیں بلکہ اس کے بالکل برعکس ہیں۔ وہ نکاح کو محض جنسی عمل کی تکمیل اور شہوت پرستی کا ذریعہ سمجھتے ہیں، حالانکہ نکاح صرف اصلاحِ نفس، عزتِ نفس، اور عفّت و تقوٰی کا ذریعہ ہے۔

آئیے! ذرا سیرتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطالعہ کریں کہ آپؐ اس معاملہ میں کس قدر بلند معیار پہ تھے۔ جہاں دنیا کے انسان حیرت زدگی اور حیرانگی میں پڑ جاتا ہے کہ یہ قابلِ تقلید نمونہ کسی اعلیٰ ترین صاحب منصب آدمی کا ہی ہو سکتا ہے چنانچہ نبوّت سے پہلے عین اس وقت جب کہ ایک نوجوان کے تمام دلولے برانگیختہ ہوتے ہیں۔ بھرپور جوانی کی طوفانی لہروں اور موجوں میں بہتر سے بہتر اور نوجوان

سے نوجوان عورت کا مشتاق ومتمنی ہوتا ہے آپؐ نے پچیس برس کی شبابی عمر میں چالیس برس کی ایک ادھیڑ عمر بیوہ عورت سے شادی کی۔ اور شوہرؐ نے کا بے مثال نمونہ اس طرح پیش فرمایا کہ اگرچہ آپؐ کا ریعانِ شباب تھا۔ اور حضرت خدیجہؓ کا بڑھاپا تھا۔ لیکن آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت خدیجہ سے بے انتہا محبّت تھی۔ یہاں تک کہ نکاح کے بعد وہ پچیس سال تک زندہ رہیں ان کی زندگی کے اتنے عرصہ میں آپؐ نے کوئی دوسری شادی نہیں کی۔ ان کی وفات کے بعد بھی جب کبھی ان کا ذکر آجاتا تو جوشِ محبّت سے آپ بے تاب ہو جاتے۔ اور ان کی زندگی کے ان خوشگوار لمحوں کی یاد تازہ فرماتے ہوئے اس حقِ رفاقت کی پیاس اس طرح بجھاتے کہ آپؐ کا معمول تھا کہ گھر میں جب کبھی گوشت پکتا تو حکم فرماتے کہ پانی زیادہ ڈالنا کہ خدیجہؓ کی سہیلیوں کو بھی بھیجنا ہے۔ چنانچہ آپ ڈھونڈ ڈھونڈ کر حضرت خدیجہؓ کی ہمنشین عورتوں اور سہیلیوں کے پاس گوشت بھجواتے۔

حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد ایک دفعہ ان کی بہن ہالہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ملنے آئیں اور اذن لینے کے قاعدہ سے اندر آنے کی اجازت مانگی۔ ان کی آواز حضرت خدیجہؓ سے ملتی تھی۔ آپؐ کے کانوں میں آواز پڑی تو حضرت خدیجہؓ یاد آگئیں اور آپؐ جھجک اٹھے اور فرمایا کہ ہالہ ہوں گی؟ (بخاری)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ گو میں نے خدیجہؓ کو نہیں دیکھا لیکن مجھ کو جس قدر ان پر رشک آتا تھا کسی اور پر نہیں آتا تھا۔ کیونکہ آن حضرتؐ ہمیشہ ان کا ذکر محبّت سے کیا کرتے تھے اور فرمایا کہ خدا نے مجھ کو ان کی محبت دی ہے (صحیح مسلم فضائل خدیجہؓ)

کبھی سوچا اور غور کیا؟ کہ جوانی میں بوڑھی عورت سے نکاح کر کے اس طرح اس کے ساتھ کامل رفاقت و محبت کہ اس کی وفات تک کسی عورت سے شادی نہ کرنا کیا خدیجہؓ کے شوہر مکّہ کے امین محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیّبہ کاملہ کے نمونہ کے بغیر کوئی اور مثال پیش کر سکتا ہے؟

حضرت خدیجہؓ کی وفات کے بعد وقتاً فوقتاً آپؐ نے دس عورتوں سے نکاح کیے،

جن میں سے آٹھ حُرَم (حضرت سودہؓ، حفصہؓ، زینبؓ ام المساکین، ام سلمہؓ، جویریہؓ، ام حبیبہؓ، میمونہؓ، صفیہؓ) یہ سب بیوہ تھیں۔ اور حضرت زینبؓ جن کا نکاح تو اگرچہ حضرت زیدؓ سے ہوا مگر آپس میں بنی نہیں۔ تو اسی حالت میں طلاق ہو گئی اور آنحضرت ؐ کے عقد نکاح میں آگئیں۔ اور حضرت عائشہؓ الصدیقہ بنت ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہا جو بہت چھوٹی عمر کی تھیں تو آپؐ سے نکاح ہوا۔

ان سب ازواج مطہرات سے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بہ حیثیت شوہر و خاوند ہونے کے معاشرت کے بے مثال اور دلچسپ واقعات ہیں جن کی معمولی جھلک بطور نمونہ ملاحظہ ہو۔

عام اصولِ فطرت اور قاعدۂ قدرت کے موافق ازواج مطہرات میں ہر مزاج و طبیعت کی عورتیں تھیں۔ باہم سوکن والا رشک و منافست بھی تھی۔ اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ ہمیشہ فقر و فاقہ سے بسر کرتے اور اسی حالت کو زیادہ پسند فرماتے جس کی وجہ سے ان کی خورد و پوشش کا انتظام بھی خاطر خواہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس لئے ان کو شکایت کا موقع ملتا تھا۔ ان تمام حالات کے ساتھ آپؐ کی جبینِ خُلق پہ کبھی شکن نہیں پڑتی تھی۔

اس میں قطعاً شک نہیں کہ حضرت خدیجہؓ کے بعد ازواج مطہرات میں سب سے زیادہ حضرت عائشہؓ محبوب ترین تھیں۔ لیکن خود حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ اتنی محبّت کے باوجود بھی بہ حیثیت شوہر کے سب عورتوں میں انصاف و برابری کے اصول کو ملحوظِ خاطر رکھتے۔ حقوق کو عدل و انصاف کے تقاضوں کے مطابق پورا فرماتے۔ اور بہ یک زمانہ نو بیویوں میں کسی کو اس معاملہ میں قطعاً شکایت کا کوئی موقعہ نہیں ملتا تھا۔ سفر و حضر، اٹھنا بیٹھنا، سونا جاگنا، کھانا پینا، لباس و پوشاک، گفت گو، مجلس اور لطف مزاجی اور دلجوئی وغیرہ سب باتوں میں سب کے ساتھ یکساں سلوک فرماتے تھے۔

باوجودیکہ حضرت عائشہ کم عمر جوان اور سب سے زیادہ محبوب تھیں لیکن جو لباس

تمام بیبیوں کا تھا وہی لباس حضرت عائشہ رضؓ کا تھا۔ چنانچہ وہ خود فرماتی ہیں

مَا کانت لاحدٰنا الا ثوب واحد (صحیح بخاری شریف ج ۱ ص ۴۵)

ہم تمام بی بیوں کے پاس ایک ہی قسم کا کپڑا ہوتا تھا۔

اٹھنے بیٹھنے اور سونے وغیرہ میں بھی آپؐ انصاف اور برابری فرماتے۔ اور اگر کسی کی باری کا دن ہوتا تو اس کی مرضی کے خلاف تبدیلی نہیں فرماتے تھے۔

حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ آپؐ ازواجِ مطہرات میں باری کی تقسیم فرماتے اور حضرت سودہ رضؓ نے بہت بڑھاپے کی وجہ سے اپنی باری کا دن حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کو دے رکھا تھا۔ یہاں تک انصاف و برابری فرماتے کہ سفر میں ساتھ جانے کے لئے عورتوں میں قرعہ ڈالتے، جس کا نام نکلتا وہی ساتھ جاتی تھیں۔ تاکہ کسی کو کسی پہ ترجیح نہ ہو۔ اور کسی کی دل شکنی نہ ہو۔ حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ

اِذا اراد سفراً اقرع بین نسائہ (بخاری ج ۲ ص ۷۸۵ ومسلم

آپؐ جب سفر کا ارادہ فرماتے تو عورتوں میں قرعہ ڈالتے جس کا نام نکلتا وہی ساتھ جاتی تھیں

بہر حال عدل و انصاف کے تقاضوں کو خوب سے خوب تر پورا کرنے کے باوجود بھی دلی محبت کی کمی بیشی کو اللہ ہی کے سپرد فرماتے کہ یہ میرے اختیار کی بات نہیں ہے۔

حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں۔

اِن النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان یقسم بین نسائہ فیعدل ویقول اللھم ھٰذا قسمی فیما املک فلا تلمنی فیما تملک ولا املک (ترمذی وابوداؤد بحوالہ مشکوٰۃ ص ۲۷۹)

نبی پاکؐ اپنی بیویوں میں نہایت انصاف سے تقسیم فرماتے اور فرماتے جو نان و نفقہ اور باری وغیرہ میں تقسیم میرے بس کی تھی انصاف سے کر دی اور دلی محبت کی کمی بیشی میرے اختیار نہیں۔ دل کا تو تُو مالک ہے اس پر میرا مؤاخذہ نہ فرمانا

آن حضرت صلے اللہ علیہ وسلم تمام ازواج مطہرات کی یکساں طور پر دلجوئی فرماتے۔

ایک بار آپؐ اپنی زوجۂ مطہرہ حضرت صفیہ رضؓ کے پاس تشریف لے گئے دیکھا کہ وہ رو رہی ہیں۔ آپؐ نے رونے کی وجہ پوچھی۔ انہوں نے بتایا کہ حضرت عائشہ رضؓ اور زینب رضؓ

کہتی ہیں کہ ہم ازداج میں افضل ہیں۔ ہم آپؐ کی زوجہ ہونے کے ساتھ آپؐ کی پھوپھی زاد بہن بھی ہیں۔ آپؐ نے فرمایا کہ تم نے ان کو یہ کیوں نہ کہہ دیا کہ ہارونؑ میرے باپ موسیٰؑ میرے چچا ہیں اور محمدؐ میرے شوہر ہیں۔ اس لئے تم لوگ مجھ سے کیونکر افضل ہوسکتی ہو؟

حقیقت یہ ہے کہ اس صفحۂ ہستی پر حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی خلیق شوہر نہیں ہوسکتا جس کی زوجیت پر ازواجِ مطہرات کو فخر تھا۔ اور بارشادِ قرآنی ازواجِ مطہرات نے دنیا کی ہر نعمت و خوشی پر آپؐ کے وجودِ مسعود اور آپؐ کی رضا و خوشنودی اور آپؐ کی رفاقت و معیت میں آپؐ کی کفش برداری کو پسند فرمایا۔ اور غالباً یہ امتحانی پرچہ بھی ازواجِ مطہرات کی اسی محبت و فریفتگی کے اظہار کا بہانہ تھا۔ اور دنیا کے باقی شوہروں کو اچھا شوہر بنانے کے لئے جہاں آپؐ کا بہترین عملی نمونہ ہے۔ وہاں قولی ارشاد بھی ہے۔ آپؐ نے فرمایا۔

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ (ترمذی) (تم سب سے بہتر وہ ہے جو بیوی کیلئے سب سے بہتر ہے)

خِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِكُمْ (ترمذی) (تم میں سب سے بہتر وہ ہیں جو اپنی عورتوں کیلئے بہتر ہیں)

انسان کے بہتر اور خوب ہونے کی یہ ایک ایسی پہچان بتا دی گئی ہے کہ اس آئینہ میں ہر شخص اپنا چہرہ آپ دیکھ سکتا ہے جو اپنوں کے ساتھ انصاف و احسان نہیں کر سکتا وہ دوسروں کے ساتھ کیا کر سکتا ہے کیونکہ نیکی و بھلائی گھر سے شروع ہونی چاہیئے۔

آخری بات یہ بھی ذہن نشین کرلیں کہ اکثر عورتوں میں ناسمجھی اور ضد اور ہٹ ہوتی ہے جو شاید ان کی فطری کمزوری اور عدمِ تربیت کا نتیجہ ہو۔ بعض مرد یہ چاہتے ہیں کہ ان کی ضد اور ہٹ کے مقابلہ میں سختی اور درشتی سے کام لے کر ان کی یہ ٹیڑھ نکال دیں آپؐ نے ان کو ایک نہایت عمدہ تشبیہ دے کر نصیحت فرمائی کہ عورتوں کے ساتھ نیکی کا برتاؤ کرو کہ ان کی پیدائش پسلی کی سی ہے جس سے اس کے اسی ٹیڑھاپن کے ساتھ کام لے سکو تو لے سکتے ہو اور اگر اس کے سیدھا کرنے کی فکر کروگے تو تم اس کو توڑ

ڈالو گے۔

آپؐ نے مردوں کو بیویوں کے معاملہ میں خوش خلقی اور راضی وقانع رہنے کا ایک نہایت عمدہ نسخہ بتایا۔ فرمایا۔ اپنی بیوی میں کوئی برائی دیکھ کر اس سے نفرت نہ کرو۔ کیونکہ غور کروگے تو اس میں کوئی دوسری اچھی بات بھی نکل آئے گی (یہ دونوں حدیثیں صحیح مسلم میں ہیں)

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ نصیحت درحقیقت قرآن پاک ہی کا حکم ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا (پارہ ۴ سورہ نساء رکوع ۳)

اور عورتوں کے ساتھ اچھی طرح گذران کرو۔ اگر تم کو وہ نہ بھائیں تو ممکن ہے کہ تمہیں ایک چیز پسند نہ آئے اور خدا نے اسی میں بہت بہتری رکھی ہو۔

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم باوجودیکہ فخر کائنات امام الانبیاء اور سید المرسلین ہیں مگر آپؐ کی گھریلو زندگی کا عام معمول اور سادگی کا کام کاج میں گھر والوں کا ہاتھ بٹانے میں جس غیر معمولی شفقت اور کارکردگی کا مظاہرہ فرمانے اس کا مختصر مگر جامع بیان ان کی محبوبہ رفیقہ حضرت امّ المؤمنین عائشۃ الصدیقہ رضی اللہ تعالےٰ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ سردارِ دوجہاں صلی اللہ علیہ وسلم

یخصف نعلہ ویخیط ثوبہ ویعمل فی بیتہ کما یعمل احدکم فی بیتہ و قالت کان بشرا من البشر یفلی ثوبہ ویحلب شاتہ ویخدم نفسہ (ترمذی بحوالہ مشکوۃ)

آپ اپنی جوتی خود گانٹھ لیتے اور اپنا کپڑا بھی سی لیتے اور باقی گھر کا کام بھی کرتے جیسے تم میں ہر آدمی اپنے گھر کا کام کرتا ہے۔ اور حضرت عائشہ رضؓ فرماتی ہیں کہ آپؐ آدمیوں میں سے آدمی ہیں اپنے کپڑے سے جوئیں بھی نکالتے اور بکری کو دوہ لیتے اور اپنے کام خود سرانجام فرماتے۔

بحیثیت والد فطری طور پہ والدین کے دل میں اولاد کی محبت کا جذبہ ہوتا ہے مگر ماں کی ممتا کی تو شان ہی نرالی ہے۔ **انسان تو** انسان رہے حیوانوں اور درندوچرند دپرند میں بھی بچوں کی محبت کی تڑپ موجود ہے۔ اس کا اندازہ اس سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ جب بھیڑ بکریوں کا ریوڑ شام کو واپس لوٹتا ہے تو بچوں والی بکریوں کی چال میں والہانہ بے تابی ہوتی ہے اور پرندے اپنے ننھے بچوں کو جب چوگ کھلاتے ہیں تو دیکھنے والے نرم دل انسان کے اس منظر کی کیفیت سے وجدانی طور پہ آنسو بھر آتے ہیں۔

مثالیں تو کافی ہیں مگر ایک ہی واقعہ ملاحظہ کیجئے کہ ایک دفعہ امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کے پاس ایک غریب عورت سائل بن کر آئی تو اس کے ساتھ اس کی کمسن دو بچیاں بھی تھیں۔ اس وقت کاشانۂ نبوی میں ایک کھجور کے سوا کھانے کو کچھ اور چیز نہ تھی۔ وہ کھجور ہی اس سائلہ کو دے دی۔ اس عورت نے کھجور لے کر ممتا کی محبّت سے یہ گوارا نہ کیا کہ وہ کھجور خود ہی کھالے اور ان ننھی جانوں کو اس سدِّ رمق سے محروم رکھے اس نے کھجور کے دو حصے کر کے دونوں بچیوں کو ایک ایک حصہ دے دیا۔ حضرت عائشہؓ کو غریب ماں کی محبت بھرے اس جذبے اور ولولے کو دیکھ کر بہت ہی تعجّب ہُوا۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم جب دولت کدہ میں تشریف لائے تو یہ واقعہ عرض کیا، تو حضورؐ نے فرمایا کہ محبّت دوزخ کی آگ سے آڑ بن جائے گی۔

بہرحال و بہرکیف والدین کو اپنی اولاد سے محبت ہونا ایک فطری بات ہے لیکن ہر ایک کی محبت ایک جیسی نہیں۔ اور نہ ہی محبّت کا انداز ایک جیسا ہے۔ بلکہ بہت سے والدین اولاد سے محبت کا غلط انداز اختیار کرتے ہیں جس سے اولاد بے باک اور خراب ہوجاتی ہے۔ یا اولاد کی محبت میں ان کی بہتری کے لئے والدین ناجائز ذرائع سے دولت اور اسباب زینت و تعیّش اکٹھا کر کے اپنے اور اولاد دونوں کیلئے دنیا اور آخرت میں ہلاکت و بربادی کا باعث بنتے ہیں۔

اولاد کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی محبت یہ ہے کہ دنیا داری کے ساتھ ان کی دینداری کا

بھی خیال رکھا جائے۔

آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی تمام اولاد سے بہت زیادہ محبت تھی۔ اور اس محبت میں ہر موقعہ پر آپؐ ان کی دینداری اور اصلاحِ رُوحانیت کا خیال فرماتے اور ان کی تربیت بھی فرماتے۔

اگرچہ آپؐ کی اولاد کی تعداد میں سخت اختلاف ہے کہ کُل اولاد چھ (۶) ہیں یا آٹھ (۸) یا بارہ ہیں (۱۲)۔ لیکن آپؐ کی لڑکیوں کی تعداد میں کسی قسم کا کوئی اختلاف نہیں۔ بیٹیاں چار (۴) تھیں۔ حضرت زینبؓ، رقیہؓ، ام کلثومؓ، فاطمہؓ۔

البتہ صاحبزادوں یعنی لڑکوں کی تعداد میں ہی سخت اختلاف ہے۔ صاحبزادوں میں بھی دو صاحبزادے حضرت قاسم اور ابراہیم میں تو کوئی کسی کو اختلاف نہیں البتہ طیّب اور طاہر میں بعض کا اختلاف ہے۔ بہرحال یہ دوسری الگ بحث و موضوع ہے۔ آپؐ کی متفق علیہ اولاد چار صاحبزادیاں اور دو صاحبزادے ہیں۔ دونوں صاحب زادے باقتضائے حکمتِ ربّانی بچپن ہی میں انتقال فرما گئے۔ تاہم صاحبزادے ابراہیم کے متعلق احادیث صحیحہ بخاری و مسلم شریف میں بھی بیان آتا ہے۔

حضرت انس رضؓ فرماتے ہیں کہ میں نے کسی کو اپنے خاندان سے اتنی محبت کرتے نہیں دیکھا جس قدر کہ آپؐ کرتے تھے کہ آپؐ کے صاحبزادے حضرت ابراہیم جو عوالی مدینہ میں ام سیف جن کے شوہر لوہار تھے ان کے گھر میں دھواں اکثر بھرا رہتا، ان کے ہاں پرورش پاتے تھے۔ یہ جگہ مدینہ منورہ سے تین چار میل پر تھی۔ آن حضرتؐ فرطِ محبّت سے صاحبزادے ابراہیم کو دیکھنے کیلئے پیدل تشریف لے جاتے۔ باوجود نظافتِ طبع کے دھواں بھی گوارا فرماتے۔ حضرت ابراہیم کو گود میں اٹھا لیتے اور چومتے۔ پھر مدینہ واپس تشریف لاتے۔

صاحبزادہ ابراہیم نے وہیں ام سیف کے ہاں ہی انتقال فرمایا۔ آن حضرت کو صاحبزادہ کی بیماری اور تکلیف کی خبر دی گئی۔ آپ تشریف لے گئے تو آپؐ کے ساتھ حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف بھی تھے۔ صاحبزادے کی نزع کی حالت تھی۔ گود میں اٹھا لیا۔ جب رُوح پرواز کر

گئی اور ننھا جسم ہاتھوں پہ رہ گیا تو بے ساختہ آنسو جاری ہوگئے اور زبانِ مبارک سے
اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ پڑھتے ہوئے یہ فرمایا اِنَّا بِفِرَاقِكَ یَا اِبْرَاھِیْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ
اے کاش! دکھ لے ابراہیم! تیری جدائی سے ہم بہت مغموم ہیں۔

اور قدرت خداوندی کی شانِ کبریائی کا عجیب اتفاق کہ اسی دن سورج گہن لگ گیا عرب کے خیال کے موجب کہ جب کوئی بڑا عظیم شخص مرجاتا ہے تو سورج یا چاند کو گہن لگ جاتا ہے، عام مشہور ہوگیا کہ صاحبزادے ابراہیم کی موت کا اثر ہے کہ حضورؐ بھی غمگین ہیں اور سورج میں بھی گہن لگ گیا۔ آں حضرتؐ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ چاند اور سورج خدا کی نشانیاں ہیں۔ کسی کی موت سے ان میں گہن نہیں لگتا۔

حضرت زینب جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادیوں میں سب سے بڑی صاحبزادی تھیں، آپؐ کو ان سے بڑی محبت تھی۔ حضورؐ کے تقاضے پر مکہ سے مدینہ پہنچائی گئیں۔ کیونکہ مسلمان تھیں اور ان کے شوہر ابو العاص اُس وقت مشرک تھے۔ حضرت زینب کی ایک بچی تھی جس کا نام امامہ تھا۔ آپؐ کو نواسی امامہ سے نہایت محبت تھی آپؐ ان کو بسا اوقات نماز میں بھی جدا نہیں کرتے تھے۔ کتب صحاح میں خاص کر بخاری شریف میں بھی ہے۔ کہ

حضرت ابو قتادہ رضؓ بیان فرماتے ہیں کہ ہم لوگ مسجد نبوی میں حاضر تھے کہ دفعۃً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امامہ رضؓ کو کندھے پر چڑھائے سوار کئے ہوئے تشریف لائے۔ اور اسی حالت میں نماز پڑھائی۔ جب رکوع میں جاتے تو ان کو اتار دیتے پھر کھڑے ہوتے تو چڑھا لیتے۔ اسی طرح پوری نماز ادا کی۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں ایک مرتبہ کسی نے کچھ چیزیں ہدیہ میں بھیجیں۔ جن میں ایک زرین ہار بھی تھا۔ امامہ رضؓ ایک گوشے میں کھیل رہی تھیں آپؐ نے فرمایا کہ ہار کو میں اپنی محبوب ترین اہل کو دوں گا۔ ازواج مطہرات نے سمجھا کہ یہ شرف شاید حضرت عائشہ رضؓ کو حاصل ہوگا۔ لیکن آپؐ نے امامہ کو بلا کر ہار خود اپنے دستِ مبارک سے ان کے گلے میں ڈال دیا۔

اور حضرت زینب کا ایک بچہ تھا آخری نزع کے عالم میں انہوں نے حضرتؐ کو بلایا

تو آپؐ نے پیاری بیٹی کو سلام کہلا کے جواب بھیجا کہ "بیٹی ! ہر چیز کا وقت مقرر ہے اور سب کچھ اللہ کا ہے چاہے دے، چاہے لے لے۔ تم صبر کرو۔ اور اللہ سے اجر پاؤ۔ صاحبزادی بچے کی حالت نازک میں پریشان تھیں۔ دوبارہ پیغام بھیجا کہ حضورؐ ضرور تشریف لائیں۔ آپؐ اٹھ کر چل دیئے تو آپؐ کے اصحابؓ سعد بن عبادہ، معاذ بن جبل، ابی بن کعب، زید بن ثابت اور بھی بعض اصحاب ساتھ ہو لئے۔ جب پہنچے تو آپؐ نے بچے کو گود میں لیا۔ بچے کا سانس اکھڑ رہا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر آپؐ کے آنسو بہنے لگے تو صحابہ کے جواب میں فرمایا" یہ رحمت ہے"

آپؐ کی دوسری صاحبزادی حضرت رقیہؓ تھیں۔ ان کے ساتھ آپؐ کی فریفتگی اور محبت کا یہ عالم تھا کہ جب یہ حضرت عثمان غنی رضؓ کے نکاح میں تھیں اور مسلمانوں نے پہلی بار ملک حبشہ کی طرف ہجرت کی۔ تو اس میں حضرت عثمان رضؓ نے بھی ہجرت کی اور حضرت رقیہ رضؓ بھی ساتھ گئیں۔ مدت تک آن حضرتؐ کو ان کا حال معلوم نہ ہوا۔ جب ایک عورت نے آکر خبر دی کہ میں نے حضرت عثمانؓ اور رقیہؓ دونوں کو دیکھا ہے۔ تو آپؐ بہت خوش ہوئے اور دعا دی اور فرمایا کہ ابراہیمؑ اور لوطؑ کے بعد یہ پہلا جوڑا ہے جس نے اکٹھے ہجرت کی۔

دوبارہ مدینہ منورہ کی طرف بھی ہجرت کی۔ مدینہ میں آکر بیمار ہو گئیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کو اُن سے اتنی محبت تھی کہ ان کی تیمارداری کا خاص خیال فرماتے۔ اور جنگ بدر جو عظیم الشان کفر و اسلام کی فیصلہ کن جنگ اور اصحاب بدر کی بہت بڑی شان ہے۔ چنانچہ غزوۂ بدر کے موقعہ پر حضرت رقیہ رضؓ بیمار تھیں تو حضرت امیر عثمان رضؓ کو حضورؐ نے جہاد میں جانے سے روک دیا۔ اور فرمایا تم اپنی بیمار اھلیہ کی تیمارداری کرو۔

یہی حال آن حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا اپنی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضؓ سے تھا۔ حضرت رقیہ کے وفات کے بعد آن حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام کلثوم رضؓ کا نکاح حضرت عثمان رضؓ کے ساتھ کر دیا۔ یوں حضرت عثمان رضؓ کو یہ

اتنا بڑا اعزاز نصیب ہوا کہ شاید دنیا میں کسی دوسرے شخص کو نصیب نہیں ہوا کہ یکے بعد دیگرے پیغمبرؐ کی دو صاحبزادیوں سے نکاح کا شرف حاصل ہوا۔ اور اس نکاح کی روئیداد بھی بخاری شریف میں بڑی دلچسپ انداز میں ہے۔

باقی حضرت فاطمہؓ اور ان کی اولاد حضرت امام حسن اور حضرت حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے جو محبت تھی وہ تو اس قدر مشہور ہے کہ آج کل مسلمانوں میں صرف اسی کا چرچا ہے۔

حضرت فاطمہؓ اور حضرات حسنین رضؓ سے آپؐ کی محبت کی کچھ انتہا نہ تھی۔ اکثر حضرت فاطمہؓ کے گھر تشریف لے جاتے تو آپؐ فرماتے "میرے بچوں کو لانا" وہ صاحبزادوں کو لاتیں تو آپؐ ان کو چومتے اور سینے سے لگاتے اور فرماتے کہ "میرے گلدستہ ہیں" مگر آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی محبت کا یہ انداز بہت نرالا اور انوکھا مثالی نمونہ تھا۔ کہ آپؐ نے اتنی محبت کے باوجود اپنی اولاد کو دنیاوی فوائد اور ٹھاٹھ باٹھ کی زندگی کی طرف مائل تک نہیں ہونے دیا۔ کوئی ایسی بات ہوئی تو ناراضی کا اظہار فرما کر اس کی اصلاح فرما دی۔

حضرت فاطمہؓ جو آپؐ کی محبوب ترین اولاد تھیں۔ گھر کا سارا کاروبار خود کرتیں چکّی وغیرہ خود پیستی تھیں۔ اگر کبھی خادمہ کا مطالبہ بھی کیا تو انکار فرما دیا۔

ایک دفعہ حضرت فاطمہؓ نے آپؐ کے لئے بطور خیر مقدم گھر کے دروازوں پر پردہ لٹکایا۔ اور حسنین کو چاندی کے کنگن پہنائے۔ تو آپؐ یہ منظر دیکھ کر واپس تشریف لے گئے۔ حضرت فاطمہؓ کو آپؐ کی ناپسندیدگی کا حال معلوم ہوا، تو پردہ ہٹا دیا، اور بچوں کے کنگن اتار دئے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اس محبت سے کچھ حصّہ نصیب فرما دیں کہ ہماری اولادیں بھی ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک ہوں۔

بحیثیت خسر جب آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اولاد اور نواسوں نواسیوں تک اس قدر محبّت والفت تھی تو دامادوں کے ساتھ کیا سلوک ہوگا۔ اکثر عوام صرف حضرت علی رضؓ کے متعلق ہی آشنا ہیں۔ حالانکہ دوسرے دامادوں کے ساتھ بھی آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی حد درجہ محبّت تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ دامادوں کے ساتھ بھی آپؐ کا تعلق اعلیٰ مثالی نمونہ تھا۔

آپؐ بچیوں کی وجہ سے اپنے دامادوں پر بے انتہا شفقت فرماتے۔ اور ان کی بہت قدر کرتے تھے۔

چنانچہ حضرت علی رضؓ اور حضرت فاطمہؓ میں کبھی کبھی خانگی معاملات میں رنجش ہو جاتی تھی تو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم ان کے تعلقات میں خوشگواری پیدا کرنے کی کوشش فرماتے اور دونوں میں صلح کرا دیتے۔ اور بعض دفعہ حضرت علی رضؓ کی طرفداری فرماتے۔

دامادوں کے ساتھ شفقت و محبت کا اندازہ اس ایک ہی واقعہ سے لگالیں جو صحیح حدیثوں میں مذکور ہے کہ

ایک دفعہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہ رضؓ کے گھر تشریف لے گئے تو حضرت علی رضؓ گھر موجود نہ تھے۔ آپؐ نے پوچھا کہ علی کہاں ہیں؛ حضرت فاطمہ رضؓ نے عرض کی کہ آپؐ کے چچا کے بیٹے (یعنی علی رضؓ) مجھ سے ناراض ہو کر گھر سے نکل گئے ہیں اور میرے پاس ٹھیرے بھی نہیں۔ اور نہ ہی میرے پاس قیلولہ کیا۔ آپؐ نے ایک صحابیؓ کو ان کی تلاش میں بھیجا۔ اس نے واپس آکر بتایا کہ وہ مسجد میں ہیں۔ آپؐ مسجد میں تشریف لے جاتے ہیں۔ دیکھتے ہیں کہ حضرت علی رضؓ مسجد کے فرش پر لیٹ رہے ہیں، آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضؓ کو بڑے پیار سے انداز سے یہ کلمات فرماتے ہوئے اٹھایا کہ

قم یا ابا تراب، قم یا ابا تراب

اے مٹی کے باپ اٹھو۔ اے مٹی کے باپ اٹھو

حضورؐ نے اپنے پاک و معصوم ہاتھوں سے حضرت علی رضؓ کے جسم سے مٹی جھاڑ دی

اور گھر لے آئے۔ اور میاں بیوی میں صلح کرا کر بہت ہی مسرور ہوئے

اور حضرت عثمان غنی رضہ پر تو رشتہ دامادی کی وجہ سے اس قدر مہربان تھے کہ حضرت رقیہؓ فوت ہوئیں تو دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضہ کا نکاح دیدیا

اور بعض روایتوں میں ہے کہ جب ام کلثوم رضہ فوت ہوئیں تو فرمایا کہ عثمان رضہ! کاش میری اور کوئی صاحبزادی نہیں۔ اگر اس وقت کوئی صاحبزادی ہوتی تو تیرے نکاح میں دیتا۔

اندازہ لگائیے! ذرا داماد کے ساتھ شفقت و محبت اور اس کی قدر کا۔

یہی محبت اور قدر حضرت عثمان رضہ کی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاک دل میں تھی جس کی وجہ سے تقریباً پندرہ سو (۱۵۰۰) صحابہ کرامؓ سے حضرت عثمان رضہ کے خون کا بدلہ لینے کے لئے حدیبیہ کے مقام پر بیعت لی تھی۔ آخر حضرت عثمان رضہ کی زندگی کا علم ہوا اور پھر صلح ہو گئی۔

حضرت علی رضہ اور حضرت عثمان رضہ تو دونوں مؤمن اور مسلمان داماد تھے، ذرا دامادی رشتہ کی نئی اور دلولہ انگیز مثالی داستان ملاحظہ کیجیئے۔

حضرت زینبؓ جو آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سب سے بڑی صاحبزادی تھیں ان کی شادی ابو العاص بن ربیع لقیط سے ہوئی جو اُن کی خالہ کا بیٹا تھا۔ یہ کافر مشرک تھا اور حضرت زینبؓ مسلمان تھیں۔ زمانۂ جاہلیت میں نکاح ہوا تھا۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ داماد ابوالعاص جب جنگِ بدر کے قیدیوں میں گرفتار ہو کر آئے۔ اور فدیہ لے کر قیدیوں کو رہائی کا حکم ہو گیا تو اُن کے پاس فدیہ کی رقم نہ تھی۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی حضرت زینبؓ کو کہلا بھیجا کہ فدیہ کی رقم بھیج دیں۔ حضرت زینبؓ نے اپنے گلے کا ہار بھیج دیا۔ یہ وہ ہار تھا جو ان کی والدہ ماجدہ حضرت خدیجہ رضہ نے دیا تھا۔ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ہار دیکھا تو بے تاب ہو گئے۔ پچیس سال کا محبت انگیز واقعہ یاد آ گیا اور آنکھوں سے بے اختیار آنسو نکل پڑے۔ اور صحابہؓ سے فرمایا کہ اگر تم راضی ہو تو یہ ہار زینبؓ کو بھیج کر بیٹی کو ماں

کی یادگار واپس کر دوں ؟ سب صحابہ نے بسر وچشم منظور و قبول کیا۔ اور آپؐ نے ہار واپس فرما دیا۔

ابوالعاص جب رہا ہو کر واپس مکہ آئے تو حضرت زینب رضؓ کو مدینہ بھیج دیا۔

ابوالعاص بڑے تاجر تھے کچھ عرصہ کے بعد تجارت کے سفر میں مسلمان سپاہیوں نے ان کو گرفتار کر کے ان کا مال و اسباب بھی تقسیم کر لیا۔ یہ چھپ کر حضرت زینبؓ کے پاس پہنچے۔ تو حضرت زینبؓ نے پناہ دی۔ اور آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے ان کے لئے سفارش کی۔ آپؐ نے صحابہ سے فرمایا تو سب نے ان کا مال واپس کر دیا اور انہیں مال و اسباب کے ساتھ رہا کر دیا۔

جب ابوالعاص مکہ واپس پہنچے تو اسلام و توحید سے متاثر تھے۔ لوگوں کے لین دین اور امانتیں واپس ان کے حوالے کیں۔ اور خود ہجرت کر کے مدینہ پہنچ گئے۔ دوبارہ حضرت زینبؓ کے ساتھ جدید نکاح ہوا۔

اس سے اندازہ لگائیے کہ آپؐ داماد سے کتنی محبت و شفقت فرماتے تھے اور ابوالعاص رضؓ کا حضرت زینبؓ کے ساتھ نہایت شریفانہ سلوک و برتاؤ تھا۔ آپ ہمیشہ اس کے شریفانہ تعلقات کی قدر اور تعریف فرماتے تھے۔

رشتۂ دامادی کی لاج رکھنا، اور شفقت و محبت کا سلوک کرنا اور اس کے شریفانہ سلوک و برتاؤ کی تعریف و قدر کرنا یہ بے مثال قابلِ تقلید نمونہ صرف اسوۂ حسنہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی ہو سکتا ہے۔

بحیثیت معلمِ اخلاق آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ کا سب سے زیادہ نمایاں پہلو اور آپؐ کے حسنِ تعلیم میں عظیم الشان اور اعلیٰ دائمی کارنامہ تعلیم اخلاق ہے۔

معلم اخلاق کی حیثیت سے آپؐ تمام انبیاء کرام علیہم السلام میں ممتاز ہیں آپؐ نے اپنے قول و عمل سے اخلاقی تعلیم کو تکمیل کے اس نکتۂ عروج تک پہنچا دیا کہ جس کی مثال پہلے بھی نہ تھی۔ اور آئندہ قیامت تک تو یہی ایک مشعل ہے جس کی روشنی

میں راستہ کی صحیح نشاندہی اور راہنمائی ہو سکتی ہے۔

اِن اوراق میں رحمتہ للعلمین صاحبِ خلقِ عظیم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی تعلیمات کے تعارف کی ابتداء ان مختصر الفاظ سے شروع کرتے ہیں جو ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سب سے پہلے ارشاد فرمائے،

یا ایھا الناس افشوا السلام واطعموا الطعام وصلوا والناس نیام تدخلوا الجنۃ بسلام (ترمذی)

لوگو! سلام کو پھیلاؤ اور کھانا کھلاؤ اور نماز پڑھو جب کہ لوگ سو رہے ہوں، جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو گے۔

دین میں تھوڑی بہت سوجھ بوجھ رکھنے والا آدمی بھی جانتا ہے کہ مکہ مکرمہ کی سرزمین پیغمبرؐ اور مسلمانوں کے لئے مشکلات اور تکلیفوں کا گھر تھا۔ اور مکی زندگی بڑی مصیبتوں اور دکھوں کی زندگی تھی کسی وقت چین اور آرام نہیں تھا۔ ہر موقع پہ مسلمان موحدین، مشرکوں اور کافروں کے مظالم کا تختۂ مشق بنے ہوئے تھے۔ اللہ تعالیٰ کو اسلام دنیا کے کونے کونے میں پہنچانا تھا اور اس دین کو دنیا میں غالب کرنا تھا۔ اس کے لئے مدینہ منورہ کی سرزمین کو قدرتِ خداوندی نے انتخاب فرما کر مدینہ اور اہلِ مدینہ (انصارؓ) کو یہ شرف اور اعزاز نصیب فرمایا کہ اسلام کی کامیابی اور مسلمانوں کیلئے سکون و آرام کا گہوارہ بنا دیا۔

خوب غور کیجئے کہ عام مسلمانوں سے لے کر پیغمبرِ اسلام صلی اللہ علیہ وسلم تک مشرکین اہلِ مکہ سے تنگ آکر چھپ چھپا کر ہجرت کر کے مدینہ پہنچ رہے ہیں۔ اب اسلامی زندگی کا عظیم انقلاب آنے والا ہے۔ دنیا میں اسلامی سلطنت قائم ہونے والی ہے۔ حزب اللہ کی فوجیں دنیا کی عظیم سلطنتوں اور کفر کی طاغوتی طاقتوں سے ٹکرا کر اسلامی پرچم لہرانے والی ہیں۔ سوچئے کہ کمزوری کی ہجرت کے بعد اسلامی سلطنت کے پایۂ تخت، دارالخلافہ اور لشکرِ اسلام کے مرکز و ہیڈ کوارٹر مدینہ میں پیغمبرِ اسلام سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم اسلام کی مکمل عمارت کی بنیاد کی پہلی اینٹ اور اسلام کی ترقی کا راز اور کیمیا گر یہ بتاتے ہیں کہ لوگو! اسلام پھیلاؤ، کھانا کھلاؤ، لوگ جب سوئے ہوئے ہوں

تو تم نماز پڑھو۔ تم جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔
یہ تھی معلم اخلاق کی پہلی تعلیم جو مدینہ میں داخل ہوتے ہی تعلیم ارشاد فرمائی۔
سوچنا تو یہ ہے کہ اس میں کیا راز تھا اور یہ کیا گر تھا جب کہ پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام آخری معلّم اخلاق ہیں اور اخلاق کے تمام پہلوؤں اور پورے گوشوں کو مکمل کرنے والے ہیں۔ تمام پیغمبروں میں خاتم الانبیاء کا ہی اعلان وارشاد ہے کہ لوگو!

اِنَّمَا بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ مَکَارِمَ الْاَخْلَاقِ (مسند احمد منقول از معارف الحدیث)
میں تو اسی لئے بھیجا گیا ہوں کہ اخلاقِ حسنہ کی تکمیل کر دوں

بُعِثْتُ لِاُتَمِّمَ حُسْنَ الْاَخْلَاقِ (مؤطا للامام مالک رحمہ اللہ)
مَیں حسن اخلاق کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا ہوں۔

اگرچہ آپ مکہ مکرمہ میں نبوت کے تیرہ سال (۱۳) زیادہ تر ایمانیات، قیامت، رسالت کا بیان اور خاص کر توحید کی تبلیغ فرماتے تھے۔ لیکن ساتھ ساتھ اخلاق حسنہ کی بھی تعلیم فرماتے تھے۔ جیسا کہ حضرت ابوذرؓ کے بھائی اُنیس نے واپس بھائی کو جا کر بتایا کہ

رَاَیْتُہٗ یَاْمُرُ بِمَکَارِمِ الْاَخْلَاقِ (صحیح مسلم مناقب ابی ذرؓ)
میں نے اس پیغمبرؐ کو دیکھا کہ وہ لوگوں کو اخلاقِ حسنہ کی تعلیم دیتا ہے۔

بے شک ایمان بڑی اور بہت بڑی دولت ہے اس سے بڑی کوئی چیز نہیں ہے لیکن ایمان کامل اُخلاق حسنہ سے ہی ہوتا ہے۔

اکمل المؤمنین ایمانا احسنھم خلقا (ترمذی)
مؤمنوں میں ایمان کامل اس کا ہے جس کا اُخلاق سب سے اچھا ہے۔
حسن اخلاق اعلیٰ ترین عطیۂ الٰہی ہے۔ جو سب نعمتوں سے بڑھ کر ہے۔

خیر ما اعطی للناس خلق حسن (نسائی وابن ماجہ)
لوگوں کو جو کچھ انعام اللہ کی طرف سے عطا ہوئے ہیں ان میں سب سے بہتر اچھے اخلاق ہیں۔

اسی لئے قیامت کے روز میزانِ عدل میں اعمال میں حسنِ اخلاق سے زیادہ کوئی بھاری اور وزنی چیز نہیں ہے۔

مَامِنْ شَیْءٍ یُوْضَعُ فِی الْمِیْزَانِ اَثْقَلَ مِنْ حُسْنِ الْخُلُقِ (ابوداؤد)

عمل کے ترازو میں حسنِ خلق سے زیادہ بھاری کوئی چیز نہیں ہے۔

شب بیدار یعنی تہجد خواں اور صائم النہار یعنی روزہ دار یعنی نفلی عبادت تہجد یا نفلی روزے کے مقابلہ میں اخلاقِ حسنہ کا درجہ کم نہیں بلکہ اس کی اہمیت زیادہ ہے

اِنَّ الرَّجُلَ لَیُدْرِكُ بِحسن خلقه درجة قائم اللیل وصائم النهار (ابوداؤد)

انسان حسنِ اخلاق سے وہ درجہ پاسکتا ہے جو دن بھر روزہ رکھنے اور رات بھر عبادت کرنے سے حاصل ہوتا ہے۔

آدمیوں میں بھی اسی کا رتبہ اور درجہ بڑا ہے جو اخلاقی معیار میں اچھا ہے۔

خیارکم احسنکم اخلاقًا (بخاری)

تم میں بہت اچھا وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔

خدا کا محبوب ترین بندہ بھی وہی ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں۔

احب عباد اللہ الی اللہ احسنہم اخلاقا (طبرانی)

اللہ کے بندوں میں اللہ کا سب سے پیارا وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں

باوجودیکہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم صاحب خلق عظیم تھے اور حسنِ اخلاق کا مثالی نمونہ تھے تاہم امت کی تعلیم کے لئے اخلاقِ حسنہ کی اہمیت وخصوصیت کے پیش نظر آپؐ اپنے پروردگار کے سامنے خاص انداز میں حسنِ اخلاق کی دعاء فرماتے۔

اَللّٰھم احسنتَ خَلقی فاحسِن خُلُقی (رواہ احمد)

اے میرے اللہ! تو نے اپنے کرم سے میرے جسم کی ظاہری بناوٹ اچھی بنائی ہے سی طرح میرے اخلاق بھی اچھے کردے۔

رات میں تہجد کی نماز میں خاص دعاؤں میں یہ دعاء بھی فرماتے تھے

وَاھدِنی لِاَحْسَنِ الاخلاق لایھدی لاحسنھا الا انت واصرف عنی سیئھا لایصرف عنی سیئھا الا انت (صحیح مسلم)

اے میرے اللہ! تو مجھ کو بہتر سے بہتر اخلاق کی راہنمائی فرما۔ تیرے سوا کوئی اچھے اخلاق کی راہ نمائی نہیں کر سکتا۔ اور بُرے اخلاق کو میری طرف سے ہٹا دے۔ ان کو تیرے سوا کوئی ہٹا بھی نہیں سکتا۔

نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی مذکورہ دعا نے اخلاق کی وسعت کو واضح کر دیا ہے کہ چند اچھی باتوں کو اپنا لینا ہی اخلاق حسنہ نہیں ہے بلکہ تمام نیکیوں پر عمل اور تمام برائیوں سے بچنا سب اخلاق حسنہ میں داخل ہے۔

مزید اس کی تشریح و تائید اس سے بھی ہو جاتی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں دو صحابی عورتیں تھیں۔ ایک رات بھر نماز پڑھتیں دن کو روزہ رکھتیں اور صدقہ دیتیں۔ مگر اپنی زبان درازی سے پڑوسیوں کو تکلیف اور دکھ پہنچاتی تھیں، اور دوسری عورت صرف نمازیں پڑھتیں اور غریبوں کو چند کپڑے بانٹ دیتیں۔ مگر کسی کو تکلیف نہ دیتیں۔ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے دونوں کی بابت پوچھا گیا۔ تو آپؐ نے پہلی کی نسبت فرمایا کہ اس میں نیکی نہیں ہے وہ اپنی بد خلقی کی سزا بھگتے گی۔ اور دوسری کی نسبت فرمایا کہ وہ جنتی ہو گی۔

ان دونوں عورتوں کے حالات (کہ ایک کے لئے سزا اور ایک کیلئے جنت) کا نتیجہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زبان فیض ترجمان سے اظہار فرمایا درحقیقت اخلاقِ حسنہ کی تشریحی حیثیت کو پوری طرح نمایاں کر دیا ہے۔

قرآنی آیات میں ذرہ بھر بھی توجہ دی جائے تو یہ حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ قرآنی ہدایات و تعلیمات کا مدعا نیکی پر عمل کا حکم دینا اور برائی سے بچانا اس کی اصلی غرض ہے۔

قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اس کی تشریحات موجود ہیں۔ خاص کر دوسرے پارہ سورۂ بقرہ کے رکوع ۲۲ اور پارہ ۱۸ کی ابتدائی آیات میں اور سورۂ

سورۂ شوریٰ رکوع ۴ اور سورۂ فرقان کے آخری رکوع میں بڑی تفصیل کے ساتھ اخلاق حسنہ کی یہ تشریح و توضیح پیش کی گئی ہے۔

سورۂ فرقان کے آخری رکوع میں تو ابتدا ہی عِبَادُ الرَّحْمٰنِ کہ اللہ کے بندے کون ہیں پھر وَالَّذِيْنَ، وَالَّذِيْنَ، وَالَّذِيْنَ سے ان کے ایک ایک نقش و نگار اور ایک ایک خد و خال کو بیان کیا گیا ہے

اگر ذوق طبع پر گراں نہ ہو تو اسلامی تعلیمات کا بہت مختصر اجمالی نقشہ پیش خدمت ہے۔ اگر درست ہو تو یہ میرے رب کی مہربانی و کرم فرمائی اور ذرّہ نوازی ہے۔ میرے اور میرے اساتذہ و مشایخ کیلئے دعا فرمائیں۔ اور اگر کوئی غلطی ہو تو اس کو میرے نفس کی کوتاہی و لغزش سمجھیں اور میری اصلاح کیلئے مفید اور بہترین مشورے سے نوازیں۔

بہرکیف اسلامی تعلیمات کا اجمالی نقشہ یہ ہے کہ

اسلام ایمان و اعمال صالحہ کا نام ہے اور انہی دو چیزوں پہ نجات و فلاح کا دار و مدار ہے، اور اعمالِ صالحہ عبادات و معاملات کا نام ہے اور معاملات میں حقوق و فرائض، معاشیات و معاشرات، فضائل و رذائل سب کچھ اسی میں ہے اور انہی معاملات کے مجموعہ کا نام اخلاقیات ہیں۔

گویا اسلام دو چیزوں کا نام ہے ایمان اور اعمالِ صالحہ۔ پھر اعمالِ صالحہ دو چیزیں ہیں عبادات اور اخلاقیات۔ اگرچہ اخلاقیات کا سلسلہ قرآن و حدیث کی روشنی میں بہت وسیع ہے کتب احادیث کے بہت بڑے ذخیرہ میں یہ اس قدر کثرت سے پھیلا ہوا ہے کہ جس کا احاطہ کرنا ایک بہت بڑا طویل اور مشکل کام ہے، احباب کی طبع فہم کی خاطر اس کی اجمالی فہرست پر اکتفاء کروں گا

اخلاقیات میں دو چیزیں ہیں ۱ فضائل یعنی نیکی اور اچھے کام جن کا کرنا باعث برکت اور ثواب اور بہت بڑے درجے اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور محبوبیت اور پسندیدگی کا باعث ہیں ۲ رذائل بری اور گھٹیا باتیں جن سے پرہیز

یعنی بچنا انتہائی ضروری ہے ورنہ نیکی کا کوئی اثر باقی نہیں رہتا۔ یہ رذائل خدا تعالیٰ کی ناراضی اور غضب اور اس کے عذاب اور سزا کے باعث ہیں۔

آئیے ! اب ذرا پہلے فضائل کی غیر مکمل فہرست ملاحظہ فرمائیں۔

عفت و پاکبازی ، امانت و دیانت داری ، رحم ، عدل و انصاف ، عہد کی پابندی ، صداقت، زبان کی سچائی ، دل کی سچائی ، عمل کی سچائی ، سخاوت ، شرم و حیا ، احسان ، عفو یعنی معافی و درگزر ، حلم و بردباری، رفق یعنی نرمی اور لطف ، تواضع و خاکساری ، خوش کلامی ، خوش روئی، ایثار ، اعتدال و میانہ روی ، خود داری یعنی عزتِ نفس ، شجاعت و بہادری، تعداد کی قلت و کثرت ، توکل ، صبر ، شکر ، رضا بالقضاء ، اخلاص اور لِلّٰہیت ، حق گوئی ، استغناء ،

رذائل کی غیر مکمل فہرست :

جھوٹ ، جھوٹی قسم کھانا ، وعدہ خلافی ، خیانت و بد دیانتی ، غداری و دغا بازی، فحش و بے حیائی ، بہتان بازی ، چغل خوری ، غیبت و بدگوئی ، دوغلاپن ، بدگمانی ، تجسس اور ٹوہ ، منہ پر کسی کی خوشامد و مدّاحی ، بخل ، حرص ، طمع بے ایمانی ، چوری ، ناپ تول میں کمی بیشی ، چھپا کر لینا ، دھوکہ دہی ، لوٹ گھسوٹ ، رشوت ، سود خوری ، شراب خوری ، جوا بازی ، فضول خرچی ، حسد ، بغض و کینہ ، غیظ و غضب یعنی غصہ ، فخر و غرور و تکبر ، ظلم و بغاوت ، ریاکاری خود بینی اور خود نمائی یعنی اپنی تعریف آپ کرنا اپنے منہ میاں مٹھو ، فحش گوئی یعنی بدزبانی و بدکلامی ۔ وغیرہ ۔

یہ فضائل و رذائل کی فہرستیں جن کی تفصیلات قرآن و حدیث کے دفتر میں بہترین خوبصورت اصلاحی انداز میں بیان کی گئی ہیں۔ روحانیت کی مریض طبیعت کی صحت و شفا اور تسکین و تشفی کے لئے کتب احادیث کا مطالعہ کریں خاص کر "معارف الحدیث" مصنفہ و مرتبہ مناظرِ اسلام محقق دوراں علامۃ العصر مولانا محمد منظور احمد نعمانی مدظلہ کا مطالعہ

دریں جو ہر طبقۂ فہم کے لئے مفید اور قابلِ فہم ہے۔ اللہ تعالیٰ استفادہ کی توفیق عطا فرمائیں
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ طیبہ میں اخلاق حسنہ کی جھلک چند بیانات سے ملاحظہ ہو۔

پیغمبر اسلام نبوت کے دور سے پہلے ہی اخلاق حسنہ کے مجموعہ تھے۔ چنانچہ آغازِ وحی میں جب آن حضرت صلے اللہ علیہ وسلم غارِ حرا سے کچھ گھبرائی ہوئی حالت میں گھر تشریف لاتے ہیں۔ اور اپنی محبوبہ، محرم راز، رفیقۂ حیات، تسکینِ جان، زوجۂ مطہرہ حضرت طاہرہ خدیجہؓ کو وہ ماجرا بیان فرماتے ہیں تو وہ آپؐ کو ان الفاظ سے تسلّی دیتی ہیں کہ خدا آپؐ کو ضائع اور غمگین نہیں فرمائے گا کیونکہ آپؐ اعلیٰ ترین اخلاق والے ہیں۔ آپؐ صلہ رحمی کرتے ہیں۔ مقروضوں کا بار اٹھاتے ہیں، غریبوں کی اعانت کرتے ہیں، مہمانوں کی خدمت وضیافت کرتے ہیں، حق کی حمایت اور مصیبت زدوں کے کام کرتے ہیں (بخاری)

نبوت کے ابتدائی زمانہ میں جب مکّہ میں تبلیغی مشن سخت مشکلات کے مرحلہ میں تھا، کچھ مسلمان ہجرت کرکے ملک حبشہ میں پہنچ گئے۔ وہاں کے بادشاہ نجاشی نے جب مسلمانوں کو اپنے دربار میں بلوا کر اسلام اور پیغمبر اسلام کے متعلق پوچھا تو حضرت جعفر طیارؓ نے جواب میں جو تقریر فرمائی اس کے چند جملے یہ ہیں۔ کہ

"اے بادشاہ! ہم لوگ ایک جاہل قوم تھے، غیر اللہ کو پوجتے تھے، مردار کھاتے تھے، بدکاریاں کرتے تھے، ہمسایوں کو ستاتے تھے، بھائی بھائی پر ظلم کرتا تھا، زبردست کمزوروں کو کھا جاتے تھے، ایسی حالت میں ایک شخص ہم میں پیدا ہوا۔ اس نے ہم کو سکھایا کہ ایک اللہ کی عبادت کریں، غیر اللہ کی عبادت چھوڑ دیں سچ بولیں، خونریزی سے باز آئیں، یتیموں کا مال نہ کھائیں۔ ہمسایوں کے ساتھ اچھا سلوک کریں، عفیف نیک عورتوں پر بدنامی کا داغ نہ لگائیں"

اسی طرح قیصر روم کے دربار میں خود ابو سفیانؓ جو اس وقت ابھی اسلام نہیں لائے تھے بلکہ اسلام اور پیغمبر اسلام کے سخت مخالف تھے نے، آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت

اور اصلاحی مشن کا جو مختصر خاکہ کھینچا اس میں یہ تسلیم کیا اور بھرے دربار میں صاف طور پر یہ اقرار کیا کہ پیغمبر اسلام توحید کے ساتھ یہ بات بھی لوگوں کو سکھاتے ہیں کہ پاکدامنی اختیار کریں، سچ بولیں، اور قرابت کا حق ادا کریں (صحیح بخاری)

آن حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی مدنی زندگی میں جہاں مختلف المزاج ہر قسم کے لوگوں سے دوست دشمن، کافر مسلمان، مخلص مؤمنین اور بد باطن منافقین یہاں تک کہ بعض سخت کج طبیعت اور کئی نرم طبیعت سبھی سے زندگی کے مختلف شعبوں میں واسطہ پڑتا تھا، ایسے حالات و ماحول میں آپؐ کا حسنِ اخلاق کا بیان حضرت عائشہؓ، حضرت علیؓ، حضرت انسؓ، حضرت ہندؓ ابی ہالہ وغیرہ حضرات جن کو آپؐ کی اکثر خدمت گزاری کا اور خدمتِ اقدس میں شرفِ باریابی نصیب ہوتا تھا ان سب کا متفقًا بیان ہے کہ آپؐ نہایت نرم مزاج، خوش اخلاق اور پاکیزہ سیرت تھے۔ آپؐ کا چہرہ ہنستا کھلتا تھا، وقار اور متانت سے گفتگو فرماتے تھے۔ کسی کی دل شکنی نہیں فرماتے تھے۔ آپؐ کا معمول یہ تھا کہ کسی سے ملتے وقت ہمیشہ سلام میں پہل فرماتے اور مصافحہ فرماتے۔ کوئی شخص جھک کر آپؐ کے کان میں کچھ بات کہتا تو اس وقت تک اس کی طرف سے رُخ نہ پھیرتے جب تک وُہ خود مُنہ نہ ہٹالے۔ مصافحہ میں بھی یہی معمول تھا کہ کسی سے ہاتھ ملاتے تو جب تک وہ خود نہ چھوڑ دے اس کا ہاتھ نہ چھوڑتے۔ مجلس میں بیٹھتے تو آپؐ کے زانو کبھی ہمنشینوں سے آگے نکلے ہوئے نہ ہوتے (جامع ترمذی و سنن ابی داؤد)

سب سے زیادہ آپؐ کے اخلاقِ حسنہ کی تفصیل ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضؓ نے بیان کی ہے جو احادیث پاک کی مختلف کتابوں میں ہے فرماتی ہیں کہ

آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت کسی کو بُرا بھلا کہنے کی نہ تھی۔ برائی کے بدلے برائی نہیں کرتے تھے بلکہ درگزر کرتے تھے اور معاف فرما دیتے تھے۔ آپؐ کو جب دو باتوں میں اختیار دیا جاتا تو اُن میں سے جو آسان ہوتی اس کو اختیار فرماتے بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہو ورنہ آپؐ اس سے بہت دُور ہوتے۔ آپؐ نے کبھی کسی سے اپنے ذاتی

معاملہ میں انتقام نہیں لیا۔ لیکن جو احکام الٰہی کی خلاف ورزی کرتا خدا اس سے انتقام لیتا تھا یعنی خدا کے حکم کے مطابق اس پر حد جاری فرماتے تھے۔ آپؐ نے نام لے کر کبھی کسی پر لعنت نہیں کی۔ آپؐ نے کبھی کسی غلام یا لونڈی یا خادم یا کسی عورت حتّٰے کہ کسی جانور کو بھی اپنے ہاتھ سے نہیں مارا۔ آپؐ نے کسی کی کوئی درخواست ردّ نہیں فرمائی لیکن یہ کہ وہ ناجائز ہو۔ آپؐ جب گھر کے اندر تشریف لاتے تو نہایت خنداں ہنستے اور مسکراتے ہوئے۔ دوستوں میں پاؤں پھیلا کر نہیں بیٹھتے تھے۔ باتیں ٹھہر ٹھہر کر اس طرح فرماتے کہ کوئی یاد رکھنا چاہے تو یاد کر لے (صحیح بخاری، مسلم۔ ابوداؤد)

حضرت ام المؤمنین عائشہ صدیقہ رضؓ کی ذہانت و قابلیت، قوت اجتہاد، دقّتِ نظر وسعتِ معلومات جیسے اوصاف مسلم تھے۔ تفسیر و حدیث میں صحابۂ کرام کو ان کی تحقیق و تفہیم پر اعتماد تھا۔ اکثر اسرار شریعت کی واقفیت و اطلاع کے لئے صحابہ کرام ان کی خدمت میں حاضر ہوتے

چند صحابۂ کرام نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہ سے درخواست کی کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق بیان فرمائیں کیونکہ آپؐ سے بڑھ کر حضرتؐ کے اخلاق کا راز دان کون ہو سکتا ہے۔ تو حضرت عائشہ رضؓ نے ان سے پوچھا تم قرآن نہیں پڑھتے؟

كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْاٰنَ (ابوداؤد) (آپؐ کا خلق قرآن ہے)

حقیقت میں حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خُلقِ عظیم کا جامع بیان فرمایا ہے۔

آں حضرت صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے دنیا کو جو اصلاحی پیغام دیا اور حکمت و بلاغت کے مختلف اسلوبوں سے اخلاقی فضائل کی خوبی اور رذائل کی برائی ان کے ذہن نشین کر دی کہ آج چودہ سو سال گزرنے کے بعد بھی اس کے آثار حرارتِ ایمانی کو گرما دیتے ہیں۔ اور انقلابی اور روحانی انقلاب کے اسباب ہیں۔ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی اخلاقی تعلیم کا درس ارشاد ملاحظہ کیجئے۔

لا تباغضوا ولا تحاسدوا ولا تدابروا وکونوا عباد اللہ اخوانا (بخاری)

ایک دوسرے پر بغض اور حسد نہ کرو۔ اور نہ ایک دوسرے سے منہ پھیرو۔ اور اللہ کے بندو! سب آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔

احبّ للناس ما تحبّ لنفسك تكن مسلماً (ترمذی)

جو چیز اپنے لئے پسند کرتے ہو لوگوں کیلئے بھی وہی پسند کرو تو مسلمان ہوگے۔

لا يؤمن احدكم حتى يحبّ للناس ما يحب لنفسه وحتى يحب المرء لا يحبه الا لله عز وجل (مسند احمد)

تم میں سے کوئی آدمی اس وقت کامل مؤمن نہیں ہو سکتا جب تک لوگوں کے لئے اس چیز کو پسند نہ کرے جس کو اپنے لئے پسند کرتا ہے اور یہاں تک کہ وہ صرف اللہ کی رضا کے لئے کسی سے پیار نہ کرے۔

نیکی اور برائی کے اخلاقی نتائج کو سمجھانے اور اچھی طرح ذہن نشین کرانے کے انوکھے انداز:

ایک دفعہ صحابۂ کرام کی محفل و مجلس میں آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے یہ باتیں سیکھ کر کون عمل کرتا ہے اور دوسروں کو سکھاتا ہے کہ وہ ان پر عمل کریں۔ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا "میں اے اللہ کے رسول!" ابوہریرہ رضؓ بیان کرتے ہیں کہ آپؐ نے میرا ہاتھ پکڑلیا۔ پھر پانچ باتیں گن کر فرمائیں

۱ گناہوں سے پرہیز کرو تو تم سب سے زیادہ عبادت گذار ہو جاؤ گے

۲ خدا نے جو تم کو دیا ہے اسی پر راضی رہو تو سب سے بڑھ کر دولت مند ہو جاؤ گے

۳ اپنے پڑوسی کے ساتھ احسان کرو تو مؤمن بنو گے۔

۴ لوگوں کے لئے وہی چاہو جو اپنے لئے چاہتے ہو تو مسلمان بن جاؤ گے۔

۵ زیادہ ہنسا نہ کرو کہ زیادہ ہنسنے سے دل مُردہ ہو جاتا ہے (ترمذی)

ایک دفعہ صحابہ رضؓ میں ارشاد فرمایا کہ کون مجھ سے ایک بات کا وعدہ کرتا ہے، میں اس کے لئے جنت کی ضمانت کرتا ہوں۔ آپؐ کے غلام ثوبان رضؓ نے کھڑے ہو کر عرض کی کہ "اے اللہ کے رسول! میں" فرمایا کسی سے کچھ مانگا نہ کرو۔ چنانچہ انہوں نے

کبھی کسی سے سوال نہیں کیا (مسند احمد)
ایک دفعہ صحابۂ کرام رض کی مجلس جمی ہوئی تھی کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم تشریف لائے۔ اور دریافت فرمایا کہ کیا میں تمہیں بتاؤں کہ تم میں سب سے اچھا کون ہے؟ اور بُرا کون ہے؟ حاضرین خاموش رہے (شاید یہ سمجھے ہوں کہ آپؐ اس جماعت کے اچھے اور برے لوگوں کے متعلق فرمائیں گے) آپ نے دوسری بار پھر یہی سوال کیا پھر بھی حاضرین چُپ رہے۔ تیسری بار آپؐ نے پھر پوچھا تو ایک شخص نے عرض کی ہاں اے اللہ کے رسول فرمائیے! تو آپؐ نے ارشاد فرمایا: تم میں سب سے اچھا وہ ہے جس سے اچھائی کی امید کی جائے اور جس کی برائی سے لوگ امن میں ہوں۔ اور تم میں سب سے بُرا وہ ہے جس سے کسی اچھائی کی امید نہ کی جائے اور جس کی بُرائی سے کسی کو امن نہ ہو (جامع ترمذی)
ایک دفعہ صحابۂ کرام سے آپؐ نے دریافت فرمایا کہ تم جانتے ہو کہ مفلس کون ہے؟ صحابہ نے عرض کی کہ ہم میں مفلس وہ ہے جس کے پاس نہ روپیہ نہ پیسہ نہ سامان ہو۔ فرمایا میری امت میں مفلس و غریب وہ ہے جو قیامت میں اگرچہ نماز روزہ اور زکوٰۃ کی نیکیاں لے کر آئیگا لیکن اس نے کسی کو گالی دی ہوگی، اس پر تہمت لگائی ہوگی، اس کا مال کھایا ہوگا، اس کا خون بہایا ہوگا، اس کو مارا ہوگا، تو اس کی نیکیوں میں سے کچھ ان کو دے دیا جائیگا۔ اگر اس کی نیکیاں ختم ہوگئیں اور اس کے ذمے لوگوں کا کوئی حق باقی ہوگا تو اُن کی برائیاں اس کے نام کر دی جائیں گی پھر وہ جہنم میں ڈال دیا جائے گا (صحیح مسلم کتاب البر باب تحریم الظلم)
اندازہ لگایا! مفلس کی یہ حقیقت کس اثر انگیز انداز میں بیان فرمائی۔
اسی طرح ایک دفعہ آپؐ نے یہ پوچھا کہ تم پہلوان کس کو کہتے ہو؟ صحابہ رض نے کہا جس کو لوگ کشتی میں پچھاڑ نہ سکیں۔ فرمایا نہیں! یہ پہلوان نہیں ہے۔ پہلوان وہ ہے جو غصے میں اپنے نفس پر قابو پا سکے (صحیح مسلم)
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی تعلیم کا بلیغانہ انداز بھی عجیب تھا۔ ایک صحابی رض حضرت جابرؓ بن سلیم دربارِ نبوت میں اپنی پہلی حاضری کا واقعہ اور قصہ بیان کرتے ہیں،

کہ میں جب مسجد میں داخل ہوا اور دیکھا کہ مجلس میں ایک شخص بیٹھا ہے جو وہ کہتا ہے اس کو سب لوگ بجالاتے ہیں۔ میں نے پوچھا یہ کون ہے ؟ بتایا کہ "یہ اللہ کے رسول ہیں" میں نے دو دفعہ آپؐ کو اس طرح سلام کیا علیک السلام (آپؐ پر سلام ہو) تو آپؐ خاموش رہے۔ دوسری بار کے بعد ارشاد فرمایا کہ اس طرح نہ کہو یہ مُردہ کا سلام ہے۔ السلام علیک کہو۔ جابر بن سلیم کہتے ہیں کہ میں نے کہا کہ کیا آپؐ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں ؟ فرمایا ہاں میں اس اللہ کا رسول ہوں جس کو تم تکلیف میں پکارتے ہو تو وہ اس تکلیف کو دور کر دیتا ہے۔ اور جس سے خشک سالی میں مانگتے ہو تو وہ اگا دیتا ہے۔ اور جس سے تم جنگل بیابان بے نشان بنجر زمین میں ہو تمہاری سواری وہاں گم ہو جائے تم دعا کرتے ہو تو وہ اس کو تمہارے پاس لوٹا دیتا ہے۔ میں نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول مجھے کچھ نصیحت فرمائیے۔ ارشاد فرمایا کسی کو بُرا نہ کہو ! جابر بن سلیم کہتے ہیں کہ اس فرمان کا اثر یہ ہوا کہ پھر میں نے کسی جانور تک کو بھی بُرا نہیں کہا۔ آپؐ نے پھر یہ نصیحت فرمائی کہ تم کسی چھوٹی سے چھوٹی نیکی کو بھی حقیر نہ جانو ! اور جب کسی بھائی سے بات کرو تو تمہارا چہرہ کھلتا ہوا ہو۔ یہ بھی نیکی ہے۔ اور اپنا تہہ بند آدھی پنڈلی تک اونچا رکھو۔ اگر یہ نہیں تو ٹخنے سے اونچا ضرور رہے۔ کیونکہ تہہ بند کو بہت نیچے لٹکانا غرور و تکبر کی نشانی ہے۔ اور اللہ غرور کو پسند نہیں فرماتا۔ اور اگر کوئی تمہیں گالی دے اور تم میں جو برائی ہو وہ جانتا ہے تم کو اس کی عار دلائے تو تم اس کو اس برائی سے جو تم جانتے ہو اس کو عار نہ دلاؤ کہ اس کا وبال اسی کی گردن پر ہوگا۔ (سنن ابی داؤد)

اس طریقۂ تعلیم کی بلاغت پر غور کیجئے کہ آپؐ نے نووارد دیہاتی کو خدا کی معرفت و پہچان اور اس کے آگے جھکنے اور اس سے گڑگڑا کر مانگنے کے وہی موقعے یاد دلائے جو اس کی زندگی میں خدا جانے کتنی دفعہ پیش آئے ہوں گے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ اس کا دل صداقت کیلئے پکار اٹھا اور حضور اقدس صلعم کا مطیع و مرید ہو گیا۔

ایک دفعہ صحابہؓ سے فرمایا کون مجھ سے اپنے دو جبڑوں اور دونوں پاؤں کے بیچ

کی حفاظت کی ضمانت دیتا ہے۔ میں اس کیلئے جنت کی ضمانت دیتا ہوں (صحیح بخاری باب حفظ اللسان)

ذرا ان فقروں کی بلاغت پر غور کرو۔ دنیا کی عقلیں دنگ اور حیران رہ جائیں۔ دو لوجبڑوں کے بیچ میں زبان ہے جو ہر قسم کے جھوٹ اور برائیوں کی جڑ ہے اور فتنوں فساد کی بنیاد بنتی ہے۔ اور دونوں ٹانگوں کے درمیان شرمگاہ ہے جو ہر قسم کی بے حیائیوں اور بدکاریوں کی جگہ ہے جس سے قتل و جدال کا بازار گرم رہتا ہے۔ اگر زبان اور شرمگاہ دونوں کی حفاظت کی جائے تو انسان کی اصلاح بالکل آسان ہے

عورتیں چونکہ عموماً نازک طبع اور ضعیف القلب ہوتی ہیں۔ ان کی اسی نازک طبع کے باعث ایک صحابی رضؓ کو اس طرح فرمایا انجشہ نام کے ایک حبشی غلام حدی خوان تھے یعنی اونٹوں کے آگے سریلی آواز میں پڑھتے تھے جس سے اونٹ تیز چلتے ہیں۔ ایک دفعہ سفر میں ازواج مطہرات ساتھ تھیں۔ انجشہ حدی پڑھتے جاتے تھے۔ اونٹ زیادہ تیز چلنے لگے تو آپؐ نے فرمایا انجشہ! دیکھنا۔ خیال کرنا کہیں شیشے (یعنی عورتیں) ٹوٹنے نہ پائیں۔

یہی فصاحت و بلاغت اس مختصر سے فقرہ میں ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں آکر سب سے پہلے زبان مبارک سے ارشاد فرمایا تھا جس کو بھی قریبی صفحہ پر معلّم اخلاق کی ابتدائی سطور میں ذکر کیا گیا ہے پھر ملاحظہ کر لیجئے!

مدینہ میں پہلا فقرہ جو زبانِ مقدس سے نکلا۔ یَا اَیُّهَا النَّاسُ اَفْشُوا السَّلَامَ وَ اَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصَلُّوا والناس نیام تدخلوا الجنة بسلام (ترمذی)

اے لوگو! سلام کو پھیلاؤ اور کھانا کھلاؤ اور نماز پڑھو جب کہ لوگ سو رہے ہوں جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔

پورے اسلام کی تعلیم کا جامع بیان اس میں فرمایا۔ اس کی تشریح و تفصیل میں مستقل رسالہ تیار ہو سکتا ہے۔ حقوق اللہ اور حقوق العباد کی جامع تعلیم اخلاق حسنہ کی تکمیل سے ہوتی ہے۔

بحیثیت خطیب جیسا کہ قرآن پاک کا اعلان ہے "لَا یَاْتُوْنَ بِمِثْلِہٖ" کہ قرآن کا جواب نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ "بُعِثْتُ بِجَوَامِعِ الْکَلِمِ" میں کلمات جامعہ کے ساتھ مبعوث ہوا ہوں۔

عرب میں اگرچہ ہر قبیلہ فصاحت و بلاغت کا مدعی تھا۔ اور بڑے فصیح و بلیغ آدمی تھے۔ مگر خطابت نبوی کا جواب نہ ہو سکتا تھا اور نہ تھا۔

آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خطاب کا طرز نہایت سادہ مگر پُر اثر۔ خطاب مختصر ہوتا مگر جامع، ہر موقعہ اور محل کے مطابق خطاب فرماتے۔ اسی طرح آپ م نے منبر کے علاوہ زمین کے سادہ فرش اور اونٹ پر جس جگہ جیسا موقع پیش آیا ضرورت کے لحاظ سے فی البدیہہ خطبہ ارشاد فرماتے۔

آپؐ کے خطاب اور زور بیان کا اندازہ اس مختصر خطاب سے بھی ہو سکتا ہے جو سرزمین مکہ میں سب سے پہلے خطاب فرمایا۔ خطاب کیا تھا مذہبی دنیا میں انقلاب کا پہلا دھاکہ اور بجلی کا ایک کڑکا تھا جس نے سارے عرب میں ہل چل مچادی ؎

وہ بجلی کا کڑکا تھا یا صوت ہادی
عرب کی زمین جس نے ساری ہلادی (حالی مرحوم)

یہ خطاب صفا پہاڑی پر چڑھ کر آپ م نے پکارا یا صباحاہ

عرب میں کسی غارت گری یا عظیم حادثے کے موقع پر قوم کو خبردار کرنے کے لئے کہا جاتا تھا۔ یہ سنتے ہی لوگ چونک اٹھے اور آپؐ کے گرد تمام پیر و جوان، عورتیں اور بچے جمع ہو گئے۔ آپؐ نے پھر کس انداز سے اپنی صداقت کا اقرار کروایا۔ اور پھر دفعتہً ارشاد فرمایا

قُوْلُوْا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفْلِحُوْا

لوگو! ایک اقرار کر لو کہ اللہ کے سوا کوئی کارساز و مشکل کشا نہیں نجات پا جاؤ گے

اگرچہ آپؐ کے حقیقی چچا ابو لہب نے اپنے آبائی مذہب شرک پرستی کے خلاف سمجھ کر پتھر مار کر خطبہ آگے نہیں بڑھنے دیا اور یہ کہہ کر ختم کرا دیا اور سارا مجمع اکھڑ گیا۔

تَبًّا لَكَ سَائِرَ الْيَوْمِ الِهٰذا دَعَوْتَنا
تیرے لئے ہلاکت ہو۔ اسی لئے ہمیں بلایا تھا

اعتصام بالسنۃ اور ردِّ بدعت : یعنی سنت نبوی کی تعریف اور بدعت کی برائی میں کتنا مختصر خطاب ہے

اما بعد فان خیر الحدیث کتاب اللہ وخیر الھدی ھدی محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) وشر الامور محدثاتھا وکل بدعۃ ضلالۃ (صحیح مسلم)

پس بے شک بہترین بات اللہ کی کتاب ہے۔ اور بہترین تحفہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے اور بدترین کاموں میں نئی بدعات ہیں اور ہر بدعت گمراہی ہے
سب سے عظیم وطویل اور مہتم بالشان خطبہ وہ ہے جو آپؐ نے حجۃ الوداع میں دیا۔ گویا آپؐ دنیائے عالم کو اپنا آخری پیغام دے کر رخصت ہونا چاہتے ہیں۔
اس خطبہ کی اہمیت ابتدائی الفاظ سے ہی ظاہر ہو جاتی ہے۔ فرمایا

ایھا الناس اسمعوا فانی لا ادری لعلی لا القاکم بعد عامی ھٰذا
لوگو! خوب سن لو کیوں کہ پھر میں نہیں جانتا کہ شاید پھر میں آپ لوگوں سے اس سال کے بعد اس جگہ نہ مل سکوں۔
پوری دنیا کے مسلمانوں کو بلکہ قیامت تک کے آنے والے مسلمانوں کو فرمایا۔ کہ مسلمانوں کی عزت' آبرو' جان' مال' سب مسلمانوں پر حرام ہے۔
اور تقوٰے اور پرہیزگاری کیلئے ارشاد فرمایا۔

ان ربکم واحد وان اباکم واحد کلکم من ادم وادم من تراب وان اکرمکم عند اللہ اتقٰکم
بیشک تمہارا رب ایک، تمہارا باپ ایک، تم سب آدم کی اولاد ہو۔ اور آدم مٹی سے تھے۔ خدا کے نزدیک تم میں سے شریف وبزرگ وہ ہے جو زیادہ پرہیزگار ہو۔
یہاں تک اس خطبہ میں اس اعلان سے تعلیم وتبلیغ کا ایک نیا رنگ بھر دیا۔
فلیبلغ الشاھد الغائب

کہ میری بات کو سننے والے اس پیغام کو دنیا میں پہنچا دیں
اور ان الفاظ سے تو رقتِ قلبی کا ایسا اثر پذیر طرز اختیار فرمایا کہ آنکھیں نم ہو گئیں
اَلَاھل بلّغتُ اَلَا ھل بلّغتُ (کیوں۔ میں نے پیغامِ خدا پہنچا دیا؟)
سب زور سے کہہ رہے ہیں
قد بلغت وادّیتَ (بیشک آپ نے پیغامِ خدا پہنچا دیا۔ اور فریضۂ تبلیغ کا حق ادا کر دیا)
تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انگلی اٹھا کر آسمان کی طرف اور لوگوں کی طرف اشارہ کر کے تین بار فرمایا

اللھم اشھد (اے اللہ! گواہ رہ۔ میں نے تیرا پیغام پہنچا دیا)

بہر حال یہ خطبہ قدرے طویل ہے اور بہت سی اہم باتیں دین و دنیا کی اہم امور کا ذکر ہے صرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ورنہ یہ خطبہ کیا ہے دینِ کامل کا مختصر کتابچہ ہے۔
اور صحیح بخاری و مسلم میں یہ تصریح موجود ہے کہ عین اس وقت جب آپ یہ فرضِ نبوت ادا کر رہے تھے تو یہ آیت اتری۔ ارشادِ خداوندی

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا (پارہ ۶ سورۃ المائدہ رکوع ۱)

کہ آج میں نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا۔ اور اپنی نعمت تم پر تمام کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو پسند کیا۔
جمعہ کے خطبہ میں عموماً اور وعظ ونصیحت میں اکثر جو خطاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے تھے ان میں توحید اور صفاتِ الٰہی، خوفِ قیامت، عذابِ قبر، زہد و رقاق اور حسنِ اخلاق بڑے مؤثرانہ انداز میں بیان فرماتے تھے۔ تاثیر اور رقت انگیزی کی اس قدر شدت ہوتی کہ سخت سے سخت دل بھی ان کلمات کو سن کر چند لمحوں میں موم ہو جاتے تھے۔ اور کوئی آنکھ ایسی نہ ہوتی جو آنسوؤں سے تر نہ ہوتی ایسے موقع کی جو تصویریں صحابہ کرام رضؓ نے کھینچی ہیں ان میں سے دو تین ملاحظہ کریں
ایک صحابیؓ فرماتے ہیں:

وعظنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یومًا بعد صلوٰۃ الغداۃ موعظۃ بلیغۃ ذرفت منھا العیون ووجلت منھا القلوب (ترمذی وابوداؤد)

ایک دن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز کے بعد ایسا بلیغ اور مؤثر وعظ فرمایا کہ آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے اور دل کانپ اٹھے۔

ایک اور موقع پر مجلس وعظ کے تاثیر کی کیفیت حضرت اسماءؓ بنت ابی بکر رض بیان کرتی ہیں۔

قام رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خطیبا فذکر فتنۃ القبر التی یفتتن بھا المرء فلما ذکر ذٰلک ضجّ المسلمون ضجۃ (بخاری)

رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم خطبہ دینے کھڑے ہوئے اس میں قبر کے فتنہ اور آزمائش کا بیان کیا تو مسلمان چیخ اٹھے۔

حضرت ابوہریرہؓ اور ابوسعید خدری رض روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ آپؐ خطبہ دے رہے تھے کہ آپؐ کی زبان مقدس سے یہ الفاظ نکلے

والذی نفسی بیدہٖ (قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے)

یہ الفاظ آپ نے تین بار ارشاد فرمائے اور پھر جھک گئے۔ صحابہ کرام رض پر یہ اثر ہوا کہ جو جہاں بیٹھا تھا وہیں سر جھکا کر رونے لگا۔ صحابۂ کرام پر یہ حالت طاری تھی کہ یہ ہوش ہی نہ رہا کہ آپؐ قسم کس بات پر کھا رہے ہیں (سنن نسائی)

حضرت انس رض نے ایسے منظر کی جو تصویر کھینچی ہے بڑی عجیب ہے۔ فرماتے ہیں، کہ ایک دن آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا یہ خطبہ اس قدر مؤثر تھا کہ میں نے ایسا خطبہ نہیں سنا۔ آپؐ نے خطبہ کے دوران ارشاد فرمایا اے لوگو! جو میں جانتا ہوں اگر تم جانتے لضحکتم قلیلا ولبکیتم کثیرا (تو تم کم ہنستے اور زیادہ روتے)

اس فقرہ اور جملہ کا ادا ہونا تھا کہ صحابہ کرام کی حالت یہ ہوگئی کہ منہ پر کپڑے ڈال کر بے اختیار رونے لگے (بخاری)

اس کے علاوہ بھی سخت سے سخت اشتعال انگیز اوقات اور رنجیدہ کن حالات میں آپؐ

کے خطاب کے چند فقرے معاملہ کو رفع دفع کر کے جوش محبت کا دریا بہا دیتے۔ اور حالات کا یکسر رخ بدل جاتا اور دلوں کی کایا ایسی پلٹ جاتی کہ چند لمحوں میں روحانیت کی نئی دنیا آباد ہو جاتی۔ جیسے

غزوۂ حنین میں مال غنیمت کی تقسیم پر انصار کے چند نوجوانوں نے کہا کہ پیغمبرؐ قریش کو دیتا ہے اور ہمیں چھوڑ دیتا ہے۔ حالانکہ ہماری تلواروں سے خون ٹپک رہا ہے۔ آنحضرتؐ کو معلوم ہوا تو آپؐ نے انصار کو جمع کر کے حقیقت دریافت فرمائی تو انصار نے اقرار کیا کہ ہم میں صائب الرائے بزرگ اور سردار لوگوں نے تو ایک لفظ بھی نہیں کہا۔ البتہ چند نوجوانوں نے یہ کہا ہے۔

آپؐ نے اس موقعہ پر کھڑے ہو کر خطاب فرمایا کہ اے انصار! کیا تم گمراہ نہیں تھے۔ خدا نے میری وجہ سے تمہیں ہدایت کی۔ تم الگ الگ تھے۔ خدا نے میری وجہ سے تمہیں اکٹھا کیا۔ تم محتاج تھے۔ خدا نے میری وجہ سے تم کو غنی کر دیا۔ انصار ہر بات پر اقرار کر رہے تھے۔ تو پھر آپؐ نے دوسرا رخ بیان کیا کہ اے انصار! تم یہ کیوں نہیں کہتے، کہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) لوگ تمہاری تکذیب کرتے تھے، ہم نے تصدیق کی۔ تمہارا کوئی حامی نہ تھا ہم نے ساتھ دیا۔ تم گھر سے نکالے گئے ہم نے تمہیں گھر دیا۔ تم محتاج تھے، ہم نے غمخواری کی۔ اس کے بعد ان نوجوانوں کے اصل اعتراض کا جواب دیا۔ جواب کیا تھا انقلابی موج کی ایک لہر تھی۔ جس نے دفعۃً سب کو سلامتی کے کنارے لگا دیا۔ فرمایا

أَتَرْضَوْنَ ان یذهب الناس بالشاة والبعير وتذهبون بالنبي صلى الله عليه وسلم الى رحالكم فوالله لما تنقلبون به خير مما ينقلبون (صحیح البخاری)

کہ تم اس کو پسند نہیں کرتے کہ لوگ بکریاں اور اونٹ لے کر جائیں اور تم اپنے گھروں میں پیغمبر کو لے کر جاؤ۔ خدا کی قسم تم جو چیز واپس لے کر جاتے ہو وہ لوگوں کے سامان سے بہتر ہے۔

وہی انصار جو چند لمحے پہلے ذرا کبیدہ خاطر ہو رہے تھے یہ مختصر کلمات سنتے ہی رضینا، رضینا پکار اٹھے کہ ہم سب راضی ہیں۔ راضی ہیں۔

یہ کلمات آپؐ کے ان کے لئے آبِ کوثر کے قطرات تھے جن سے ان کا گرد وغبار دفعتہً دھل گیا اور دل صاف ہوگئے اور اس قدر اثر ہوا کہ اتنے روئے کہ ان کی داڑھیاں تر ہوگئیں اسی قسم کا واقعہ فتح مکہ کے موقع پر پیش آیا جب کہ قریش کی جان بخشی فرمائی تو بعض زبانوں سے یہ نکل گیا کہ آخر پیغمبرؐ کو اپنے وطن اور خاندان کی محبت آہی گئی۔ آپؐ کو معلوم ہوا تو آپنے انصار کو جمع کر کے فرمایا کہ ایسا نہیں ہے۔ بلکہ میں تمہارا ہوں اور تم میرے ہو۔ میرا جینا تمہارا جینا ہے اور میرا مرنا تمہارا مرنا ہے۔ ان کلمات میں حقیقی محبت کا وہ کرنٹ تھا کہ سب انصار پر رقت طاری ہوگئی اور رونے لگے۔

بحیثیت سپہ سالار و جرنیل و قاضی اور حاکم بادشاد

حقیقتہً سیرۃ خیر الانام سید الرسل صلے اللہ علیہ وسلم کا سلسلہ بہت طویل ہے اللہ تعالیٰ کی توفیق و مدد سے ان شاء اللہ آپؐ کی سیرتِ طیبہ پر مستقل ایک کتاب سیرت کے مستقل عنوانات و ابواب کی ترتیب پر مرتب کروں گا۔ سیرت کے بہت سے اہم پہلو بخوف طوالت چھوڑ رہا ہوں۔

مذکورہ تین عنوانات پر بھی اشارہ کر کے اس باب کو ختم کر رہا ہوں

امیر لشکر بہت سے چھوٹے چھوٹے غزوات و سرایا ایسے بھی ہیں کہ جن کے سپہ سالار اور امیر لشکر اکابر صحابہ رضؓ کو بنایا گیا۔ اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خود ان کو مقرر فرما کر اور ہدایات فرما کر روانہ فرماتے تھے۔ لیکن جو بڑے بڑے معرکے پیش آتے تھے۔ ان کی قیادت آپؐ خود بہ نفسِ نفیس فرماتے تھے۔ بدر، احد، خیبر، غزوۂ حنین غزوۂ تبوک، فتح مکہ، وغیرہ میں آپؐ خود ہی امیر العسکر تھے۔

میدانِ جنگ میں دشمن پر کامیابی کا سب سے بڑا حربہ اللہ تعالیٰ پر مکمل توکل اور بھروسہ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ (فتح و نصرت اللہ کے اختیار میں ہے) فلہٰذا میدان جنگ میں یادِ الٰہی گریہ و زاری اور دعا، والتجاء پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا عجیب دلسوز پُر کیف اور رقت آمیز وظیفہ اور ایک مثالی نمونہ تھا۔

جنگ بدر کے اس ریتیلے فرش کا کیا منظر تھا جو محبوب کبریا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسوؤں سے تر ہو گیا تھا۔ محویت اور بے خودی کا یہ عالم ہے کہ رداءِ مبارک یعنی چادر مونڈھوں سے گر پڑتی ہے۔ اور آپؐ کو خبر تک نہیں ہوتی۔

حضرت علیؓ تین بار میدانِ جنگ سے آکر دیکھتے ہیں کہ وہ پاک ومقدس پیشانی خاک پر ہے۔ حضرت ابوبکرؓ آہوں اور زاریوں کے دل سوز آواز سے وجد میں آجاتے ہیں اور یہ عرض کرتے ہیں کہ اے اللہ کے پیارے رسولؐ! اللہ تعالیٰ یقیناً مدد فرمائیں گے۔

غرضیکہ دنیا کے سپہ سالاروں کو معرکہ ہائے جنگ میں اپنے سامانِ حرب اور بہادر سپاہیوں اور کثرتِ سپاہ اور ہر قسم کی ظاہری قوت وشوکت پر ناز ہوتا ہے۔ لیکن اسلام کے سپہ سالارِ اعظم صلے اللہ علیہ وسلم کو صرف خدائے واحد وذوالجلال کی طاقت ونصرت پر ناز تھا۔

چنانچہ اپنی ذاتِ مقدس کے علاوہ آپؐ نے مجاہدین اسلام کی اس سلسلہ میں اخلاقی اور روحانی خاص طور پر نگرانی فرمائی۔ کہیں ذرا بے اعتدالی ہوئی تو اس پر گرفت وتنبیہ فرماتے ہوئے اصلاح فرمائی۔

جنگی صلاحیت

دنیائے عالم میں ایسا عظیم سپہ سالار وجرنیل پیدا نہیں ہوا۔ اور قیامت تک تو اسی ماہرِ فن کے حیرت انگیز صلاحیتِ جنگ اور عجیب جنگی کارناموں کو ہی مثالی نمونہ بنایا جاتا رہیگا قرآن کریم بڑے سادے اور صاف الفاظ میں آپؐ کی جنگی صلاحیت وماہریت کا ان الفاظ میں تذکرہ فرماتا ہے۔

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ (پارۂ رکوعۂ)

اور جب صبح کو نکلا تو اپنے گھر سے۔ بٹھلانے لگا مسلمانوں کو لڑائی کے ٹھکانوں پر

یہ آیت کریمہ کس قدر تصریح کے ساتھ اس بات کو واضح کر رہی ہے کہ آپؐ نے بہ نفس نفیس خود فوجی قاعدہ سے مجاہدین کی صفیں ترتیب دیں۔ ہر ایک دستہ کو اس کے مناسب جگہ اور ٹھکانے پر بٹھلایا اور نہایت اعلیٰ ترین ہدایات دیں۔

آنے والا ہر جرنیل میدانِ اُحُد کے اس نقشہ کا بغور مطالعہ کرتا ہے جس کا قرآن پاک نے ان الفاظ میں مختصر سا اشارہ فرمایا ہے۔

قاضی مسائل کے استفتاء پر جس وقت بھی لوگ آپؐ سے احکامِ اسلام کے متعلق سوالات کرتے تھے۔ آپؐ ان کا جواب دیتے تھے۔
امام بخاری رحہ نے صحیح بخاری کے کتاب العلم میں ان فتاووں کو متعدد ابواب میں تقسیم کر کے ذکر کر دیا ہے۔
صحابۂ کرام خصوصًا فاروقی دَور اور اس کے بعد آج تک یہ ایک مستقل شعبہ دار الافتاء کا اسی مثالی نمونہ کا عکس ہے۔

قضاء فیصلے۔ لوگوں کے معاملات میں جھگڑوں کی صورت میں جو فیصلے آپ کی خدمت میں آتے تھے اور آپ فصلِ قضایا ان جھگڑوں میں فیصلے فرماتے
احادیث پاک میں ان مقدمات وخصومات کا ذخیرہ موجود ہے۔ عورتوں سے، مردوں اور بچے سے بوڑھوں تک کے۔ دیوانی سے فوجداری تک سب مقدمات کے جو فیصلے فرماتے ان کا ذکر موجود ہے۔
کتاب القصاص والدیات مستقل اس سلسلہ کا عنوان ہے۔
لیکن اس میں خاص طور پر جو بات قابلِ ذکر ہے کہ ہر انسان کو بوقتِ طلبِ انصاف عدل وانصاف اور مفت عین ضرورت کے وقت انصاف مہیّا ہو سکے ان سب باتوں کی مثال بھی سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم نے ہی اپنے عمل سے پیش فرمائی۔ جن کے عدل وانصاف کے پیمانے پر فاطمہ بنت محمد صلی اللہ علیہ وسلم جگر گوشۂ نبوت اور فاطمہ بنت جحش کا کوئی فرق نہیں۔ سب کے لئے انصاف کا ایک ہی ترازو ہے۔ رہا مفت اور بوقتِ ضرورت تو مدینہ منورہ کے قاضی محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی عدالت کا کوئی وقت مقرر نہ تھا۔ گھر میں اور مسجد میں جس وقت بھی ضرورت مند آتا اس کے لئے کسی وقت کسی قسم کی کوئی روک ٹوک اور کسی طرح کی کوئی پابندی نہ تھی۔

امام بخاریؒ نے ایک مستقل خاص باب باندھا ہے جس کا عنوان یہ ہے۔

باب ما ذکر ان النبیؐ صلے اللہ علیہ وسلم لم یکن له بوّابٌ

یعنی آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر کوئی دربان نہ تھا۔

حاکم و بادشاہ مختصر سے عرصہ میں ہی اسلامی حکومت قائم ہوتی ہے جس کا مرکز دارالحکومت (پایۂ تخت) مدینہ منورہ اور اس کی مسجد نبوی ہے۔ جہاں بیٹھ کر آپؐ مسلمانوں کی عام دینی و مذہبی زندگی سے متعلق مسائل شرعیہ میں افتاء سے لے کر معاشرتی زندگی کے لئے جرائم کے لئے اجرائے تعزیر، نومسلموں کے انتظامات، غیر قوموں سے مصالحت، اور مسلمان قبائل کی خانہ جنگیوں کا انسداد، مسلمان قبائل میں جائدادوں کی تقسیم، وفودِ اسلام کیلئے تعیّن وظائف، وُلاۃ و عُمّال کا تقرّر، ائمہ و مؤذنین کا تعیّن، محصلین زکوٰۃ و جزیہ کی نامزدگی، اسلامی فوجوں کو ہدایات، اور مُلک کے بڑے بڑے سیاسی انتظامات کے عہدہ داروں کی خبرگیری اور احتساب، دور دور کے صوبوں میں گورنروں اور والیوں کو نصیحت آمیز تنبیہات، اور احکامات و فرامین کا اجراء، اور خاص طور پر دنیا کے نامور امراء و سلاطین اور بڑے بڑے بادشاہوں اور شہنشاہوں کے نام اسلامی اطاعت کے خطوط و پیغامات،

یہ سب کچھ **محمد رسول اللہ** صلے اللہ علیہ وسلم کی ایک ذات تھی جو ہر فرض و خدمت کی خود ذمہ دار تھی۔ اور آپ خود حکومت کے یہ سب فرائض سرانجام دیتے تھے۔ مگر اسلامی سلطنت کے فرمان روا اور حاکم کی بادشاہی کا تعجب انگیز مثالی نمونہ یہ تھا۔ کہ سلطنت اسلامی کے چار دانگ عالم میں ڈنکا بج رہا ہے۔ حکومتِ اسلامی کی سرحدوں میں دن دُگنی رات چوگنی وسعت و ترقی ہو رہی ہے۔

قیصر و کسریٰ مغرور و متکبّر عظیم شہنشاہِ کفر اپنے پایۂ تخت پر بیٹھے نام سُن سُن کر کانپ رہے ہیں۔

اور شہنشاہِ عرب صلے اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ کی گلیوں میں پھٹے پُرانے کپڑوں

میں غلاموں اور مسکینوں کے کام کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ وہ تاج و تخت، ظاہری شان و شوکت، نکمے رعب و جلال سے بے نیاز، قصر والوں سے مستغنی، حاجب و دربان سے بے پروا، مال و زر سے خالی، خدم و حشم کے بغیر دلوں پر حکومت کر رہا ہے، صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہی شہنشاہ نبوت کی نرالی اور عجیب شان تھی جس کو دیکھ کر حضرت ابو سفیان رضہ بھی نہ رہ سکا۔ حضرت ابو سفیان رضہ جس کو نہ تو معجزات و خوارقِ عادات ہی متاثر کر سکے اور نہ بدر و احد و خندق کی تلواروں نے اس کو مرعوب کیا۔ نہ آن حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا رشتہ داری دامادی اس کے سخت دل کو نرم کر سکا۔ وہ صرف اس نظارہ کو دیکھ کر اپنے ضمیر کے اعتراف کو نہ روک سکا اور مسلمان ہو گیا کہ قیصرِ روم اپنے تختِ جلال پر بیٹھ کر مکّہ کے بوریا نشین پیغمبر کے پاؤں دھونے کی آرزو رکھتا ہے۔ دنیائے اسلام کا بادشاہ و حکمران ہو کر ننگے جسم لیٹے ہوئے چٹائی کے داغ کے نشان جسمِ اطہر پر پڑ جائیں، ایسا شہنشاہ یہ دنیا میں اکیلا ہی گزرا ہے۔ ابو بکر صدیقؓ، فاروقِ اعظم حضرت امیر عمرؓ، حضرت عثمانِ غنی رضہ اور حضرتِ علی رضہ تو اس کی سادگی اور اس مثالی نمونہ کی ادنیٰ سی تصویریں تھیں۔

حضرات! میں آخر میں معذرت چاہتا ہوں کہ سیرۃ النبی صلعم کے اہم عنوانات رہ گئے۔ صبح و شام، عبادت و ریاضت، سفر و جہاد، ملاقات و مجالس وغیرہ، ان شاء اللہ یہ سلسلہ الگ کتابچہ میں پیش کروں گا۔

آپ بھی دعاء فرما دیں کہ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و رحمت سے توفیق عنایت فرمائیں

وَمَا تَوْفِيقِيْ اِلَّا بِاللّٰهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ بِهٖ تَتِمُّ الصَّالِحَاتُ

باب ہشتم

وفات النبی

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ (القرآن)

وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ (القرآن)

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّ اِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ (القرآن)

حضرات گرامی! اس سے پہلے سات ابواب کی کچھ تفصیل آپ پڑھ چکے ہیں، پہلا باب ضرورت رسالت، دوسرا باب منصب رسالت، تیسرا باب بشریت اور رسالت، چوتھا باب وحی اور علم غیب، پانچواں باب دعوت و تبلیغ، چھٹا باب معجزات النبی صلی اللہ علیہ وسلم، ساتواں باب معمولات النبی صلی اللہ علیہ وسلم

اب یہ آٹھواں باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ اور یہی کتاب کا آخری باب ہے۔

اس باب کا بیان ایک درد انگیز، دل گداز، اور پُرسوز حقیقت کا اظہار ہے۔ لیکن اس حقیقت سے کون ناآشنا ہے کہ

خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ لِيَبْلُوَكُمْ اَيُّكُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا (پارہ ۲۹ ع ۱ رکوع ۱)

موت و حیات کو پیدا کیا تاکہ تمہارا امتحان لے کہ کون اچھے عمل کرتا ہے۔

اس حقیقت سے غفلت تو اکثر انسانوں سے ہوسکتی ہے مگر ناواقفیت نہیں کیونکہ موت کے لفظ کو حیات سے مقدم یعنی پہلے ذکر کیا۔ حالانکہ حیات پہلے ہے اور

موت بعد کو۔ یہ لفظوں کا تقدم و تاخر اس بات کی کھلی شہادت ہے کہ حیات' موت کا مقدمہ ہے : كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ (یاد رکھو) ہر جان کے لئے موت کا مزہ چکھنا ہے

اگر دوسرے پہلو سے غور کریں تو بات بہت آگے نکل جاتی ہے۔ اور الفاظ کا تقدم تاخر اپنی اصلی حقیقت کو پوری طرح واضح کر دیتا ہے کہ ابتداء موت ہے اور انتہاء حیات ہے۔ قرآن نے اس کی وضاحت ان الفاظ میں بیان فرمائی ہے

كُنتُمْ أَمْوَاتًا فَأَحْيَاكُمْ ثُمَّ يُمِيتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيكُمْ (پارہ ۱ رکوع ۳)

تم پہلے مردہ تھے۔ تمہیں زندہ کیا پھر تمہیں موت آئے گی، پھر زندہ ہو گے

کفار اسی حسرت میں کہیں گے کہ موت سے شروع ہو کر حیات تک دو بار موت اور دو بار زندگی کا سلسلہ پورا ہو چکا۔ عمل کا وقت ختم ہو چکا۔ اب جہنم سے نکلنے کا کونسا وقت ہے أَمَتَّنَا اثْنَتَيْنِ وَأَحْيَيْتَنَا اثْنَتَيْنِ (کہ دو بار موت اور دو بار زندگی مل چکی)

اسی موت اور حیات کا اصلی قالب دنیا اور آخرت ہے۔ یہ دو جہان ہیں، ایک دنیا دوسرا آخرت۔ پہلے کا نام دار الفناء ہے اور دوسرے کا نام دار البقاء ہے ایک جہان فانی ہے، دوسرا جہان باقی ہے، ایک عارضی ہے دوسرا دائمی، یہ دنیا اور اس کی ہر چیز فانی ہے۔ بخلاف آخرت کے کہ وہ غیر فانی اور جاودانی ہے۔ وہاں پہنچنے کے بعد انسان بھی غیر فانی بنا دیا جائے گا اور اس کو کبھی نہ ختم ہونے والی حیات یعنی زندگی دی جائے گی۔ اسی طرح وہاں اللہ کے نیک اور صالح خوش نصیب بندوں کو جو نعمتیں عطا ہوں گی ان کا سلسلہ بھی دوامی ہو گا جو کبھی ختم نہ ہو گا

عَطَاءً غَيْرَ مَجْذُوذٍ (پارہ ۱۲ رکوع ۹)

خدا کی نعمتوں اور بخششوں کا سلسلہ ختم نہیں ہو گا۔

اور بدبختوں کی نافرمانی، تکبر، سرکشی، اور بغاوت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا غضب اور عذاب کا سلسلہ بھی ہمیشہ کا ہو گا جو کبھی ختم نہ ہو گا۔

خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا (دوزخ کے عذاب میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے)

اگرچہ یہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے کہ دنیا کی نعمتوں اور لذتوں کے مقابلہ میں آخرت کی لذتیں اور نعمتیں بے انتہا فائق ہیں۔ بلکہ اصلی اور دائمی لذتیں اور نعمتیں آخرت ہی کی ہیں اور دراصل دنیا کی ظاہری اور نقلی تصویر سے آخرت کی اُن دیکھی اور بے مثال حقیقت کی طرف انسان کا رُخ موڑنا ہے

اَللّٰھُمَّ لَا عَیْشَ اِلَّا عَیْشُ الْاٰخِرَۃِ (حدیث) (اے اللہ! زندگی تو آخرت کی ہے)

مگر انسانوں کا عام حال یہ ہے کہ دنیا چونکہ ہر وقت ان کے سامنے ہے اور آخرت سراسر غیب اور آنکھوں سے اوجھل اور پوشیدہ ہے۔ اس لئے اکثر انسانوں کو دنیا ہی کی فکر و طلب غالب رہتی ہے اور دنیا ہی سے مانوس اور اسی کو ترجیح دیتے ہیں، یہ انسان کی بہت بڑی غفلت و نادانی ہے۔ بلکہ عقلی لحاظ سے طفلانہ سوچ و سمجھ ہے، جیسے بچے بچپن میں اپنے کھیل کھلونوں سے دلچسپی کو مستقبل کی خوشگوار اور شاندار زندگی کے تعلیمی و تربیتی مشاغل پر ترجیح بلکہ انتہائی بے توجہی اور نفرت سے ٹھکرا کر اپنی ناسمجھی کا ثبوت دیتے ہیں اسی طرح آخرت سے غافل اور بے پرواہ انسان بھی اپنی جہالت و کم عقلی کا مظاہرہ کرتے ہیں جس کا ذکر قرآنِ پاک میں جا بجا کیا گیا ہے

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا وَ الْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ وَّ اَبْقٰی (پارہ ۳۰ سورۃ الاعلیٰ)

انسانو! تم دنیا کی زندگی کو مقدم رکھتے ہو حالانکہ آخرت بہتر اور زیادہ پائیدار ہے

مَتَاعُ الدُّنْیَا قَلِیْلٌ وَ الْاٰخِرَۃُ خَیْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰی (پارہ ۵ رکوع ۸)

دنیا کا سرمایہ بالکل قلیل ہے اور آخرت بہتر ہے پرہیزگاروں کے لئے

اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا مَتَاعٌ وَّ اِنَّ الْاٰخِرَۃَ هِیَ دَارُ الْقَرَارِ (پ ۲۴ رکوع ۱۰)

یہ زندگی دنیا کا مال و متاع تو وقتی گزران ہے اور اصل رہنے کا گھر تو آخرت ہے۔

چاہئے تو یہ تھا کہ ہم دنیا سے دل نہ لگاتے بلکہ ہمارے دلوں کی لگن دارالقرار اصلی گھر کے ساتھ ہوتی۔ لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ آج اکثریت انسانوں کا دنیا کے ساتھ تعلق اور محبت و انہماک حد سے زیادہ بڑھ گیا ہے تو آئیے سوچئے۔ اور غور کیجئے کہ جس دنیا

میں ہم زندگی گزار رہے ہیں۔ اور جس کو ہم اپنے کانوں اور آنکھوں وغیرہ سے محسوس کرتے ہیں۔ جس طرح یہ ایک واقعی ناقابل تردید حقیقت ہے، اسی طرح آخرت بھی ایک قطعی اور یقینی حقیقت ہے۔ اور اپنی زندگی کے اس دَور میں ہمارا اس کو نہ دیکھنا اور نہ محسوس کرنا ایسا ہی ہے، جیساکہ ماں کے پیٹ میں ہونے کے زمانہ میں ہم اس دنیا کو نہیں دیکھتے تھے اور نہ ہی محسوس کر سکتے تھے۔ جس طرح ہم نے یہاں آکر اس دنیا کو دیکھ لیا اور زمین و آسمان کی ہزاروں لاکھوں چیزیں ہمارے مشاہدے میں آگئیں جن کا ہم ماں کے پیٹ میں تصوّر بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اسی طرح موت یعنی مرنے کے بعد عالمِ آخرت میں پہنچ کر جنت و دوزخ اور اس عالم کی تمام چیزوں کو دیکھ اور پالیں گے جن کی اطلاع اللہ تعالیٰ نے اپنے پیارے رسولوں اور کتابوں کے ذریعہ دی ہے۔

الغرض دنیا دل لگانے کی جگہ نہیں بلکہ مسافر خانہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے میرے مونڈھے پکڑ کر مجھے ارشاد فرمایا کہ

کن فی الدنیا کانك غریب او عابر سبیلٍ (بخاری)

دنیا میں ایسے رہ جیسے تو اجنبی پردیسی یا راہ چلتا مسافر ہے۔

دنیا عیش و عشرت کا مقام نہیں بلکہ ایک قید خانہ ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بیان فرماتے ہیں

الدنیا سجن المؤمن وجنة للکافر (مسلم شریف)

• دنیا مومن کے لئے قید خانہ اور کافر کے لئے جنت ہے۔

کوئی مسافر سفر میں غیر ضروری قیام کرکے اپنا وقت و مال ضائع کرنے کو تیار نہیں اور نہ ہی اس سے خوش ہوتا ہے اور کوئی معقول آدمی قید خانہ کو مسرت خانہ نہیں سمجھتا بلکہ ہر عزت دار شریف النسان قید خانہ سے نفرت کرتا ہے اور قید خانہ کے لفظ سے ہی اسے گھن آتی ہے۔ مسافر خانہ سے اپنے وطنِ اصلی میں اور قید خانہ سے عیش و نشاط کے مسرت خانہ میں پہنچنے کا سبب اور پھاٹک و دروازہ موت ہے اگرچہ منزلِ آخرت کا ہر

مسافر اس گھاٹی کو عبور کرتا ہے مگر کافر بڑی بے دلی، پریشانی اور تکلیف وحسرت سے عبور کرتا ہے اور مؤمن خوشی سے اس وادی سے گزرتا ہے۔

قرآن پاک نے ایسے مسافروں کی انہی دو حالتوں کا عجیب وغریب نقشہ کھینچا ہے ایک روح کو ملائکۃ الموت سختیوں اور تشدد آمیز حالت سے سزائیں دیتے ہوئے نکال کر لے جاتے ہیں

وَلَوْ تَرٰى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ (پارہ ۷ سورۂ انعام رکوع ۱۱)

اور اگر تو دیکھے جس وقت ظالم موت کی سختیوں میں اور فرشتے ہاتھ بڑھائیں گے کہ نکالو اپنی جانیں۔

دوسرے کو بشارتوں اور خوشیوں میں لے جاتے ہیں

يٰٓاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ارْجِعِيْٓ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً (پارہ ۳۰ سورۂ فجر)

اے نفسِ مطمئنہ! اپنے رب کی طرف چل۔ تو اس سے راضی، وہ تجھ سے راضی

اس وجہ سے آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے موت کو مومن کے لئے بہتر فرمایا۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ دو چیزوں کو آدم کا بیٹا (یعنی آدمی) ناپسند کرتا ہے ایک موت دوسری مفلسی

یکرہ الموت والموت خیر للمؤمن من الفتنۃ

آدمی موت کو ناپسند کرتا ہے اور موت مؤمن کے حق میں فتنہ کے لحاظ سے بہتر ہے۔

ویکرہ قلۃ المال وقلۃ المال اقل للحساب (مسند احمد)

اور مال کی کمی کو ناپسند کرتا ہے اور مال کی کمی آخرت کے حساب کو بہت مختصر اور ہلکا کرنے والی ہے۔

اسی لئے مومن موت سے نفرت نہیں کرتا کیونکہ یہ اس کا مطلوب ہے اور نافرمان وظالم موت سے بھاگتا ہے۔ مگر بھاگ نہیں سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض دفعہ دنیا کے مصائب وپریشانیوں سے تنگ آکر انسان موت مانگتا ہے کہ یہ شاید یہ مشکلات سے نجات وچھٹکارے کا سبب ہو۔ مگر اس کے لئے چین نہیں ہو سکتا۔ اور موت مانگنا گناہ اور باعث عذاب ہے،

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے
مر کر بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

نکتہ عجیبہ اس نکتہ کو یاد رکھیں کہ موت مانگنا نافرمانی، اور عیش و خوشی میں موت سے غفلت' اس کو بالکل بھول جانا گناہ ہے۔
اور موت کی آرزو' تمنا، اور شوق، اور اس کی یاد باعث ثواب اور ایمان کی نشانی ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابۂ کرام رض کو ان کی اصلاح کے لئے یہی نسخہ تجویز فرمایا۔ اور اسی کو ان کی شفاء روحانی کے لئے اکسیر اعظم قرار دیا۔ اور ارشاد فرمایا کہ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ اگر تم لوگ لذّتوں کو توڑ دینے والی موت کو زیادہ یاد کرو تو وہ تمہیں اس غفلت میں مبتلا نہ ہونے دے۔ بہت طویل اور پُر اثر حدیث ہے

فَاَکْثِرُوْا ذِکْرَ ھَاذِمِ اللّذات الموت (جامع الترمذی)

لہٰذا لذتوں کو توڑ دینے والی "موت" کو زیادہ یاد کیا کرو۔

یہ ہے موت کی حقیقت کہ اس وقت جوانی اور بڑھاپے کے تمام بھلے اور برے اعمال زندگی کے حساب کے لئے تیاری کا ایک قدم ہے۔

اب یہ ایک مسلّم بات ہے کہ جس کو جس قدر زیادہ امید اور قوی یقین ہوگا اسی قدر اس کا قدم خوشی سے اٹھے گا۔ یہ تو عام مسلمانوں اور ایمان داروں کا حال ہے۔ پھر خاصانِ خدا کا کیا کہنا۔ اور انبیاء کرام علیہم السلام کا تو رنگ ہی اور ہے۔ اور سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم کی تو محبوبیت ہی الگ ہے۔

یہ تو تھی موت و حیات کے اصلی مقصد کی مختصر سی گفتگو

اگر دوسرے پہلو پر سوچیں تو موت چاہے بچے کی ہو یا جوان کی، ادھیڑ عمر والے کی ہو یا بوڑھے کی، مرد کی ہو یا عورت کی، ادنیٰ کی ہو یا اعلیٰ کی، نیک کی ہو یا بد کی، غرضیکہ کسی کی بھی ہو موت میں بڑی عبرت' مصلحت' اور حکمتِ الٰہیہ ہوتی ہے اور موت

کے ساتھ سینکڑوں دینی و دنیاوی امور و مسائل کا تعلق ہے۔ کیا متکبر سے متکبر فرعون کی موت عبرت نہیں تھی؟ اور کتنے احکامات اس کے ساتھ متعلق ہیں۔ اور پھر اللہ کے پیاروں کی موت اپنی اعلیٰ حیثیت سے کیوں قابلِ عبرت و نصیحت نہیں؟

سرورِ عالم سرورِ انبیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام کی مرضِ وفات کے ایام اور ان کی ہر صبح و شام اور آخری وقت کے وہ درد انگیز چند لمحات اور درد و عبرت کے چند جملوں تک سب عبرت و نصیحت کا نرالا نمونہ ہیں۔ اسی لئے کتبِ احادیث میں خاص کر امام بخاری رح نے ان تمام چیزوں کو نہایت ترتیب اور احسن انداز میں بیان فرمایا ہے اور کتنے مسائل شرعیہ ان سے وابستہ ہیں۔ لیکن ہماری اس کتاب المسمیٰ "بہ سیرت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم" کا موضوع چونکہ رسالت کے ہر باب اور ہر عنوان میں خاتم النبیین م کی فضیلت و خصوصیت ہے اس لئے "وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم" میں بھی ہمیں اسی امتیازی شان کا بیان کرنا مقصود ہے۔ اگرچہ ضابطۂ موت نیک و بد سب کے لئے برابر ہے مگر نیک اور بد کے درجاتِ موت میں بڑا فرق ہے۔ اور نیکوں سے زیادہ شہداء و صدیقین کے موت کے درجات ہیں۔ ان سے بھی اعلیٰ انبیاء کرام علیہم السلام کی موت کے مدارج ہیں۔ پھر تمام انبیاء اور سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم کی موت
میں جو درجات کا فرق ہے۔ اگر غور کریں تو وہ بڑا نمایاں فرق ہے۔ حضرت عیسٰیؑ اور یحییٰؑ علیہما السلام کی موت کے دن کی سلامتی کی دعاؤں کا ذکر قرآن پاک میں ہے

وَالسَّلَامُ عَلَيَّ يَوْمَ وُلِدْتُّ وَيَوْمَ اَمُوْتُ وَيَوْمَ اُبْعَثُ حَيًّا

اور مجھ پر خدا کی جانب سے سلامتی ہے جس دن میں پیدا ہوا اور جس دن میں مرونگا اور جس دن دوبارہ زندہ اٹھایا جاؤنگا

وَسَلَامٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا

اور اولوالعزم پیغمبر سیدنا یعقوب علیہ السلام کی موت اور ان کے دینی باغیچہ کا ذکر ہے کہ وہ صرف موت کے وقت اپنے صاحبزادوں کو ہی وصیت کر رہے تھے اور

صاحبِ ملک بادشاہ سیدنا سلیمان علیہ السلام کی موت کا ذکر عجیب و غریب ہی ہے کہ اتنی سلطنت و حکومت کے باوجود مسجدِ اقصیٰ بیت المقدس کی تعمیر ہی مکمل نہ کرا سکے

اور یوں لاٹھی کے سہارے بند کمرے میں کھڑے ہوئے موت آگئی۔

دوسری طرف سید المرسلین خاتم النبیین صلے اللہ علیہ وسلم کی موت ہے، کہ آپؐ کی وفات سے اندازاً اکیاسی (۸۱) دن پہلے ہی خالقِ کل نے قیامت تک کیلئے دین کی تکمیل کی خوشخبری کا مژدہ سنا دیا۔ اور تکمیلِ شریعت کا عام اعلان فرما دیا

الیوم اکملتُ لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی

آج کے دن میں نے تمہارے لئے دین کو کامل کر دیا ہے اور میں نے اپنی نعمت تم پر پوری کر دی ہے۔

یہ آیت کریمہ اس وقت نازل ہوئی ہے جب کہ پیغمبر اسلام لاکھوں کی تعداد میں سمندر کی موجوں کی طرح ٹھاٹھیں مارتے ہوئے انسانوں کے ہجوم کو حجۃ الوداع کا آخری خطبہ دے کر الوداع کر رہے ہیں

آخری الوداعی تقریب جو عرفات کی پہاڑی کے سنگریزوں والے سادے میدان میں منعقد کی گئی آج داعیِ توحید الوداعی کے پر وقار و جاہ و جلال کے انداز میں ناقہ (اونٹنی) پر سوار ہو کر اپنے ساتھیوں کے بے پناہ ہجوم کو اپنے چہرۂ انور کی جھلک دکھاتے ہوئے بہت ہی مسرورانہ انداز میں اپنی کامیابی کی مبارک خوشخبری کا اعلان فرماتے ہیں

الا کلُّ شیءٍ مِن امر الجاھلیۃ تحت قدمیّ موضوع (صحیح مسلم)

ہاں جاہلیت کے تمام دستور میرے قدموں کے نیچے ہٹ گئے۔

مرض وفات النبیؐ

اس تاریخی اور الوداعی اجتماع سے واپسی کے بعد ماہِ صفر کے آخری تاریخ میں علالت کا آغاز ہو گیا اسی کو مرض وفات النبی صلے اللہ علیہ وسلم کہتے ہیں کہ جس بیماری میں آپؐ کی وفات ہوئی۔ یہ مرض بھی عجیب تھی اور اس کے خصوصیات بھی عجیب ہیں۔ ایک طرف بیماری تھی اور ایک طرف وہ خیبر میں جو یہودیہ عورت نے زہر دی تھی اس کا اثر تھا موت اور شہادت کا امتزاج انوکھی چیز ہے۔

حضرت ابوسعید خدری رضہ بیان فرماتے تھے کہ آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے سرمبارک پر رومال بندھا تھا۔ میں نے ہاتھ لگایا تو اس طرح جل رہا تھا کہ ہاتھ کو برداشت نہ ہوتی تھی۔

مرض کچھ بڑھتا گیا لیکن آپ نے پانچ دن تک اس حالت میں بھی از راہ عدل و انصاف برابر ایک ایک بیوی کی باری میں ان کے پاس حجرۂ مقدسہ میں جاتے رہے صاحب خلق عظیم اور پیکر عدل و انصاف باوجود دلی خواہش اور تمنا کے ظاہرًا صاف اور علانیہ حضرت بی بی عائشہؓ کے گھر قیام کی اجازت ازواج مطہرات سے طلب نہیں فرماتے۔ بلکہ دلی خواہش کو یوں دُہراتے اور اس کا اظہار اس طرح فرماتے ہیں کہ کل کس کی باری ہے، میں کل کس کے گھر رہوں گا۔

ازواج مطہرات نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضئ مقدس کو پا لیا اور بخوشی حضرت عائشہ رضہ کے ہاں قیام فرمانے کی اجازت دینے کی عرض کی کہ آپؐ جہاں چاہیں قیام فرمائیں۔ اس وقت مزاج اقدس پر ضعف اس قدر ہو گیا تھا کہ خود قدم مبارک سے چل کر حجرۂ عائشہ رضہ تک تشریف نہیں لے جا سکے۔ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ دونوں نے آپؐ کے بازو تھامے اور بڑی مشکل سے حجرۂ صدیقہ رضہ میں رونق افروز ہوئے۔ خدا کو منظور یہی تھا کہ قیامت تک یہاں ہی جلوہ افروز ہوں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضہ فرماتی ہیں کہ نبی صلے اللہ علیہ وسلم جب کبھی بیمار ہوتے تھے تو یہ دعا، اپنے ہاتھوں پر پڑھ کر دم کر کے جسم اطہر پر ہاتھ پھیر لیتے

اَذْهِب البَأس رب الناس واشف انت الشافی لا شفاء الا شفاءك شفاء لا يغادر سقما

اے سب انسانوں کے شفا دینے والے رب! شفا عطا فرما۔ تو ہی ہے شفا دینے والا تیرے سوا کوئی شفا نہیں۔ ایسی شفا و صحت عطا کر کہ کوئی بیماری نہ رہے

حضرت صدیقہ فرماتی ہیں کہ اس مرتبہ میں نے یہ دعا پڑھی اور پیغمبر خدا صلعم کے ہاتھوں پر دم کر کے یہ چاہا کہ جسم اطہر پر مبارک ہاتھ پھیر دوں۔ مگر سرور کائنات صلعم

نبی الرحمتہ م نے ہاتھ پیچھے ہٹالئے اور یہ الفاظ پڑھے

اللھم اغفرلی و الحقنی بالرفیق الاعلیٰ

اے اللہ! معافی اور اپنی رفاقت عطا فرمائیے۔

لقاء اللہ کی تیاری اب صرف اور صرف اللہ کی طرف جلد ملنے کی لو اور لگن لگ چکی ہے۔ اب آپ کسی دعا، کو اور دوا کو اس کے درمیان حائل کرنا نہیں چاہتے اور نہ ہی اب اس میں کوئی اس کی گنجائش ہی باقی ہے۔

وفات طیبہ کی چند خصوصی جھلکیاں ملاحظہ ہوں

آخری نماز جو آپؐ نے پڑھائی پھر حضرت صدیق اکبرؓ کو مقرر فرمایا

مرض دن بہ دن ہر آن شدت اختیار کرتی جاتی تھی اور طبیعت مبارکہ میں لمحہ بہ لمحہ ضعف بڑھ رہا تھا مگر سرورِ کائنات فخر موجودات رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم تکلیف و بے چینی کے باوجود گیارہ روز تک برابر مسجد میں تشریف لاکر نماز پڑھاتے رہے۔ سب سے آخری نماز جو آپؐ نے خود پڑھائی جمعرات کے روز نمازِ مغرب تھی۔ جس میں آپ نے سورت مرسلات تلاوت فرمائی۔ عشاء کے وقت جب آپ نے آنکھ کھولی تو دریافت فرمایا کیا نماز ہو چکی؟ عرض کی گئی کہ سب مسلمان حضورؐ کے منتظر بیٹھے ہیں۔ آپؐ نے پانی بھروا کر غسل فرمایا اور ہمت فرما کر اٹھے مگر غش آگیا۔ تھوڑی دیر جب ہوش آیا تو پھر فرمایا کیا نماز ہو چکی؟ پھر عرض کی گئی کہ اللہ کے پیارے رسولؐ! مسلمان آپؐ کی انتظار میں ہیں۔ آپؐ نے پھر غسل فرمایا۔ اور نماز کیلئے اٹھنا چاہا پھر غش آگیا۔ کچھ افاقہ ہوا تو پھر وہی سوال فرمایا کہ کیا نماز ہو چکی؟ پھر وہی جواب عرض کیا گیا کہ حضورؐ! آپؐ کا انتظار ہے۔ تیسری مرتبہ جسم مبارک پر پانی ڈالا۔ پھر اٹھنے کا ارادہ فرمایا تو پھر غشی طاری ہوگئی۔ اب کی بار جب افاقہ ہوا تو ارشاد

فرمایا کہ ابوبکرؓ کو کہو کہ نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کی کہ حضورؐ! کسی اور کو ارشاد فرمائیں۔ حضرت عمرؓ ہیں مضبوط دل والے ہیں انہیں حکم دیں کہ نماز پڑھائیں ابوبکرؓ نہایت رقیق القلب نرم دل کے آدمی ہیں۔ آپؐ کی جگہ کھڑے ہوکر نماز نہیں پڑھا سکیں گے۔ آپؐ نے حکم دیا کہ کہو ابوبکرؓ کو نماز پڑھائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصراری حکم پر کہ نہیں، نہیں، نہیں ابوبکر ہی نماز پڑھائیں تو آپؐ کی حیاتِ طیبہ کے باقی غالباً تین دنوں میں حضرت ابوبکرؓ ہی نماز پڑھاتے رہے۔

یہ تھا امامت کا حقدار جس کو پیغمبرؐ خدا نے خود اپنے حکم سے امامت پر مقرر فرمایا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا منبر مبارک تو چند روز پہلے ہی خالی ہو چکا تھا، آج رسول اللہؐ کا مصلےٰ بھی خالی ہو گیا۔

اگرچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ مصلےٰ نبوت پر کھڑے ہوئے تو لڑکھڑا گئے اور صحابہؓ پر بے چینی کے عالم کا منظر تھا، تاہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق اور اللہ تعالیٰ کی توفیق و مدد کے ساتھ یہ مشکل ترین گھڑی بھی گزر گئی اور اس طرح حیاتِ نبوی میں صدیقِ اکبرؓ نے سترہ (۱۷) نمازیں پڑھائیں۔

آخری خطبہ

مزاج اقدس صلے اللہ علیہ وسلم میں کچھ سکون ہوا تو آپؐ پتھر کے ایک ٹپ میں بیٹھ گئے اور سر مبارک پر پانی کی سات مشکیں ڈلوائیں۔ طبیعت میں تسکین پیدا ہوگئی تو حضرت علیؓ اور عباسؓ کے درمیان سہارا لئے ہوئے مسجد میں تشریف لائے۔ جماعت کھڑی ہو چکی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے مصلےٰ سے پیچھے ہٹنا چاہا مگر آپؐ نے دستِ مبارک سے اشارہ فرما کر روک دیا اور آپؐ ابوبکرؓ کے پہلو میں برابر بیٹھ گئے اور نماز ادا فرمائی۔ نماز کے بعد آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ دیا جو آپؐ کی زندگی کا سب سے آخری خطبہ تھا۔ ارشاد فرمایا کہ

"مسلمانو! تم سے پہلے قوم گذر چکی ہے جس نے اپنے انبیاءؑ اور صلحاءؒ کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا۔ تم ایسا نہ کرنا۔ میری قبر کو میرے بعد پوجا گاہ اور سجدہ گاہ نہ بنا لینا

مسلمانو! وہ قوم خدا کے غضب میں آجاتی ہے جو اللہ کے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالے، پھر آپؐ نے یہ ارشاد فرمایا۔

"اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کو اختیار دیا ہے کہ وہ دنیا و مافیہا کو قبول کرے یا آخرت کو۔ مگر اس نے صرف آخرت ہی کو قبول کر لیا ہے"

یہ سن کر حضرت ابوبکر صدیق رضؓ آنسو بھر لائے اور رونے لگے اور عرض کی کہ اے اللہ کے رسول ص ہمارے ماں باپ' ہماری جانیں اور مال سب کچھ قربان ہو جائیں۔

صحابۂ کرامؓ نے حضرت ابوبکر رضؓ کو بڑے تعجب سے دیکھا کہ اس میں رونے کی کونسی بات ہے۔ آپؐ تو عام ایک شخص کا واقعہ بیان فرمارہے ہیں۔ مگر یہ بات وہی سمجھ رہے تھے جو رو رہے تھے۔ کیونکہ حضرت صدیق رضؓ رمز شناسِ نبوّت تھا۔ اس رازدارِ نبوّت نے سمجھ لیا تھا کہ وہ بندہ خود حضرت سید المرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے۔ اسی پر آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ

"سب سے زیادہ لوگوں میں جس شخص کی دولت اور رفاقت کا مجھ پر احسان ہے وہ ابوبکر صدیقؓ ہیں۔ اگر میں دنیا میں اپنی امت سے کسی کو اپنا دوست بناتا تو

لَاتَّخَذْتُ اَبَابَکْرٍ خَلِیلًا (صرف ابوبکر رضؓ کو دوست منتخب کرتا)

لیکن اب رشتۂ اسلام میری دوستی کی بنیاد ہے اور وہی کافی ہے۔ دیکھو! مسجد کی طرف سب کھڑکیوں اور دروازوں کو بند کر دو سوائے ابوبکر رضؓ کے کہ ان کا دریچہ کھلا رہے اس کے سوا کوئی دروازہ باقی نہ رکھا جائے۔

انصارِ مدینہ کے متعلق مسلمانوں کو تاکید فرمائی کہ انصار میرے جسم کا کرتہ اور میری زندگی کے سفر کا توشہ ہیں ان کے حقوق کا خیال رکھنا۔ اور حضرت اسامہؓ بن زید رضؓ کی سرداری پر جن منافقین کو اعتراض تھا اور ان کی شکایات آپؐ تک پہنچ چکی تھیں تو اُنکو تنبیہ فرمائی اور حضرت اسامہؓ اور ان کے شہید باپ زیدؓ کی شان میں ارشاد فرمایا کہ

"خدا کی قسم اس کا باپ (یعنی حضرت زید رضؓ) بھی اس منصب کا مستحق تھا اور یہ بھی مستحق ہے وہ بھی مجھے سب سے محبوب تھا اور یہ بھی سب سے محبوب ہے۔ پھر

حلال وحرام کے متعلق ارشاد فرمایا کہ

حلال وحرام کی نسبت میری طرف نہ کی جائے۔ میں نے اسی چیز کو حلال بتایا ہے جس کو خدا نے قرآن میں حلال کیا ہے۔ اور اسی کو حرام بتایا ہے جس کو خدا نے حرام کیا ہے

اب آپؐ اپنے خطابِ خاص کا رُخ اہلِ بیت کی طرف پھیرتے ہیں کہ کہیں رشتۂ نبوت انہیں عمل وسعی سے بیگانہ نہ بنا دے۔ انسان کی نجات کا مدار سببی اور نسبی تعلق اور خاندانی رشتہ پر نہیں۔ بلکہ خود انسان کے ذاتی عمل و کردار پر ہے آپؐ نے ارشاد فرمایا

"اے دخترِ رسول فاطمہؓ! اور اے رسولِ خدا کی پھوپھی صفیہؓ! خدا کے ہاں کے لئے کچھ کر لو میں تمہارے کچھ کام نہیں آسکتا۔

آہ! اس خطبۂ درد و عبرت کے بعد پھر مسجد نبوی میں مجلسِ خطاب نہ جم سکی۔ اختتامِ خطبہ کے بعد خطیبِ کائنات صلے اللہ علیہ وسلم حجرۂ عائشہؓ میں پس پردہ ہو گئے۔ اور انہی دنوں حجرۂ مقدسہ میں قیامت تک رُوپوش ہو گئے کہ دنیا کی آنکھیں زیارت کو ترس گئیں۔

آخری دیدار

آج آخری دن ہے۔ اور آخری دیدار ہے یہ نو (۹) ربیع الاول کی صبح ہے۔ مزاج اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں اچانک سکون ہے۔ صبح کی نماز ادا کی جارہی تھی کہ آپؐ نے مسجد کی طرف حجرۂ مبارکہ کے دروازہ کا پردہ اٹھایا۔ چشم اقدس کے روبرو نمازیوں کی صفیں مصروفِ قیام و رکوع و سجود تھیں۔ سردارِ دو عالم نے اس نظارے کو جو حضور کی تعلیم پاک کا نتیجہ تھا بڑے اشتیاق و محبت سے دیکھا اور جوشِ مسرت سے ہنس پڑے نمازیوں نے خیال کیا کہ آپؐ باہر آنا چاہتے ہیں۔ بس خوشی کے مارے نمازی رضا بے اختیار سے ہو گئے اور قریب تھا کہ نمازیں ٹوٹ جائیں۔ اور حضرت صدیق اکبرؓ جو امامت کرا رہے تھے چاہا کہ پیچھے ہٹ جائیں مگر آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ مبارک سے سب کو تسلّی وتسکین دی اور چہرۂ انور کی ایک جھلک دکھا کر پھر حجرے کا پردہ ڈال دیا۔ شمع نبوت کے پروانوں، توحید کے متوالوں، اور اتباعِ اسلام کے

ان فرزندوں کے لئے جمالِ اقدس کا یہ جلوۂ زیارت آخری دیدار تھا۔ اور شاید یہ انتظام بھی خود قدرت کی طرف سے ہوا ہو کہ رفیقانِ صلوٰۃ اور خدام رسالت مآب جمالِ جہاں آرا کی آخری جھلک دیکھتے جائیں۔

آخری نصیحتیں

سورج جیسے جیسے چڑھتا جاتا تھا ایسے ایسے درد بڑھ رہا تھا۔ اور آپؐ پر بار بار اب غشی طاری ہوتی تھی، انہیں تکلیفوں کو دیکھ کر حضرت فاطمہ رضؓ بولیں "واکرب اباہ" آہ میرے باپ کی بے چینی!!

فرمایا: بیٹی! آج کے بعد تیرا باپ کبھی بے چین نہیں ہوگا۔ حضرت فاطمہ رضؓ مزاج اقدس کی اس بے چینی سے سینۂ مبارک سے لپٹ گئیں اور رونے لگیں تو آپؐ نے ارشاد فرمایا: بیٹی! رو نہیں۔ میں دنیا سے رخصت ہو جاؤں تو انا للہ وانا الیہ راجعون کہنا۔ رحمت للعالمین نے اسی شدتِ تکلیف میں جب زیادہ اونچی بات نہیں فرما سکتے تھے۔ صاحبزادی حضرت فاطمہ رضؓ سے کانوں کو اپنے مبارک لبوں کے ساتھ لگا کر فرمایا: میں اس دنیا کو چھوڑ کر رخصت ہو رہا ہوں۔ حضرت فاطمہ رضؓ رونے لگیں۔ پھر فرمایا: فاطمہ بیٹی! میرے اہلِ بیت میں تم مجھے سب سے پہلے ملوگی۔ حضرت فاطمہ رضؓ بے اختیار ہنس پڑیں کہ یہ جدائی قلیل ہے۔

آپؐ نے ازواج مطہراتؓ کو بھی نصیحتیں فرمائیں۔

آخری تنبیہ

عین شدتِ کرب اور بے چینی و تکلیف میں جب کہ چادر مبارک کبھی منہ پر ڈال لیتے تھے۔ اور کبھی گرمی سے گھبرا کر الٹ دیتے تھے۔ شدت مرض کی حالت یہ تھی کہ آپؐ عالم بے تابی میں کبھی ایک پاؤں پھیلاتے تھے اور کبھی دوسرا سمیٹتے تھے۔ ایسی حالت میں حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ نے زبانِ مبارک سے یہ الفاظ سنے کہ آپؐ بے تاب ہو کر ان کو دہرا رہے ہیں۔

لعن اللہ الیھود والنصارٰی اتخذوا قبور انبیاء ھم مساجد

یہود و نصاریٰ پر خدا کی لعنت ہو انہوں نے اپنے پیغمبروں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا۔

آخری فعل وفات سے کچھ دیر پہلے حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کے بھائی حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر الصدیق رضؓ خدمت اقدس میں آئے، تو تازہ مسواک ان کے ہاتھ میں تھی۔ آپؐ حضرت عائشہ صدیقہ رضؓ کی گود میں سر مبارک عائشہؓ کے سینہ سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔ آپؐ کی نظر مسواک پر پڑی جو حضرت عبدالرحمٰنؓ کے ہاتھ میں تھی۔ آپؐ نے مسواک پر نظر جما دی۔ حضرت عائشہ رضؓ سمجھ گئیں کہ مسواک فرمائیں گے۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ رضؓ نے بھائی سے مسواک لے کر دانتوں میں نرم کر کے پیشِ خدمتِ اقدس کی۔ آپؐ نے بالکل تندرستوں کی طرح مسواک فرمائی۔
دہانِ مبارک تو پہلے سے ہی طہارت کا سراپا تھا تاہم آخری وقت میں محبوب کی ملاقات کیلئے دائمی اور محبوب ترین سُنّتِ مسواک سے مشرف ہو کر دہانِ مبارک اور بھی مجلّا ہو گیا

آخری وصیت اب وفات شریفہ کا وقت قریب آرہا ہے سہ پہر ہو چکی تھی۔ سینۂ مبارک میں سانس کے اکھڑنے کی آواز محسوس ہوتی تھی۔ اتنے میں لب مبارک ہلے تو یہ الفاظ سنائی دیتے۔

الصلٰوۃ، الصلٰوۃ وما ملکت ایمانکم

نماز۔ نماز۔ اور تمہارے ماتحتوں کے حقوق۔

آخری کلمات اب نزع کا وقت تھا پاس پانی کا برتن رکھا ہُوا تھا اس میں آپ بار بار ہاتھ ڈالتے اور چہرہ انور پہ ملتے روئے انور کبھی سرخ ہو جاتا کبھی زرد پڑ جاتا۔ زبانِ مبارک آہستہ آہستہ ہل رہی تھی

لا الٰہ الا اللہ ان للموت لسکراتٍ

خدا کے سوا کوئی کارساز نہیں۔ موت کے لئے سختیاں ہیں۔

پھر آپؐ نے یک لخت ہاتھ اونچا کیا کہ گویا کہیں تشریف لے جارہے ہیں۔ اور انگلی سے اشارہ کیا اور زبانِ مقدس سے تین دفعہ یہ الفاظ نکلے۔

بل الرفیق الاعلیٰ۔ بل الرفیق الاعلیٰ۔ بل الرفیق الاعلیٰ

اب کسی کی ضرورت نہیں۔ صرف اسی کی رفاقت منظور ہے۔

یہ کہتے ہوئے تیسری آواز پر ہاتھ نیچے لٹک آئے اور آنکھوں کی پتلیاں اوپر کو اٹھ گئیں اور روحِ مطہرہ عالم قدس کو ہمیشہ کیلئے پرواز کر گئی انا لله وانا الیه راجعون ، اللّٰھم صل علیٰ سیدنا ومولٰنا محمد وعلیٰ اٰله واصحابه وبارك وسلم علیه

چونکہ اس کتاب کے ابواب بھی آٹھ (۸) ہیں۔ حیات النبی ؐ کی آخری جھلکیاں بھی آٹھ (۸) ہی ذکر کی گئیں ہیں۔

مدینہ منوّرہ میں اضطرابی کہرام

آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کی اچانک وفات کی خبر نے مدینہ منورہ کی آبادی کا نقشہ بدل دیا۔ حیرت وافسردگی سے سناٹا چھا گیا۔ مدینہ اور اسکی گلیاں عجیب سی ویرانگی کا منظر پیش کر رہی تھیں۔ مسلمانوں کے قدم لڑکھڑا گئے۔ چہرے بجھ گئے۔ دل صدمے کی تاب نہ لاتے ہوئے غم سے چھلک پڑے۔ آنکھوں سے آنسوؤں کی دھاریں تھیں جو تھمنے میں نہیں آتی تھیں۔ کئی صحابہ رض حیران وسرگرداں ہو کر آبادیوں سے نکل گئے، کوئی جنگل کی طرف نکل گیا۔ سراسیمگی کا یہ عالم تھا کہ جو بیٹھا تھا بیٹھا رہ گیا جو کھڑا تھا اس کو بیٹھنے کا دم نہیں رہا۔ حضرت عمر رض جیسے جری اور دلیر عقیدت مندوں کے ہوش اُڑ چکے ہیں۔ کسی طرح یقین نہیں آتا کہ حضورؐ نے اس دنیا کو الوداع کہا۔ چنانچہ غایت بے بسی سے نڈھال تلوار کھینچے ہوئے بڑے درد وجوش سے یہ اعلان کرتے ہیں کہ جو یہ کہیگا کہ آن حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی اس کا سر اڑا دوں گا۔ ادھر مسجد نبوی میں لوگوں کی عجیب کیفیت وحالت ہے۔ مسجد نبویؐ قیامت سے پہلے قیامت کا نمونہ پیش کر رہی ہے سوائے حضرت ابوبکر صدیق رض اور حضرت عباس رض کوئی اپنے ہوش وحواس کو تھام نہیں رہا۔ حضرت ابوبکر صدیق رض اس حالت میں تشریف لاکر چپ چاپ حجرۂ عائشہ رض

میں داخل ہو گئے یہاں رحمۃ للعلمین صلے اللہ علیہ وسلم ابدی نیند سو رہے ہیں اور
چار پائی پر میت جسد پاک چادر سے ڈھکی ہوئی پڑی ہے۔

داخل ہوتے ہی حضرت صدیق اکبرؓ نے چہرۂ اقدس سے کپڑا اٹھایا۔ پیشانی
مبارک پر بوسہ دیا۔ پھر چادر ڈھک کر آنسوؤں کی موسلا دھار بارش میں
رو کر کہا:

حضور پر میرے ماں باپ قربان۔ آپؐ کی زندگی بھی پاک تھی اور موت بھی
پاک ہے۔ واللہ! اب آپ پر دو موتیں وارد نہیں ہوں گی۔ اللہ نے جو موت
لکھ رکھی تھی آج آپؐ نے اس کا ذائقہ چکھ لیا۔ پھر ساتھ ہی یہ آیت پڑھی

اِنَّكَ مَيِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّيِّتُوْنَ

کہ بے شک آپؐ کو بھی مرنا ہے اور یہ لوگ بھی مریں گے

حجرۂ مقدسہ سے نکل کر مسجد نبوی میں حضرت صدیق اکبرؓ نے حضرت عمرؓ کو مخاطب
کرکے فرمایا۔ عمر! سنبھلو۔ اور ہوش میں آؤ۔ اور خاموش ہو جاؤ۔ اور حضرت
ابوبکرؓ نے نہایت دانش مندی سے حاضرین مسجد تمام صحابہ کرامؓ کے سامنے خطبہ دیا
حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اس جہان سے تشریف
لے جانا اور ہمیں داغ مفارقت دے جانا یقینی تھا۔

ایھا الناس! فمن کان یعبد محمدا فان محمدا قد مات ومن کان یعبد ربّ
محمد فان اللہ حیّ لا یموت

اے لوگو! تم سے جو شخص حضرت محمدؐ کی عبادت کرتا تھا وہ سمجھ لے کہ حضرت
محمدؐ آج وفات پا گئے۔ اور جو شخص ربّ محمدؐ کا پرستار تھا تو خدا زندہ ہے کبھی مرنگا نہیں
اسی کے ساتھ قرآن پاک کی یہ آیتیں بھی پڑھیں۔

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَاْئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ
عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ
اور نہیں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم مگر ایک رسول۔ ان سے پہلے بھی کئی رسول

گذر چکے ہیں۔ کیا اگر وہ مر جائیں یا شہید ہو جائیں تو تم دین سے برگشتہ ہو جاؤ گے۔ اور جو شخص برگشتہ ہو گیا اپنے دین سے وہ ہرگز خدا کا کچھ نہ بگاڑے گا۔ اور ان لوگوں کو جو شکر گذار رہیں گے عنقریب اللہ تعالیٰ صلہ عطا فرمائے گا۔

صدیق اکبرؓ نے یہ خطبہ اور آیتیں خاص یہ آیتیں اس درد و سوز سے پڑھکر سنائیں کہ لوگوں کی آنکھیں کھل گئیں اور اس ناگزیر واقعہ کا یقین آیا۔

حضرت عبداللہ جیسے جلیل القدر صحابی رضہ کہنے لگے کہ خدا کی قسم ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ آیت پہلے نازل ہی نہیں ہوئی تھی۔ آج ہی سن رہے ہیں۔

خود حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ سے یہ آیت سن کر میرے پاؤں گر گئے اور میں کھڑا نہیں رہ سکا۔ زمین پر گر پڑا۔ اور مجھ کو یقین آگیا کہ واقعی والیٔ دو جہاں صلے اللہ علیہ وسلم رحلت فرما گئے ہیں۔

حضرت فاطمہ رضہ غم سے نڈھال تھیں اور کہہ رہی تھیں

فلما مات قالت یا ابتاہ اجاب ربًّا دعاہ یا ابتاہ جنۃ الفردوس ماواہ یا ابتاہ الیٰ جبریل ننعاہ

پیارے باپؐ نے دعوتِ حق کو قبول کر لیا۔ اور فردوس بریں میں نزول فرمایا آہ! وہ کون ہے جو آج جبرائیل امین کو اس حادثۂ غم کی اطلاع کرے۔

آخری رسوماتِ تجہیز و تکفین

غسل کی خدمت خاص اعزہ و اقارب نے انجام دی۔ فضلؓ بن عباسؓ اور اسامہؓ بن زیدؓ پردہ تان کر کھڑے ہو گئے۔ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ غسل دینے لگے۔ تو انصارؓ نے دروازہ پر پہنچ کر اس درد انگیز لہجہ میں آواز دی، کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی آخری خدمت گزاری میں ہمارا حصّہ بھی ہے۔ خدا کے لئے ہمارے حقوق کا بھی خیال رکھئے۔ اس پر حضرت علیؓ نے اوسؓ بن خولی انصاری

کو جو اصحاب بدر میں سے تھے اندر بلالیا۔ وہ پانی کا گھڑا بھر کر لاتے تھے۔ حضرت علی رض نے جسم مبارک کو اپنے سے لگا رکھا تھا۔ حضرت عباس رض اور ان کے بڑے صاحبزادے جسم مبارک کی کروٹیں بدلتے تھے اور حضرت اسامہ رض بن زید رض اوپر سے پانی ڈالتے تھے۔ حضرت علی رض نے جسم اطہر پہ ہاتھ رکھا تو شکم مبارک سے باہر کچھ نہ نکلا۔ تو حضرت علی رض فرمانے لگے

صلی اللہ علیک لقد طبت حیًّا وَّمَیِّتًا

پیغمبر خدا! آپ پر خدا کی رحمت ہو۔ زندگی میں بھی آپ پاکیزہ تھے اور موت کے بعد بھی پاکیزہ رہے۔

درد و غم کی بہت سی پُر سوز باتیں ہیں مگر اسی پر اکتفا کر رہا ہوں۔

سرور کونین شہنشاہِ دوجہاں صلے اللہ علیہ وسلم کو آخری لباس (یعنی کفن) جو پہنایا گیا وہ تین سفید سوتی کپڑے تھے جن میں قمیص اور عمامہ نہ تھا۔

قبرِ مبارک

کچھ ابتدائی گفتگو کے بعد حضرت ابو بکر صدیق رض کے اس بیان پر کہ خود آں حضرت صلے اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے کہ نبیؑ جس مقام پر وفات پاتا ہے وہیں دفن بھی ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ اعزاز زمین و آسمان کی کائنات میں حضرت عائشہ صدیقہ رض کے حجرۂ مقدسہ کو نصیب ہوا کہ نبی کریم صلے اللہ علیہ وسلم کی آخری آرامگاہ بنا اور قیامت کے دن حشر کے وقت اس پاک حجرہ سے ایک نبیؑ اور اس کے دائیں بائیں صدیق رض اور شہید رض اٹھیں گے۔

قبر کھودنے میں مدینہ منورہ میں دو شخص ماہر تھے (۱) حضرت ابو عبیدہ رض بن الجراح اور (۲) حضرت ابو طلحہ رض۔ حضرت ابو عبیدہ رض اہلِ مکّہ کے دستور کے مطابق صندقی قبر کھودتے تھے۔ اور ابو طلحہ رض مدینہ کے رواج کے مطابق بغلی یعنی لحدی قبر کھودتے

یہ خیال ہؤا کہ کس قسم کی قبر کھودی جاوے۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ اختلاف مناسب نہیں دونوں صاحبوں کے پاس آدمی بھیجا جائے جو بھی پہلے آجائے وہ اپنی طرز کی قبر کھودے۔ اس بات کو بہت پسند کیا گیا۔ اور حضرت عباس رضؓ نے دونوں صاحبوں کی طرف آدمی بھیجے۔ اتفاق کی بات ہے کہ حضرت ابو عبیدہؓ گھر پر موجود نہ تھے اور حضرت ابوطلحہؓ آئے اور انہوں نے مدینہ کے دستور کے مطابق لحدی قبر کھودی

اب ہر قسم کی تیاری مکمل ہو چکی تھی تو اہلِ ایمان نماز کے لئے ٹوٹ پڑے۔ جنازہ چونکہ حجرہ کے اندر ہی تھا۔ اس واسطے باری باری جماعتوں کی شکل میں لوگ اندر جاتے اور نماز جنازہ ادا کر کے باہر نکل آتے تھے۔ لیکن اس نماز میں کوئی امام نہیں تھا۔ پہلے کنبہ والوں نے جنازہ پڑھا۔ پھر مہاجرین نے۔ پھر انصار نے۔ مردوں نے الگ پڑھا اور عورتوں نے اور بچوں نے الگ الگ پڑھا یہ سلسلہ کافی دیر دن رات برابر جاری رہا۔

اس کے بعد جسم اطہر کو حضرت علیؓ، فضلؓ بن عباسؓ، اسامہؓ بن زیدؓ اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوفؓ نے قبر میں اتارا۔ اور آخر اس نبوت کے اس آخری تاجدار، ہدایت کے چاند، اور دینِ اسلام کے سورج اور منبع اسرار و حکمت، اور شریعت و طریقت کے گلزار کو اہلِ دنیا کی نگاہوں سے اوجھل کر دیا انا ﷲ وانا الیہ راجعون

اس پرسوز اور دل گداز حالت کا کتنا عجیب نقشہ حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا نے ان الفاظ میں کھینچا ہے۔

فلما دفن قالت فاطمۃ رضی اللہ عنھا اطابت انفسکم ان تحثوا علی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم التراب (صحیح بخاری)

دفن کئے جانے کے بعد حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے کہا کہ تم لوگوں کے دلوں نے کیسے گوارا کر لیا کہ تم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم پر اپنے ہاتھوں سے مٹی ڈالو۔ (اس سلسلہ کی اکثر روایات بخاری و مسلم کی ہیں)

فرمایا کہ ابوبکرؓ کو کہو کہ نماز پڑھائیں۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کی کہ حضورؐ! کسی اور کو ارشاد فرمائیں۔ حضرت عمرؓ بہت مضبوط دل والے ہیں انہیں حکم دیں کہ نماز پڑھائیں ابوبکرؓ نہایت رقیق القلب نرم دل کے آدمی ہیں۔ آپؐ کی جگہ کھڑے ہو کر نماز نہیں پڑھا سکیں گے۔ آپؐ نے حکم دیا کہ کہو ابوبکرؓ کو نماز پڑھائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اصراری حکم پہ کہ نہیں، نہیں، نہیں ابوبکر ہی نماز پڑھائیں تو آپؐ کی حیاتِ طیبہ کے باقی غالباً تین دنوں میں حضرت ابوبکرؓ ہی نماز پڑھاتے رہے۔

یہ تھا امامت کا حقدار جس کو پیغمبرؐ خدا نے خود اپنے حکم سے امامت پر مقرر فرمایا اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا منبر مبارک تو چند روز پہلے ہی خالی ہو چکا تھا، آج رسول اللہ م کا مصلےؐ بھی خالی ہو گیا۔

اگرچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ مصلےٰ نبوت پر کھڑے ہوئے تو لڑکھڑا گئے اور صحابہؓ پر بے چینی کے عالم کا منظر تھا، تاہم رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق اور اللہ تعالیٰ کی توفیق و مدد کے ساتھ یہ مشکل ترین گھڑی بھی گزر گئی اور اس طرح حیاتِ نبوی میں صدیقِ اکبر نے سترہ (۱۷) نمازیں پڑھائیں۔

آخری خطبہ

مزاجِ اقدس صلے اللہ علیہ وسلم میں کچھ سکون ہوا تو آپؐ پتھر کے ایک ٹب میں بیٹھ گئے اور سر مبارک پر پانی کی سات مشکیں ڈلوائیں۔ طبیعت میں تسکین پیدا ہو گئی تو حضرت علیؓ اور عباسؓ کے درمیان سہارا لئے ہوئے مسجد میں تشریف لائے۔ جماعت کھڑی ہو چکی تھی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے۔ حضرت ابوبکرؓ نے مصلےؐ سے پیچھے ہٹنا چاہا مگر آپؐ نے دستِ مبارک سے اشارہ فرما کر روک دیا اور آپؐ ابوبکرؓ کے پہلو میں برابر بیٹھ گئے اور نماز ادا فرمائی۔ نماز کے بعد آن حضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ دیا جو آپؐ کی زندگی کا سب سے آخری خطبہ تھا۔ ارشاد فرمایا کہ

"مسلمانو! تم سے پہلے قوم گذر چکی ہے جس نے اپنے انبیاءؑ اور صلحاءؒ کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا۔ تم ایسا نہ کرنا۔ میری قبر کو میرے بعد پوجا گاہ اور سجدہ گاہ نہ بنا لینا

صدارتی ایوارڈ یافتہ کتاب

سیرۃ "سیّد المرسلینؐ" کا مطالعاتی جائزہ

یہ مضمون کتاب کو ایوارڈ ملنے کی تقریب میں پڑھا گیا

سیرت کا مفہوم اخلاق و کردار سے عبارت ہے اور منشاء خداوندی بھی یہی ہے کہ انسانیت کے اخلاق و عادات اور اطوار و کردار اسقدر پاکیزہ ہوں کہ وہ فی الواقع مسجود ملائک ہونے کا سزاوار ٹھہرے۔ یہی وجہ ہے کہ دین فطرت اسی وقت انسانوں پر ظہور کیا جاتا ہے جب انسان سیرت و کردار اور اخلاق حسنہ سے دور ہٹ جاتا ہے اور بے راہ روی پر کمر بستہ ہو کر ضلالتوں، گمراہیوں اور بدکرداری کی دلدل میں پھنس کر رہ جاتا ہے چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ بعثت نبویؐ سے قبل عرب کا بزعم خود سردار معاشرہ پستیوں کا شکار تھا۔ اخلاقی اقدار پامال ہو رہی تھیں اور شرافت و سیرت منہ چھپاتے نوحہ کناں تھیں بت پرستی عام تھی ظلم و وحشت، قتل و غارت گری، بدکاری، جوابازی اور شراب نوشی شرفاء عرب میں رچ بس چکی تھیں۔ دختر کشی کی لعنت ان کا طرّہ امتیاز تھی۔ اور اسی معاشرہ کا مریض جسم تمام تر معاشرتی اور اخلاقی بیماریوں کا ڈھانچہ بن چکا تھا۔ حتیٰ کہ انسانیت کا وقار خود انسان کے ہاتھوں لٹ رہا تھا بڑی مچھلی چھوٹی مچھلی کو شیر مادر جان کر ہضم کرنے پر آمادہ تھی غرضیکہ۔

ے وہی انسان جسے سرتاج مخلوقات ہونا تھا + وہی اب سی رہا ہے اپنی عظمت کا کفن ساقی

کا سماں تھا بایں ہمہ ضلالت و گمراہی کے گڑھے میں پڑے ہوئے لوگ اپنے افعال قبیحہ پر نادم نہ تھے بلکہ نازاں و فرحاں تھے اور کہتے تھے کہ ہم دنیا تے تہذیب و تمدّن کے امام ہیں ہم مہذب اقوام کے سرخیل ہیں اور ہم خداوند قدوس کے پسندیدہ و محبوب بندے ہیں۔ بلکہ یہود و نصاریٰ کا تو یہ دعویٰ تھا کہ وہ خدا کے بیٹے جانشین اور محبوب ہیں۔

چنانچہ آنحضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث کیا گیا آپؐ نے مخلوق کو مخلوق کی عبادت سے ہٹا کر خالق کائنات کے دَر پر جھکایا اور عقیدہ توحید کے بعد سب سے زیادہ جس اَمر کو فوقیت

وہی وہ اخلاق و کردار کی رفعت تھی دین اسلام کا احیاء ہوتے ہی ایک ایسا جامع نظام اخلاق و سیرت منصہ شہود پر آیا کہ دنیا کی حالت یکسر بدل گئی یہ بات بھی وثوق سے کہی جاسکتی ہے کہ توحید کا مقصود یہ ہے کہ ہم خالق ارض وسما کو اپنا مالک و مختار مان کر اور اس کی شاہی کا اعتراف کر کے اس کے قانون کو عملی زندگی میں اختیار کریں تاکہ قوانین فطرت پر چلتے ہوئے ہم برائی سے محفوظ رہیں اور نیکی کے خوگر ہوسکیں کیونکہ جب اللہ تعالیٰ کی ہی حاکمیت اعلیٰ کا تصور ہمارے دلوں میں جاگزیں ہو گا۔ تو ہم اس کے احکامات سے سرتابی کی جرأت تک نہ کرسکیں گے۔ منکرات سے اپنا دامن بچائیں گے اور نیکی کی طرف راغب ہوں گے۔ اور یہیں سے سیرۃ و کردار کی سرحدیں شروع ہوتی ہیں کہ ہم اپنا دامن غلاظتوں اور برائی کی آلائشوں سے محفوظ و مامون رکھ کر اخلاق حسنہ کو اپنائیں کیونکہ اسلام کی بلند و بالا اور رفیع الشان عمارت کی بنیاد اور اساس اخلاق و سیرۃ پر استوار ہے اور اگر بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو عبادت الٰہی بھی ایک لحاظ سے سیرۃ و اخلاق پر مبنی نظر آتی ہے کہ جس قادر مطلق نے ہمیں پیدا کیا اشرف المخلوقات قرار دیا اور ہماری زندگی کی بقا کے لئے ان گنت اور بیشمار نعمتیں عنایت فرمائیں۔ اس کی عظمت کا اعتراف ہمارا اخلاقی فرض ہے اور عظمت کے اسی اعتراف کا نام ہی عبادت ہے۔ حضور اکرمؐ نے بھی اپنے مکارم حسنہ اور اخلاق رفیعہ کی بدولت اسلام کا بول بالا کیا۔ اور اس کے لئے یہ طریقہ اختیار فرمایا کہ خود دیکھ لے اور اس پیکر اخلاق کے سانچے میں ڈھل جائے۔ اور دنیا نے دیکھا کہ جس نے بھی سیرۃ طیبہ کے حوالہ سے اپنی زندگی کو بدلا وہ بلندی کردار کے اعلیٰ مقام تک جا پہنچا یہ حضرت محمد مصطفےٰ کی سیرۃ طیبہ اور اخلاق حسنہ کا معجزہ تھا کہ آپ کی تعلیمات سے فیض یافتہ مسلمان جذبہ جہاد سے سرشار تھے اور شمع اسلام کی حفاظت کے لئے سر اُمنڈتے سیلاب و طوفان کا مقابلہ سینہ سپر ہو کر کرنے کے خوگر تھے۔

ؔ باوجودیکہ پر و بال نہ تھے آدم کے + وہاں پہنچا کہ فرشتوں کو بھی مقدور نہ تھا

عیش و نشاط پادشاہی جلال امراء و سلاطین کے ٹھاٹھ باٹھ اور دولت مند دل کے سامان آرائش ان کی نگاہوں میں بچوں کا کھیل تھا۔ اور ان کی نگاہوں میں ان چیزوں کی کوئی وقعت

نہ تھی اور قیصر و کسریٰ ان کے سامنے خس و خاشاک تھے لیکن ۔ ؎

واے ناکامی متاعِ کارواں جاتا رہا + کارواں کے دل سے احساسِ زیاں جاتا رہا

بد قسمتی سے یہ تصویر ایک بار پھر بدل گئی جہاد فی سبیل اللہ اور حمیّت دین کا جذبہ ختم ہو کر رہ گیا مسلمانوں کا وہ جنون جو آقائے ختم الرسل ؐ کی پاکیزہ تعلیمات سے وجود میں آیا تھا اور جس سے عقل و حکمت کا چشمہ پھوٹا تھا۔ یہ عاقلانہ اور حکیمانہ جنون ناقص اور بیمار عقلیت میں تبدیل ہو کر رہ گیا۔ تقویٰ و دیانت داری خواب بن کر رہ گئے۔ اور مسلمان اپنے ہادیٔ برحق کی تعلیمات سے بیگانہ ہو کر جہالت و تباہی کے گڑھے میں جا گرا مگر ان حالات کے باوجود مسلمان کا مرض لاعلاج نہیں ہے ۔ ؎

دلِ مردہ دل نہیں ہے اسے زندہ کر دوبارہ + کہ یہی ہے اُمتوں کے مرضِ کہن کا چارہ

آنحضور اکرم ؐ کی سیرت طیبہ ایک ایسی مشعل ہے جو آج بھی مُردہ دلوں میں زندگی کی لہریں پیدا کرتی ہے اور تا ابد یہ روشن و تابناک مشعل خدائے لم یزل کی طرف سے ودیعت کردہ اپنی اس خصوصیت کے ساتھ تابندہ رہے گی۔ صرف آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاقِ کریمہ اور سیرۃ مُبارکہ ہی ایک ایسی راہِ ہدایت ہے جس پر عمل پیرا ہو کر سسکتی اور دم توڑتی ہوئی انسانیت زندگی حاصل کر سکتی ہے اور اسی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ممتاز عالمِ دین اور جمعیۃ اشاعت التوحید والسنۃ ملتان ڈویژن کے امیر مولانا حافظ عبد المجید شاکر چغتائی ؒ نے سیرت طیبہ پر ایک کتاب موسوم " سیرت سید المرسلین " تصنیف کی جس میں انہوں نے اپنی علمی بصیرت کے تحت ممکنہ حد تک سیرۃ مطہرہ کے بیشتر گوشوں اور پہلوؤں پر سیر حاصل تبصرہ کیا ہے ۔ زیرِ نظر کتاب حسبِ ذیل آٹھ ابواب پر مشتمل ہے ۔

(۱) ضرورت رسالت (۲) منصب رسالت (۳) بشریت و رسالت (۴) وحی اور علم غیب
(۵) دعوت و تبلیغ (۶) معجزات النبیؐ (۷) معمولات النبیؐ (۸) وفات النبیؐ ۔

اور ابواب کی ترتیب مصنفِ کتاب کی توجیہہ کے مطابق یوں ہے کہ نجات دارین اور جنت کے داخلہ کا انحصار ایمانِ کامل اور سرورِ کائنات، فخرِ موجودات صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور اتباع پر ہے۔ جنت کے آٹھ دروازے ہیں اور اسی نسبت سے اس کتاب کو بھی آٹھ

ابواب پر تقسیم کیا گیا ہے اور ابواب کی اسی تقسیم نے ہی اس کتاب کو قبل ازیں سیرۃ طیبہ پر دوسری لکھی جانے والی کتب سے ممتاز کر دیا ہے کہ ہر باب، باب زرّیں ہے اور مصنّف نے سادہ اور سلیس رواں زبان میں انتہائی وفصاحت وبلاغت سے متعلقہ موضوع کو سمجھانے کا فرض نبھایا ہے ۔کتاب کی سلاست وبلاغت قاری کو مجبور کر دیتی ہے کہ وہ مفہوم کی گہرائی میں ڈوب کر عبارت کے ساتھ ساتھ چلے اور یہی ایک مصنّف کی کامیابی کی دلیل ہوتی ہے۔ جس طرح مصنّفِ کتاب مولانا عبدالمجیدؒ شاکر کو ان کی توحیدِ الٰہی کے ساتھ شیفتگی عشقِ رسول، سنتِ حبیبِ خدا کے ساتھ محبّت سیرۃ و صُورت، لباس وطعام میں سنّت کے مطابق سادگی اور معاشی طور پر کسبِ حلال اور دینی و ملی خدمات کے بے پناہ جذبہ و ایثار نے زمرۂ علماء میں ممتاز کیا ہے ۔اسی طرح ان کی تصنیفات کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت بخشا ہے ۔ ۔

ایں سعادت بزورِ بازو نیست + تانہ بخشد خدائے بخشندہ

صاحبِ کتاب نے عصمتِ انبیاء، معجزات النبیؐ اور معمولات النبیؐ اور وفات النبیؐ کے اہم اور وقیع موضوعات کو جس علمی استعداد سے صفحۂ قرطاس پر منتقل کیا ہے وہ صرف انہی کا ہی حصّہ اور باعثِ سعادت ہے جو بہرکیف کتاب کے عمیق مطالعہ سے ہی تعلق رکھتے ہیں یہ امر بھی قابلِ ذکر ہے کہ سیرتِ مبارکہ کے موضوع پر اس سے پہلے تحریر کی جانیوالی بیشتر کتب میں آنحضور اکرمؐ کے وصالِ مبارک کے حالات اور وفات النبیؐ سے متعلقہ حالات و واقعات اور حقائق کو عمداً یا کسی مصلحت کے تابع نظر انداز کیا گیا ہے لیکن مولانا شاکرؒ نے اس موضوع کو بھی تشنہ نہ چھوڑا بلکہ اس وقیع موضوع پر بصیرت افروز مقالہ شاملِ کتاب کر کے اس کمی کو بھی کماحقہٗ پورا کر دیا ہے۔ یہ حقیقت اظہر من الشمس ہے کہ آنحضور اکرمؐ ایک جامع اور مکمل و اکمل انسان تھے اور اسی نکتے پوری انسانیت کے لئے آپکی زندگی کا ہر مبارک قول اور فعل مشعلِ راہ، راہِ نجات، اسوۂ حسنہ اور نمونہ کامل ہے ۔اور اسی حقیقت کے پیشِ نظر مصنفِ کتاب نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری حیاتِ طیبہ میں مختلف حیثیتوں پر بحث کی ہے بہرکیف یہ کتاب کتبِ سیرۃ میں ایک شاندار اضافہ ہے جو قارئین کیلئے دعوتِ عمل اور مصنّف کیلئے خزینۂ آخرت کا درجہ رکھتی ہے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حکومتِ پاکستان

وزارتِ امورِ مذہبیہ

اسلام آباد

تاریخ ۱۲ ربیع الاول ۱۴۰۲ھ / ۱۹۸۲ء

نمبر (۱۲) اے ڈی سیرت ایوارڈ

سندِ امتیاز

نہایت مسرت سے تصدیق کی جاتی ہے کہ جناب حافظ عبدالمجید شاکر چغتائی کی تالیف کردہ کتاب سید المرسلین ؐ بزبان اردو کتب سیرت النبی ؐ کے قومی مقابلہ برائے سال ۱۴۰۱ھ میں اول انعام کی مستحق قرار پائی اور مؤلف موصوف کو مبلغ دس ہزار روپے حکومتِ پاکستان کی طرف سے بطورِ انعام دیئے گئے۔

سیکرٹری

وزارتِ امورِ مذہبیہ حکومتِ پاکستان